







سلسلہ ناموران اسلام

نمبر دوم

# انفادوت

یعنی حضرت سرمنی اللہ عنہ کی مفصل سوانح عمری

مؤلفہ

جناب شمس العلماء مولانا شبلی نعمانی

پروفیسر مدرستہ العلوم علی گڑھ فیلیو یونیورسٹی الہ آباد

محمد حمت اللہ رحمد کے

امام حسن علیہ السلام کی سوانح

۱۹۹۹ء



# فہرست مضامین حصہ اول الفاروق

صفحہ نمبر	مضمون	صفحہ نمبر	مضمون	صفحہ نمبر
۱۹	اصول درایت کے بوجہ اتفاقات کی	۱۹	دیباچہ از صفحہ ۲ تا صفحہ ۳۳	
۲۰	متن کے مراتب	۲۰	۱ متعید	
۲۱	تاریخ کا طرز تحریر	۲۱	۲ تاریخ کا عنصر ہر قوم میں موجود ہوتا ہے۔	
۲۲	تاریخ اور انتشار داری کا فرق	۲۲	۳ عرب کی خصوصیت	
۲۳	یورپ کی بے اعتدالی سے احتراز	۲۳	۴ عرب میں تاریخ کی ابتدا	
۲۴	ترتیب کتاب کے متعلق چند امور قابل لحاظ	۲۴	۵ سیرت نبوی میں سب سے پہلی تصنیف	
	حضرت عمر کا نام و نسب - سن رشد و تربیت	۲۴	۶ قدیم تاریخین	
	از صفحہ ۳۳ تا صفحہ ۳۴	۲۴	۷ قدما کی جو تصنیفات آج موجود ہیں	
۲۴	حضرت عمر کے جدا مجد اور ان کو جو مرتبہ	۲۴	۸ متاخرین کا دور	
۲۵	حاصل تھا	۲۵	۹ متاخرین نے قدما کی خصوصیتیں چھوڑ دیں	
۲۶	حضرت عمر کے برادر عمر زاد فرید	۲۶	۱۰ تاریخ کی قرینیت	
۲۷	حضرت عمر کے والدہ خطاب	۲۷	۱۱ تاریخ کے لئے کیا چیزیں لازم ہیں	
۲۸	حضرت عمر کی ولادت	۲۸	۱۲ قدیم تاریخوں کے نقص اور ان کے اسباب	
۲۹	سن رشد	۲۹	۱۳ واقعات کی صحت کا معیار	
۳۰	نسب دانہ کی تعلیم	۳۰	۱۴ روایت	
۳۱	فرن پہلوانی کی تعلیم	۳۱	۱۵ درایت	
۳۲	شمسوری کی تعلیم تغیر ہونا	۳۲	۱۶ افادہ و فن میں قدیم تاریخوں کی کمی کس طرح	
۳۳	لکھنے کی تعلیم	۳۳	۱۷ پوری کی گئی	
۳۴	فکر معاش	۳۴	۱۸ درایت کے اصول جن سے افادہ و فن	
۳۵	تجارت کے لئے سفر	۳۵	۱۹ بین کام لیا گیا	
۳۶	قبول اسلام از صفحہ ۳۴ تا صفحہ ۳۵	۳۶	۲۰ مولد ایک جن امور کا پتہ لگ سکتا ہے	



صفحہ نمبر	مضمون	صفحہ نمبر	صفحہ نمبر	مضمون	صفحہ نمبر
۶۴	تبلیغ اسلام کے لئے ناموران عرب کی فوج	۹۷	۱۲۳	خزائن شیردان کی عجیب و غریب ایکواریں	۱۲۳
۶۵	یزدگرد کے ساتھ سفر اسلام کا	۹۸	۱۲۴	جلو لاہ ۱۲۴ء	۱۲۴
۶۶	سوال و جواب	۱۰۱	۱۲۵	فتوحات شام صفحہ ۱۲۴	۱۲۵
۶۷	ربیع کا سفیر نیکرہ ستم کے پاس جانا۔	۱۰۲	۱۲۶	شام کی شکر کشی کے ابتدائی حالات۔	۱۲۶
۶۸	مغیرہ کی سفارت۔	۱۰۳	۱۲۷	فتح دمشق از صفحہ ۱۲۵ تا صفحہ ۱۲۶	۱۲۷
۶۹	فادیسہ کی جنگ و فتح محرم ۱۲۴ء از صفحہ ۱۰۲ تا صفحہ ۱۲۳	۱۰۴	۱۲۸	حضرت خالد کا عجیب و غریب بہادری	۱۲۸
۷۰	فوج کی ترتیب۔	۱۰۵	۱۲۹	سے شہر شاہ پر چڑھنا۔	۱۲۹
۷۱	فوج کے جوش دلانے کے لئے فضیحا	۱۰۶	۱۳۰	فصل - ذوقندہ ۱۲۴ء از صفحہ ۱۲۷ تا صفحہ ۱۳۰	۱۳۰
۷۲	عرب کی آتش زبانی۔	۱۰۷	۱۳۱	حضرت معاویہ بن جہل کی سفارت۔	۱۳۱
۷۳	ابرجن ثقیفی کا ایک پرجوش واقعہ۔	۱۰۸	۱۳۲	محرم ۱۲۴ء از صفحہ ۱۳۱ تا صفحہ ۱۳۲	۱۳۲
۷۴	ایک عورت کا اپنے بیٹوں کو اپنی پرنور	۱۰۹	۱۳۳	۸۷ حماة وغزوہ کی فتح۔	۱۳۳
۷۵	تقریر سے جوش دلانا۔	۱۱۰	۱۳۴	۸۸ لازقہ کی فتح کی ایک عجیب و غریب ہیر۔	۱۳۴
۷۶	اخیر معرکہ۔	۱۱۱	۱۳۵	۸۹ جزیرہ کے متعلق نہایت قیمتی خبر و احوال۔	۱۳۵
۷۷	رستم کا مارا جانا۔	۱۱۲	۱۳۶	۹۰ ایک عیسائی قاصد کا مسلمان ہو جانا۔	۱۳۶
۷۸	فردوسی کی غلط بیانی کا اظہار۔	۱۱۳	۱۳۷	۹۱ خالد کا سفیر نیکرہ جانا۔	۱۳۷
۷۹	سعد و قاص پر لوگوں کا طعن۔	۱۱۴	۱۳۸	۸۸ ذبیحوں کے ساتھ مراعات کی ایک عجیب	۱۳۸
۸۰	انتظار فتح میں حضرت عمر کی بیباکی۔	۱۱۵	۱۳۹	۸۹ جزیرہ کے متعلق نہایت قیمتی خبر و احوال۔	۱۳۹
۸۱	بابل کی فتح۔	۱۱۶	۱۴۰	۹۰ ایک عیسائی قاصد کا مسلمان ہو جانا۔	۱۴۰
۸۲	مدین کی فتح۔	۱۱۷	۱۴۱	۹۱ خالد کا سفیر نیکرہ جانا۔	۱۴۱
۸۳	اسلامی فوج کا عجیب و غریب بہادری	۱۱۸	۱۴۲	۸۸ ذبیحوں کے ساتھ مراعات کی ایک عجیب	۱۴۲
۸۴	سے دریا کا عبور کرنا۔	۱۱۹	۱۴۳	۸۹ جزیرہ کے متعلق نہایت قیمتی خبر و احوال۔	۱۴۳
۸۵	ایوان کسرے کی تصویر دن کا قائم رکھنا۔	۱۲۰	۱۴۴	۹۰ ایک عیسائی قاصد کا مسلمان ہو جانا۔	۱۴۴

صفحہ نمبر	مضمون	صفحہ نمبر	مضمون
۱۵۸	عیسائیوں کی ہر طرف سے حملہ آوری۔	۱۳۴	خالد بن ولید کی تقریر۔
"	حضرت عمرؓ کا ہر طرف سے فوجوں کو بھیجنا۔	۱۳۵	حضرت خالدؓ کا نئے قاعدے سے فوج کوڑنا۔
"	حضرت عمرؓ کا خود دشمن کو روانہ ہونا۔	"	خطیبوں کا فوج کو جوش دلانا۔
۱۵۹	عیسائیوں کی شکست۔	۱۳۶	عورتوں کا لڑنا۔
حضرت خالدؓ کا معزول ہونا از صفحہ ۱۶۰ تا صفحہ ۱۶۲		"	عیسائیوں کا حملہ۔
		۱۳۷	معاذ بن جبل وغیرہ کی عجمیت ثابت قدمی۔
		۱۳۸	خالد بن ولید اور عکرمہ کا حملہ۔
		۱۳۹	مسلمان افسروں کی دیری اور ثابت قدمی۔
۱۶۰	حضرت خالد بن ولید کے متعلق تمام مورخوں کی غلطی۔	۱۴۰	ایک عجیب واقعہ۔
"	معزول کے اصلی اسباب۔	۱۴۱	عیسائیوں کی شکست اور ان کے مقبولین کی تعداد۔
۱۶۱	معزول کی پراثر کیفیت۔	۱۴۲	قیصر کا قسطنطنیہ کو بھاگنا۔
۱۶۲	حضرت عمرؓ کا یہ شہر کرنا کہ خالد بن ولید کی غزویہ نیابت وغیرہ کی وجہ سے نہ تھی۔	۱۴۳	حلب کی فتح۔
عمواس کی وبا سید ۱۶۳ تا صفحہ ۱۶۵		"	الطاحیہ وغیرہ کی فتح۔
		بیت المقدس سید ۱۶۴ از صفحہ ۱۵۳ تا صفحہ ۱۵۵	
		۱۵۴	حضرت عمرؓ کا بیت المقدس کو روانہ ہونا۔
		"	حضرت عمرؓ کے سفر کی سادگی۔
۱۶۳	مقررین ہونا۔	۱۵۵	حضرت عمرؓ کا بیت المقدس میں داخلہ۔
۱۶۴	معاذ بن جبل کی وفات۔	۱۵۶	حضرت بلالؓ کا نماز کے وقت اذان دینا۔
"	عمر بن عاص کی حسن تدبیر۔	"	منحرفہ کے ساتھ حضرت عمرؓ کا برتاؤ۔
۱۶۵	حضرت عمرؓ کا حضرت علیؓ کو اپنا قائم مقام کر کے شام کو روانہ ہونا۔	محض پر عیسائیوں کی دوبارہ کوشش سید ۱۶۵ از صفحہ ۱۵۵ تا صفحہ ۱۵۹	
"	سفر کی سادگی۔		



صفحہ نمبر	مضمون	صفحہ نمبر	مضمون
۱۹۹	عبادہ ابن صاریت کا سپہ سالار بن کر حاکم کرنا۔	۱۹۰	سیستان ۲۳ صفحہ ۱۹۰
۲۰۰	قاصد کا حضرت عمرؓ کے پاس پیغام فتح لیکر جانا۔	۱۹۱	سباہ کے کی پابندی کی ایک عجیب مثال۔
۲۰۱	حضرت عمرؓ کا ایران جنگ کو اختیار دینا کہ جس نرہب کو جابین قبول کریں۔	۱۹۲	مکران ۲۳ صفحہ ۱۹۰
	حضرت عمرؓ کی شہادت ۲۶ ذوالحجہ ۳۳ھ مطابق ۶۴۴ء از صفحہ ۲۰۲ تا صفحہ ۲۰۶	۱۹۳	خراسان کی فتح اور یزدگرد کی ہزیمت ۲۳ صفحہ ۱۹۱ تا صفحہ ۱۹۶
۲۰۳	کل موت خلافت ۱۰ برس ۶ مہینہ چار دن)	۱۹۴	یزدگرد کا خاقان چین سے مدد طلب کرنا۔
۲۰۴	حضرت عمرؓ کا حضرت عائشہؓ سے اجازت طلب کرنا کہ رسول اللہؐ کے پہلو میں دفن کیے جائیں۔	۱۹۵	خاقان چین کی مدد سے یزدگرد کا مسلمانوں کے ساتھ معرکہ آرا ہونا۔
۲۰۵	خلافت کے انتخاب میں حضرت عمرؓ کا تردد اور اس کا سبب۔	۱۹۶	یزدگرد کی ہزیمت۔
۲۰۶	خلافت کے معاملے میں حضرت عمرؓ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی گفتگو۔	۱۹۷	مصر کی فتح ۲۲ صفحہ ۱۹۳ تا صفحہ ۱۹۶
۲۰۷	حضرت عمرؓ کا حضرت علیؓ کو سب سے بڑھ کر مستحق خلافت سمجھنا۔	۱۹۸	۱۵۶ نشاط کا محاصرہ۔
۲۰۸	حضرت عمرؓ کی وفات کے وقت کی وصیتیں۔	۱۹۹	۱۵۷ حضرت زبیرؓ کی جانبازی اور نشاط کی فتح۔
۲۰۹	غیر مذہب والوں کے ساتھ ہمدردی۔	۲۰۰	۱۵۸ عمر بن عاص اور عیسیٰ یون کی پہلی عین۔
۲۱۰	حضرت عمرؓ کے قرضہ کا بندوبست۔	۲۰۱	اسکندریہ کی فتح ۲۱ صفحہ ۱۹۶ تا صفحہ ۲۰۲
		۲۰۲	۱۵۹ قبطیوں کا مسلمانوں کو مرد دینا۔
		۲۰۳	۱۶۰ اسلامی فوج کا قلعہ میں گھسنا۔
		۲۰۴	۱۶۱ عمرو بن عاص کا قلعہ ہو جانا اور حرکت علی سے بچ کر نکل آنا۔



# فہرست مضامین حصہ دوم الفاروق

صفحہ نمبر	مضمون	صفحہ نمبر	مضمون	صفحہ نمبر
۱۸	حکومت میں عام رعایا کی مرطیت۔	۱۴	فتوحات پر ایک اجمالی نگاہ ۱۲ صفحہ	
۱۹	خلیفہ کا عام حقوق میں سب کے ساتھ مساوی ہونا۔	۱۵	۲ تا صفحہ ۱۲	
۲۱	حضرت عمرؓ نے ملکی انتظامات کے الگ الگ صیفے قائم کئے۔	۱۶	۱ فتوحات فاروقی کی وسعت۔	۲
			۲ فتح کے اسباب یورپین مورخین کی رائے کے موافق۔	۲
			۳ یورپین مورخوں کی رائے کی غلطی۔	۳
			۴ فتوحات کے اصلی اسباب۔	۴
			۵ سکندر وغیرہ کی فتوحات کا موازنہ۔	۵
			۶ فتوحات میں حضرت عمرؓ کا اختصاص۔	۶
			نظام حکومت ۱۲ تا صفحہ ۲۲	
۲۳ و ۲۴	حضرت عمرؓ کے مقرر کردہ صوبے۔	۱۶	۶ حضرت عمرؓ کی حکومت شخصی تھی یا جمہوری۔	۱۲
۲۴	نوشیروانی عہد کے صوبے۔	۱۸	۸ جمہوری اور شخصی سلطنت کا موازنہ۔	۱۳
۲۵	صوبوں کے افسر۔	۱۹	۹ عرب و فارس وغیرہ میں جمہوری حکومت نہ تھی۔	۱۴
	عہدہ داروں کے انتخاب میں حضرت عمرؓ کی جوہر شناسی۔	۲۰	۱۰ حضرت عمرؓ کی خلافت میں مجلس شوریٰ کو نسل۔	۱۵
۲۶ و ۲۷	عہدہ داروں کے مقرر کر کے یہ مجلس شوریٰ تنخواہ کا معاملہ۔	۲۱	۱۱ مجلس شوریٰ کے ارکان اور اسکے انعقاد کا طریقہ۔	۱۶
۲۹	عالموں کے فرامین میں ان کے فرائض۔	۲۲	۱۲ مجلس شوریٰ کے جلسے۔	۱۷
۳۰	عالموں سے جن باتوں کا عہد لیا جاتا تھا۔	۲۳	۱۳ ایک اور مجلس۔	۱۸
۳۱	عالموں کے مال و اسباب کی فہرست۔	۲۴		
۳۲	زمانہ حج میں تمام عالموں کی طلبی۔	۲۵		
۳۳	عالموں کی تنبیہ۔	۲۶		
۳۴	عالموں کی تحقیقات۔	۲۷		
۳۵	عالموں کی تحقیقات کے لیے کمیشن۔	۲۸		

صفحہ نمبر	مضمون	صفحہ نمبر	مضمون	صفحہ نمبر
۳۰	عالموں کے ناجائز افعال پر نہایت سختی کے ساتھ گرفت۔	۳۶	مصر میں فرعون کے زمانے کے قواعد لکڑی۔	۳۷
۳۱	عاطون کی فخر ہو گا بیش قرار ہوا۔	۳۷	رومیوں کا اضافہ۔	۳۷
۳۲	عالمان فاروقی کی فہرست۔	۳۸	حضرت عمرؓ نے قدیم طریقے کی اصلاح کی۔	۳۸
<b>صیغہ محاصل (خراج) از صفحہ ۳۰ تا صفحہ ۵۹</b>				
۳۳	خراج کا طریقہ عرب میں حضرت عمرؓ نے ایجاد کیا۔	۳۹	شام میں خراج کا قدیم طریقہ۔	۳۹
۳۴	مالک مفتوحہ کا اصلی باشندوں کے قبضے میں چھوڑنا اور اس امر میں صحابہ کا اختلاف۔	۵۰	قانون مالگزاری میں حضرت عمرؓ کی اصلاحات۔	۵۰
۳۵	حضرت عمرؓ کا استدلال۔	۵۱	ابن اصلاحات کا ملکی اثر۔	۵۱
۳۶	عراق کا بندوبست۔	۵۲	بندوبست مالگزاری میں دیہاتوں سے رائے لینا۔	۵۲
۳۷	افسران بندوبست۔	۵۳	ترقی زراعت۔	۵۳
۳۸	عراق کا کل رقبہ۔	۵۴	حکمہ آبپاشی۔	۵۴
۳۹	لگان کی شرح۔	۵۵	خراجی اور عشری زمین کی تفریق۔	۵۵
۴۰	عراق کا خراج۔	۵۶	مسلمانوں کے ساتھ عشری زمین کی زمینیں کی وجہ۔	۵۶
۴۱	زمیندار اور قلعہ دار۔	<b>انقسم کی آمدنیان از صفحہ ۵۰ تا صفحہ ۵۹</b>		
۴۲	پیداوار اور آمدنی میں ترقی۔	۵۷	گھوڑوں پر زکوٰۃ۔	۵۷
۴۳	ہر سال مالگزاری کی نسبت رعایا کا شمار لیا جانا۔	۵۸	عشور۔	۵۸
۴۴	حضرت عمرؓ کے زمانے میں جس قدر خراج وصول ہوا زمانہ مابعد میں کبھی نہیں ہوا۔	<b>صیغہ عدالت از صفحہ ۵۹ تا صفحہ ۶۵</b>		
۴۵	خراج کا دفتری اور رومی زبان میں تھا۔	۵۹	حکمہ قضا۔	۵۹
		۶۰	رومن امپائر کے قواعد عدالت کا حضرت عمرؓ کے قواعد سے موازنہ۔	۶۱
		۶۱	قواعد عدالت کے متعلق حضرت عمرؓ کی تحسیر۔	۶۲

صفحہ نمبر	مضمون	صفحہ نمبر	صفحہ نمبر	مضمون	صفحہ نمبر
۶۲	قضاۃ کا انتخاب۔	۶۵	۶۹	جو رحمہ دار الخلفاء کے خزانے میں تھے تھے۔	۶۶
۶۳	حضرت عمرؓ کے زمانے کے حکام عدالت۔	۶۶	بیلک رک یا افطاریت نافہ ارضیہ ۷ تا صفحہ ۸۳		
۶۴	قضاۃ کا استعان کے بعد مقرر ہونا۔	۶۷			
۶۵	رشتوں سے محفوظ رکھنے کے وسائل۔	۶۷	۸۰	حضرت عمرؓ نے جو نثرین طیار کرائیں۔	۶۷
۶۶	انصاف میں مساوات۔	۶۸	۸۱	نہر منقل۔	۶۸
۶۷	آبادی کے لحاظ سے قضاۃ کی تعداد کا کافی ہونا۔	۶۸	۸۲	نہر سعد۔	۶۸
۶۸	ماہرین من کی شہادت۔	۶۹	۸۳	نہر امیر المؤمنین۔	۶۹
۶۹	عدالت کا مکان۔	۷۰	۸۴	نہر سوزی کی طیار کا ارادہ۔	۸۰
اقا ارضیہ ۷ تا صفحہ ۷۲			۸۵	حضرت عمرؓ کے عہد میں مختلف صیغوں کی عمارتیں۔	۸۰
			۸۶	دار الامارۃ۔	۸۱
۷۰	محکمہ اوقاف کی ضرورت۔	۷۰	۸۷	دفتر۔	۸۱
۷۱	حضرت عمرؓ کے زمانے کے مفتی۔	۷۱	۸۸	حضرانہ۔	۸۱
۷۲	ہر شخص فتوے دینے کا مجاز نہ تھا۔	۷۲	۸۹	قید خانے۔	۸۱
فوجداری اور پولیس ارضیہ ۷۲ تا صفحہ ۷۴			۹۰	مہمان خانے۔	۸۱
			۹۱	سرکون کا انتظام۔	۸۲
۷۳	جیل خانے کی ایجاد۔	۷۳	۹۲	لکھنؤ سے مدنیہ منورہ تک چوکیاں اور سرایتیں۔	۸۲ تا ۸۳
۷۴	جلاد منی کی سزا۔	۷۴	شہروں کا آباد کرنا ارضیہ ۸۳ تا صفحہ ۹۱		
بیت المال یا خزانہ ارضیہ ۷۴ تا صفحہ ۷۶			۹۳	بصرہ۔	۸۳ تا ۸۴
			۹۴	کوفہ۔	۸۴ تا ۸۵
۷۵	بیت المال کس سن میں قائم ہوا۔	۷۵	۹۵	فسطاط۔	۸۸
۷۶	بیت المال کے انصر۔	۷۶	۹۶	فسطاط کی دست آبادی۔	۸۹
۷۷	بیت المال کی عمارتیں۔	۷۷			

صفحہ نمبر	مضمون	صفحہ نمبر	صفحہ نمبر	مضمون	صفحہ نمبر
۹۷	موصول -	۹۰	۱۱۳	فوج میں عجمی رومی ہندوستانی اویسی	۱۱۳
۹۸	جیزہ -	"	۱۱۵	بھی داخل تھے -	۱۱۵
صیغہ فوج از صفحہ ۹۱ تا صفحہ ۱۸۱					
۹۹	قدم سلطنتوں کے فوجی انتظامات	۹۱ تا ۹۲	۱۱۶	تخواہوں میں ترقی -	۱۱۶
۱۰۰	غیر مکمل تھے -	۹۳	۱۱۷	رسد کا انتظام -	۱۱۷
۱۰۱	حضرت عمرؓ کے فوجی نظام کی ابتدا -	۹۴	۱۱۸	رسد کا مستقل محکمہ -	۱۱۸
۱۰۲	فوج کے جیش کا مرتب ہونا -	۹۵ تا ۹۶	۱۱۹	خوراک اور کپڑا اور بھتہ -	۱۱۹
۱۰۳	باقاعدہ فوج اور والشیئر -	۹۷	۱۲۰	تخواہ کی تقسیم کا طریقہ -	۱۲۰
۱۰۴	فوجی صدر مقامات -	۹۸	۱۲۱	تخواہ کی ترقی -	۱۲۱
۱۰۵	صدر مقامات میں فوج کے لیے جوتھانات	"	۱۲۲	اختلاف موسم کے لحاظ سے فوج کی تقسیم -	۱۲۲
۱۰۶	تھے انکی تفصیل -	۹۹	۱۲۳	بہار کے زمانے میں فوجوں کا قیام -	۱۲۳
۱۰۷	فوجی بارکین -	۱۰۰	۱۲۴	آب و ہوا کا لحاظ -	۱۲۴
۱۰۸	گھوڑوں کی پرداخت -	۱۰۱	۱۲۵	کوچ کی حالت میں فوج کی آرام کا دن -	۱۲۵
۱۰۹	فوج کا دفتر -	"	۱۲۶	رضعت کے قاعدے -	۱۲۶
۱۱۰	رسد کا غلہ -	۱۰۲	۱۲۷	فوج کا لباس -	۱۲۷
۱۱۱	فوجی چھاؤنیوں کا قائم کرنا اور لگانا بندوبست	۱۰۳	۱۲۸	فوج میں خزانچی و محاسب و سترجم -	۱۲۸
۱۱۲	فوجی چھاؤنیوں کس اصول پر قائم کی جاتیں -	۱۰۴	۱۲۹	فن جنگ میں ترقی -	۱۲۹
۱۱۳	فوجی دفتر کی وسعت -	"	۱۳۰	فوج کے جتے -	۱۳۰
۱۱۴	ہر سال ۳۰ ہزاری فوجی طیارہ ہوتی تھی -	۱۰۵	۱۳۱	ہر سپاہی کو جو ضروری چیزیں ساتھ رکھنی	۱۳۱
۱۱۵	حضرت عمرؓ کا فوجی انتظام کس زمانے	۱۰۶	۱۳۲	پڑتی تھیں -	۱۳۲
۱۱۶	تک قائم رہا اور اس کے تغیر کے	۱۰۷	۱۳۳	تلاش شکن آلات -	۱۳۳
۱۱۷	نتائج -	۱۰۸	۱۳۴	سفر مینا -	۱۳۴
۱۱۸		۱۰۹	۱۳۵	جنرل سانی اور جاسوسی -	۱۳۵
۱۱۹		۱۱۰	۱۳۶	پرچہ نویسن کا انتظام -	۱۳۶
۱۲۰		۱۱۱	۱۳۷	صیغہ تعلیم صفحہ ۱۱۹	۱۳۷

صفحہ نمبر	مضمون	صفحہ نمبر	مضمون
۱۳۳	مسائل فقہ کی اشاعت کی مختلف تدبیریں	۱۵۲	صیفہ مذہبی از صفحہ ۱۹ تا صفحہ ۳۴
"	پہلی تدبیر	۱۵۵	
۱۳۴ تا ۱۳۵	دوسری تدبیر	۱۵۶	۱۲۱ تا ۱۲۹ اشاعت اسلام کا طریقہ
۱۳۶	تیسری تدبیر	۱۵۷	۱۲۲ اشاعت اسلام کے اسباب
"	چوتھی تدبیر	۱۵۸	۱۲۸ حضرت عمرؓ کے زمانے میں جو لوگ اسلام لائے
۱۳۷	فقہ کی تعلیم کا انتظام	۱۵۹	۱۲۳ تا ۱۲۶ حضرت عمرؓ نے قرآن مجید کی جمع و ترتیب میں جو کوشش کی
۱۳۸	فقہ کی تنخواہیں	۱۶۰	۱۲۷ قرآن مجید کی حفاظت اور صحت الفاظ و اعراب کی تدبیریں
"	مسکین فقہ کی رغبت شان	۱۶۱	۱۲۸ قرآن مجید کی تعلیم کا انتظام
۱۳۸ تا ۱۳۹	ہر شخص فقہ کی تعلیم کا مجاز نہ تھا	۱۶۲	۱۲۹ کتابت قرآن
۱۴۰	اماموں اور متوفیوں کا تقرر	۱۶۳	۱۳۰ بدوین کو جبری تعلیم
"	حاجیوں کی تلافی سالاری	۱۶۴	۱۳۱ کتابت کی تعلیم
"	ساجد کی تعمیر	۱۶۵	۱۳۲ قرآن مجید کا تعلیم قرآن کے لئے دور دراز مقامات پر بھیجا
۱۴۱	حرم محترم کی وسعت	۱۶۶	۱۳۳ تعلیم قرآن کا طریقہ
"	حرم کی تجدید	۱۶۷	۱۳۴ دمشق کی مسجد میں طلبہ قرآن کی تعداد
۱۴۲	مسجد نبوی کی حرمت اور وسعت	۱۶۸	۱۳۵ اشاعت قرآن کے اور وسائل
"	مسجدین فرش اور روشنی کا انتظام	۱۶۹	۱۳۶ حافظوں کی تعداد
متفرق انتظامات از صفحہ ۳۴ تا صفحہ ۴۸		۱۳۷	۱۵۰ صحت اعراب کی تدبیریں
۱۴۴	سنہ ہجری کا مقرر کرنا	۱۳۸	۱۵۱ ادب اور عربیت کی تعلیم
۱۴۵	مختلف قسم کے حبس	۱۳۹	۱۵۲ حدیث کی تعلیم
"	دفتر حسراج	۱۴۰	۱۵۳ فقہ
"	بیت المال کے کاغذات کا حساب	۱۴۱	
۱۴۶	مصارف جنگ کے کاغذات	۱۴۲	
"	مردم شماری کے کاغذات	۱۴۳	
		۱۴۴	

صفحہ نمبر	مضمون	صفحہ نمبر	صفحہ نمبر	مضمون	صفحہ نمبر
۱۴۶	کائنات حساب کے لکھنے کا طریقہ	۱۴۶	۱۴۵	عیسائیوں کے جلا وطن کرنے کا معاملہ	۱۴۵
۱۴۷	سبک	۱۴۷	۱۴۶	جزیرہ کی بحث	۱۴۶
			۱۴۹		۱۴۹
دینی علما کے حقوق از صفحہ ۴۸ تا صفحہ ۱۶۹			غلامی کاروں ج کم کرنا از صفحہ ۶۹ تا صفحہ ۱۷۶		
۱۴۸	قدیم سلطنتوں کا برتاؤ غیر قوموں کے ساتھ	۱۴۸	۱۶۹	عرب کا غلام نہ ہو سکا	۱۶۹
۱۴۹	حضرت عمرؓ نے ذہیوں کے ساتھ کیا برتاؤ کیا	۱۴۹	۱۷۰	مالک مفتوحہ میں غلامی کو گھٹانا	۱۷۰
۱۵۰	بیت المقدس کا معاہدہ	۱۵۰	۱۷۱		۱۷۱
۱۵۱	ذہیوں کے جان و مال کو مسلمانوں کے جان و مال کے برابر قرار دینا	۱۵۱	۱۷۲	حضرت شہر بانو کا تھہ	۱۷۲
۱۵۲	بند و بست مالگزاری میں ذہیوں کا خیال	۱۵۲	۱۷۳	شاہی خاندان کے اسیرون جنگ کے ساتھ برتاؤ	۱۷۳
۱۵۳	ذہیوں سے ملکی انتظامات میں مشورہ	۱۵۳	۱۷۴	غلاموں کے ساتھ مراعات	۱۷۴
۱۵۴	ذہیوں کے ساتھ ہر قسم کی رعایت کی تاکید	۱۵۴	۱۷۵	غلاموں کا اپنے عزیز و اقارب سے جدا نہ کیا جانا	۱۷۵
۱۵۵	نہی امور میں آزادی	۱۵۵	۱۷۶	غلاموں میں اہل کمال کا پیدا ہونا	۱۷۶
۱۵۶	مسلمان اور ذہیوں کی ہمہری	۱۵۶	سیاست و تدبیر، عدل و انصاف از صفحہ ۲۰۵ تا صفحہ ۲۰۹		
۱۵۷	ذہیوں کی عزت کا خیال	۱۵۷	۲۰۳	عام سلاطین اور حضرت عمرؓ کے طریق سیاست میں فرق	۲۰۳
۱۵۸	سازش اور فساد کی حالت میں ذہیوں کے ساتھ سلوک	۱۵۸	۲۰۴	حضرت عمرؓ کی مشکلات	۲۰۴
۱۵۹	ذہیوں پر ان رعایتوں کا کیا اثر ہوا	۱۵۹	۲۰۵	حضرت عمرؓ کی حکومت کی خصوصیتیں	۲۰۵
۱۶۰	ذہیوں کے حقوق کی نسبت غیر قوموں کی غلط فہمیوں کے وجہ اور ان کا جواب	۱۶۰	۲۰۶	اصول مساوات	۲۰۶
۱۶۱	ذہیوں کو خاص لباس اور زنا کے سہل حال کا کیوں حکم تھا	۱۶۱	۲۰۷	امیر المومنین کا لقب کیوں اختیار کیا	۲۰۷
۱۶۲	صلیب اور ناقوس کی بحث	۱۶۲	۲۰۸	سیاست	۲۰۸
۱۶۳	اصطبلان کی بحث	۱۶۳	۲۰۹	عمدہ داران سلطنت کا انتخاب	۲۰۹

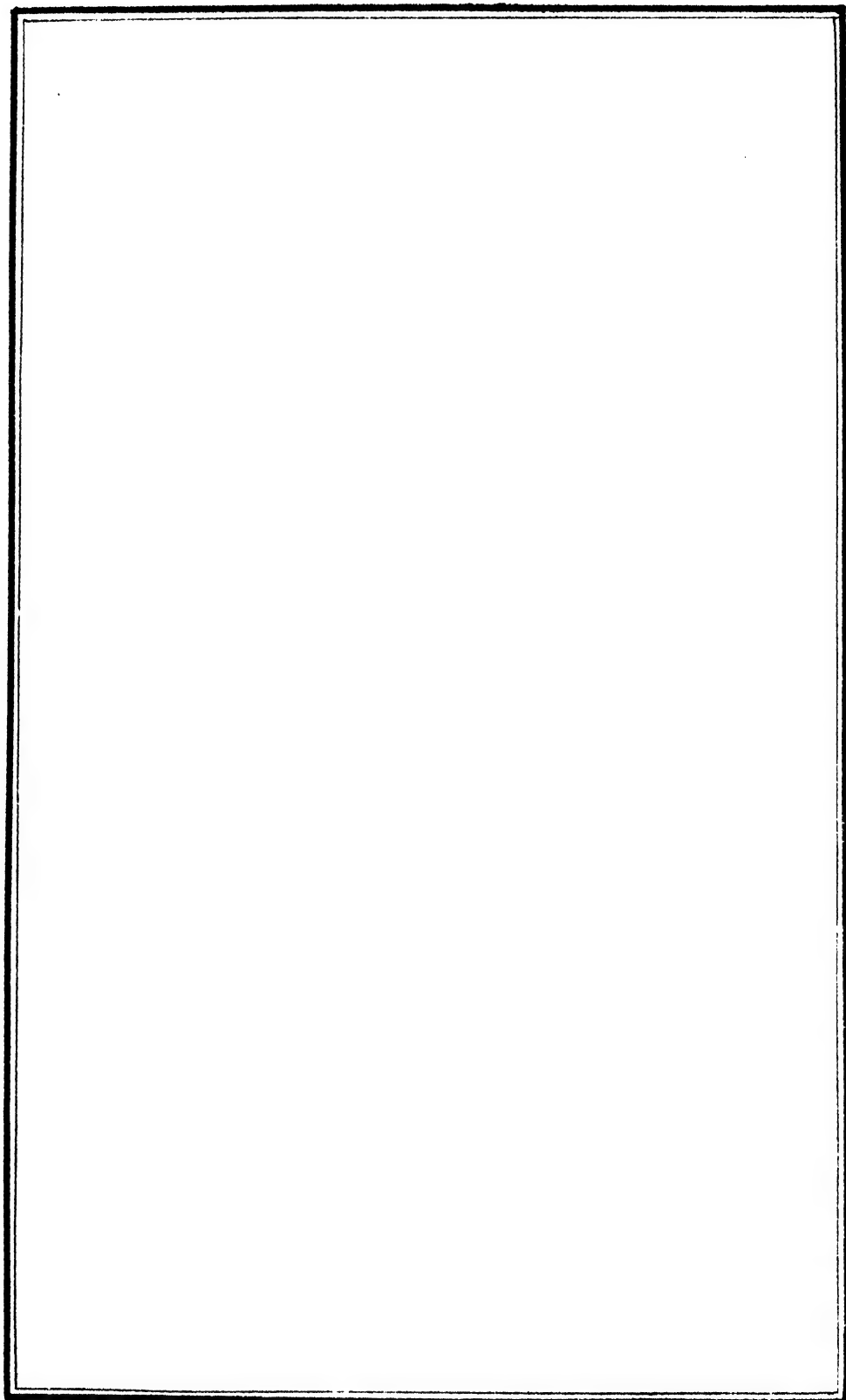
صفحہ نمبر	مضمون	صفحہ نمبر	مضمون	صفحہ نمبر
۲۱۰	بے لاگ عدل و انصاف۔	۱۸۸	مسائل اعتقادی میں حضرت عمرؓ کی	۲۲۷
۲۱۱	قدیم مسلمانوں کے حالات اور انتظامات		نکتہ سنجی۔	۲۰۶
	سے واقفیت۔	۱۸۹	مسئلہ قضا و قدر۔	۲۰۷
۲۱۲	واقفیت حالات کے لیے پرچہ نویس اور	۲۲۹	تقظیم شعائر اللہ۔	"
	واقعہ بخار۔	۲۳۰	بنی کے اقوال و افعال کمان تک منصب	۲۰۸
۲۱۳	میت المال کا خیال۔	۱۹۰	نبوت سے تعلق رکھتے ہیں۔	
۲۱۴	تمام کاموں کا وقت پر انجام پانا۔	۱۹۱	حضرت عمرؓ کے نزدیک احکام شریعت کا	۲۰۹
۲۱۵	رفا و عام کے کام۔	۱۹۲	اصول عقلی پر مبنی ہوتا۔	
۲۱۶	غنا اور مساکین کے روزیئے۔	۱۹۳	حضرت عمرؓ نے علم اسرار الدین کی	۲۱۰
۲۱۷	مہمان خانے۔	۱۹۴	بنیاد ڈالی۔	
۲۱۸	لاوارث بچے۔	۲۳۳	اخلاق اسلامی کا محفوظ رکھنا اور ترقی دینا	۲۱۱
۲۱۹	یتیموں کی خبر گیری۔	۲۳۴	فخر و غرور کا استیصال۔	۲۱۲
۲۲۰	محکم کا انتظام۔	۲۳۵	ہجو کی ممانعت۔	۲۱۳
۲۲۱	رفاہ عام کے متعلق حضرت عمرؓ کی	۲۳۶	ہوا پرستی کی روک۔	"
	نکتہ سنجی۔	۲۳۷	شاعری کی اصلاح۔	۲۱۴
۲۲۲	جزئیات پر توجہ۔	۲۳۸	شراب خواری کی روک۔	"
۲۲۳	رعایا کی شکایتوں سے واقفیت کے	۲۳۹	آزادی اور حق گوئی کا قیام رکھنا۔	۲۱۵
	وسائل۔	۲۴۰	حضرت عمرؓ کی اجتہادی حیثیت۔	۲۱۶
۲۲۴	سفارت۔	۲۴۱	احادیث کا تحفظ۔	۲۱۷
۲۲۵	شام کا سفر اور رعایا کی خبر گیری۔	۲۴۲	مدینہ کی اشاعت۔	"
۲۲۶	رعایا کی خبر گیری کے متعلق حضرت عمرؓ	۲۴۳	ایک دقیق نکتہ۔	۲۱۸
	کی چند حکایتیں۔	۲۴۴	احادیث میں فرق مراتب۔	۲۱۹
		۲۴۵	روایات کی چھان بین۔	۲۲۰
		۲۴۶	کثرت روایت سے روکنا۔	۲۲۱
				۲۲۲
				۲۲۳

امامت اور اجتہاد و افضلیہ۔ ۲۵۹ صفحہ ۲۵۹

صفحہ نمبر	مضمون	صفحہ نمبر	مضمون	صفحہ نمبر
۲۴۷	حضرت عمرؓ کے کم روایت کرنے کی وجہ۔	۲۴۷	وآتی حالات اور اخلاق و عادات از	
۲۴۸	صحابہ میں جو لوگ روایت کم کرتے تھے۔	۲۴۸	صفحہ ۲۵۹ تا صفحہ ۳۰۲	
۲۴۹	سند اور روایت کے متعلق حضرت عمرؓ کے اصول۔	۲۴۹	عرب میں جو اوصاف لازمہ شرافت سمجھے جاتے تھے حضرت عمرؓ میں سب موجود تھے۔	۲۴۹
۲۵۰	علم فقہ۔	۲۵۰	قوت تقریر۔	۲۵۰
۲۵۱	فقہ کے تمام سلسلوں کے مروج حضرت عمرؓ ہیں۔	۲۵۱	خطبہ۔	۲۵۱
۲۵۲	حضرت عمرؓ کا مشکل مسائل کو حل بنانا۔	۲۵۲	خطبہ کے لئے طیار ہونا۔	۲۵۲
۲۵۳	دقیق مسائل میں وقتاً فوقتاً عرض کرنا۔	۲۵۳	نخاع کا خطبہ اچھا نہیں دیکھتے تھے اور اسکی وجہ۔	۲۵۳
۲۵۴	فتوحات کی دست کی وجہ سے نئے مسلک کا پیدا ہونا۔	۲۵۴	بعض خطبوں کے اصلی الفاظ۔	۲۵۴
۲۵۵	لوگوں کا حضرت عمرؓ سے استفادہ کرنا۔	۲۵۵	قوت تحریر۔	۲۵۵
۲۵۶	صحابہ کے مشورے مسائل کو طے کرنا۔	۲۵۶	مذاق شاعری۔	۲۵۶
۲۵۷	مسائل اجماعیہ۔	۲۵۷	حضرت عمرؓ زہیر کو اشعار شراکتے تھے۔	۲۵۷
۲۵۸	حضرت عمرؓ کے مسائل فقہیہ کی تعداد۔	۲۵۸	زہیر کی نسبت حضرت عمرؓ کا یاد رکھنا۔	۲۵۸
۲۵۹	حضرت عمرؓ کا اصول فقہ کو مرتب کرنا۔	۲۵۹	نابینہ کی تربیت۔	۲۵۹
۲۶۰	جزا کا دے قابل احتجاج ہونے کی بحث۔	۲۶۰	امر و انقیاس کی نسبت انکی رائے۔	۲۶۰
۲۶۱	قیاس۔	۲۶۱	شعر کا ذوق۔	۲۶۱
۲۶۲	استنباط احکام کے اصول۔	۲۶۲	حفظ اشعار۔	۲۶۲
۲۶۳	مسائل مہمہ میں حضرت عمرؓ کے اجتہاد۔	۲۶۳	اشعار کا تعلیم میں داخل کرنا۔	۲۶۳
۲۶۴	حمس کا مسئلہ۔	۲۶۴	شاعری کی اصلاح۔	۲۶۴
۲۶۵	نئے کا مسئلہ۔	۲۶۵	لطیفہ۔	۲۶۵
۲۶۶	باغیہ فدک کی بحث۔	۲۶۶	علم لایانہ۔	۲۶۶



صفحہ	مضمون	صفحہ	صفحہ	مضمون	صفحہ
۲۹۶	سکن -	۳۰۳	۲۶۳	عبرانی زبان سے واقفیت -	۲۵۴
۲۹۷	وسائل معاش -	۳۰۵	۲۶۴	ذہانت و طباعی -	۲۸۵
"	تجارت -	۳۰۶	۲۶۵	یکمیانہ مقولے -	۲۸۶
"	جاگیر -	۳۰۷	۲۶۶	صائب الراے ہونا -	۲۸۷
"	مشاہرہ -	۳۰۸	"	اسلام کے وہ احکام جو حضرت عمرؓ کی	۲۸۸
۲۹۸	زراعت -	۳۰۹	"	راے کے موافق قرار پائے -	"
"	غذا -	۳۱۰	"	جن مسائل میں اور صحابہ نے حضرت عمرؓ	۲۸۹
"	لباس -	۳۱۱	"	سے اختلاف کیا انہیں حضرت عمرؓ کی راے	"
"	سادگی اور بے تکلفی -	۳۱۲	۲۶۷	کا صائب ہونا -	"
۲۹۹	حلیہ -	۳۱۳	۲۶۸	قامت خلافت کی نسبت حضرت عمرؓ کی راے	۲۹۰
۲۹۹	اولیات -	۳۱۴	"	کتبہ بنی اور غور سی -	۲۹۱
۳۰۲	ازواج و اولاد از صفحہ ۳۰۲ تا صفحہ ۳۰۶		۲۶۹ تا ۲۸۰	نہی زندگی -	۲۹۲
۳۰۲	ازواج -	۳۱۵	۲۸۱	بے نصیبی -	۲۹۳
۳۰۳	حضرت ام کلثوم سے نکاح کرنا -	۳۱۶	"	علم فرائض کی درستی اور ترتیب کے لئے	۲۹۴
۳۰۴	اولاد ذکر -	۳۱۷	۲۸۲	ایک یونانی عیسائی کو طلب کرنا -	"
"	عبداللہ بن عمر -	۳۱۸	۲۸۲ تا ۲۸۳	علی صہبتین -	۲۹۵
۳۰۵	سالم بن عبداللہ -	۳۱۹	۲۸۴	ارباب صحبت -	۲۹۶
۳۰۶	عبید اللہ -	۳۲۰	۲۸۶ تا ۲۸۸	اہل کمال کی قدردانی -	۲۹۷
"	عاصم -	۳۲۱	۲۸۹ تا ۲۹۰	مستطفین جناب رسول اللہ کا پاس و ملاط -	۲۹۸
	خاتمہ از صفحہ ۳۰۷ تا صفحہ ۳۱۱		۲۹۱	اخلاق و عادات -	۲۹۹
	دنیا میں جس قدر مشہور فرماؤ اور	۳۲۲	"	تواضع و سادگی -	۳۰۰
۳۰۷ تا ۳۱۱	ارباب کمال گذرے ہیں سب پر حضرت		۲۹۳	زندہ ولی -	۳۰۱
	عمرؓ کی ترویج -		۲۹۴	خراج کی سمجھی -	۳۰۲
			۲۹۵	آل و اولاد کے ساتھ محبت -	۳۰۳



بسم اللہ الرحمن الرحیم

## دیباچہ

الفاروق جب کا غلغلہ وجود میں آنے سے پہلے تمام ہندوستان میں بلند ہو چکا ہے اول  
اول اس کا نام زبانوں پر اس تقریب سے آیا کہ المامون طبع اول کے دیباچہ میں ضمناً اس کا  
ذکر کیا تھا۔ اسکے بعد اگرچہ مصنف کی طرف سے بالکل سکوت اختیار کیا گیا تاہم نام میں کچھ  
ایسی دلچسپی تھی کہ خود بخود پھیلنا گیا یہاں تک کہ اسکے ابتدائی اجزاء بھی طیار نہیں ہو چکے  
تھے کہ تمام ملک میں اس سرے سے اس سرے تک الفاروق کا لفظ پچھچھ کی زبان پر تھا۔  
ادھر کچھ ایسے اسباب پیش آئے کہ الفاروق کا سلسلہ رگ گیا اور اسکے بجائے دوسرے  
دوسرے کام چھڑ گئے، چنانچہ اس آئینہ میں متعدد تصنیفیں مصنف کے فلم سے نکلیں اور  
شائع ہوئیں۔ لیکن جو نگاہیں فاروق اعظم کے کوکبہ جلال کا انتظار کر رہی تھیں ان کو کسی  
دوسرے جلوہ سے سیری نہیں ہو سکتی تھی۔ سو اتفاق یہ کہ مجھ کو الفاروق کی طرف  
سے بیداری کے بعض ایسے اسباب پیدا ہو گئے تھے کہ میں نے اس تصنیف سے گویا ہاتھ  
اٹھایا تھا لیکن ملک کی طرف سے تقاضے کی صدائیں ہر وہ گراں قدر بلند ہوتی تھیں کہ میں

مجبوراً قلم ہاتھ سے رکھ رکھ کر اٹھا لیتا تھا۔ بالآخر ۱۸۹۲ء گسٹ سسٹھ عیسوی کو میں نے ایک قطعی فیصلہ کر لیا اور مستقل اور مسلسل طریقے پر اس کام کو شروع کیا۔ ملازمت کے فرائض اور اتفاقی موانع وقتاً فوقتاً اب بھی سد راہ ہوتے رہے یہاں تک کہ متعدد دفعہ کئی کئی مہینے کا ناغہ پیش آگیا لیکن چونکہ کام کا سلسلہ مطلقاً بند نہیں ہوا اس لیے کچھ نہ کچھ ہوتا گیا یہاں تک کہ آج پورے چار برس کے بعد یہ منزل طے ہوئی اور قلم کے مسافر نے، کچھ دنوں کے لیے آرام لیا۔

شکر کہ تجاڑہ بمنزل رسید زورق اندیشہ بسا حل رسید

یہ کتاب دو حصوں میں منقسم ہے۔ پہلے حصے میں مہمید کے علاوہ حضرت عمر کی ولادت و وفات تک کے واقعات اور فتوحات ملکی کے حالات ہیں۔ دوسرے حصے میں اُن کے ملکی اور مذہبی انتظامات اور علمی کمالات اور ذاتی اخلاق اور عادات کی تفصیل ہے اور یہی دوسرا حصہ مصنف کی سعی و محنت کا تماشا گاہ ہے۔

اس کتاب کی صحت طبع میں اگرچہ کچھ کم کوشش نہیں کی گئی۔ کاپیان میں نے خود دیکھیں اور بنائیں، لیکن متواتر تجربوں کے بعد مجھ کو اس بات کا اعتراف کرنا پڑا ہے کہ میں اس وادی کا مرد میدان نہیں۔ کاپیوں کے دیکھنے میں ہمیشہ سیری نگاہ سے غلطیاں ہجاتی ہیں۔ اور میں اسکی کوئی تدبیر نہیں کر سکتا۔ لیکن اگر صاحب مطبع اجازت دیں تو ہندوستان کی جرأت کر سکتا ہوں کہ اس جرم کا میں تنہا مجرم نہیں بلکہ کچھ اور لوگ بھی شریک ہیں۔ بہر حال کتاب کے آخر میں ایک غلطنامہ لگا دیا گیا ہے جو کفارہ جرم کا کام دیکھتا ہے۔

اس کتاب میں بعض الفاظ کے املا کا طریقہ نیا نظر آئیگا مثلاً اضافت کی حالت میں ”دکنہ“ اور ”مدینہ“ کے بجائے ”دکنے“ اور ”مدینے“ اور جمع کی حالت میں ”موقع“ اور ”مجمع“ کے بجائے ”موتعمے“ اور ”مجمعمے“ لیکن یہ میرا طریق الامانین ہے بلکہ کاپی نویس تصحیح کا ہے۔ اور وہ اسکے بخلاف عمل کرنے پر کسی طرح راضی نہ ہوئے۔

یہ بھی واضح رہے کہ یہ کتاب سلسلہ تصنیف کی فہرست میں داخل ہے لیکن پہلے سلسلہ تصنیف کی ماہیت اور حقیقت سمجھ لینی چاہیے۔

ہمارے معزز اور محترم دوست شمس العلماء مولانا سید علی بلگرامی مجمع اقبابہ کوٹاہ ہندوستان جانتا ہے۔ وہ جس طرح بہت بڑے مصنف، بہت بڑے مترجم، بہت بڑے زبان دان ہیں۔ اسی طرح بہت بڑے علم دوست اور اشاعت علوم و فنون کے بہت بڑے مربی اور سرپرست ہیں۔ اس دوسرے وصف نے انکو اس بات پر آمادہ کیا کہ انھوں نے جناب نواب محمد فضل الدین خان سکندر جنگ اقبال لدولہ اقتدار الملک سرو قارا لامرا بہادر کے۔ سی۔ آئی۔ ای۔ مزار المہام دولت صفیہ خلدھا اللہ تعالیٰ کی خدمت میں یہ درخواست کی کہ حضور پر نور رستم دوران افلاطون زمان فلک بارگاہ سپہ سالار مظفر الممالک فتح جنگ بہارائیس نواب میر محبوب علی خان بہادر نظام الملک آصف جاہ سلطان دکن خلدھا اللہ ملکہ کے سایہ عاطفت میں علمی تراجم و تصنیفات کا ایک مستقل سلسلہ قائم کیا جائے جو سلسلہ تصنیف کے لقب سے ملقب ہو اور دستبردار دولت تصنیف کی جو تصنیفات خلعت قبول پائیں وہ اس سلسلے میں داخل کی جائیں۔

جناب نواب صاحب ممدوح کو علوم و فنون کی ترویج و اشاعت کی طرف ابتداء سے جو التفات و توجہ رہی ہے اور جسکی بہت سی محسوس یادگارین اسوقت موجود ہیں اسکے لحاظ سے جناب ممدوح نے اس درخواست کو نہایت خوشی سے منظور کیا۔ چنانچہ کئی برس سے یہ مبارک سلسلہ قائم ہے۔ اور ہمارے شمس العلماء کی کتاب تمدن عرب جسکی شہرت عالمگیر ہو چکی ہے اسی سلسلے کا ایک بیش بہا گوہر ہے۔

خاکسار کو ۱۹۷۹ء میں جناب نواب ممدوح کی بیٹی گاہ سے عطیہ ماہوار کی جو سند عطا ہوئی اس میں یہ بھی درج تھا کہ خاکسار کی تمام آئندہ تصنیفات اس سلسلے میں داخل کی جائیں۔ اسی بنا پر یہ ناچیز تصنیف بھی اس مبارک سلسلے میں داخل ہے۔

جلداول کے آخر میں اسلامی دنیا کا ایک نقشہ شامل ہے جس میں جناب سولہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک سے لیکر نزولِ امیہ کے زمانے تک ہر عہد کی فتوحات کا خاص خاص رنگ دیا گیا ہے جسکے دیکھنے سے بیک نظر معلوم ہو سکتا ہے کہ ہر خلیفہ کے وقت میں دنیا کا کس قدر حصہ اسلام کے حلقہ میں شامل ہو گیا۔ یہ نقشہ اصل میں جرمن کے چند لائق پروفیسروں نے تیار کیا تھا لیکن چونکہ وہ ہماری کتاب کے بیانات سے پورا پورا مطابق نہیں ہوتا تھا اس لیے ہم نے اصل کتاب کے حاشیہ میں موقع بموقع ان اختلافات کی طرف اشارہ کر دیا ہے۔

شبلی نعمانی

مقامِ اعظم گدھ

دسمبر ۱۹۷۹ء

سلسلہ  
ناموران اسلام

# الْفَارُوقِ

یعنی حضرت سید رضی اللہ عنہ کی مفصل سوانح عمری کا

حصہ اول

جسمین حضرت عمرؓ کے نام و نسب و ولادت لیکر وفات تک کے حالات و فتوحات

بالتفصیل درج ہیں

مولفہ

شبلی نعمانی

محمد رمت اللہ علیہ کے

نامی پریس کانپور میں چھپی

# حصہ اول

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

ای ہمہ درپردہ نہان راز تو بی خبر انجام۔ آغاز تو



الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالصَّلٰوةُ عَلٰی رَسُوْلِهِ مُحَمَّدٍ وَّآلِهِ وَاصْحَابِهِ اَجْمَعِیْنَ ۝  
 تمدن کے زمانے میں جو علوم و فنون پیدا ہو جاتے ہیں انہیں سے اکثر ایسے  
 ہوتے ہیں جنکا ہیولی پہلے سے موجود ہوتا ہے۔ تمدن کے زمانے میں وہ ایک معزول  
 قالب اختیار کر لیتا ہے اور پھر ایک خاص نام یا لقب سے مشہور ہو جاتا ہے۔ مثلاً  
 استدلال اور اثبات مدعا کے طریقے ہمیشہ سے موجود تھے اور عام و خاص سب ان سے  
 کام لیتے تھے، لیکن جب ارسطو نے ان جزئیات کو ایک خاص وضع سے ترتیب دیا  
 تو اسکا نام منطق ہو گیا اور وہ ایک مستقل فن بن گیا، تاریخ و تذکرہ بھی اسی قسم کا فن ہے  
 دنیا میں جان کیں انسانوں کا کوئی گروہ موجود تھا۔ تاریخ و تذکرہ بھی ساتھ ساتھ تھے  
 کیونکہ فخر و ترجیح کے موقعوں پر لوگ اپنے اسلاف کے کارنامے خواہ مخواہ بیان کرتے  
 تھے۔ تفریح اور گرمی صحبت کے لیے مجالس میں پھلی لڑائیوں اور معرکوں کا ذکر ضرور

تمہید  
تاریخ کا  
عنصر



کیا جاتا تھا۔ باپ دادا کی تقلید کے لیے پرانی عادات و رسوم کی پیروی و گارین خواہ مخواہ قائم رکھی جاتی تھیں، اور یہی چیزیں تاریخ کے کمرہ کا سرمایہ ہیں۔ اس بنا پر عرب - عجم - ترک - تاتار - ہندی - افغانی - مصری - یونانی - غرض دنیا کی تمام قومیں من تاریخ کی قابلیت میں ہمہ سہمی کا یکساں دعوے کر سکتی ہیں۔

عرب کی  
خصوصیت

لیکن اس عموم میں عرب کو ایک خصوصیت خاص حاصل تھی۔ عرب میں بعض خاص خاص باتیں ایسی پائی جاتی تھیں جنکو تاریخ سلسلے سے تعلق تھا اور جو اور قوموں میں نہیں پائی جاتی تھیں۔ مثلاً انساب کا چرچا جس کی یہ کیفیت تھی کہ بچہ بچہ اپنے آباؤ اجداد کے نام اور ان کے رشتے نامتے دس دس بارہ بارہ پشتوں تک محفوظ رکھتا تھا، یہاں تک کہ انسانوں سے گذر کر گھوڑوں اور اونٹوں کے نسب نامے محفوظ رکھے جاتے تھے۔ یا ایام العرب جسکی بدولت عکاف کے سالانہ میلے میں قومی کارناموں کی روایتیں سلسلہ بسلسلہ ہزاروں لاکھوں آدمیوں تک پہنچ جاتی تھیں، یا شاعری جسکی یہ حال تھا کہ اونٹ چرانے والے بڑو جنکو لکھنے پڑھنے سے کچھ سروکار نہ تھا، اپنی زبان آدمی کے سامنے تمام عالم کو بیچ سمجھتے تھے اور حقیقت جس سادگی اور صلیت کے ساتھ وہ واقعات اور جذبات کی تصویر کھینچ سکتے تھے دنیا میں کسی قوم کو یہ بات کبھی نصیب نہیں ہوئی۔ اس بنا پر عرب میں جب تمدن کا آغاز ہوا تو سب سے پہلے تاریخی تصنیفات، وجود میں آئیں۔ اسلام سے بہت پہلے بادشاہان حیرہ نے تاریخی واقعات قلمبند کرائے اور وہ مدت تک محفوظ رہے چنانچہ ابن ہشام نے کتاب الیتمان میں تصریح کی ہے کہ میں نے

عربین  
تاریخ کی ابتدا

ان تالیفات سے فائدہ اٹھایا۔ اسلام کے عہد میں زبانی روایتوں کا ذخیرہ ابتدا ہی میں پیدا ہو گیا تھا لیکن چونکہ تصنیف و تالیف کا سلسلہ عموماً ایک مدت کے بعد قائم ہوا اس لیے کوئی خاص کتاب اس فن میں نہیں لکھی گئی۔ لیکن جب تالیفات کا سلسلہ شروع ہوا تو سب سے پہلی کتاب جو لکھی گئی تاریخ کے فن میں تھی۔

امیر معاویہ المتوفی ۳۵ھ کے زمانے میں عبید بن شریہ ایک شخص تھا جس نے جاہلیت کا زمانہ دیکھا تھا، اور اسکو عرب و عجم کے اکثر معرکے یاد تھے۔ امیر معاویہ نے اسکو صنعا سے بلایا اور کاتب اور محترمتین کیے کہ جو کچھ وہ بیان کرتا جائے قلمبند کرتے جائیں۔ علامہ ابن النذیم نے کتاب الفہرست میں اسکی متعدد تالیفات کا ذکر کیا ہے جن میں سے ایک کتاب کا نام کتاب الملوک و اخبار الماضین لکھا ہے۔ غالباً یہ وہی کتاب ہے جسکا مسودہ امیر معاویہ کے حکم سے طیار ہوا تھا۔ عبید کے بعد، عوانہ بن الحکم المتوفی ۳۵ھ کا نام ذکر کے قابل ہے جو اخبار و انساب کا بڑا ماہر تھا۔ اسنے عام تاریخ کے علاوہ خاص بنو امیہ اور امیر معاویہ کے حالات میں ایک کتاب لکھی۔ ۳۵ھ میں ہشام بن عبد الملک کے حکم سے عجم کی نہایت مفصل تاریخ کا ترجمہ پہلوی سے عربی میں کیا گیا، اور یہ پہلی کتاب تھی جو غیر زبان سے عربی میں ترجمہ کی گئی۔

۳۵ھ میں جب تفسیر، حدیث، فقہ وغیرہ کی تدوین شروع ہوئی تو اور علوم کے ساتھ تاریخ و رجال میں بھی مستقل کتابیں لکھی گئیں۔ چنانچہ محمد بن اسحاق المتوفی ۱۵۵ھ نے منہج عباسی کے لیے خاص سیرت نبوی پر ایک کتاب لکھی جو آج بھی موجود ہے۔ ہمارے مؤرخین کا دعویٰ ہے کہ فن تاریخ کی پہلی کتاب ہے۔ لیکن صحیح یہ ہے کہ اس سے پہلے موسیٰ بن عقبہ الکوفی

سیرت نبوی  
میں سب سے  
پہلی تصنیف

اسلام نے آنحضرتؐ کے مغازی قلبہ کیسے تھے۔ موسیٰ۔ نہایت ثقہ اور محتاط شخص تھے اور صحابہؓ کا ناز پایا تھا ایسے انکی یہ کتاب محمدین کے دائرے میں بھی عزت کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہے اسکے بعد فن تاریخ نے نہایت ترقی کی اور بڑے بڑے نامور مؤرخ پیدا ہوئے، جن میں ابو مخنف، کلبی۔ واقعہ زیادہ مشہور ہیں۔ ان لوگوں نے نہایت عمدہ اور جدید عنوان پر کتابیں لکھیں۔ مثلاً کلبی نے افواج اسلام، قریش کے پیشے، قبائل عرب کے مناظرات، جاہلیت اور اسلام کے احکام کا تواریخ ان مضامین پر مستقل رسالے لکھے۔ رفتہ رفتہ اس سلسلے کو نہایت وسعت ہوئی یہاں تک کہ چوتھی صدی تک ایک قریبے پایاں طیار ہو گیا اور بڑی خوبی کی بات یہ تھی کہ ہر صاحبِ قلم کا موضوع اور عنوان جدا تھا۔

اس دور میں ہشیا مؤرخ گذرے۔ انہیں جن لوگوں نے بالتخصیص آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہؓ کے حالات میں کتابیں لکھیں انکی مختصر سی فہرست یہ ہے۔

نام مصنف	تقریف	کیفیت
یحییٰ مدنی	غزوات بنوی	
نصر بن مزاحم کوفی	کتاب الجبل منی حضرت علیؓ اور عائشہ کی لڑائی کا حال۔	
سیف بن عمر الاسدی	کتاب الفتوح البکیر	نہایت مشہور مؤرخ ہے۔
معمربن راشد کوفی	کتاب المغازی۔	امام بخاری کے استاد استاد تھے۔
۱۔ موسیٰ بن عقبہ کے لیے تہذیب التہذیب۔ و مقدمہ فتح الباری شرح صحیح بخاری، دیکھو۔ ۱۲		

نام مصنف	تصنیف	کیفیت
عبد اللہ بن سعد زہری المتوفی ۲۴۰ھ	فتوحات خالد بن الولید	
ابو الجحری وہب بن وہب	کتاب صفۃ ابنی صلم و کتاب فضائل الانصار	۲۰۰ھ میں انتقال کیا۔
ابو الحسن علی بن محمد بن عبد اللہ المدنی۔ المتوفی ۲۴۰ھ		اس نے آنحضرت اور خلفائے حالات میں کثرت سے کتابیں لکھیں اور نئے نئے عنوان اختیار کیے۔
احمد بن حارث حسراز	کتاب المغازی۔ سمار الخلفاء و کتابہم۔	مدائنی کا شاگرد تھا۔
عبدالرحمن بن عبدہ۔	مناقب قریش۔	نہایت ثقہ اور عمدہ مؤرخ تھا۔
عمر بن شبہ المتوفی ۲۶۰ھ	کتاب اُمراء الکوفۃ کتاب اُمراء البصرۃ۔	مشہور مؤرخ ہے۔

قدما کی جو  
تصنیفات  
آج موجود  
ہیں

اگرچہ یہ تصنیفات آج ناپید ہیں لیکن اور کتابیں جو اسی زمانے میں یا اسکے بعد قریب تر زمانے میں لکھی گئیں، اُن میں ان تصنیفات کا بہت کچھ سرمایہ موجود ہے، چنانچہ ہم ان کے نام ان کے مصنفین کے عنوان سے لکھتے ہیں۔

عبداللہ بن مسلم بن قتیبة المتولد ۲۸۰ھ و المتوفی ۳۸۰ھ۔ یہ نہایت نامور اور مستند مصنف ہے

محدثین بھی اسکے اعتماد اور اعتبار کے قائل ہیں۔ تاریخ میں اسکی مشہور کتاب **معارف** ہے جو مصر وغیرہ میں چھپکر شائع ہو چکی ہے، یہ کتاب اگرچہ نہایت مختصر ہے لیکن اس میں ایسے مفید معلومات ہیں جو بڑی بڑی کتابوں میں نہیں ملتیں۔

احمد بن داؤد ابو حنیفہ دیلمی المتوفی ۲۴۰ھ یہ بھی مشہور مصنف ہے۔ تاریخ میں اسکی کتاب کا نام **الاجاز الطوال** ہے۔ اس میں خلیفہ معتمد باللہ تک کے حالات ہیں، خلفاء راشدین کی فتوحات میں سے عجم کی فتح کو تفصیل سے لکھا ہے۔ یہ کتاب یورپ میں بمقام **لیدن** شائع ہوئی ہے۔

محمد بن سعد کاتب الواقدی۔ المتوفی ۲۴۰ھ نہایت ثقہ اور عمدہ مؤرخ ہے، اگرچہ اسکا استاد واقدی ضعیف الروایہ ہے، لیکن خود اسکے ثقہ ہونے میں کسی کو کلام نہیں آئے ایک کتاب **انخصرت** صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ و تابعین و تبع تابعین کے حالات میں نہایت بسط و تفصیل سے دتل بارہ جلدوں میں لکھی ہے اور تمام واقعات، کو متحدہ زمانہ طو پر بہ سند لکھا ہے یہ کتاب طبقات بن سعد کے نام سے مشہور ہے۔ میں نے اسکا قلمی نسخہ دیکھا ہے، اب جرمن میں بڑے اہتمام سے چھپ رہی ہے۔

احمد بن ابی یعقوب بن واضح کاتب عباسی۔ یہ تیسری صدی کا مؤرخ ہے۔ مجھ کو اسکے حالات رجال کی کتابوں میں نہیں ملے۔ لیکن اسکی کتاب خود شہادت دیتی ہے کہ وہ بڑے پایہ کا مصنف ہے۔ چونکہ اسکو دولت عباسیہ کے دربار سے تعلق تھا اسلئے تاریخ کا کچھ سرمایہ ہم پہنچا سکا ہے۔ اسکی کتاب **جو یاریع یعقوبی** کے نام سے مشہور ہے۔ یورپ میں

بمقام لیدن سلسلہء امین چھاپی گئی ہے۔

احمد بن یحییٰ البلاذری المتوفی ۳۰۵ھ ابن سعد کا شاگرد اور المتوکل باللہ عباسی کا درباری تھا۔ اسکی وسعت نظر اور صحت روایت، محدثین کے گروہ میں بھی مسلم ہے۔ تاریخ و رجال میں اسکی دو کتابیں مشہور ہیں۔ فتوح البلدان۔ انساب الاشراف پہلی کتاب کا یہ طبع ہے۔ کہ بلاد اسلامیہ میں سے ہر ہر صوبہ یا ضلع کے نام سے الگ الگ عنوان قائم کیے ہیں، اور انکے متعلق ابتدا سے فتح سے اپنے عہد تک کے حالات لکھے ہیں۔ دوسری کتاب تذکرے کے طور پر ہے جس میں حضرت عمرؓ کے حالات بھی ہیں۔ فتوح البلدان یورپ میں نہایت اہتمام کے ساتھ چھپی ہے۔ اور انساب الاشراف کا قلمی نسخہ قسطنطنیہ میں میری نظر سے گزرا ہے۔ ✓

ابو جعفر محمد بن جریر الطبری المتوفی ۳۲۰ھ یہ حدیث و فقہ میں بھی امام مانے جاتے ہیں چنانچہ ائمہ اربعہ کے ساتھ لوگوں نے انکو مجتہدین کے زمرہ میں شمار کیا ہے۔ تاریخ میں انھوں نے ایک نہایت مفصل اور سبب کتاب لکھی جو ۱۴ ضخیم جلدوں میں ہے اور یورپ میں بمقام لیدن نہایت صحت اور اہتمام کے ساتھ چھپی ہے۔

ابو الحسن علی بن حسین مسعودی المتوفی ۳۴۵ھ فن تاریخ کا امام ہے۔ اسلام میں آج تک اسکے برابر کوئی وسیع النظر مورخ پیدا نہیں ہوا۔ وہ دنیا کی اور قوموں کی تواریخ کا بھی بہت بڑا ماہر تھا۔ اسکی تمام تاریخی کتابیں ملتیں تو کسی اور تصنیف کی کچھ حاجت نہوتی، لیکن افسوس ہے کہ قوم کی بد مذاقی سے اس کی اکثر تصنیفات، ناپید ہو گئیں۔ یورپ

نے بڑی تلاش سے دو کتابیں مہیا کیں ایک مروج الذہب اور دوسری کتاب الاشراف و القنیہ مروج الذہب مفسرین بھی چھپ گئی ہے۔

متاخرین کا دور

یہ تصنیفات جس زمانے کی ہیں وہ قدما کا دور کہلاتا ہے۔ پانچویں صدی کے آغاز سے متاخرین کا دور شروع ہوتا ہے جو فن تاریخ کے تنزل کا پہلا قدم ہے۔ متاخرین میں

قدما کی خصوصیتیں

اگرچہ بشمار مؤرخ گذرے جنین سے ابن الاثیر - سماعی - ذہبی - ابوالفداء - نویری - سیوطی - وغیرہ نے نہایت شہرت حاصل کی لیکن افسوس ہے کہ ان لوگوں نے تاریخ کے ساتھ من حیث الفن کوئی احسان نہیں کیا۔ قدما کی جو خصوصیات تھیں، کھودین اور خود کوئی نئی بات نہیں پیدا کی۔ مثلاً قدما کی ایک یہ خصوصیت تھی کہ ہر تصنیف نئی معلومات پر مشتمل ہوتی تھی۔ متاخرین نے یہ طرز اختیار کیا کہ کوئی قدیم تصنیف سامنے رکھ لی اور بغیر اسکے کہ اس پر کچھ اضافہ کر سکیں، تغیر اور اختصار کے ساتھ اس کا قالب بدل دیا، تاریخ ابن الاثیر کو علامہ ابن خلکان نے من خیار القوائیح کہا ہے اور درحقیقت اسکی قبولیت عام نے قدیم تصنیفین کا پید کر دین، لیکن جہاں تک زمانے کا اشتراک ہے ایک بات بھی اُس میں طبری سے زائد نہیں مل سکتی اسی طرح ابن الاثیر کے بعد جو لوگ پیدا ہوئے انھوں نے اپنی تصنیف کا مدار، صرف ابن الاثیر پر رکھا و ھلکے جبراً۔ اس سے بڑھ کر یہ متاخرین نے قدما کی کتابوں کا جو اختصار کیا اس طرح کیا کہ جہاں جو بات چھوڑ دی، وہی اس تمام واقعہ کی روح تھی، چنانچہ ہماری کتاب کے دوسرے حصے میں اسکی بہت سی مثالیں آئیں گی۔

قدما میں ایک خصوصیت یہ بھی کہ وہ تمام واقعات کو حدیث کی طرح بسند متصل، نقل

کرتے تھے۔ متاخرین نے یہ الزم بالکل چھوڑ دیا، ایک اور خصوصیت قدما میں یہ تھی کہ وہ اگرچہ کسی عہد کی معاشرت و تمدن پر جدا عنوان نہیں قائم کرتے تھے لیکن ضمناً ان جزئیات کو لکھ جاتے تھے جن سے تمدن و معاشرت کا کچھ کچھ پتہ چلتا تھا۔ متاخرین نے یہ خصوصیت بھی قائم نہ رکھی۔

لیکن اس عام نکتہ چینی میں ابن خلدون کا نام شامل نہیں ہے۔ اُس نے فلسفہ تاریخ کا فن ایجاد کیا اور اس پر نہ صرف متاخرین بلکہ مسلمانوں کی کل قوم ناز کر سکتی ہے۔ اسی طرح اُس کا شاگرد علامہ مقرریمی بھی نکتہ چینی کے بجائے، مدح و ستائش کا مستحق ہے۔

بہر حال الفاروق کی تالیف کے لیے جو سرمایہ کام آسکتا تھا وہی قدما کی تصنیفات تھیں، لیکن حقیقت یہ ہے کہ تاریخ و تذکرہ کے فن نے آج جو ترقی کی ہے اُس کے لحاظ سے یہ بے بہا خزانے بھی چند ان کارآمد نہیں۔ اس اجمال کی تفصیل سمجھنے کے لیے پہلے یہ جانتا چاہیے کہ فن تاریخ کی ماہیت اور حقیقت کیا ہے؟

تاریخ کی تعریف ایک بڑے مصنف نے یہ کی ہے کہ ”فطرت کے واقعات، فز انسان کے حالات میں جو تغیرات پیدا کیے ہیں، اور انسان نے عالم فطرت پر جو اثر ڈالا ہے، ان دونوں کے مجموعہ کا نام تاریخ ہے،“ ایک اور حکیم نے یہ تعریف کی ہے، ”اُن واقعات اور حالات کا پتہ لگانا جن سے یہ دریافت ہو کہ موجودہ زمانہ، گزشتہ زمانے سے، کیونکر بڑھتا ہے کے پیدا ہو گیا ہے،“ یعنی چونکہ یہ مسلم ہے کہ آج دنیا میں جو تمدن، معاشرت، خیالات مذہب موجود ہیں۔ سب گزشتہ واقعات کے نتائج ہیں جو خواہ مخواہ اُن سے پیدا ہونے چاہئے تھے

تاریخ کی  
تعریف



ایسے اُن گزشتہ واقعات کا پتہ لگانا اور انکو اس طرح ترتیب دینا جس سے ظاہر ہو کہ ہر موجودہ واقعہ گزشتہ واقعات سے کیونکر پیدا ہوا، اسی کا نام تاریخ ہے۔

ان تعریفات کی بنا پر تاریخ کے لیے دو باتیں لازمی ہیں۔

ایک یہ کہ جس عہد کا حال لکھا جائے۔ اُس زمانے کے ہر قسم کے واقعات قلمبند کیے جائیں، یعنی تمدن، معاشرت، اخلاق، عادات، مذہب، ہر چیز کے متعلق معلومات کا سراپہ مہیا کیا جائے۔

دوسرے یہ کہ تمام واقعات میں سبب اور مسبب کا سلسلہ تلاش کیا جائے۔

قدیم تاریخوں میں یہ دونوں چیزیں مفقود ہیں۔ رعایا کے اخلاق، عادات، اور تمدن و معاشرت، کا تو سرے سے ذکر ہی نہیں آتا، فرمانرواے وقت کے حالات ہوتے ہیں لیکن ان میں بھی فتوحات اور خانہ جنگیوں کے سوا اور کچھ نہیں ہوتا۔ یہ نقص اسلامی تاریخوں تک محدود نہیں، بلکہ کل ایشیائی تاریخوں کا یہی انداز تھا، اور ایسا ہونا مقتضای اسباب تھا۔ ایشیائین ہمیشہ شخصی سلطنتوں کا رواج رہا، اور فرمانرواے وقت، کی عظمت و اقتدار کے آگے تمام چیزیں بیچ ہوتی تھیں، اسکا لازمی اثر تھا کہ تاریخ کے صفحوں میں شاہی عظمت و جلال کے سوا اور کسی چیز کا ذکر نہ آئے اور چونکہ اُس زمانے میں قانون اور قاعدہ جو کچھ تھا، بادشاہ کی زبان مسمیٰ، اس لیے سلطنت کے اصول اور آئین کا بیان کرنا بھی گویا بے فائدہ تھا۔

واقعات میں سلسلہ اسباب پر توجہ کرنے کا بڑا سبب یہ ہوا کہ فن تاریخ ہمیشہ اُن لوگوں

تاریخ کے  
یہ کیا چیزیں  
لازم ہیں

قدیم تاریخوں  
کے نقص اور  
انکے اسباب

کے ہاتھ میں رہا جو فلسفہ اور عقلیات سے آشنا نہ تھے۔ اس لیے فلسفہ تاریخی کے اصول و نتائج پر انکی نظر نہیں پڑ سکتی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ احادیث و سیر میں روایت کا پلہ ہمیشہ روایت سے بھاری رہا بلکہ انصاف یہ ہے کہ روایت سے جس قدر کام لیا گیا نہیے جانے کے برابر تھا۔ اخیر اخیر میں ابن عسکرون نے فلسفہ تاریخ کی بنیاد ڈالی اور اسکے اصول و آئین منضبط کیے۔ لیکن اسکو اس قدر فرصت نہ ملی کہ اپنی تاریخ میں ان اصولوں سے کام لے سکتا۔ اسکے بعد مسلمانوں میں علمی تترل کا ایسا سلسلہ قائم رہا کہ کسی نے پھر اس طرف خیال بھی نہ کیا۔

ایک بڑا سبب جسکی وجہ سے تاریخ کا فن نہ صرف مسلمانوں میں بلکہ تمام قوموں میں ناتمام رہا یہ ہے کہ تاریخ میں جو واقعات مذکور ہوتے ہیں انکو مختلف فنون سے رابطہ ہوتا ہے۔ مثلاً لڑائی کے واقعات فن حرب سے، انتظامی امور قانون سے، اخلاقی تذکرے علم الاخلاق سے تعلق رکھتے ہیں۔ نیز اگر ان تمام علوم کا ماہر ہو تو واقعات کو علمی حیثیت سے دیکھ سکتا ہے ورنہ انکی نظر اسی قسم کی سرسری اور سطحی ہوگی جیسی کہ ایک عامی کی ہو سکتی ہے۔ اسکی مثال یہ ہے کہ اگر کسی عمدہ عمارت پر ایک ایسے واقعہ نگار انشا پر وار کا گذر ہو جو انجیری کے فن سے ناواقف ہے تو گو وہ اس عمارت کا بیان ایسے دلکش پیرائے میں کرے گا جس سے عمارت کی رفعت اور وسعت اور ظاہری حسن و خوبی کی تصویر انکھوں کے سامنے پھر جائے لیکن اگر اسکے بیان میں خاص انجیری کے علمی اصول اور اسکی باکیان و حہمہ مذہبی بائیں تو نہ مل سکیں گی۔ یہی سبب ہے کہ تاریخوں میں حالات جنگ کے ہزاروں

صغیہ پڑھکر بھی فن جنگ کے اصول پر کوئی معتد بہ اطلاع نہیں حاصل ہوتی۔  
 انتظامی امور کے ذکر میں قانونی حیثیت کا اسی وجہ سے تہ نہیں لگتا کہ مؤرخین فقہ و قانون دان  
 نہ تھے۔ اگر خوش قسمتی سے تاریخ کا فن اُن لوگوں کے ہاتھ میں رہا ہوتا جو تاریخ کے ساتھ  
 فن جنگ، اصول قانون، اصول سیاست، علم الاخلاق سے بھی آشنا ہوتے تو آج یہ  
 فن کمان سے کمان تک پہنچا ہوتا۔

واقعات کی  
 صحت کا مہیا

یہ بحث تو اس لحاظ سے تھی کہ قدیم تاریخوں میں تمام ضروری واقعات مذکور نہیں ہوتے  
 اور جس قدر ہوتے ہیں انہیں اسباب و علل کا سلسلہ نہیں ملتا۔ لیکن انکے علاوہ ایک اور  
 ضروری بحث ہے۔ وہ یہ کہ جو واقعات مذکور ہیں خود انکی صحت پر کمان تک اعتبار ہو سکتا  
 ہے؟۔ واقعات کے جانچنے کے صرف دو طریقے ہیں۔ روایت و درایت روایت سے  
 یہ مراد ہے کہ جو واقعہ بیان کیا جائے اُس شخص کے ذریعے سے بیان کیا جائے جو خود اُس  
 واقعہ میں موجود تھا اور اُس سے لیکر اخیر راوی تک روایت کا سلسلہ متصل بیان کیا جائے۔  
 اسکے ساتھ تمام راویوں کی نسبت تحقیق کیا جائے کہ وہ صحیح الروایہ اور ضابطہ تھے یا نہیں۔  
 درایت سے یہ مراد ہے کہ اصول عقلی سے واقعہ کی تنقید کی جائے۔

روایت

اس امر پر مسلمان بے شبہ فخر کر سکتے ہیں کہ روایت کے فن کے ساتھ انھوں نے  
 جس قدر اعتنا کیا کسی قوم نے کبھی نہیں کیا تھا۔ انھوں نے ہر قسم کی روایتوں میں سلسل  
 سند کی جستجو کی اور راویوں کے حالات اس شخص اور تلاش سے ہم پہونچائے کہ اُسکو ایک  
 مستقل فن بنا دیا جو فن رجال کے نام سے مشہور ہے۔ یہ توجہ اور اہتمام اگرچہ مسلسل میں

احادیث نبوی کے لیے شروع ہوا تھا لیکن فن تاریخ بھی اس فیض سے محروم نہ رہا۔ طببری فتوح البلدان، طبقات ابن سعد وغیرہ میں تمام واقعات بسند متصل مذکور ہیں۔ یورپ نے <sup>اھل</sup> فن تاریخ کو آج کمال کے درجے پر پہنچا دیا ہے لیکن اس خاص امر میں وہ مسلمان مورخوں سے بہت پیچھے ہیں۔ انکو واقعہ نگار کے ثقہ اور غیر ثقہ ہونے کی کچھ پروا نہیں ہوتی یہاں تک کہ وہ جرح و تعدیل کے نام سے بھی آشنا نہیں۔

درایت

درایت کے اصول بھی اگرچہ موجود تھے چنانچہ ابن حزم ابن القیم خطابی ابن عبد البر نے متعدد روایتوں کی تنقید میں ان اصولوں سے کام لیا ہے لیکن انصاف یہ ہے کہ اس فن کو جس قدر ترقی ہوئی چاہیے تھی نہیں ہوئی، اور تاریخ میں تو اس سے بالکل کام نہیں لیا گیا البتہ علامہ ابن خلدون نے جو اٹھویں صدی ہجری میں گزرا ہے جب فلسفہ تاریخ کی بنیاد ڈالی تو درایت کے اصول نہایت نکتہ سنجی اور باریک بینی کے ساتھ مرتب کیے چنانچہ اپنی کتاب کے دیباچے میں لکھا ہے۔

ان الاخبار اذا اعتمد فيها على جرح النقل و	خبرون میں اگر صرف روایت پر اعتبار کر لیا جائے اور
لم يتحكم اصول العادة وقواعد السياسة	عادت کے اصول اور سیاست کے قواعد اور انسانی
وطبيعة العمران والاحوال في الاجتماع الانساني	سوسائٹی کے اقتضا کا لحاظ اچھی طرح نہ کیا جائے
ولا تيسر الغائب منها بالشاهد والحاضر	اور غائب کو حاضر پر اور حال کو گزشتہ پر نہ
بالذاهب فمن لم يؤمن فيها من العتوى	قیاس کیا جائے تو اکثر نغزش ہوگی۔

علامہ موصوف نے تصحیح کی ہے کہ واقعہ کی تحقیق کے لیے پہلے راویوں کی جرح و تعدیل

سے بحث نہیں کرنی چاہیے بلکہ یہ دیکھنا چاہیے کہ واقعہ فی نفسہ ممکن بھی ہے یا نہیں، کیونکہ اگر واقعہ کا ہونا ممکن ہی نہیں تو راوی کا عادل ہونا بیکار ہے علامہ موصوف نے یہ بھی ظاہر کر دیا ہے کہ ان موقعوں میں امکان سے امکان عقلی مراد نہیں بلکہ اصول عادت اور قواعد تمدن کے رو سے ممکن ہونا مراد ہے۔

اب ہکو یہ دیکھنا ہے کہ جو نقص قدیم تاریخوں کے متعلق بیان کیے گئے انکی آج کمان تک تلافی کیجا سکتی ہے یعنی ہم اپنی کتاب (الفاروق) میں کس حد تک اس کمی کو پورا کر سکتے ہیں اگرچہ یہ امر بالکل صحیح ہے کہ جو کتابیں حضرت عمرؓ کے حالات میں مستقل حیثیت سے لکھی گئی ہیں ان میں ہر قسم کے ضروری واقعات نہیں ملتے لیکن اور قسم کی تصنیفوں سے ایک حد تک اسکی تلافی ہو سکتی ہے۔ مثلاً الاحکام السلطانیۃ لابن الوردمی و مقدمہ ابن خلدون و کتاب الخراج سے حضرت عمرؓ کے طریق حکومت و آئین انتظام کے متعلق بہت سی باتیں معلوم ہو سکتی ہیں، اخبار القضاۃ لمحمد بن خلف الوکیع سے خاص صیغہ تفضا کے متعلق انکا طریق عمل معلوم ہوتا ہے۔ کتاب الاوائل لابن ہلال العسكري و محاسن الوسائل الی اخبار الاوائل میں انکی اولیات کی تفصیل ہے۔ عقد الفرید و کتاب البیان و التیسیم للبحاظین انکے خطبے منقول ہیں۔ کتاب العمدة لابن رشیق القیروانی سے انکا شاعرانہ مذاق معلوم ہوتا ہے۔ میدان فی نے کتاب الاشغال میں انکے حکیمانہ مقولے نقل کیے ہیں۔ ابن جوزی نے سیرۃ النعمان میں انکے اخلاق اور عادات کو تفصیل سے لکھا ہے۔ شاہ دلی اللہ صاحب نے ازالۃ النہامین انکے فقہ اور اجتہاد پر اس محبتانہ طریق سے

بحث کی ہے کہ اس سے زیادہ ممکن نہیں۔

یہ تمام تصنیفات میرے پیش نظر ہیں اور میں نے اُن سے فائدہ اٹھایا ہے ریاض النظرۃ للمحب الطبری میں بھی حضرت عمر کے حالات تفصیل سے ملتے ہیں اور شاہ ولی اللہ صاحب نے اسی کتاب کو اپنا ماخذ قرار دیا ہے لیکن اُس میں نہایت کثرت سے موضوع اور ضعیف روایتیں مذکور ہیں اس لیے میں نے دانستہ اُس سے احتراز کیا۔

واقعات کی تحقیق و تنقید کے لیے درایت کے اصول سے بہت بڑی مدد مل سکتی ہے۔ درایت کا فن اب ایک مستقل فن بن گیا ہے اور اُس کے اصول و قاعدے نہایت خوبی سے منضبط ہو گئے ہیں ان میں سے جو اصول ہمارے کام میں آسکتے ہیں جب ذیل میں

۱۔ واقعہ مذکورہ، اصول عادت کے زور سے ممکن ہے یا نہیں؟

۲۔ اُس زمانے میں لوگوں کا میلان عام واقعہ کے مخالف تھا یا موافق؟

۳۔ واقعہ اگر کسی حد تک غیر معمولی ہے تو اسی نسبت سے ثبوت کی شہادت زیادہ

قوی ہے یا نہیں؟

۴۔ اس امر کی تفتیش کہ راوی جس چیز کو واقعہ ظاہر کرتا ہے اُس میں اُس کے قیاس اور رائے کا کس قدر حصہ شامل ہے؟

۵۔ ان تصنیفات میں سے کتاب الادا اعلیٰ اور کتاب العمود کا علمی نسخہ میرے کتب خانے میں موجود ہے سیرۃ النعمان اخبار الفقہاء اور معالجۃ السائل کے نسخے مسطحطینہ کے کتب خانے میں ہیں اور میں نے اُن سے ضروری عبارتیں نقل کر لی تھیں۔ باقی کتابیں چھپ گئی ہیں اور میرے پاس موجود ہیں۔

۵۔ راوی نے واقعہ کو جس صورت میں ظاہر کیا وہ واقعہ کی پوری تصویر ہے یا اس امر کا احتمال ہے کہ راوی اُسکے ہر پہلو پر نظر نہیں ڈال سکا اور واقعہ کی تمام خصوصیتیں نظر میں نہ آسکیں۔

۶۔ اس بات کا اندازہ کہ زمانے کے امتداد اور مختلف راویوں کے طریقہ ادائے روایت میں کیا کیا اور کس کس قسم کے تغیرات پیدا کر دیے ہیں۔

ان اصولوں کی صحت سے کوئی شخص انکار نہیں کر سکتا اور انکے ذریعے سے بہت سے مخفی راز معلوم ہو سکتے ہیں۔ مثلاً آج جس قدر تاریخین متداول ہیں ان میں غیر قوموں کی نسبت حضرت عمر کے نہایت سخت احکام منقول ہیں۔ لیکن جب اس بات پر لحاظ کیا جائے کہ یہ اُس زمانے کی تصنیفیں ہیں جب اسلامی گروہ میں تعصب کا مذاق پیدا ہو گیا تھا، اور اسی کے ساتھ قدیم زمانے کی تصنیفات پر نظر ڈالی جائے جن میں اس قسم کے واقعات بالکل نہیں یا بہت کم ہیں۔ تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ جس قدر تعصب آتا گیا ہے اُسی قدر روایتیں خود بخود تعصب کے سانچے میں ڈھلتی گئی ہیں۔ تمام تاریخوں میں مذکور ہے کہ حضرت عمر نے حکم دیا تھا کہ عیسائی کسی وقت اور کبھی ناقوس نہ بجانے پائیں لیکن قدیم کتابوں (کتاب الحزاج تاریخ طبری وغیرہ) میں یہ روایت اس قید کے ساتھ منقول ہے کہ جس وقت مسلمان نماز پڑھتے ہوں اُس وقت عیسائی ناقوس نہ بجا میں نہ بجا میں۔ ابن الاثیر وغیرہ نے لکھا ہے کہ حضرت عمر نے حکم دیا تھا کہ قبیلہ ثعلب کے عیسائی اپنے بچوں کو صلبان نہ دینے پائیں لیکن یہی روایت تاریخ طبری میں ان

اصول روایت  
سے جن امور  
کا تذکرہ کیا  
ہے

الفاظ سے مذکور ہے کہ ”جو لوگ اسلام قبول کر چکے ہوں اُن کے بچوں کو زبردستی اصطباغ نہ دیا جائے۔“

یامثلًا بہت سی تاریخوں میں یہ تصریح ہے کہ حضرت عمرؓ نے تحقیر اور تذلیل کے لیے عیسائیوں کو ایک خاص لباس پہننے پر مجبور کیا تھا لیکن زیادہ تدقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ واقعہ صرف اس قدر ہے کہ حضرت عمرؓ نے عیسائیوں کو ایک خاص لباس اختیار کرنے کی ہدایت کی تھی۔ تحقیر کا خیال راوی کا قیاس ہے چنانچہ اسکی مفصل بحث آگے آئے گی۔

یامثلًا وہ روایتیں جو تاریخی ہونے کے ساتھ مذہبی حیثیت بھی رکھتے ہیں انہیں یہ خصوصیت صاف محسوس ہوتی ہے کہ جس قدر ان میں تنقید ہوتی گئی ہے اُسی قدر مشتبہ اور مشکوک باتیں کم ہوتی گئیں ہیں۔ فدک۔ قرطاس۔ سفینہ نبی ساعدہ کے واقعات ابن عساکر۔ ابن سعد۔ ہیثمی۔ مسلم۔ بخاری۔ سب نے نقل کیے ہیں لیکن جس قدر ان بزرگوں کے اصول اور شدت احتیاط میں فرق مراتب ہے اُسی نسبت سے روایتوں میں مشتبہ اور نزاع انگیز الفاظ کم ہوتے گئے ہیں۔ یہاں تک کہ خود مسلم و بخاری میں فرق مراتب کا یہ اثر موجود ہے چنانچہ اسکا بیان ایک مناسب موقع پر تفصیل سے آئیگا۔

انہی اصول عقلی کی بنا پر مختلف قسم کے واقعات میں صحت و اعتبار کے مدارج بھی مختلف قائم کرنے ہونگے۔ مثلاً یہ مسلم ہے کہ حضرت عمرؓ کی خلافت کے واقعات تنویر کے



بعد تحریر میں آئے اس بنا پر یہ تسلیم کرنا چاہیے کہ معرکوں اور لڑائیوں کی نہایت جزئی تفصیلین مثلاً صف آرائی کی کیفیت، فریقین کے سوال و جواب۔ ایک ایک بہادر کی معرکہ آرائی۔ پہلوانوں کے دانوتیج۔ اس قسم کی جزئیات کی تفصیل کا ترتیبین تک نہیں پہنچ سکتا۔ لیکن انتظامی امور اور قواعد حکومت چونکہ مدت تک محسوس صورت میں موجود رہے۔ اس لیے انکی نسبت جو واقعات منقول ہیں وہ بے شبہ یقین کے لائق ہیں اگر نئے ہندوستانی جو آئین اور قاعدے جاری کیے ایک ایک بچہ اُن سے واقف ہے اور اُن کی نسبت کوئی شبہ نہیں کیا جاسکتا جسکی یہ وجہ نہیں کہ حدیث کی طرح اسکی لیے قطعی روایتیں موجود ہیں بلکہ اس لیے کہ وہ انتظامات مدت تک قائم رہے اور اگر کے نام سے اُن کو شہرت تھی۔

حضرت عمر کے خطبے اور حکمت امیر منقول ہیں اُن کی نسبت یہ قیاس کرنا چاہیے کہ جو فقرے زیادہ پُر اثر اور فصیح و بلیغ ہیں وہ ضرور صحیح ہیں کیونکہ ایک فصیح مقرر کے وہ فقرے ضرور محفوظ رہ جاتے ہیں اور اُن کا مدت تک چرچا رہتا ہے جن میں کوئی خاص ثمرت اور اثر ہوتا ہے۔ اسی طرح خطیبوں کے وہ جملے ضرور قابل اعتماد ہیں جنہیں احکام شرعیہ کا بیان ہے کیونکہ اس قسم کی باتوں کو لوگ فقہ کی حیثیت سے محفوظ رکھتے تھے۔

جو واقعات اُس زمانے کے مذاق کے لحاظ سے چنداں قابل ذکر نہ تھے اور باوجود اسکے انکا ذکر آجاتا ہے اُن کی نسبت سمجھنا چاہیے کہ اصل اقداس سے

زیادہ ہوگا۔ مثلاً ہمارے مورخین رزم و بزم کی موکہ آرائیوں اور رنگینیوں کے مقابلے میں انتظامی امور کے بیان کرنے کے بالکل عادی نہیں ہیں۔ با اینہم حضرت عمر کے حال میں عدالت۔ پولیس۔ بند و بست۔ مردم شماری وغیرہ کا ضمناً جو ذکر آجاتا ہے اسکی نسبت یہ خیال کرنا چاہیے کہ جس قدر قلب بند ہوا۔ اُس سے بہت زیادہ چھوڑ دیا گیا ہے۔ حضرت عمر کے زہد و تقشف۔ سخت مزاجی اور سخت گیری کی نسبت سیکڑوں روایتیں مذکور ہیں اور بے شبہ اور صحابہ کی نسبت یہ اوصاف اُن میں زیادہ تھے۔ لیکن اس کے متعلق اُن تمام روایتوں کو صحیح نہیں خیال کرنا چاہیے جو حلیۃ الاولیاء۔ ابن عساکر۔ کنز العمال۔ ریاض النضرہ وغیرہ میں مذکور ہیں بلکہ یہ سمجھنا چاہیے کہ چونکہ اس قسم کی روایتیں عموماً گرمی محفل کا سبب ہوتی تھیں اور عوام اُن کو نہایت ذوق سے سنتے تھے اس لئے اُن میں خود بخود مبالغہ کا رنگ آتا گیا ہے۔ اسکی تصدیق اس سے ہوتی ہے کہ جو کتابیں زیادہ مستند اور معتبر ہیں اُن میں یہ روایتیں بہت کم پائی جاتی ہیں۔ اسی لئے میں نے اس قسم کی جو روایتیں اپنی کتاب میں نقل کی ہیں اُن میں بڑی احتیاط کی ہے اور ریاض النضرہ و ابن عساکر و حلیۃ الاولیاء وغیرہ کی روایتوں کو بالکل نظر انداز کیا ہے۔

اخیر میں طرز تحریر کے متعلق کچھ لکھنا بھی ضرور ہے۔ آجکل کی اعلیٰ درجے کی تاریخیں جنہوں نے قبول عام حاصل کیا ہے فلسفہ اور انشا پر داری سے مرکب ہیں اور اس طرز سے بڑھکر اور کوئی طرز مقبول عام نہیں ہو سکتا۔ لیکن حقیقت تاریخ اور

تاریخ کا  
طرز تحریر

تاریخ اور  
انشاء پر داری  
کا نقشہ

انشاء پر داری کی حدیں بالکل جدا جدا ہیں۔ ان دونوں میں جو فرق ہے وہ نقشہ اور تصویر کے فرق سے مشابہ ہے۔ نقشہ کھینچنے والے کا یہ کام ہے کہ کسی حصہ زمین کا نقشہ کھینچے تو نہایت دیدہ ریزی کے ساتھ اسکی ہیئت۔ شکل۔ سمت۔ جہت۔ اطراف۔ اضلاع ایک ایک چیز کا احاطہ کرے۔ بخلاف اسکے مضمون صرف ان خصوصیتوں کو لے گا یا ان کو زیادہ نمایان صورت میں دکھائیگا جن میں کوئی خاص انجوبگی ہے اور جن سے انسان کی قوت منقطعہ پراثر پڑتا ہے۔ مثلاً رستم و سہراب کی داستان کو ایک مورخ لکھے گا تو سادہ طور پر واقعہ کے تمام جزئیات بیان کر دیگا لیکن ایک انشاء پر داز ان جزئیات کو اس طرح ادا کرے گا کہ سہراب کی مظلومی و یکسوی اور رستم کی مذہمت و حسرت کی تصویر انکھون کے سامنے پھر جائے، اور واقعہ کے دیگر جزئیات باوجود سامنے ہونے کے نظر نہ آئیں۔

مورخ کا اصلی فرض یہ ہے کہ وہ سادہ واقعہ نگاری کی حد سے تجاوز نہ کرنے پائے۔ یورپ میں آج کل جو بڑا مورخ گذرا ہے اور جو طرز حال کا موجد ہے۔ رینکی ہے اسکی تعریف ایک پروفیسر نے ان الفاظ میں کی ہے ”اسنے تاریخ میں شاعری سے کام نہیں لیا۔ وہ نہ ملک کا ہمدرد بنا نہ مذہب اور قوم کا طرفدار ہوا۔ کسی واقعہ کے بیان کرنے میں مطلق تہ نہیں لگتا کہ وہ کن باتوں سے خوش ہوتا ہے اور اسکا ذاتی اعتقاد کیا ہے۔“

یہ امر بھی بتا دینا ضرور ہے کہ اگرچہ میں نے واقعات میں اسباب و علل کے سلسلے بیان کرنے کی کوشش کی ہے، لیکن اس باب میں یورپ کی بے اعتدالی سے احتراز کیا ہے۔

اسباب و علل کے سلسلے پیدا کرنے کے لیے اکثر حجبہ قیاس سے کام لینا پڑتا ہے۔ اس لیے سوئرخ کو اجتہاد اور قیاس سے چارہ نہیں لیکن یہ اسکا لازمی فرض ہے کہ وہ قیاس اور اجتہاد کو واقعہ میں اس قدر مخلوط نہ کر دے کہ کوئی شخص دونوں کو الگ کرنا چاہے تو نہ کر سکے۔ اہل یورپ کا عام طرز یہ ہے کہ وہ واقعہ کو اپنے اجتہاد کے موافق کرنے کے لیے ایسی ترتیب اور انداز سے لکھتے ہیں کہ واقعہ بالکل اُنکے اجتہاد کے قالب میں ڈھل جاتا ہے اور کوئی شخص قیاس اور اجتہاد کو واقعہ سے الگ نہیں کر سکتا۔

اس کتاب کی ترتیب اور اصول تحریر کے متعلق چند امور لحاظ رکھنے کے قابل ہیں۔  
۱۔ بعض واقعات مختلف حیثیتیں رکھتے ہیں اور مختلف عنوانوں کے تحت دیے جاسکتے ہیں اس لیے اس قسم کے واقعات کتاب میں مکرر آگئے ہیں اور ایسا ہونا ضرور بھائی میں یہ التزام رکھا گیا ہے کہ جس خاص عنوان کے نیچے وہ واقعہ لکھا گیا ہے وہاں اُس عنوان کی حیثیت زیادہ تر دکھلائی گئی ہے۔

۲۔ کتابوں کا حوالہ زیادہ تر انہیں واقعات میں دیا گیا ہے جو کسی حیثیت سے قابل تحقیق تھے اور کوئی خصوصیت خاص رکھتے تھے۔

۳۔ جو کتابیں روایت کی حیثیت سے کم تر ہیں مثلاً از آلہ الخفا و ریاض النضرۃ وغیرہ ان کا جہان حوالہ دیا ہے اس بنا پر دیا ہے کہ خاص اُس روایت کی تصدیق اور معتبر کتابوں سے کر لی گئی تھی۔

غرض کہی برس کی سعی و محنت اور تلاش و تحقیق کا جو نتیجہ ہے وہ قوم کے سامنے ہے۔

نہایت قابلیت سے انجام دیا اور اس وجہ سے بڑے بڑے عالی رتبہ لوگوں کے مقدمات انکے پاس فیصلہ کرنے کے لیے آتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جد امجد عبد المطلب اور حرب بن امیہ میں جب ریاست کے دو عہدے پر نزاع ہوئی تو دونوں نے نفیل ہی کو حکم مانا۔ نفیل نے عبد المطلب کے حق میں فیصلہ کیا اور اس وقت حرب کی طرف مخاطب ہو کر یہ جملے کہے۔

أَتَأْتِرْ رَجُلًا هُوَ أَطْوَلُ مِنْكَ قَامَةً وَأَوْسَمُ وَسَامَةً وَأَكْظَمُ مِنْكَ هَامَةً وَكَشَ مِنْكَ وَلَدًا وَاجْرُلُ مِنْكَ صَفْعًا وَأَنَا لَا أَقُولُ هَذَا وَأَنْتَ لِبَعْدِ الْغَضَبِ فِی الْعَصَبِ فِی الْعَرَبِ جِلْدُ الْمَرْيَةِ لِحَبْلِ الْعَشِيَةِ۔

حضرت عمر  
کے برادر  
عم بن خطاب  
زید

نفیل کے دو بیٹے تھے۔ عمرو۔ خطاب۔ عمرو مسمولی یا قت کے آدمی تھے لیکن انکے بیٹے زید جو نفیل کے پوتے اور حضرت عمر کے چچا زاد بھائی تھے نہایت عالی درجہ شخص تھے۔ وہ ان ممتاز بزرگوں میں تھے جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بشت سے پہلے اپنے اجتماع سے بت پرستی کو ترک کر دیا تھا اور موقد بن گئے تھے ان میں زید کے سوا باقیوں کے یہ نام ہیں۔ قس بن ساعدہ۔ درقہ بن نوفل۔

زید بت پرستی اور رسوم جاہلیت کو علانیہ برا کہتے تھے اور لوگوں کو دین ابراہیمی کی ترغیب دلاتے تھے اس پر تمام لوگ انکے دشمن ہو گئے جن میں حضرت عمر کے والد، خطاب سب سے زیادہ سرگرم تھے، خطاب نے اس قدر انکو تنگ کیا کہ وہ آخر مجبور ہو کر انکو معافی سے نکل گئے اور حرامین جا رہے، تاہم کبھی کبھی چھپ کر کعبہ کی زیارت کو آتے۔ زید

کے اشعار آج بھی موجود ہیں جن سے اُنکے اجتہاد اور روشن ضمیری کا اندازہ ہو سکتا ہے وہ شعر یہ ہیں۔

ایک خدا کو مانوں کو یا نہارون کو؟ میں نے  
لات اور عزی (بتوں کے نام تھے) سب کو  
خیر باد کہا اور سمجھ دار آدمی ایسا ہی  
کرتا ہے۔

ارثاً واحداً ام العَرَبِ  
آدینُ اِذَا قُتِمَتِ الْأُمُومُ  
نَزَكَتِ اللَّاتُ وَالْعُزَّىٰ مَبِيعًا  
كَذَلِكَ يَفْعَلُ الرَّجُلُ الْبَصِيرُ

خطاب حضرت عمر کے والد قریش کے ممتاز آدمیوں میں سے تھے۔ قبیلہ عدی اور بنو عبد الشمس میں مدت سے عداوت چلی آتی تھی۔ اور چونکہ بنو عبد الشمس کا خاندان بڑا تھا اس لیے غلبہ انھیں کو رہتا تھا۔ عدی کے تمام خاندان نے جس میں خطاب بھی شامل تھے مجبور ہو کر بنو سہم کے دامن میں پناہ لی۔ اس پر بھی مخالفوں نے لڑائی کی دھمکی دی تو خطاب نے یہ اشعار کہے۔

حضرت عمر  
کے والد  
خطاب

ابو عَدْنِي ابوعمر و دوني  
رَجَالٌ لَا يَفْنِيهِمَا الْوَعِيدُ  
رَجَالٌ مِّنْ نَّبِي سَهْمٍ بِنِ عَمْرِ  
اِلَى اَيِّ اَيَاتِهِمْ يَأْوِي الطَّرِيدُ

کل آنٹھ شعر ہیں اور علامہ ازرقی نے تاریخ مکہ میں انکو بتا مہا نقل کیا ہے۔ عدی کا تمام خاندان مکہ معظمہ میں مقام صفائین سکونت رکھتا تھا لیکن جب انھوں نے بنو سہم سے تعلق پیدا کیا تو مکانات بھی انھی کے ہات نیچ ڈالے، لیکن خطاب کے

لے ذیل لا منتقل مال سعد الغابۃ کتاب الادب الاصل - اور معارف بن قتیبہ میں ملے۔ کتاب المعارف بن قتیبہ۔

متعدد مکانات صفائین بھی باقی رہے جن میں سے ایک مکان حضرت عمر کو وراثت میں پہنچا تھا۔ یہ مکان - صفاد مروتہ کے بیچ میں تھا۔ حضرت عمر نے اپنی خلافت کے زمانے میں اُسکو ڈھا کر حاجیوں کے اُترنے کے لئے میدان بنادیا لیکن اُسکے متعلق بعض لوگ انین مدت تک حضرت عمر کے خاندان کے قبضے میں رہیں۔

خطاب نے متعدد شادیاں اوپنے اوپنے گھرانوں میں کیں، چنانچہ حضرت عمر کی ماں جب کا نام خنتمہ تھا ہشام بن المغیرہ کی بیٹی تھیں۔ مغیرہ اس رتبے کے آدمی تھے کہ جب قریش کسی قبیلے سے رٹنے کے لئے جاتے تھے تو فوج کا اہتمام انھی کے متعلق ہوتا تھا۔ اسی مناسبت سے انکو صاحب الاعنہ کا لقب حاصل تھا۔ حضرت خالدہ انھی کے پوتے تھے۔ مغیرہ کے بیٹے ہشام بھی جو حضرت عمر کے ناما تھے ایک ممتاز آدمی تھے۔

حضرت عمر  
کی ولادت

حضرت عمر مشہور روایت کے مطابق ہجرت بنوی سے ۴۰ برس قبل پیدا ہوئے۔ انکی ولادت اوزعین کے حالات بالکل نامعلوم ہیں۔ حافظ بن عساکر نے تاریخ دمشق میں عمرو بن العاص کی زبانی ایک روایت نقل کی ہے کہ میں چند احباب کے ساتھ ایک جلسے میں بیٹھا ہوا تھا کہ دفعۃً ایک غل اٹھا۔ دریافت سے معلوم ہوا کہ خطاب کے گھر بیٹا پیدا ہوا۔ اس سے قیاس ہو سکتا ہے کہ حضرت عمر کے پیدا ہونے پر غیر معمولی خوشی کی گئی تھی، انکے سن رشد کے حالات بھی بہت کم معلوم ہیں اور کیونکر معلوم ہوتے۔ اس وقت کس کو خیال تھا کہ یہ نوجوان آگے چل کر فاروق اعظم ہونیوالا ہے۔ تاہم

تاریخ مکہ لازرقی ذکر رباع بن عدی بن کعب۔

بن رشد

نہایت تعفُّص اور تلاش سے کچھ کچھ حالات ہم پہنچے جسکا بیان نقل کرنا ناموزون نہوگا۔

بن رشد کو پہنچ کر خطاب انکے باپ نے انکو جو خدمت سپرد کی وہ اونٹوں کا چرانہ تھا۔ یہ شغل اگرچہ عرب میں میسوب نہیں سمجھا جاتا تھا بلکہ قومی شعار تھا لیکن خطاب نہایت بی رحمی کے ساتھ اُن سے سلوک کرتے تھے۔ تمام تمام دن اونٹ چرانے کا کام لیتے اور کبھی تھک کر وہ دم لینا چاہتے تو سزا دیتے۔ جس میدان میں حضرت عمر کو یہ مصیبت خدمت انجام دینی پڑتی تھی اسکا نام ضجنان تھا جو مکہ معظمہ سے قریب قدیر سے میل کے فاصلے پر ہے خلافت کے زمانے میں ایک دفعہ حضرت عمر کا اُدھر گزر ہوا تو انکو نہایت عبرت ہوئی۔ ابدیدہ ہو کر فرمایا کہ ”اللہ اکبر! ایک وہ زمانہ تھا کہ میں بیان نہ دے گا کرتہ پہنے ہوئے اونٹ چرایا کرتا اور تھک کر بیٹھ جاتا تو باپ کے ہاتھ سے مار کھاتا۔ آج یہ دن ہے کہ خدا کے سوا، میرے اوپر اور کوئی حاکم نہیں ہے۔“

شباب کا آغاز ہوا تو حضرت عمر، اُن شریفانہ شغلوں میں مشغول ہوئے جو شرفای عمر میں عموماً معمول تھے۔ عرب میں اسوقت جن چیزوں کی تعلیم دی جاتی تھی اور جو لازماً شرافت خیال کی جاتی تھیں، نسب دانی، سپہگرمی، پہلوانی، اور مقرری بھی نسب دانی کا فن حضرت عمر کے خاندان میں موردِ وثی چلا آتا تھا۔ جاحظ نے کتاب البیان و التبیین میں تبصریح لکھا ہے کہ حضرت عمر، اور انکے باپ اور دادا اُن فیصل تینوں بہت بڑے نسب تھے غالباً اسکی وجہ یہ تھی کہ حضرت عمر کے خاندان میں جیسا کہ ہم ابھی لکھ آئے ہیں



سفارت اور فیصلہ منافرت یہ دونوں منصب موروثی چلے آتے تھے اور انکے انجام دینے کے لئے انساب کا جاننا سب سے مقدم امر تھا۔ حضرت عمرؓ نے انساب کا فن اپنے باپ سے سیکھا۔ جاحظ نے تصریح کی ہے کہ حضرت عمرؓ جب انساب کے متعلق کچھ بیان کرتے تھے تو ہمیشہ اپنے باپ خطاب کا حوالہ دیتے تھے۔

عکاظ

پہلوانی اور کشتی کے فن میں بھی کمال حاصل کیا یہاں تک کہ عکاظ کے جنگل میں مہر کے کی کشتیاں اڑتے تھے۔ عکاظ۔ جبل عرفات کے پاس ایک مقام تھا جہاں سال کے سال اس غرض سے میل لگتا تھا کہ عرب کے تمام اہل فن جمع ہو کر اپنے کمالات کے جوہر دکھلاتے تھے، اس لئے صرف وہی لوگ یہاں پیش ہو سکتے تھے جو کسی فن میں کمال رکھتے تھے۔ نابغہ ذبیانی۔ حسان بن ثابت۔ قس بن ساعدہ۔ خنساء۔ جنکو شاعری اور ملکہ تقریر میں تمام عرب مانتا تھا اسی تعلیم گاہ کے تعلیم یافتہ تھے۔ حضرت عمرؓ کی نسبت علامہ بلاذری نے کتاب الاشراف میں بسند یہ روایت نقل کی ہے کہ ”عکاظ کے جنگل میں کشتی لڑا کرتے تھے“ اس سے قیاس ہو سکتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے اس فن میں پورا کمال حاصل کیا تھا شہسواری کی نسبت انکا کمال عموماً مسلم ہے چنانچہ جاحظ نے لکھا ہے کہ وہ گھوڑے پر اچھل کر سوار ہوتے تھے اور اس طرح جم کر بیٹھتے تھے کہ جلد بدن ہو جاتے تھے۔

قوت تقریر کی نسبت اگرچہ کوئی تصریح شہادت موجود نہیں لیکن یہ امر تمام مؤرخین نے اتفاق لکھا ہے کہ اسلام لانے سے پہلے قریش نے انکو سفارت کا منصب دیدیا تھا، اور یہ منصب صرف اُس شخص کو مل سکتا تھا جو قوت تقریر اور معاملہ نموی میں کمال رکھتا تھا۔

اس کتاب کے دوسرے حصے میں ہم نے اس واقعہ کو تفصیل سے لکھا ہے کہ حضرت عمر شاعری کا نہایت عمدہ مذاق رکھتے تھے اور تمام مشہور شعراء کے چیدہ اشعار انکو یاد تھے۔ اس سے قیاس ہو سکتا ہے کہ یہ مذاق انھوں نے جاہلیت ہی میں عکاظ کی تعلیم گاہ میں حاصل کیا ہو گا۔ کیونکہ اسلام لانے کے بعد وہ مذہبی اشغال میں ایسے محو ہو گئے تھے کہ اس قسم کے چرچے بھی چند ان پسند نہیں کرتے تھے۔

اسی زمانے میں انھوں نے لکھنا پڑھنا بھی سیکھ لیا تھا اور یہ وہ خصوصیت تھی جو اسی زمانے میں بہت کم لوگوں کو حاصل تھی۔ علامہ بلاذری نے یہ سند لکھا ہے کہ جب آنحضرت مبعوث ہوئے تو قریش کے تمام قبیلے میں ۱۰ آدمی تھے جو لکھنا جانتے تھے انہیں سے ایک عمر بن خطاب تھے۔

ان فنون سے فائدہ ہو کر وہ فکر معاش میں مصروف ہوئے۔ عرب میں معاش کا ذریعہ زیادہ تر تجارت تھا اس لئے انھوں نے بھی یہی شغل اختیار کیا اور یہی شغل انکی بہت بڑی ترقیوں کا سبب ہوا۔ وہ تجارت کی غرض سے دور دور ملکوں میں جاتے تھے اور بڑے بڑے لوگوں سے ملتے تھے، خود داری، بلند حوصلگی، تجربہ کاری، معاملہ دانی، یہ تمام اوصاف جو انہیں اسلام لانے سے قبل پیدا ہو گئے تھے سب انھی سفروں کی بدولت تھے۔ ان سفروں کے حالات اگرچہ نہایت دلچسپ اور نتیجہ خیز ہونگے لیکن افسوس ہے کہ کسی مورخ نے ان پر توجہ نہیں کی، علامہ مسعودی نے اپنی مشہور کتاب مروج الذهب

میں صرف اس قدر لکھا ہے کہ۔

<p>عربِ خطاب نے جاہلیت کے زمانے میں عراق اور شام کے جو سفر کئے اور ان سفروں میں جس طرح وہ عرب و عجم کے بادشاہوں سے ملے اسکے متعلق بہت سے واقعات ہیں جنکو میں نے تفصیل کے ساتھ اپنی کتاب اجناس الزمان اور کتاب الاوسط میں لکھا ہے۔</p>	<p>وَلِعَرَبِ بْنِ الْحَطَّابِ أَخْبَارُ كَثِيرَةٌ فِي سَفَرِهِ فِي الْجَاهِلِيَّةِ إِلَى الشَّامِ وَالْعِرَاقِ مَعَ كَثِيرٍ مِنْ مُلُوكِ الْعَرَبِ وَالْعَجَمِ + وَقَدْ اثْبَتْنَا عَلَى مَبْسُوطِهَا فِي كِتَابِنَا أَخْبَارَ الزَّمَانِ وَالْكِتَابِ الْاَوْسَطِ</p>
---	---

علامہ موصوف نے جن کتابوں کا حوالہ دیا اگرچہ وہ من تاریخ کی جان ہیں لیکن قوم کی بہداری سے مت ہوئی کہ ناپید ہو چکے ہیں، میں نے صرف اس غرض سے کہ حضرت عمر کے ان حالات کا پتہ لگ سکے قسطنطینیہ کے تمام کتب خانے چھان مارے لیکن کچھ کامیابی نہ ہوئی۔

محدث بن عساکر نے تاریخ دمشق میں جسکی بعض جلدیں میری نگاہ سے گزری ہیں حضرت عمر کے سفر کے بعض واقعات لکھے ہیں لیکن انہیں کوئی دلچسپی نہیں۔

مختصر یہ کہ عکاظ کے مہکون، اور تجارت کے تجربوں نے انکو تمام عرب میں روشناس کر دیا اور لوگوں پر انکی قابلیت کے جوہر دراز برز کھلتے گئے یہاں تک کہ قریش نے انکو سفارت کے منصب پر مامور کر دیا۔ قبائل میں جب کوئی پرخطر معاملہ پیش آتا تو انہی کو سفیر بنا کر بھیجتے۔

قبولِ سلام اور ہجرت

حضرت عمر کا شامیوں سال تھا کہ عرب میں آفتاب رسالت طلوع ہوا یعنی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے اور اسلام کی صدا بلند ہوئی۔ حضرت عمر کے گھرانے میں زید کی وجہ سے توحید کی آواز بالکل مانوس نہیں رہی تھی چنانچہ سب سے پہلے زید کے بیٹے سعید اسلام لائے۔ سعید کا نکل حضرت عمر کی بہن فاطمہ سے ہوا تھا۔ اس تعلق سے فاطمہ بھی مسلمان ہو گئیں۔ اسی خاندان میں ایک اور مغزز شخص نعیم بن عبد اللہ نے بھی اسلام قبول کر لیا تھا۔ لیکن حضرت عمر ابھی تک اسلام سے بالکل بگیا نہ تھے۔ ان کے کانوں میں جب یہ صدا پہنچی تو سخت برہم ہوئے یہاں تک کہ قبیلے میں جو لوگ اسلام لا چکے تھے اُنکے دشمن بن گئے۔ لبنیہ اُنکے خاندان میں ایک کنیز تھی جسے اسلام قبول کر لیا تھا۔ اُسکو بے تماشا مارتے۔ اور مارتے مارتے تھک جاتے تو کہتے کہ ذرا دم لے لوں تو پھر مار دوں گا۔ لبنیہ کے سوا اور جس جس پر قابو چلتا تھا زید کو ب سے دریغ نہیں کرتے تھے۔ لیکن اسلام کا نشہ ایسا تھا کہ جسکو چڑھ جاتا تھا اترتا نہ تھا، ان تمام سختیوں پر ایک شخص کو بھی وہ اسلام سے بد دل نہ کر سکے۔ آخر مجبور ہو کر فیصلہ کیا کہ (نعوذ باللہ) خود بانی اسلام کا قصہ پاک کر دیں۔

تو ارکمر سے لگا سیدھے رسول اللہ کی طرف چلے۔ کارکنانِ قضا نے کما ع

آمد آن یارے کہ مامے خواہیم

راہ میں اتفاقاً نعیم بن عبد اللہ مل گئے اُنکے تیور دیکھ کر پوچھا خیر ہے؟ بولے کہ محمد کا فیصلہ کرنے جا رہا ہوں، انھوں نے کہا پہلے اپنے گھر کی خبر لو خود تمھاری بہن اور بہنوئی اسلام لا چکے ہیں فوراً بیٹے اور بہن کے ہاں پہنچے وہ قرآن پڑھ رہی تھیں، انکی آہٹ پا کر چپ ہو گئیں اور قرآن کے اجزا چھپائے لیکن آواز ان کے کانوں میں پڑ چکی تھی۔ بہن سے پوچھا کہ یہ کیا آواز تھی؟

بہن نے کہا کچھ نہیں۔ بولے کہ نہیں میں سن چکا ہوں کہ تم دونوں مرتد ہو گئے ہو۔ یہ مکمل سہوئی سے دست و گریبان ہو گئے اور جب انکی بہن بچانے کو آئیں تو انکی بھی خبر لی یہاں تک کہ انکا بدن بولہاں ہو گیا۔ اسی حالت میں انکی زبان سے نکلا کہ عمر! جو بن آئے کرو لیکن اسلام اب دل سے نکل نہیں سکتا ان الفاظ نے حضرت عمر کے دل پر ایک خاص اثر کیا۔ بہن کی طرف محبت کی نگاہ سے دیکھا انکے بدن سے خون جاری تھا یہ دیکھ کر اور بھی رقت ہوئی۔ فرمایا کہ تم لوگ جو پڑھ رہے تھے مجھ کو بھی سناؤ۔ فاطمہ نے قرآن کے اجزاء لاکر سامنے رکھ دیے۔ اٹھا کر دیکھا تو یہ سورہ تھی سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ایک ایک لفظ پر ان کا دل مرعوب ہوتا جاتا تھا یہاں تک کہ جب اس آیت پر پہنچے اَمْسُوا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ توبے اختیار پکار اٹھے کہ اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰهِ۔

یہ وہ زمانہ تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مکان میں جو کوہ صفا کی تلی میں واقع تھا، پناہ گزین تھے۔ حضرت عمر نے آستانہ مبارک پر پہنچ کر دستک دی۔ چونکہ شمشیر کبٹ گئے تھے، اور اس تازہ واقعہ سے کسی کو اطلاع نہ تھی، اس لئے صحابہ کو تردد ہوا لیکن حضرت امیر حمزہ نے کہا کہ ”آئے دو۔ مخلصانہ آیا ہے تو بہتر، ورنہ اُسی کی تلوار سے اُسکا سر قلم کر دیا جائیگا“۔ حضرت عمر نے اندر قدم رکھا تو رسول اللہ خود آگے بڑھے اور انکا دامن پکڑ کر فرمایا کیوں عمر! کس ارادے سے آیا ہے؟ نبوت کی پُر عرب آواز نے انکو کپکپا دیا۔ نہایت خضوع کے ساتھ عرض کی کہ ایمان لانے کے لئے“۔ انحضرت بے ساختہ اللہ اکبر پکار اٹھے اور ساتھ ہی تمام صحابہ نے مل کر اس زور سے

اللہ اکبر کا نعرہ مارا کہ مکہ کی تمام پہاڑیاں گونج اٹھیں۔

حضرت عمر کے ایمان لانے نے اسلام کی تاریخ میں نیا دور پیدا کر دیا، اس وقت تک اگرچہ

۴۰-۵۰۔ اومی اسلام لاکچے تھے عرب کے مشہور بہادر حضرت حمزہ سید الشہداء نے بھی اسلام

قبول کر لیا تھا۔ تاہم مسلمان اپنے فرائض مذہبی۔ علانیہ نہیں ادا کر سکتے تھے، اور کعبہ میں نماز

پڑھنا تو بالکل ناممکن تھا۔ حضرت عمرؓ کے اسلام کے ساتھ دفعۃً یہ حالت بدل گئی۔ انھوں نے

علانیہ اپنا اسلام ظاہر کیا، کافروں نے اول اول ان پر بڑی شدت کی لیکن وہ برا بھلا بت قدمی

سے مقابلہ کرتے رہے یہاں تک کہ مسلمانوں کی جماعت کے ساتھ کعبہ میں جا کر نماز ادا کی۔ ابن

ہشام نے اس واقعہ کو عبد اللہ بن مسعود کی زبانی ان الفاظ میں روایت کیا ہے قللاً سلمہ عمرؓ

قَاتِلْ قُرَيْشًا حَتَّىٰ صَلَّىٰ عِنْدَ الْكَعْبَةِ وَصَلَّيْنَا مَعَهُ ۖ

لعیب میں نماز پڑھی اور انکے ساتھ ہلوگوں نے بھی پڑھی۔

حضرت عمرؓ کے اسلام کا واقعہ سنہ نبوی کے چھٹے سال میں واقع ہوا۔

# مجموعہ

اہل قریش، ایک مدت تک، آنحضرت کے دعوے کو بے پروائی کی نگاہ سے دیکھتے

رہے، لیکن اسلام کو جس قدر شروع ہوتا جاتا تھا انکی بے پروائی، غصہ اور ناراضی سے بدلتی جاتی تھی

یہاں تک کہ جب ایک جماعت کثیر اسلام کے حلقے میں آگئے تو قریش نے زور اور قوت کے ساتھ اسلام کو

مٹا دینا چاہا۔ حضرت ابو طالب کی زندگی تک تو علانہ کچھ نہ کر سکے لیکن ان کے انتقال کے بعد کفار

حضرت عمر  
کی ہجرت

۱۷۰ انساب الاشراف بلاذری و طبقات بن سعد و اسد الغابہ و ابن عساکر و کامل من الاثیر

ہر طرف سے اٹھ کھڑے ہوئے اور حکو جس مسلمان پر قابو بلا اسطرح تانا شروع کیا کہ اگر اسلام کے جوش اور وارفتگی کا اثر نہ تھا تو ایک شخص بھی اسلام پر ثابت قدم نہیں رہ سکتا تھا، یہ حالت پانچ چھ برس تک رہی اور یہ زمانہ اس سختی سے گذرا کہ اسکی تفصیل ایک نہایت درو انگیز داستان ہے۔

اسی اثنا میں - مدینہ منورہ کے ایک معزز گروہ نے اسلام قبول کر لیا تھا اس لئے حضرت نے حکم دیا کہ جن لوگوں کو کفار کے ستم سے نجات نہیں مل سکتی وہ مدینہ کو ہجرت کر جائیں۔

سب سے پہلے ابوسلمہ عبداللہ بن اہل پھر حضرت بلال بوذن اور عمار یا سرنے ہجرت کی، انکے بعد حضرت عمر نے بین اودیون کے ساتھ مدینہ کا قصد کیا - صحیح بخاری میں ۱۲ کا عدد مذکور ہے لیکن ناموں کی تفصیل نہیں۔ ابن ہشام نے بعضوں کے نام لکھے ہیں اور وہ یہ

ہیں - زید بن خطاب - سعید بن زید بن خطاب - خنیس بن حذافہ بھی - عمرو بن سراقہ عبداللہ بن سراقہ - واقع بن عبداللہ تمیمی - خولی بن ابی خولی - مالک بن ابی خولی - ایاس بن کبیر - قائل بن کبیر - عامر بن کبیر - خالد بن کبیر - ان میں سے زید حضرت عمر کے بھائی - سعید بیعتی - خنیس داماد، اور باقی دوست اجاب تھے۔

مدینہ منورہ کی وسعت چونکہ کم تھی، مہاجرین، زیادہ تر قبائریں (جو مدینہ سے دو تین میل ہے) قیام کرتے تھے - حضرت عمر بھی یہیں رفاعہ بن عبد المنذر کے مکان پر پھڑے - قبائرو عوالی بھی کہتے ہیں چنانچہ صحیح مسلم میں انکے فرد گاہ کا نام عوالی ہی لکھا ہے - حضرت عمر کے بعد اکثر صحابہ نے ہجرت کی، بیان تک کہ پیغمبر نبوی میں خود جناب رسالت پناہنے لگے چھوڑا اور آفتاب رسالت مدینہ کے افق سے طلوع ہوا۔

اور اگرچہ ہر حصہ  
اسی حکم پر عمل کر رہا  
مفسر علیہ

حضرت عمر کے  
ساتھ جن  
لوگوں نے  
ہجرت کی

حضرت عمر کا  
قبائرو

مدینہ پہنچ کر سب سے پہلے آنحضرت نے مہاجرین کے رہنے سہنے کا انتظام کیا۔ انفارق کو بلا کر ان میں اور مہاجرین میں برادری قائم کی جس کا یہ اثر ہوا کہ جو مہاجر جس انفاری کا بھائی بن جاتا تھا انفاری اس کو اپنی جائداد، مال، اسباب، نقدی تمام چیزوں میں سے آدھا آدھا بانٹ دیتا تھا۔ اس طرح تمام مہاجرین اور انفارق بھائی بھائی بن گئے۔ اس رشتہ کے قائم کرنے میں آنحضرت طرفین کے رتبہ اور حیثیت کا فرق مراتب ملحوظ رکھتے تھے یعنی جو مہاجر جس درجے کا ہوتا تھا اسی رتبے کے انفاری کو اس کا بھائی بناتے تھے چنانچہ حضرت عمر کو جب کا بھائی قرار دیا ان کا نام عبان بن مالک تھا جو قبیلہ بنی سالم کے سردار تھے۔ آنحضرت کے تشریف لانے پر بھی اکثر صحابہ نے قبائلی میں قیام رکھا۔ حضرت عمر بھی یہیں مقیم رہے لیکن یہ معمول کر لیا کہ ایک دن نائغہ دیکر بالاتزم آنحضرت کے پاس جاتے، اور دن دن بھر خدمت اقدس میں حاضر رہتے۔ نائغہ کے دن یہ بندوبست کیا تھا کہ ان کے برادر اسلامی، عبان بن مالک آنحضرت کی خدمت میں حاضر ہوتے اور جو کچھ آنحضرت سے سنتے حضرت عمر سے جا کر روایت کرتے، چنانچہ بخاری نے متعدد ابواب مثلاً باب العلم، باب النکاح وغیرہ میں ضمناً اس واقعہ کا ذکر کیا ہے۔

مدینہ میں پہنچ کر اس بات کا وقت آیا کہ اسلام کے فرائض دارکان محدود اور معین کئے جائیں کیونکہ مکہ معظمہ میں جان کی حفاظت ہی سب سے بڑا فرض تھا، یہی وجہ تھی کہ تکب

۱۔ دیکھو سیرۃ بن ہشام۔ حنفی بن جبر نے مقدمہ نفع الباری صفحہ ۳۲۱ میں عبان کے بجائے ادس بن خولی کا نام لکھا ہے اور اسی کی تصحیح کی ہے۔ لیکن عجیب ہے کہ خود علامہ موصوف نے اصابت میں ابن سعد کے حوالے سے عبان ہی کا نام لکھا ہے، اور ادس بن خولی کا جہان حال لکھا ہے، حضرت عمر کی اخوت کا کچھ ذکر نہیں کیا۔

مہاجرین اور  
انفارقین  
اخوت

حضرت عمر کے  
اسلامی بھائی



روزہ۔ زکوٰۃ۔ نماز جمعہ۔ نماز عید۔ صدقہ فطر۔ کوئی چیز وجود میں نہیں آئی تھی۔ نمازون میں بھی یہ اختصار تھا کہ مغرب کے سوا باقی نمازون میں صرف دو دو کعتیں بتھیں، یہاں تک کہ نماز کے اعلان کا طریقہ بھی نہیں معین ہوا تھا۔ چنانچہ سب سے پہلے آنحضرت نے اسکا انتظام کرنا چاہا۔ یہودیوں اور عیسائیوں کے ہاں نماز کے اعلان کے لئے بوق اور ناقوس کا رواج تھا۔ اس لئے صحابہ نے یہی راے دی۔ ابن ہشام نے روایت کی ہے کہ یہ خود آنحضرت کی تجویز تھی، بہر حال یہ مسئلہ زیر بحث تھا اور کوئی راے قرار نہیں باقی تھی کہ حضرت عمرؓ آٹھ اور آٹھون نے کہا کہ ایک آدمی اعلان کرنے کے لئے کیوں نہ مقرر کیا جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی وقت حضرت بلالؓ کو اذان کا حکم دیا۔

اذان کا طریقہ  
حضرت عمرؓ کی  
راے کے  
موافق قائم  
ہوا

یہ بات لحاظ کے قابل ہے کہ اذان، نماز کا دیباچہ اور اسلام کا ایک بڑا شعار ہے، حضرت عمرؓ کے لئے اس سے زیادہ کیا فخر کی بات ہو سکتی ہے کہ یہ شعارِ اعظم انہی کی راے کے موافق قائم ہوا۔

## سیدہ ہجری تا وفات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

### غزوات و دیگر حالات

سیدہ ہجری سے، آنحضرت کی وفات تک، حضرت عمرؓ کے واقعات اور حالات، حقیقت سیرت نبوی کے اجزاء ہیں۔ آنحضرت کو جو لڑائیاں پیش آئیں، غیر فتنوں سے جو معاملات عمل میں آئے، وقتاً فوقتاً جو انتظامات جاری کئے گئے، اشاعت اسلام کے لئے جو تدبیریں

اختیار کی گئیں، ان میں سے ایک واقعہ بھی ایسا نہیں جو حضرت عمر کی شرکت کے بغیر انجام پایا ہوا۔ لیکن مشکل یہ ہے کہ اگر تمام واقعات پوری تفصیل کے ساتھ لکھے جائیں تو کتاب کا حصہ سیرت نبوی سے بدل جاتا ہے، کیونکہ حضرت عمر کے یہ کارنامے، گو کتنے ہی عظیم انسان ہوں لیکن چونکہ وہ رسول اللہ کے سلسلہ حالات سے وابستہ ہیں اس لئے جب قلمبند کئے جائیں گے تو تمام واقعات کا عنوان رسول اللہ کا نام نامی قرار پائے گا اور حضرت عمر کے کارنامے ضمناً تو کر میں آئیں گے۔ اس لئے ہم نے مجبوراً یہ طریقہ اختیار کیا کہ یہ واقعات نہایت اختصار کے ساتھ لکھے جائیں اور جن واقعات میں حضرت عمر کا خاص تعلق ہے انکو کسی قدر تفصیل سے لکھا جائے۔ اس صورت میں اگرچہ حضرت عمر کے کارنامے نمایاں ہو کر نظر نہ آئیں گے کیونکہ جب تک واقعہ کی پوری تصویر نہ دکھائی جائے۔ اسکی اصلی شان قائم نہیں رہتی، تاہم اسکے سوا اور کوئی تہذیبی حق اب ہم نہایت اختصار کے ساتھ ان واقعات کو لکھتے ہیں۔

آنحضرتؐ نے جب مدینہ منورہ کو ہجرت کی تو قریش کو خیال ہوا کہ اگر مسلمانوں کا جلدہ اتصال نہ کر دیا جائیگا تو وہ زیادہ زور پکڑ جائیں گے۔ اس خیال سے انھوں نے مدینہ پر حملے کی تیاریاں شروع کیں۔ تاہم ہجرت کے دوسرے سال تک کوئی قابل ذکر معرکہ نہیں ہوا، صرف اس قدر ہوا کہ دو تین دفعہ قریش چھوٹے چھوٹے گروہ کے ساتھ مدینے کی طرف بڑھے لیکن آنحضرتؐ نے خبر پا کر انکے روکنے کے لئے تھوڑی تھوڑی سی فوجیں بھیج دیں اور وہ وہیں رُک گئے۔

بہشتیہ میں بدر کا واقعہ پیش آیا جو نہایت مشہور معرکہ ہے۔ اسکی ابتدا یوں ہوئی کہ ابو سفیان جو قریش کا سردار تھا تجارت کا مال لیکر شام سے واپس آ رہا تھا راہ میں یہ غلط خبر سنا کہ

کہ مسلمان اُسپر حملہ کرنا چاہتے ہیں۔ قریش کے پاس قاصد بھیجا اور ساتھ ہی تمام مکہ امنڈ آیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ خبر سنا کر تین سو آدمیوں کے ساتھ مدینہ سے روانہ ہوئے۔ عام تو رفیقین کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مدینہ سے نکلنا صرف قافلہ کے لوٹنے کی غرض سے تھا لیکن یہ امر محض غلط ہے قرآن مجید جس سے زیادہ کوئی قطعی شہادت نہیں ہو سکتی اس میں جان اس واقعہ کا ذکر ہے یہ الفاظ ہیں۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّا جَاءْنَاكُمْ بِالْحَقِّ  
لَا فِرَاقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِينَ كَلَّا هُوَ يُجَادِلُوكَ  
فِي الْحَقِّ بَعْدَ مَا تَبَيَّنَ كَأَنَّمَا يُسَاقُونَ إِلَى  
الْمَوْتِ وَهُمْ يَنْظُرُونَ وَإِذْ يُعِيدُكُمْ اللَّهُ  
إِلْحَادِي لَطَافَتَيْنِ أَنهَآ لَكُمْ وَتَقْدَرُونَ  
أَن تَغِيرَ ذَاتِ الشُّوْكَ تَكُونُ لَكُمْ

جیسا کہ تجھ کو تیرے پروردگار نے تیرے گھر سے (دین) بھائی  
لا لا اور بیشک مسلمانوں کا ایک گروہ ناغوش تھا وہ تجھے  
سچی بات پر بھگڑتے تھے بعد اسکے کہ سچی بات ظاہر ہو گئی گویا کہ وہ  
کی طرف ہلکے جاتے ہیں اور وہ اسکو دیکھ رہے ہیں اور جبکہ خدا دو  
گروہوں میں سے ایک کا تم سے وعدہ کرتا تھا اور تم چاہتے تھے  
کہ جس گروہ میں کچھ زور نہیں ہے وہ بات آئے۔

ان آیتوں سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ۔

(۱) جب آنحضرت نے مدینہ سے نکلنا چاہا تو مسلمانوں کا ایک گروہ چکچکاتا تھا اور سمجھتا تھا  
کہ موت کے منہ میں جانا ہے۔

(۲) مدینہ سے نکلنے کے وقت۔ کافروں کے دو گروہ تھے ایک غَيْرِ ذَاتِ الشُّوْكَ یعنی  
ابوسفیان کا کاروان تجارت، اور دوسرا قریش مکہ کا گروہ جو مکہ سے حملہ کرنے کے لیے مسلمان  
کے ساتھ نکل چکا تھا۔

اسکے علاوہ بوسیان کے قافلے میں کل ۴۰ آدمی تھے اور آنحضرت مدینے سے تین سو بہادرون کے ساتھ نکلے تھے، تین سو آدمی ۴۰ آدمیوں کے مقابلے کو کسی طرح موت کے منہ میں جانا نہیں خیال کر سکتے تھے۔ اس لئے اگر آنحضرت قافلے کے ٹوٹنے کے لئے نکلے تو خدا ہرگز قرآن مجید میں یہ نہ فرماتا کہ مسلمان اُنکے مقابلے کو موت کے منہ میں جانا سمجھتے تھے۔

بہر حال ۸۔ رمضان سنہ ہجری کو آنحضرت ۳۱۳۔ آدمیوں کے ساتھ جنین سے ۸۲ مہاجرین اور باقی انصار تھے، مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے۔ قریش کے ساتھ ۹۵۰ کی جمعیت تھی جن میں بڑے بڑے مشہور بہادر شریک تھے۔ مقام بدر میں جو مدینہ منورہ سے قریباً ۶ نزل ہے۔ معرکہ ہوا اور کفار کو شکست فاش ہوئی۔ مسلمانوں میں سے ۱۴۔ آدمی شہید ہوئے جن میں ۶ مہاجر اور ۸۔ انصار تھے۔ قریش کی طرف ۷۰ مقتول اور اسی قدر گرفتار ہوئے، مقتولین میں ابو جہل، عتبہ بن ربیع، شیبہ، اور بڑے بڑے رؤسار مکہ تھے، اور اُنکے قتل ہونے سے قریش کا زور ٹوٹ گیا۔

حضرت عمر اگرچہ اس معرکہ میں رائے و تدبیر، جانبازی و پامردی، کے لحاظ سے ہر موقع پر رسول اللہ کے دست و بازو رہے۔ لیکن اُنکی شرکت کی محسوس خصوصیات یہ ہیں۔

(۱) قریش کے تمام قبائل اس معرکہ میں آئے لیکن بنو عدی یعنی حضرت عمر کے قبیلے میں سے ایک تنفس بھی شریک جنگ نہیں ہوا۔ اور یہ امر جان تک قیاس کیا جاسکتا ہے

لہ طبری بصرہ ہے ولعمریہ بنی قریظ بطین لا نفر منہم ناس الا بنی عدی بن کعب  
لکھنچ منہم رجل واحد صفحہ ۱۳۰۷۔

سہرہ حضرت عمر کے رعب دواب کا اثر تھا۔

(۲) حضرت عمر کے ساتھ ان کے قبیلہ اور ملغار کے ۱۲ آدمی شریک جنگ تھے، جن کے

یہ نام ہیں۔ زید عبداللہ بن سراقہ۔ عمرو بن سراقہ۔ واقد بن عبداللہ۔ خولی بن ابی خولی۔

مالک بن ابی خولی۔ عامر بن ربیعہ۔ عامر بن کبیر۔ عاتل بن کبیر۔ خالد بن کبیر۔ ایاس بن کبیر۔

(۳) سب سے پہلے جو شخص اس موڑ کو میں شہید ہوا وہ مجمع حضرت عمر کا غلام تھا۔

(۴) عامی بن ہشام بن مغیرہ جو قریش کا ایک موز سردار اور حضرت عمر کا مامون تھا

حضرت عمر کے ہاتھ سے مارا گیا۔ یہ بات حضرت عمر کی خصوصیات میں شمار کی گئی ہے

کہ اسلام کے معاملات میں قرابت اور محبت کا اثر ان پر کبھی غالب نہیں آسکتا تھا چنانچہ

یہ واقعہ اس کی پہلی مثال ہے۔

اس سر کے میں مخالفت کی فوج میں سے جو لوگ زندہ گرفتار ہوئے ان کی تعداد کم و بیش

۷۰ تھی اور ان میں سے اکثر قریش کے بڑے بڑے موز سردار تھے مثلاً حضرت عباس عقیل

(حضرت علی کے بھائی)، ابوالعاص بن الزبج، ولید بن الولید، ان سرداروں کا ذلت

کے ساتھ گرفتار ہو کر آنا ایک عبرت خیز سان تھا جس نے مسلمانوں کے دل پر بھی اثر

کیا یہاں تک کہ رسول اللہ کی زوجہ مبارکہ سودہ کی نظر جب ان پر پڑی تو بے اختیار

بول اٹھیں کہ اعطیتکم بایدیکم ہلاکمتم ککرا مئا۔ تم طبع ہو کر آئے ہو۔ شریفین کی طرح لڑکر زمین گئے۔

اس بنا پر یہ بحث پیدا ہوئی کہ ان لوگوں کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے۔ رسول اللہ

۱۵ ابن ہشام صفحہ ۵۹۰۔ ۱۶ ابن ہشام صفحہ ۵۹۹ و ہستیاب۔

نے تمام صحابہ سے راے لی، اور لوگوں نے مختلف رائے دین، حضرت ابو بکر نے کہا کہ یہ اپنے ہی بھائی بند ہیں، اس لئے ان سے فدیہ لیکر چھوڑ دیا جائے۔ حضرت عمر نے اختلاف کیا اور کہا اسلام کے معاملے میں رشتہ و قرابت کو دخل نہیں ان سب کو قتل کر دینا چاہیے اور اس طرح کہ ہم میں سے ہر شخص اپنے عزیز کو آپ قتل کر دے، علی عقیل کی گردن مارین حمزہ عباس کا سر اڑا دیں، اور فلان شخص جو میرا عزیز ہے اسکا کام میں تمام کر دوں۔ آنحضرت نے شانِ رحمت کے اقتضا سے حضرت ابو بکر کی راے پسند کی اور فدیہ لے کر چھوڑ دیا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

مَا كَانَتْ لِنَبِيِّ اَنْ يَكُوْنَ لَهُ اَسْرٰى حَتّٰى يَحْكُمَ فِيْ الْاَكْرَضِ الْحَمْدُ  
 کسی پیغمبر کے لیے یہ زبانیں کرا کے پاس تیری ہر تیک  
 کہ وہ خوب غور فرمائی نہ کرے۔

بدھ کی فتح نے اگرچہ قریش کے زور کو گھٹایا لیکن اس سے اور نئی مشکلات کا ایک سلسلہ شروع ہوا۔ مدینہ منورہ اور اس کے اطراف پر ایک مدت سے یہودیوں نے قبضہ کر رکھا تھا آنحضرت جب مدینہ میں تشریف لائے تو ملکی انتظامات کے سلسلہ میں سب پہلا کام یہ کیا کہ یہودیوں سے معاہدہ کیا کہ مسلمانوں کے برخلاف دشمن کو مردہ دینگے اور کوئی دشمن مدینہ پر چڑھ آئیگا تو مسلمانوں کی مدد کریں گے لیکن جب آنحضرت بدر سے فقیاب آئے تو انکو ویر پیدا ہوا کہ مسلمان زور پکڑ کر آئے برابر کے حریف نہ بن جائیں، چنانچہ خود چھیڑ شروع کی اور کہا کہ قریش والے فنِ حرب سے نا آشنا تھے ہم سے کام پڑتا تو ہم دکھا دیتے کہ لڑنا اسکو کتے میں

نوبت یہاں تک پہنچی کہ رسول اللہ سے جو معاہدہ کیا تھا، ٹوڑ ڈالا۔ آنحضرت نے سوال سے مدینہ ان پر چڑھائی کی اور بالآخر وہ گرفتار ہو کر مدینہ سے جلا وطن کر دیے گئے۔ سلام کی تاریخ میں یہودیوں سے لڑائیوں کا جو ایک متصل سلسلہ نظر آتا ہے اسکی ابتداء اسی سے ہوئی تھی۔

قریش بدر میں شکست کھا کر انتقام کے جوش میں بے تاب تھے۔ ابوسفیان نے عہد کر لیا تھا کہ جب تک بدر کا انتقام نہ لوں گا غسل تک نہ کروں گا چنانچہ ذوجہ سہہ میں دو سو شتر سواروں کے ساتھ مدینہ کے قریب پہنچ کر دھوکے سے دو مسلمانوں کو پکڑا اور انکو قتل کر دیا۔ رسول اللہ کو خبر ہوئی تو آپ نے تعاقب کیا لیکن ابوسفیان نکل گیا تھا۔ اس قسم کے چھوٹے چھوٹے واقعات اور بھی پیش آتے رہے یہاں تک کہ شوال ۳ھ میں جنگ احد کا مشہور معرکہ واقع ہوا۔

اس واقعہ کی تفصیل یہ ہے کہ عکرمہ بن ابی جہل اور اوربیت سے سرداران قریش نے ابوسفیان سے جا کر کہا کہ اگر تم مصارف کا ذمہ اٹھاؤ تو اب بھی بدر کا انتقام لیا جاسکتا ہے، ابوسفیان نے قبول کیا اور اسی وقت حملہ کی تیاریاں شروع ہو گئیں۔ کنانہ اور تھامہ کے تمام قبائل بھی ساتھ ہو گئے۔ ابوسفیان ان سب کا سپہ سالار بن کر بڑے دھڑاں کے ساتھ مکہ سے روانہ ہوا اور ماہ شوال، بدھ کے دن مدینہ منورہ کے قریب پہنچ کر مقام کیا، آنحضرت کی رائے تھی کہ مدینہ میں ٹھہر کر قریش کا حملہ روکا جائے، لیکن صحابہ نے نہ مانا اور آخر آنحضرت مجبور ہو کر مجہد کے دن مدینہ سے نکلے، قریش کی تعداد دین ہزار تھی جس میں

غزوہ سورین

غزوہ احد

۲۰۰ سوار سوار اور ۷۰۰ سوزرہ پوش تھے۔ یمین کے افسر خالد بن الولید اور میسرہ کے عکرمہ بن ابی جہل تھے۔ (اُس وقت تک یہ دونوں صاحب اسلام نہیں لائے تھے) اور حُکَل تھے۔ آدمی تھے جن میں سوزرہ پوش اور صرف دو سوار تھے۔ دینے سے قریباً تین میل پر اُحد ایک پہاڑ ہے۔ اُسکے دامن میں دونوں فوجیں صف آرا رہیں۔ آنحضرت نے عبداللہ بن جبر کو تیر اندازوں کے ساتھ فوج کے عقب پر متعین کیا کہ اُدھر سے کفار حملہ نہ کرنے پائیں۔

۷۔ شوال ہفتہ کے دن لڑائی شروع ہوئی۔ سب سے پہلے زبیر نے اپنی رکاب کی فوج کو لیکر حملہ کیا اور قریش کے یمین کو شکست دی۔ پھر عام جنگ شروع ہوئی۔ حضرت حمزہؓ، حضرت علیؓ، ابو دجانہ دشمن کی فوج میں گھس گئے اور انکی صفیں الٹ دیں۔ لیکن فتح کے بعد لوگ غنیمت پر ٹوٹ پڑے۔ تیر اندازوں نے سمجھا کہ اب معرکہ ہو چکا اس خیال سے وہ بھی لوٹنے میں مصروف ہوئے۔ تیر اندازوں کا ہٹنا تھا کہ خالد نے دفعۃً عقب سے بڑے زور شور کے ساتھ حملہ کیا۔ مسلمان چونکہ ہتیار ڈال کر غنیمت میں مصروف ہو چکے تھے۔ اس ناگہانی زد کو نہ روک سکے۔ کفار نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر پتھروں اور تیروں کی بوچھاڑ کی۔ یہاں تک کہ آپ کے دندان مبارک شید ہوئے۔ پیشانی پر زخم آیا، اور رخساروں میں مغفر کی کڑیاں چبھ گئیں۔ اسکے ساتھ آپ ایک گڈھے میں گر پڑے اور لوگوں کی نظر سے چھپ گئے، اسی برہمی میں یہ غل بڑ گیا کہ رسول اللہ مار گئے۔ اس خبر نے مسلمانوں کے استقلال کو اور متزلزل کر دیا اور جو جان تھا وہیں سرسید ہو کر رہ گیا۔ اس امر میں اختلاف ہے کہ آنحضرت کے ساتھ آخر وقت تک کس قدر صحابہ ثابت قدم رہے۔ صحیح مسلم میں حضرت انس سے روایت ہے کہ اُحد میں آنحضرت کے ساتھ صرف سات انصار



اور دو قہشتی یعنی سعد اور طلحہ لگئے تھے۔ نسائی اور بیہقی میں بند صحیح منقول ہے کہ گیارہ انصار اور طلحہ کے سوا اور کوئی آنحضرت کے ساتھ نہیں رہا تھا۔ محمد بن سعد نے ۱۴۰ آدمیوں کا نام لیا ہے، اسی طرح اور بھی مختلف روایتیں ہیں۔ حافظ بن حجر نے فتح الباری میں ان روایتوں میں اس طرح تطبیق دی ہے کہ لوگ جب ادھر ادھر پھیل گئے تو کافروں نے دفعۃً عقبے حملہ کیا اور مسلمان سراسیمہ ہو کر جو جہان بھتا دہین رہ گیا۔ پھر جس طرح موقع ملتا گیا، لوگ آنحضرت کے پاس پہنچتے گئے۔

تمام روایتوں پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جب آنحضرت کی شہادت کی خبر مشہور ہوئی تو کچھ لوگ تو ایسے سراسیمہ ہوئے کہ انھوں نے مرنے سے ادھر دم نہیں لیا۔ کچھ لوگ جان پر کھیل کر رڑتے رہے کہ رسول اللہ کے بعد جینا بیکار ہے۔ بعضوں نے مایوس ہو کر سپردال دی کہ اب لڑنے سے کیا فائدہ ہے حضرت عمر اس تیسرے گروہ میں تھے۔ علامہ طبری نے بسند متصل حبشی رواۃ بن حمید، سلمہ، محمد بن اسحاق، قاسم بن عبد الرحمن بن رافع، بن روایت کی ہے کہ اس موقع پر جب انس بن نضر نے حضرت عمر اور طلحہ اور اور چند مہاجرین اور انصار کو دیکھا کہ مایوس ہو کر بیٹھ گئے ہیں، تو پوچھا کہ بیٹھے کیا کرتے ہو، ان لوگوں نے کہا کہ رسول اللہ نے تو شہادت پائی۔ انس بولے کہ رسول اللہ کے بعد زندہ رہ کر کیا کرو گے؟ تم بھی انہی کی طرح لڑ کر مر جاؤ، یہ لکھ کر کفار پر حملہ آور ہوئے اور شہادت حاصل کی۔ قاضی ابویوسف صنا نے خود حضرت عمر کی زبانی نقل کیا ہے کہ انس بن نضر میرے پاس سے گزرے اور مجھے

پوچھا کہ رسول اللہ پر کیا گزری، میں نے کہا کہ میرا خیال ہے کہ آپ شہید ہوئے۔ انسؓ  
 کہہ رسول اللہ شہید ہوئے تو ہوئے خدا تو زندہ ہے، یہ لکھ کر تلوار میان سے کھینچ لی اور  
 اس قدر لڑے کہ شہادت حاصل کی۔ ابن ہشامؒ میں ہے کہ انسؓ نے اس واقعہ میں  
 شہر زخم کھائے۔

طبریؒ کی روایت میں یہ امر بجاؤ کے قابل ہے کہ حضرت عمرؓ کے ساتھیوں میں طلحہؓ کا  
 نام بھی ہے اور یہ مسلم ہے کہ اس معرکہ میں اُن سے زیادہ کوئی ثابت قدم نہیں رہا تھا۔  
 بہر حال یہ امر تمام روایتوں سے ثابت ہے کہ سخت برہمی کی حالت میں بھی حضرت عمرؓ  
 میدان جنگ سے نہیں ہٹے اور جب آنحضرتؐ کا زندہ ہونا معلوم ہوا تو فوراً خدمتِ اقدس میں  
 پہنچے طبریؒ اور سیرت بن ہشامؒ میں ہے۔

فلما عرفت المسلمون رسول الله نهضوا ونهض نحو الشعب مع علي بن ابي طالب ابو بكر بن ابي نافع وعمر بن الخطاب و طلحة بن عبيد الله والنبي بن العوام والحارث بن صمة	پھر جب مسلمانوں نے رسول اللہ کو دیکھا تو آنحضرتؐ کے پاس پہنچے اور آپ لوگوں کو لیکر سپاہ کے درہ پر چڑھ گئے۔ اس وقت آپؐ ساتھ حضرت علیؓ، حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، طلحہؓ بن عبید اللہؓ زبیر بن العوامؓ اور حارث بن صمہؓ
تھے۔	تھے۔

علامہ بلاذریؒ صرف ایک مورخ ہیں جنہوں نے انساب الاشراف میں حضرت عمرؓ کے  
 حال میں لکھا ہے۔

وَكَانَ مِمَّنْ أَنْكَشَفَ يَوْمَ الْحُدَّ  
یعنی حضرت عمرانؑ لوگوں میں تھے جو اُحد کے دن بھاگ گئے  
تھے۔ لیکن خدا نے انکو معاف کر دیا۔

مہ بلاذری نے ایک اور روایت نقل کی ہے جسکا یہ خلاصہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے جب اپنی  
وفات کے زمانے میں لوگوں کے روزینے مقرر کیے تو ایک شخص کے روزینے کی نسبت  
لوگوں نے کہا کہ ان سے زیادہ مستحق آپ کے فرزند عبداللہؓ ہیں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا میں  
یونکہ اسکا باپ اُحد کی لڑائی میں ثابت قدم رہا تھا اور عبداللہؓ کا باپ (یعنی خود حضرت عمرؓ)  
میں رہا تھا۔

لیکن یہ روایت قطع نظر اس کے کہ درایت غلط ہے کیونکہ معرکہ جہاد سے بھاگنا ایک ایسا سنگ  
عاجلو کوئی شخص علانیہ تسلیم نہیں کر سکتا تھا۔ اصول روایت کے لحاظ سے بھی ہم اس پر  
مبارک نہیں کر سکتے۔ علامہ موصوف نے جن روایات کی سند سے یہ روایت بیان کی ہے ان میں  
اس بن عبداللہ الباکا سے اور عنیف بن اسحاق ہیں اور یہ دونوں مجہول الحال ہیں۔  
لے علاوہ اور تمام روایتیں اس کے خلاف ہیں۔

اس بحث کے بعد ہم پھر اصل واقعہ کی طرف آتے ہیں۔

لہ ایک دستہ فوج کے ساتھ آنحضرتؐ کی طرف بڑھے، رسول اللہؐ اس وقت تین صحابہ کے  
ساتھ پہاڑ پر تشریف رکھتے تھے۔ خالد کو اتنا دیکھ کر فرمایا کہ خدا یا! یہ لوگ یہاں تک آنے پائیں  
نہت عمر نے چند مہاجرین اور انصار کے ساتھ آگے بڑھ کر حملہ کیا اور ان لوگوں کو ہٹا دیا۔

ابوسفیان سالار قریش درہ کے قریب پہنچ کر پکارا کہ اس گروہ میں محمد بن یا نہیں؟  
 آنحضرت نے اشارہ کیا کہ کوئی جواب نہ دے، ابوسفیان نے پھر حضرت ابوبکر و عمر کا نام زور  
 لیکر کہا کہ یہ دونوں اس مجمع میں ہیں یا نہیں؟ اور جب کسی نے کچھ جواب نہ دیا تو بولا کہ ضرور  
 یہ لوگ مارے گئے۔ حضرت عمر سے نہ رہا گیا۔ پکار کر کہا وہ دشمن خدا! ہم سب زندہ ہیں۔  
 ابوسفیان نے کہا اعلٰیٰ ہٰبٰک یعنی وہ اے ہٰبٰک (ایک بُت کا نام تھا) بلند ہو، رسول اللہ  
 نے حضرت عمر سے فرمایا جواب دو اللہ اعلیٰ و اَجَلٌ یعنی خدا بلند و برتر ہے۔

حضرت حفصہ کا  
 عقد رسول اللہ  
 کے ساتھ

اس سال حضرت عمر کو یہ شرف حاصل ہوا کہ انکی صاحبزادی حضرت حفصہ رسول اللہ  
 کے عقد میں آئیں۔ حفصہ کا نکاح جاہلیت میں مخنیس بن خداذہ کے ساتھ ہوا تھا۔ مخنیس کے  
 انتقال کے بعد حضرت عمر نے حضرت ابوبکر سے خواہش کی کہ حفصہ کو اپنے نکاح میں لائیں  
 آنھوں نے کچھ جواب نہ دیا۔ پھر حضرت عثمان سے درخواست کی۔ وہ بھی چپ رہے۔ کیونکہ  
 ان دونوں صاحبوں کو معلوم ہو چکا تھا کہ خود جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حفصہ سے  
 نکاح کرنا چاہتے ہیں۔ چنانچہ شعبان سہ ماہ میں آنحضرت نے حفصہ سے نکاح کیا۔

واقعہ بنو نضیر

۴۶۳ھ

۴۶۳ھ میں بنو نضیر کا واقعہ پیش آیا۔ اوپر ہم لکھ آئے ہیں کہ مدینہ منورہ میں یہود کے  
 جو قبائل آباد تھے آنحضرت نے اُن سے صلح کا معاہدہ کر لیا تھا۔ ایمن سے بنو قنیقاع  
 نے بدر کے بعد نقص عہد کیا اور اس جرم میں مدینے سے نکال دیے گئے۔ دوسرا قبیلہ  
 بنو نضیر کا تھا یہ لوگ بھی اسلام کے سخت دشمن تھے۔ سہ ماہ میں آنحضرت ایک معاملے میں

استعانت کے لیے حضرت عمر اور حضرت ابوبکر کو ساتھ لے کر انکے پاس تشریف لے گئے۔ ان لوگوں نے ایک شخص کو حبکا نام عمرو بن حجاب تھا آمادہ کیا کہ چھت پر چڑھ کر آنحضرت کے سر پر پتھر کی سیل گرا دے وہ چھت پر چڑھ چکا تھا کہ آنحضرت کو خبر ہو گئی۔ آپ اٹھ کر چلے آئے اور کہلا بھیجا کہ تم لوگ مدینے سے نکل جاؤ۔ انھوں نے انکار کیا اور مقابلے کی تیاریاں کیں، آنحضرت نے ان پر قابو پا کر جلا وطن کر دیا، چنانچہ ان میں سے کچھ شام کو چلے گئے۔ کچھ خیبر میں جا کر آباد ہوئے اور وہاں حکومت قائم کر لی۔

خیبر والوں میں سلام بن ابی الحقیق۔ کنانہ بن الزبیع اور حنی بن اخطب بڑے بڑے معزز سردار تھے۔ یہ لوگ خیبر میں پہنچ کر مطمئن ہوئے تو آنحضرت سے انتقام لینا چاہا۔ مکہ معظمہ میں جا کر قریش کو ترغیب دی، قبائل عرب کا دورہ کیا، اور تمام ملک میں ایک آگ لگا دی۔ چند روز میں دس ہزار آدمی قریش کے علم نیچے جمع ہو گئے اور سوال سہم میں ابوسفیان کی سپہ سالاری میں اس سیلاب نے مدینہ کا رخ کیا۔ آنحضرت نے مدینے سے باہر نکل کر سلع کے آگے ایک خندق تیار کرائی۔ عرب میں خندق کا رواج نہ تھا اس لیے کفار کو اسکی کچھ تدبیر نہ آئی۔ مجبوراً محاصرہ کر کے ہر طرف فوجیں پھیلا دیں اور رسد وغیرہ بند کر دی۔ ایک مہینے تک محاصرہ رہا۔ کفار کبھی کبھی خندق اتر کر حملہ کرتے تھے۔ آنحضرت نے اس غرض سے خندق کے ادھر کچھ کچھ فاصلے پر اکابر صحابہ کو معین کر دیا تھا کہ دشمن اُدھر سے آنے پائے۔ ایک ہفتے پر حضرت عمر معین تھے چنانچہ بیان انکے نام کی ایک مسجد

۵۲ طبری صفحہ ۵۲-۱۴۰۲ یہ مدینے سے بڑا ہوا ایک پھاڑ ہے۔

آج بھی موجود ہے۔ ایک دن کافرون نے حملے کا ارادہ کیا تو حضرت عمرؓ نے زبیرؓ کے ساتھ آگے بڑھ کر دُکا اور انکی جماعت درہم و برہم کر دی۔ ایک اور دن کافرون کے مقابلے میں اس قدر ان کو مصروف رہنا پڑا کہ عصر کی نماز قضا ہوتے ہوتے رہ گئی۔ چنانچہ آنحضرتؐ کے پاس آکر عرض کیا کہ آج کافرون نے نماز پڑھنے تک کا موقع نہ دیا۔ رسول اللہؐ نے فرمایا میں نے بھی اب تک عصر کی نماز نہیں پڑھی۔

اس لڑائی میں عمرو بن عبدود و عتب کا مشہور بہادر جو پانسو سواروں کے برابر سمجھا جاتا تھا حضرت علیؓ کی بات سے مارا گیا۔ اسکے مارے جانے کے بعد ادھر تو قریش میں کچھ بیدلی پیدا ہوئی، ادھر نعیم بن مسعودؓ نے جو اسلام لاپکے تھے اور کافرون کو انکے اسلام کی خبر نہ تھی جوڑ توڑ سے قریش اور یہود میں پھوٹ ڈلوادی۔ مختصر یہ کہ کفر کا ابرسیاہ جو مدینہ کے افق پر چھا گیا تھا روز بروز چھٹتا گیا اور چند روز کے بعد مطلع بالکل صاف ہو گیا۔

بہشتیہ میں آنحضرتؐ نے صحابہ کے ساتھ خانہ کعبہ کی زیارت کا قصد کیا اور اس غرض سے کہ قریش کو لڑائی کا شبہ نہ ہو حکم دیا کہ کوئی شخص ہتیار باندھ کر نہ چلے۔ ذوالحلیفہ (مدینہ سے چھ میل پر ایک مقام ہے) پہنچ کر حضرت عمرؓ کو خیال ہوا کہ اس طرح چلنا مصلحت نہیں، چنانچہ رسول اللہؐ کی خدمت میں عرض کی اور آپؐ نے انکی رائے کے موافق مدینہ سے ہتیار منگوا لیے۔ جب مکہ معظمہ دو منزل رہ گیا تو مکہ سے بشر بن سفیانؓ نے آکر یہ خبر دی کہ تمام قریش نے عہد کر لیا ہے کہ مسلمانوں کو مکہ میں قدم نہ رکھنے دینگے، رسول اللہؐ نے

واقو مدینہ

۵۶  
۶۹۳ھ

۱۔ واقو شاہ دلی اللہ صائبے آثار اٹھارہ مین لکھا ہے لیکن مین نے کسی کتاب مین اسکی سند نہیں پائی۔

چاہا کہ اکابر صحابین کسی کو سفارت کے طور پر بھیجیں کہ ہکلوڑا مقصود نہیں چاہتا حضرت عمر کو اس خدمت پر مامور کرنا چاہا۔ انھوں نے عرض کی کہ قریش کو مجھ سے سخت عداوت ہے اسے خاندان میں وہاں کوئی شخص میرا حامی موجود نہیں۔ عثمان کے عزیز و اقارب وہیں ہیں اس لیے انکو بھیجنا مناسب ہوگا۔ آنحضرت نے اس رائے کو پسند فرمایا اور حضرت عثمان کو مکہ بھیجا۔ قریش نے حضرت عثمان کو روک رکھا اور جب کئی دن گزر گئے تو یہ مشہور ہو گیا کہ وہ شہید کر دیے گئے۔ رسول اللہ نے یہ سنکر صحابہ سے جو تعداد میں چودہ سو تھے جماد پر بیعت لی اور چونکہ بیعت ایک درخت کے نیچے لی گئی تھی یہ واقعہ بقیۃ الشجرۃ کے نام سے مشہور ہوا قرآن مجید کی اس آیت میں لَقَدْ رَضِيَ اللَّهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ اِسی واقعہ کی طرف اشارہ ہے اور آیت کی مناسبت سے اُسکو بیعت الرضوان بھی کہتے ہیں۔

حضرت عمر نے بیعت سے پہلے لڑائی کی طیاری شروع کر دی تھی۔ صحیح بخاری (غزوۃ حدیبیہ) میں ہے کہ حدیبیہ میں حضرت عمر نے اپنے صاحبزادے عبداللہ کو بھیجا کہ مسلمان انصاری سے گھوڑا مانگ لائیں۔ عبداللہ بن عمر باہر نکلے تو دیکھا کہ آنحضرت لوگوں سے جماد پر بیعت لے رہے ہیں، انھوں نے بھی جا کر بیعت کی، حضرت عمر کے پاس واپس آئے تو دیکھا کہ وہ ہتیار سج رہے ہیں عبداللہ نے اُن سے بیعت کا واقعہ بیان کیا۔ حضرت عمر اُسی وقت اُٹھے اور جا کر آنحضرت کے ہات پر بیعت کی۔

قریش کو اصرار تھا کہ رسول اللہ مکہ میں ہرگز داخل نہیں ہو سکتے۔ بڑے رد و بدل کے

بعد ان شرائط پر معاہدہ ہوا کہ اس دفعہ مسلمان آٹے واپس جائیں، اگلے سال آئیں لیکن تین دن سے زیادہ نہ ٹھہریں۔ معاہدہ میں یہ شرط بھی داخل تھی کہ دس برس تک لڑائی متوقوف رہے اور اس اتنا زمین اگر قریش کا کوئی آدمی رسول اللہ کے ہاں چلا جائے تو رسول اللہ اسکو قریش کے پاس واپس بھیج دیں لیکن مسلمانوں میں سے اگر کوئی شخص قریش کے ہاں آجائے تو انکو اختیار ہوگا کہ اسکو اپنے پاس روک لیں۔ اخیر شرط چونکہ بظاہر کافروں کے حق میں زیادہ مفید تھی۔ حضرت عمر کو نہایت اضطراب ہوا، معاہدہ ابھی لکھا نہیں جا چکا تھا کہ وہ حضرت ابوبکر کے پاس پہنچے اور کہا کہ اس طرح دب کر کیوں صلح کی جائے، انھوں نے سمجھایا کہ رسول اللہ جو کچھ کرتے ہیں اسی میں مصلحت ہوگی، لیکن حضرت عمر کو تسکین نہیں ہوئی، خود رسول اللہ کے پاس گئے اور اسطرح گفتگو کی۔

یا رسول اللہ! کیا آپ رسول خدا نہیں ہیں؟

رسول اللہ۔ بیشک ہوں۔

حضرت عمر۔ کیا ہمارے دشمن مشرک نہیں ہیں؟

رسول اللہ۔ ضرور ہیں۔

حضرت عمر۔ پھر ہم اپنے مذہب کو کیوں دلیل کریں۔

رسول اللہ صلعم۔ میں خدا کا پیغمبر ہوں اور خدا کے حکم کے خلاف نہیں کرتا۔

حضرت عمر کی یہ گفتگو اور خصوصاً انداز گفتگو اگرچہ خلاف ادب تھا چنانچہ بعد میں انکو سخت ندامت ہوئی اور اسکے کفارہ کے لیے روزے رکھے، نقلیں پڑھیں، خیرات دیں،



غلام آزاد کئے۔ تاہم سوال و جواب کی اصل بنیاد اس نکتہ پر تھی کہ رسول اللہ = کون سے افعال = انسانی حیثیت سے تعلق رکھتے ہیں اور کون سے رسالت کے منصب سے چنانچہ اسکی مفصل بحث کتاب کے دوسرے حصے میں آئیگی۔

غرض معاہدہ صلح لکھا گیا اور اسپر بڑے بڑے اکابر صحابہ کے جس میں حضرت عمر بھی داخل تھے دستخط ثبت ہوئے۔ معاہدہ کے بعد آنحضرت نے مدینہ منورہ کا قصد کیا، راہ میں سورہ فتح نازل ہوئی۔ آنحضرت نے حضرت عمر کو بلا کر فرمایا کہ مجھ پر آج ایسی سورہ نازل ہوئی ہے جو مجھ کو دنیا کی تمام چیزوں سے زیادہ محبوب ہے، یہ کلمہ آپ نے یہ آیتیں پڑھیں اِنَا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُبِينًا۔

مخبرین نے لکھا ہے کہ اسوقت تک مسلمان اور کفار بالکل الگ الگ ہتے تھے۔ صلح ہو جانے سے آپس میں میل جول ہوا، اور رات دن کے چرچے سے اسلام کے مسائل اور خیالات روز بروز زیادہ پھیلنے لگے۔ اسکا یہ اثر ہوا کہ دو برس کے اندر اندر جس کثرت سے لوگ اسلام لائے، ابرس ماقبل کی وسیع مدت میں نہیں لائے تھے۔ جس بنا پر رسول اللہ نے صلح کی تھی اور ابتداء حضرت عمر کی فہم میں نہ آسکی، وہ یہی مصلحت تھی اور اسی بنا پر خدا نے سورہ فتح میں اس صلح کو فتح کے لفظ سے تعبیر کیا۔

اس زمانے تک کافرہ عورتوں کا عقد نکاح میں رکھنا جائز تھا۔ لیکن جب یہ آیت

طبری صفحہ ۱۵۴ - صحیح بخاری واقعہ مدینہ - فتح الباری مطبوعہ مصر طبعہ، صفحہ



حصن صعب۔ وطیح اور سلام یہ سب قلعے جلدہ جلد فتح ہو گئے لیکن وطیح و سلام جن پر عرب کا مشہور بہادر مرحب قابض تھا آسانی سے فتح نہیں ہو سکتے تھے، آنحضرت نے حضرت ابوبکر کو سپہ سالار بنا کر بھیجا لیکن وہ ناکام آئے۔ پھر حضرت عمر مامور ہوئے۔ وہ برابر دو دن جا جا کر رٹے لیکن دونوں دن ناکام رہے، آنحضرت نے یہ دیکھ کر فرمایا کہ کل میں ایسے شخص کو علم دوں گا جو حملہ آور ہوگا۔ اگلے دن تمام اکابر صحابہ، علم نبوی کی اسید بن بڑے سرداران سے ہتیار سنج سنج کرائے۔ ان میں حضرت عمر بھی تھے اور انکا خود بیان ہے کہ ”میں نے کبھی اس موقع کے سوا علم برداری اور افسری کی آرزو نہیں کی“ لیکن قضا و قدر نے یہ فخر، حضرت علی کے لئے اٹھا رکھا تھا۔ چنانچہ آنحضرت نے کسی کی طرف توجہ نہیں کی اور حضرت علی کو بلا کر علم انکو عنایت کیا۔ مرحب حضرت علی کے ہات سے مارا گیا اور اسکے قتل پر اس معرکہ کا بھی تذکرہ ہوا۔

خیبر کی زمین آنحضرت نے مجاہدوں کو تقسیم کر دی چنانچہ ایک ٹکڑا جبکا نام تمنع تھا حضرت عمر کے حصے میں آیا، حضرت عمر نے اسکو خدا کی راہ میں وقف کر دیا۔ چنانچہ صحیح مسلم باب الموقف میں یہ قصہ تفصیل مذکور ہے۔ اور اسلام کی تاریخ میں یہ پہلا وقف تھا جو محل میں آیا۔

اسی سال آنحضرت نے حضرت عمر کو ۳۰ آدمیوں کے ساتھ قبیلہ ہوازن کے مقابلے کو بھیجا ان لوگوں نے حضرت عمر کی آمد سنی تو بھاگ نکلے اور کوئی معرکہ پیش نہیں آیا۔

بہشتہ میں مکہ فتح ہوا۔ اسکی ابتداء یوں ہوئی کہ حدیبیہ میں جو صلح قرآبائی تھی اس میں ایک شرط یہ بھی تھی کہ قبائل عرب میں جو چاہے قریش کا ساتھ دے اور جو چاہے اسلام کے

سایہ امن میں آئے۔ چنانچہ قبیلہ خزاعہ نے آنحضرت کا اور خاندانِ نبویؐ کے قریش کا ساتھ دیا۔ ان دونوں قبیلوں میں مدت سے ان بن ہقی اور بت سے مور کے ہو چکے تھے۔ لڑائی کا سلسلہ جاری تھا کہ حدیبیہ کی صلح وقوع میں آئی اور شرائط معاہدہ کی رو سے دونوں قبیلے لڑائی سے دست بردار ہو گئے۔ لیکن چند ہی روز کے بعد نبویؐ نے نفقہ عہد کیا اور قریش نے انکی اعانت کی بیان تک کہ خزاعہ نے حرم میں جا کر پناہ لی تب بھی انکو پناہ نہ ملی خزاعہ نے جا کر آنحضرت سے استغاثہ کیا، ابوسفیان کو یہ خبر معلوم ہوئی تو پیش بندی کے لیے مدینہ منورہ پہنچا اور آنحضرت کی خدمت میں حاضر ہو کر قریش کی طرف سے تجویز صلح کی درخواست کی، آنحضرت نے کچھ جواب نہ دیا۔ وہ اٹھ کر حضرت ابوبکر اور پھر حضرت عمرؓ کے پاس گیا کہ آپ اس معاملے کو طے کر دیجیے۔ حضرت عمرؓ نے اس سختی سے جواب دیا کہ وہ بالکل ناامید ہو گیا۔

آنحضرت نے مکہ کی تیاریاں شروع کیں، اور رمضان سنہ میں ۱۰ ہزار فوج کے ساتھ مدینہ سے نکلے۔ مقامِ مرقہ ان میں نزول اجلال ہوا تو حضرت عباسؓ، آنحضرت کے چچر پر سوار ہو کر مکہ کی طرف چلے، ادھر سے ابوسفیان آ رہا تھا حضرت عباسؓ نے اُس سے کہا۔ آمین تمھکو رسول اللہؐ سے امن دلا دون ورنہ آج تیری خیر نہیں، ابوسفیان نے غنیمت سمجھا اور حضرت عباسؓ کے ساتھ ہو لیا۔ راہ میں حضرت عمرؓ کا سامنا ہوا ابوسفیان کو ساتھ دیکھ کر حضرت عمرؓ نے خیال کیا کہ حضرت عباسؓ اسکی سفارش کے لیے جا رہے ہیں۔ بڑی تیزی سے بڑھے۔ اور آنحضرت کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا کہ مدتوں کے بعد اس

دشمن اسلام پر قابو ملا ہے اجازت دیجیے کہ اسکی گردن مار دوں۔ حضرت عباس نے کہا: اے عمر! ابوسفیان اگر عبد مناف کے خاندان سے نہوتا اور تمہارے قبیلہ کا آدمی ہوتا، تو تم اس طرح اسکی جان کے خواہاں نہوتے۔ حضرت عمر نے فرمایا کہ ”خدا کی قسم میرا آپ خطاب اسلام لانا تو مجھکو اتنی خوشی سنوتی جتنی اس وقت ہوئی تھی جب آپ اسلام لائے تھے۔“ آنحضرت نے حضرت عباس کی سفارش قبول کی اور ابوسفیان کو امن دیا۔

آنحضرت بڑے جاہ و جلال سے مکہ میں داخل ہوئے اور در کعبہ پر کھڑے ہو کر نہایت فصیح و بلیغ خطبہ پڑھا جو بعینہ تاریخون میں منقول ہے، پھر حضرت عمر کو ساتھ لیکر تمام صحابہ پر لوگوں سے بیعت لینے کے لیے تشریف فرما ہوئے، لوگ جوق جوق آتے تھے اور بیعت کرتے جاتے تھے حضرت عمر آنحضرت سے قریب لیکن کسی قدر پیچھے بیٹھے تھے۔ جب عورتوں کی باری آئی تو چونکہ آنحضرت بیگانہ عورت کے ہاتھ کو مس نہیں کرتے تھے، حضرت عمر کو ارشاد فرمایا کہ تم اسے بیعت لو، چنانچہ تمام عورتوں نے انھیں کے ہاتھ پر آنحضرت سے بیعت کی۔ اسی سال ہوازن کی لڑائی پیش آئی جو غزوہ خنین کے نام سے مشہور ہے۔

غزوہ خنین

ہوازن عرب کا مشہور اور مغز قبیلہ تھا، یہ لوگ ابتداء سے اسلام کی ترقی کو رقابت کی نگاہ سے دیکھتے آتے تھے آنحضرت جب فتح مکہ کے ارادہ سے مدینہ منورہ سے نکلے تو ان لوگوں کو گمان ہوا کہ ہم پر حملہ کرنا مقصود ہے چنانچہ اسی وقت جنگ کی تیاریاں شروع کر دیں۔ اور جب یہ معلوم ہوا کہ آنحضرت مکہ پہنچے۔ تو کامیہ پر حملہ کرنے کے لیے بڑے ہراساں

۱۷ خنین۔ عفات کے پیچھے ایک وادی کا نام ہے جو مکہ منظر سے نو ذیل میں ہے۔

سے روانہ ہو کر حنین میں دیرے ڈالے، آنحضرت نے یہ خبر سنی تو بارہ ہزار کی جمعیت کے ساتھ مکہ معظمہ سے روانہ ہوئے، حنین میں دونوں فوجیں صف آرا ہوئیں۔ مسلمانوں نے پہلے حملے میں ہوازن کو بھگا دیا، لیکن جب غنیمت کے ٹوٹنے میں مصروف ہوئے تو ہوازن نے حملہ کیا اور اس قدر تیر بھانے کہ مسلمانوں میں ہل چل پڑ گئی اور بارہ ہزار آدمیوں میں سے معدودے چند کے سوا باقی سب بھاگ نکلے، اس معرکہ میں جو صحابہ ثابت قدم رہے، ان کا نام خصوصیت کے ساتھ لیا گیا ہے، اور انہیں حضرت عمر بھی شامل ہیں، چنانچہ علامہ طبری نے صاف تصریح کی ہے۔ محمد بن اسحاق نے جو امام بخاری کے شیخ حدیث میں داخل ہیں اور مغازی دوسرے امام مانے جاتے ہیں کتاب المغازی میں لکھا ہے ”وایضا بر حید تن از تھاجرین و انفار و اہل بیت بازماندہ بودند مثل ابوبکر و علی و عمرو عباسؓ و آلہ“۔

رائی کی صورت بگڑ کر پھرن گئی یعنی مسلمانوں کو فتح حاصل ہوئی اور ہوازن کے پچھہ ہزار آدمی گرفتار ہوئے۔

۱۱۶۱ھ میں یہ خبر مشہور ہوئی کہ قیصر دوم۔ عرب پر حملہ کی تیاریاں کر رہا ہے آنحضرت نے یہ سنکر صحابہ کو تیاری کا حکم دیا، اور چونکہ یہ نہایت تنگی اور عسرت کا زمانہ تھا

۱۱۶۱ھ تاریخ مبری۔ ۱۱۶۱ھ مسیح غزوہ حنین۔ ۱۱۶۱ھ ابن اسحاق کی اصل کتاب میں نے سنیں دیکھی لیکن اس کا ایک نہایت قدیم ترجمہ زبان فارسی میں میری نظر سے گزرا ہے اور عبارت منقولہ اسی سے ماخوذ ہے، یہ ترجمہ ملاحظہ میں سعد بن زنگی کے حکم سے کیا گیا تھا اور اس کا ایک نہایت قدیم نسخہ آراہد کے کتب خانہ عام میں موجود ہے۔

اس لیے لوگوں کو زروال سے اعانت کی ترغیب دلائی چنانچہ اکثر صحابہ نے بڑی بڑی زمینیں پیش کیں۔ حضرت عمرؓ نے اس موقع پر تمام مال و اسباب میں سے اوجھا لاکر ان حضرت کی خدمت میں پیش کیا، غرض اسلحہ اور رسد کا سامان مہیا ہو گیا تو آنحضرتؐ مدینہ سے روانہ ہوئے۔ لیکن مقام تبوک میں پہنچ کر معلوم ہوا کہ وہ خبر غلط تھی اس لیے چند روز قیام فرما کر واپس آئے۔

اسی سال آنحضرتؐ نے ازواج مطہرات سے ناراض ہو کر ان سے علیحدگی اختیار کی اور چونکہ لوگوں کو آپ کے طرزِ عمل سے یہ خیال پیدا ہوا تھا کہ آپ نے تمام ازواج کو طلاق دیدی اس لئے تمام کونہایت رنج و افسوس تھا تاہم کوئی شخص آنحضرتؐ کی خدمت میں کچھ کہنے سننے کی جرأت نہیں کر سکتا تھا۔ حضرت عمرؓ نے حاضر خدمت ہونا چاہا لیکن بار بار اذن مانگنے پر بھی اجازت نہ ملی۔ آخر حضرت عمرؓ نے پکار کر دربان سے کہا کہ ”شاید رسول اللہؐ یہ گمان ہے کہ میں حفصہ (حضرت عمرؓ کی بیٹی) اور رسول اللہؐ کی زوجہ مطہرہ کی سفارش کے لیے آیا ہوں، خدا کی قسم اگر رسول اللہؐ میں تو میں جا کر حفصہ کی گردن مار دوں گا۔“ آنحضرتؐ نے فوراً بکھلایا، حضرت عمرؓ نے عرض کی کہ کیا آپ نے ازواج کو طلاق دی؟ آپ نے فرمایا کہ نہیں، ”حضرت عمرؓ نے کہا۔ تمام مسلمان مسجد میں سوگوازی مچے ہیں، آپ اجازت دیں تو انکو یہ فزودہ سناؤں، اس وقت سے حضرت عمرؓ کے تقرب کا اندازہ ہو سکتا ہے، چنانچہ حضرت ام سلمہؓ نے انھیں واقعات

۱۔ ترمذی و ابوداؤد میں یہ واقعہ فضائل الربوبیہ تحت میں منقول ہے لیکن غزوہ کی تعیین نہیں ہے۔ ۲۔ صحیح مسلم باب الطلاق۔

کے سلسلے میں ایک موقع پر کہا کہ عثر! تم ہر چیز میں دخیل ہو گئے ہو یہاں تک کہ اب ازواج کے معاملات میں بھی دخل دینا چاہتے ہو۔

پہلے میں تمام اطراف عرب سے نہایت کثرت سے سفارتیں آئیں اور ہزاروں لاکھوں آدمی اسلام کے حلقے میں آئے۔

اسی سال آنحضرت نسج کے لیے مکہ معظمہ کا قصد کیا اور یہ حج آپ کا اخیر حج تھا۔ یہ ۱۱ ماہ صفر میں آنحضرت نے رومیوں کے مقابلے کے لیے اسامہ بن زید کو مامور کیا اور تمام اکابر صحابہ کو حکم دیا کہ انکے ساتھ جائیں، لوگ تیار ہو چکے تھے کہ اخیر صفر میں آنحضرت بیمار ہو گئے اور یہ تجویز ملتوی رہ گئی۔

آنحضرت بروایت مشہور ۱۳ دن بیمار رہے۔ بیعتی نے بسند صحیح ۱۰ دن کی تعداد بیان کی ہے۔ سلیمان مہدی نے بھی اپنی مخارمی میں یہی تعداد لکھی ہے۔ بیماری کی حالت یکسان نہ تھی کبھی بخار کی شدت ہو جاتی تھی اور کبھی اس قدر افادہ ہو جاتا تھا کہ مسجد میں جا کر نماز ادا فرماتے تھے یہاں تک کہ عین وفات کے دن نماز فجر کے وقت طبیعت اس قدر بحال تھی کہ آپ دروازے تک آئے اور پردہ اٹھا کر لوگوں کو نماز پڑھتے دیکھا تو نہایت محظوظ ہوئے اور تبسّم فرمایا۔

بیماری کا بڑا مشہور واقعہ قرطاس کا واقعہ ہے جسکی تفصیل یہ ہے کہ آپ نے وفات سے تین روز پہلے قلم اور دوات طلب کیا اور فرمایا کہ میں تمہارے لیے ایسی چیز لکھو گا۔

قرطاس کا واقعہ



کہ تم آئندہ گمراہ نہ ہو گے، اس پر حضرت عمرؓ نے لوگوں کی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ آنحضرتؐ کو درد کی شدت ہے اور ہمارے لیے قرآن کافی ہے، حاضرین میں سے بعضوں نے کہا کہ رسول اللہؐ کی باتیں کر رہے ہیں (نعوذ باللہ) (روایت میں بھی کالفاظ ہیں جسکے معنی ہدیان کے ہیں)۔

یہ واقعہ بظاہر تعجب انگیز ہے۔ ایک معترض کہہ سکتا ہے کہ اس سے زیادہ اور کیا سناخی ہو سکتی ہوگی کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بستر مرگ پر ہیں اور امت کے درد و غمخواری کے لحاظ سے فرماتے ہیں، کہ لاؤ میں ایک ہدایت نامہ لکھ دوں جو تم کو گمراہی سے محفوظ رکھے، یہ ظاہر ہے کہ گمراہی سے بچانے کے لیے جو ہدایت ہوگی وہ منصب نبوت کے لحاظ سے ہوگی اور اس لیے آئینہ سو و خطا کا احتمال نہیں ہو سکتا۔ وجود اسکے حضرت عمرؓ پر دوائی ظاہر کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ کچھ ضرورت نہیں۔ مگر قرآن کافی ہے، طرہ یہ کہ بعض روایتوں میں ہے کہ حضرت عمرؓ ہی نے آنحضرتؐ کے اس ارشاد کو ہدیان سے تعبیر کیا تھا۔ (نعوذ باللہ)۔

یہ اعتراف ایک مدت سے چلا آتا ہے اور مسلمانوں کے دو مختلف گروہ نے اس پر بڑی طبع آزمائی کی ہیں۔ لیکن چونکہ اس بحث میں غیر متعلق باتیں چھڑ گئیں اور اصولِ درایت سے کسی نے کام نہیں لیا اس لیے اصل مسئلہ نامفصل رہا اور عجیب بیکار بحثیں پیدا ہو گئیں یہاں تک کہ یہ مسئلہ چھیڑا گیا کہ پیغمبرؐ سے ہدیان نہ ملتا کیونکہ نہ بیان انسانی عواض میں ہے اور آنحضرتؐ عواضِ انسانی سے بری نہ تھے۔

یہاں دراصل یہ امر غور طلب ہے کہ جو واقعہ جس طریقے سے روایتوں میں منقول ہے اس سے کہ  
پر استناد ہو سکتا ہے یا نہیں؟ اس بحث کیلئے پہلے واقعات ذیل کو پیش نظر رکھنا چاہیے۔

(۱) آنحضرت کم و بیش ۳۱ دن تک بیمار رہے۔

(۲) کاغذ و قلم طلب کرنے کا واقعہ جمعرات کے دن کا ہے جیسا کہ صحیح بخاری و مسلم  
میں تصریح مذکور ہے اور چونکہ آنحضرت نے دو شبہ کے دن انتقال فرمایا اس لیے اس  
واقعہ کے بعد آنحضرت چار دن تک زندہ رہے۔

(۳) اس تمام مدت بیماری میں آنحضرت کی نسبت، اور کوئی واقعہ احتمالِ احس  
کا کسی روایت میں کہیں مذکور نہیں۔

(۴) اس واقعہ کے وقت کثرت سے صحابہ موجود تھے یہ

کہ بہت سے طریقوں سے مروی ہے (چنانچہ صرف صحیح بخاری میں  
ہے) با اینہم بجز عبداللہ بن عباس کے اور کسی صحابی سے اس واقعہ کے  
حرف بھی منقول نہیں۔

(۵) عبداللہ بن عباس کی عمر اس وقت صرف ۱۳-۱۴ برس کی تھی۔

(۶) سب سے بڑھ کر یہ کہ جس وقت کا یہ واقعہ ہے اس موقع پر عبداللہ بن عباس  
خود موجود نہ تھے اور یہ معلوم نہیں کہ یہ واقعہ انھوں نے کس سے سنا۔

۱۔ بخاری باب کتابہ العلم میں جو حدیث مذکور ہے اس سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس اس واقعہ میں موجود تھے۔ ایسے

نئے سپر بحث کی ہے اور یہ دلائل قطعاً ثابت کیا ہے کہ وہ موجود تھے۔ دیکھو فتح الباری باب کتابہ العلم۔

کہ تمام روایتوں میں مذکور ہے کہ جب آنحضرت نے کاغذ قلم مانگا تو لوگوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی باتیں کر رہے ہیں۔

اب سب سے پہلے یہ امر لحاظ کے قابل ہے کہ جب اور کوئی واقعہ یا قرینہ آنحضرت کے احتمال حواس کا کہیں کسی روایت میں مذکور نہیں، تو صرف اس قدر کہنے سے کہ ”قلم دوات“ لوگوں کو ہذیان کا خیال کیونکر پیدا ہو سکتا تھا؟ فرض کر لو کہ انبیاء سے ہذیان سرزد ہو سکتا ہے لیکن اسکے یہ تو معنی نہیں کہ وہ معمولی بات بھی کہیں تو ہذیان سمجھی جائے۔ یہ پیغمبر کا وفات کے قریب یہ کہنا کہ ”قلم دوات لاؤ میں ایسی چیز لکھ دوں کہ تم آئندہ براہ نہ ہو“، اس میں ہذیان کی کیا بات ہے؟ یہ روایت اگر خواہ مخواہ صحیح سمجھی جائے تب بھی اس قدر بہر حال تسلیم کرنا ہو گا کہ راوی نے روایت میں وہ واقعات چھوڑ دیے ہیں جن سے کون کو یہ خیال پیدا ہوا کہ آنحضرت ہوش میں نہیں ہیں اور بیہوشی کی حالت میں قلم دوات کب فرما رہے ہیں۔ پس ایسی روایت سے جس میں کہ راوی نے واقعہ کی نہایت ضروری

علامہ قزوینی نے یہ تاویل کی ہے اور اس پر لکھنا ہے کہ لوگوں نے یہ لفظ انکار اور استہجاب کے طور پر کہا تھا یعنی کہ آنحضرت کے حکم کی تعمیل کرنی چاہیے خدا غواستہ آنحضرت کا قول ہذیان تو نہیں کہ اس پر لحاظ نہ کیا جاوے۔ تاویل لگتی ہوئی ہے لیکن بخاری و مسلم کی بعض روایتوں میں ایسے صاف الفاظ ہیں جنہیں اس تاویل کا احتمال نہیں مثلاً ”مرحس (دو دفعہ) یا اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہ جس (میں) سلام“ (۱۲) ہمارے محققین نے یضون آفرینی کی ہے نہ چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جانتے تھے ایسے آپ کا یہ فرمانا کہ دو میں لکھ دوں، ہذیان کا قرینہ تھا۔ (۱۳) وہ معلوم نہیں کہ لکھنے کے معنی لکھنا ہے جسے جی آتے ہیں اور یہ مجازاً شائع اور ذائع ہے ۱۲

خصوصیتیں چھوڑ دین کسی واقعہ پر کیونکر استدلال ہو سکتا ہے، اسکے ساتھ جب ان امور لحاظ کیا جائے کہ اتنے بڑے عظیم الشان واقعہ میں تمام صحابہ میں سے صرف حضرت عبداللہ بن عباس اسکے راوی ہیں۔ اور یہ کہ انکی عمر اس وقت کل ۱۲-۱۴ برس کی تھی اور سب سے بڑھکر یہ کہ وہ خود واقعہ کے وقت موجود نہ تھے۔ تو ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ اس روایت کی حیثیت کیا رہ جاتی ہے، ممکن ہے کہ کسی کوتاہ نظر پر یہ امر گراں گذرے کہ بخاری اور مسلم کی حدیث پر شبہ کیا جائے لیکن اُسکو سمجھنا چاہیے کہ بخاری اور مسلم کے کسی راوی کی نسبت یہ شبہ کرنا کہ وہ واقعہ کی پوری ہیئت محفوظ نہ رکھ سکا، اس سے کہیں زیادہ آسان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت ہذیان اور حضرت عمر کی نسبت گستاخی کا ازام لگایا جائے۔

عرض آنحضرت اس واقعہ کے بعد تیار دن تک زندہ رہے اور اس اثنا میں وقتاً فوقتاً بہت سی ہدایتیں اور وصیتیں فرمائیں، عین وفات کے دن آپ کی حالت اس قدر سنبھل گئی تھی کہ لوگوں کو بالکل صحت کا گمان ہو گیا اور حضرت ابو بکر اسی خیال سے اپنے مکان کو جو مدینہ منورہ سے دو میل پر تھا واپس چلے گئے۔ لیکن حضرت عمر وفات کے وقت تک موجود رہے۔ آنحضرت نے ۱۲- بنیع الاول ۱۱ھ دو شنبہ کے دن دوپہر کے وقت حضرت عائشہ کے گھر میں انتقال فرمایا۔ سہ شنبہ کو دوپہر ڈھلنے پر مدفون ہوئے۔ جہالت اسلام کو آپ کی وفات سے جو صدمہ ہوا اُسکا اندازہ کون کر سکتا ہے؟ عام روایت ہے

حضرت عمر اس قدر خود رفتہ ہوئے کہ مسجد نبوی میں جا کر اعلان کیا کہ تجھ سے یہ کیسا کہ آنحضرت نے وفات پائی اسکو قتل کر ڈالوں گا لیکن اور قرآن میں اس روایت کی تصدیق نہیں کرتے ہمارے نزدیک چونکہ مدینہ میں کثرت سے منافقین کا گروہ موجود تھا جو فتنہ پردازی کے لیے آنحضرت کی وفات کا منظر تھا اس لیے حضرت عمر نے مصلحتاً اس خبر کے پھیلنے کو روکا ہو گا اسی واقعہ نے روایتوں کے تغیرات سے مختلف صورت اختیار کر لی ہے۔ لیکن مشکل یہ ہے کہ صحیح بخاری وغیرہ میں اس قسم کی تصریحات موجود ہیں جو ہمارے اس قیاس سے مطابق نہیں ہو سکتیں۔

## سقیفہ بنی ساعدہ، حضرت ابو بکر کی خلافت اور حضرت عمر کا استخلاف

یہ واقعہ بظاہر تعجب سے خالی نہیں کہ جب آنحضرت نے انتقال فرمایا تو فوراً خلافت کی نزاع پیدا ہو گئی اور اس بات کا بھی انتظار نہ کیا گیا کہ پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تجویز و تکفین سے فرقت حاصل کر لی جائے، اسکے قیاس میں آسکتا ہے کہ رسول اللہ انتقال فرمائیں اور جن لوگوں کو انکے عشق و محبت کا دعویٰ ہو وہ ان کو بے گور و کفن چھوڑ کر چلے جائیں، اور اس بند و بست نہ صرف ہون کہ مسند حکومت اور ان کے قبضے میں نہ آجائے۔

تعجب پر تعجب یہ ہے کہ یہ فعل ان لوگوں سے (حضرت ابو بکر و عمر) سرزد ہوا جو اسامہ اسلام کے مہر و ماہ تسلیم کیے جاتے ہیں، اس فعل کی ناگواری اس وقت اور زیادہ نمایاں ہو جاتی ہے جب یہ دیکھا جاتا ہے کہ جن لوگوں کو ان حضرت سے فطری تعلق تھا یعنی حضرت علی و خاندان بنی ہاشم، ان پر فطرتی تعلق کا پورا اثر ہوا اور اس وجہ سے ان کو آنحضرت نے در دو عمر اور تجویز و

مکفین سے ان باتوں کی طرف متوجہ ہونے کی فرصت نہ ملی۔

ہم اسکو تسلیم کرتے ہیں کہ کتب حدیث و سیرے بظاہر اسی قسم کا خیال پیدا ہوتا ہے لیکن حقیقت ایسا نہیں ہے۔ یہ سچ ہے کہ حضرت عمرؓ (دوبکر وغیرہ) آنحضرت کی تجنیز و مکفین چھوڑ کر سقیفہ بنی ساعدہ کو چلے گئے، یہ بھی سچ ہے کہ آنھوں نے سقیفہ میں پہنچ کر خلافت کے باب میں انصار سے مرکز الیٰ کی اور اس طرح ان کوششوں میں مصروف رہے کہ گویا انہیں کوئی حادثہ پیش ہی نہیں آیا تھا۔ یہی سچ ہے کہ آنھوں نے اپنی خلافت کو نہ صرف انصار بلکہ بنو ہاشم اور حضرت علیؓ سے بھی بزور منوانا چاہا، گو بنو ہاشم نے آسانی سے انکی خلافت تسلیم نہیں کی۔ لیکن اس بحث میں غور طلب جواب تین ہیں وہ یہ ہیں۔

(۱) کیا خلافت کا سوال، حضرت عمرؓ وغیرہ نے چھیڑا تھا۔

(۲) کیا یہ لوگ خود اپنی خواہش سے سقیفہ بنی ساعدہ میں گئے تھے۔

(۳) کیا حضرت علیؓ اور بنو ہاشم خلافت کی فکر سے بالکل فارغ تھے۔

(۴) ایسی حالت میں جو کچھ حضرت عمرؓ وغیرہ نے کیا، وہ کرنا چاہئے تھا یا نہیں۔

وہ پہلی بحثوں کی نسبت ہم نہایت مستند کتاب، مسند ابو یعلیٰ کی عبارت نقل کرتے ہیں جس سے واقعہ کی کیفیت بخوبی سمجھ میں آسکتی ہے۔

بَیِّنَا نَحْنُ فِي مَنْزِلِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا رَجُلٌ يَنَادِي مِنْ وَرَاءِ الْجُدَارِ

مِنْ يَتَى تَحْتَهُ كَذِبٌ دِرَارٌ كَيْ تَحْتَجَّ تَأْيِيبُ أَدْمِي نَهْ

۱۰ دیکھو فتح الباری جلد ۲ صفحہ ۲۳۔

ان آخر جالی یا ابن الخطاب فقلت	اواز دی کہ ابن خطاب! (حضرت عمرؓ فرمایا ہر آدمی
الیک عنی فانا عندک مشاغبیل یعنی	میں نے کہا کہ چلو ہٹو، ہم لوگ آنحضرتؐ سے بندوبست
باہر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	میں مشغول ہیں۔ اُس نے کہا ایک حادثہ پیش آیا ہے
فقال له قد حدث امر فان الانصبا	یعنی انصار سقیفہ بنی ساعدہ میں اکٹھے ہوئے ہیں
اجتمعوا فی سقیفۃ بنی ساعدۃ فادکوا	اس لیے جلد پہنچ کر ان کی خبر لیا گیا نہ ہو کہ انصار
ہم ان یجدننا امر یموت فیہ حرب	لجہ ایسی بات کرنا نہیں جس سے روائی ٹھیکر جائے۔
فقلت لا بی بکر انطلق۔	اُس وقت میں نے ابوبکرؓ سے کہا کہ چلو۔

اس سے ظاہر ہوگا کہ نہ حضرت عمرؓ وغیرہ نے، خلافت کی بحث کو چھیڑا تھا نہ وہ اپنی خوشی سے سقیفہ بنی ساعدہ کو جانا چاہتے تھے۔

تیسری بحث کی کیفیت ہے کہ اُس وقت جماعت اسلامی تین گروہوں میں تقسیم کی جاسکتی تھی بنو ہاشم جس میں حضرت علیؓ شامل تھے۔ مہاجرین جنکے رئیس و امیر حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ تھے۔ انصار جنکے شیخ القبیلہ عبادہؓ تھے۔ ان تینوں میں سے ایک گروہ بھی خلافت کے خیال سے خالی نہ تھا انصار نے تو علانیہ اپنا ارادہ اظہار کر دیا تھا۔ بنو ہاشم کے خیالات ذیل کی روایت سے معلوم ہونگے۔

آنحضرتؐ کی وفات کے دن حضرت علیؓ مکان سے باہر نکلے، لوگوں نے اُن سے پوچھا کہ رسول اللہؐ کا مزاج کیا ہے۔ چونکہ آنحضرتؐ کی ظاہری حالت بالکل سنبھل گئی تھی۔ حضرت علیؓ نے کہا خدا کے فضل سے آپ اچھے ہو گئے۔ حضرت عباسؓ نے انکا ہاتھ پکڑ کر کہا کہ خدا کی

قسم قسم تین دن کے بعد غلامی کرو گے، میں آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں کہ رسول اللہ غریب اس مرض میں وفات پائیں گے، کیونکہ مجھ کو اسکا تجربہ ہے کہ خاندان عبد المطلب کا چہرہ موت کے قریب کس طرح متغیر ہو جاتا ہے، اؤ چلو، رسول اللہ سے پوچھ لیں کہ آپ کے بعد یہ منصب (خلافت) کسکو حاصل ہوگا، اگر ہم اسکے مستحق ہیں تو رسول اللہ ہمارے لیے وصیت فرمادینگے، حضرت علی نے کہا میں نہ پوچھوں گا کیونکہ اگر پوچھنے پر آنحضرت نے انکار کر دیا تو پھر نیند کوئی اسید نہیں رہیگی۔

اس روایت سے حضرت عباس کا خیال تو صاف معلوم ہوتا ہے۔ حضرت علی کو آنحضرت کی وفات کا اسوقت تک یقین نہ تھا اس لیے انھوں نے کوئی تحریک کرنا مناسب نہیں سمجھا اسکے علاوہ انکو اپنے انتخاب کیے جانے پر بھروسہ نہ تھا۔

آنحضرت کی وفات کے بعد حضرت فاطمہ کے گھر میں ایک مجمع ہوا جس میں تمام بنو ہاشم اور انکے اتباع شریک تھے اور حضرت علی انکے پیشرو تھے۔ صحیح بخاری میں حضرت عمر کی زبانی روایت ہے۔

کان من خیرنا حین توفی اللہ نبیہ ان الایضا	ہماری سرگزشت یہ ہے کہ جب خدا نے اپنے پیغمبر کو اٹھایا تو انھوں نے قاطعہ ہماری مخالفت کی اور سفینہ بنی ساعدہ میں جمع ہوئے،
خالقونا واجتمعوا باسرمہم فی سفیفۃ بنی	اور علی وزیر اور ان کے ساتھیوں نے مخالفت کی۔ اور مہاجرین
ساعۃ وخالف عنا علی والزبیر ومعہم	ابو بکر کے پاس جمع ہوئے۔
واجتمع المهاجرون الی ابی بکر	

صحیح بخاری باب مرض بنی ساعدہ - صحیح بخاری کتاب الحد و باب رحم المہاجرین



یہ تقریر حضرت عمرؓ نے ایک بہت بڑے مجمع عام میں کی تھی جس میں سیکڑوں صحابہ موجود تھے۔ اس لیے اس بات کا گمان نہیں ہو سکتا کہ انھوں نے کوئی امر خلاف واقع کہا ہو۔ ورنہ لوگ اُنکو وہیں ٹوکتے۔ امام مالک کی روایت میں یہ واقعہ اور صاف ہو گیا ہے، اس کے یہ الفاظ ہیں

وَإِنَّ عَلِيًّا وَالزَّيْبَرَ وَمَنْ كَانَ مَعَهُمُ اتَّخَلَفُوا فِي بَيْتِ فَاطِمَةَ بِنْتِ رَسُولِ اللَّهِ  
اور علی و زبیر اور جو لوگ ان کے ساتھ تھے، وہ حضرت فاطمہ زہرا کے گھر میں آئے اور جمع ہوئے۔

تاریخ طبری میں ہے۔

وَتَخَلَّفَ عَلِيٌّ وَالزَّيْبَرُ وَاخْتَرَطَ الزَّيْبَرُ سَيْفَهُ وَقَالَ لَا أَعْمَدُ حَتَّى يُبَايَعَ عَلِيٌّ  
اور حضرت علی و زبیر نے علمدگی اختیار کی اور زبیر نے تلوار سیاہ سے کھینچ لی اور کہا کہ میں علی کے ہات پر بیعت نہ کیاؤں میں تلوار کو میان میں نہ ڈالوں گا۔

ان تمام روایتوں سے صاف یہ نتائج نکلتے ہیں کہ۔

(۱) آنحضرت کے وفات کے ساتھ ہی خلافت کے باب میں تین گروہ ہو گئے، انصار۔ مہاجرین بنو ہاشم۔

(۲) مہاجرین حضرت ابوبکر کے، اور بنو ہاشم حضرت علی کے ساتھ تھے۔

(۳) جب طح حضرت عمر وغیرہ آنحضرت کو چھوڑ کر سقیفہ کو چلے گئے تھے، حضرت علی بھی آنحضرت کے پاس سے چلے آئے تھے اور حضرت فاطمہ کے گھر میں بنو ہاشم کا مجمع ہوا تھا۔

سقیفہ میں حضرت علی کا نہ جانا اس وجہ سے نہ تھا کہ وہ آنحضرت کے غم و الم میں مصروف

۱۔ فتح الباری شرح حدیث مذکور۔ ۲۔ تاریخ طبری صفحہ ۱۸۲۰۔

تھے اور انکو ایسے پردہ دموقع پر خلافت کا خیال نہیں آسکا تھا بلکہ اسکی وجہ یہ تھی کہ سقیفہ  
 میں مہاجرین و انصار جمع تھے اور ان دونوں گروہ میں سے کوئی حضرت علی کے دعوے کی  
 تائید نہ کرتا کیونکہ مہاجرین - حضرت ابوبکر کو پیشوا تسلیم کرتے تھے اور انصار کے رئیس سعد بن عبادہ تھے۔  
 اخیر بحث یہ ہے کہ جو کچھ ہوا وہ بجا تھا یا بجایا؟ اسکو ہر شخص جو ذرا بھی اصول تمدن سے  
 واقفیت رکھتا ہو باسانی سمجھ سکتا ہے۔ آنحضرت نے جس وقت وفات فرمائی مدینہ منورہ  
 منافقوں سے بھرا ہوا پڑا تھا جو مدت سے اس بات کے منظر تھے کہ رسول اللہ کا سایہ اٹھ جائے  
 تو اسلام کو پامال کر دیں۔ اس نازک وقت میں آیا یہ ضروری تھا کہ لوگ جمع و فرع اور گریہ و زاری  
 میں مصروف نہ رہیں یا یہ کہ فوراً خلافت کا انتظام کر لیا جائے اور ایک منظم حالت قائم ہو جائے  
 انصار نے اپنی طرف سے خلافت کی بحث چھیڑ کر حالت کو اور نازک کر دیا کیونکہ قریش جو  
 انصار کو اسقدر حقیر سمجھتے تھے کہ جنگ بدر میں جب انصار انکے مقابلے کو کھلے تو عقبہ نے آنحضرت  
 کو مخاطب کر کے کہا کہ محمد! ہم نابینوں سے نہیں دیکھ سکتے کسی طرح انصار کے آگے تسلیم نہ  
 نہیں کر سکتے تھے۔ قریش پر کیا موقوف ہے، تمام عرب کو انصار کی متابعت سے انکار  
 ہوتا۔ چنانچہ حضرت ابوبکر نے سقیفہ میں جو خطبہ دیا اس میں صاف اس خیال کو ظاہر کیا اور کہا  
*وان العرب لا تعرف هذا الاهل ولا لهذا النحی من قریش*۔ اسکے علاوہ انصار میں خود  
 دو گروہ تھے اوس اور خریج اور انہیں باہم اتفاق نہ تھا۔ اس حالت میں ضرور تھا کہ انصار  
 کی دعوی خلافت کو دبا دیا جائے اور کوئی لائق شخص فوراً انتخاب کر لیا جائے۔ مجمع میں جو لوگ  
 موجود تھے انہیں سب سے با اثر اور بزرگ اور مہتمم حضرت ابوبکر تھے، اور فوراً انکا انتخاب

ہو بھی جاتا لیکن لوگ، انفار کی بحث و نزاع میں چپس گئے تھے اور بحث طول پکڑ کر قریب تھا کہ  
 کموارین میان سے نکل آئیں حضرت عمرؓ نے یہ رنگ دیکھ کر دفعۃً حضرت ابو بکرؓ کے ہاتھ میں ہاتھ  
 دیدیا کہ سب سے پہلے میں جمعیت کرتا ہوں۔ ساتھ ہی حضرت عثمانؓ - ابو عبیدہ جراحؓ عبد الرحمن  
 بن عوفؓ نے بھی ہاتھ بڑھائے اور پھر عام خلعت ٹوٹ پڑی۔ اس کارروائی سے ایک اٹھتا  
 ہوا طوفان رُک گیا، اور لوگ مطمئن ہو کر کاروبار میں مشغول ہو گئے۔ صرف بنو ہاشم اپنے ادعا پر  
 رُکے رہے اور حضرت فاطمہؓ کے گھر میں وقتاً فوقتاً جمع ہو کر مشورے کرتے رہتے تھے، حضرت عمرؓ  
 نے بزورِ اُن سے جمعیت یعنی چاہی لیکن بنو ہاشم حضرت علیؓ کے سوا اور کسی کے آگے سر نہیں  
 ٹھجھا سکتے تھے۔ ابن ابی شیبہؒ نے مصنفین اور علامہ طبریؒ نے تاریخ کبیر میں روایت نقل  
 کی ہے کہ حضرت عمرؓ نے، حضرت فاطمہؓ کے گھر کے دروازے پر کھڑے ہو کر کہا کہ یا نبی رسول اللہ  
 خدا کی قسم آپ بہکوسے زیادہ محبوب ہیں، تاہم اگر آپ کے ہاں لوگ اس طرح جمع کرتے رہے تو میں ان  
 لوگوں کی وجہ سے، گھر میں آگ لگا دوں گا۔ اگرچہ سند کے اعتبار سے اس روایت پر ہم اپنا اعتبار  
 ظاہر نہیں کر سکتے کیونکہ اس روایت کی رواۃ کا حال ہکونین معلوم ہو سکا تاہم درایت کے اعتبار  
 سے اس واقعہ کے انکار کی کوئی وجہ نہیں۔ حضرت عمرؓ کی تندی اور تیز مزاجی سے یہ حرکت کچھ  
 بعید نہیں، حقیقت یہ ہے کہ اس نازک وقت میں حضرت عمرؓ نے نہایت تیزی اور سرگرمی کے ساتھ  
 جو کارروائیاں کیں انہیں گو بعض بے اعتدالیان پائی جاتی ہوں، لیکن یاد رکھنا چاہیے کہ انہی ہی اعتدالیوں  
 اُٹھتے ہوئے فتنوں کو دبا دیا۔ بنو ہاشم کی سازشیں اگر قائم رہتیں تو اُسی وقت جماعت اسلامی

ابن مبارک نے الاحکام السلطانیہ میں لکھا ہے کہ اول مرتبہ بنی ہاشم نے بیت کی تھی۔

اک شیرازہ بکھرتا اور وہی خانہ جنگیان برپا ہو جاتیں جو آگے چلکر خباب امیر علیہ السلام اور امیر معاویہ میں واقع ہوئیں۔

حضرت ابو بکر کی خلافت کی مدت سوا دو برس ہے کیونکہ انھوں نے جمادی الثانی ۱۱ھ میں انتقال کیا۔ اس عہد میں اگرچہ جس قدر بڑے بڑے کام انجام پائے حضرت عمر ہی کی شرکت سے انجام پائے تاہم ان واقعات کو ہم الفاروق میں نہیں لکھ سکتے کیونکہ وہ پھر بھی عہد صدیقی کے واقعات ہیں۔ اور اس شخص کا حصہ میں جسکو حضرت ابو بکر کی سوانح عمری لکھنے کا شرف حاصل ہو۔

حضرت ابو بکر کو اگرچہ مدتوں کے تجربہ سے یقین ہو گیا تھا کہ خلافت کا بارگران، حضرت عمر کے سوا اور کسی سے ائمہ نہیں سکتا تاہم وفات کے قریب، انھوں نے عام رائے کے اندازہ کرنے کے لئے اکابر صحابہ سے مشورہ کیا۔ سب پہلے عبدالرحمن بن عوف کو بلا کر پوچھا انھوں نے کہا کہ عمر کی قابلیت میں کیا کلام ہے لیکن فراج میں سختی ہے، حضرت ابو بکر نے فرمایا انکی سختی اس لئے سختی کہ میں نرم تھا، جب کام انھی پر پڑ گیا تو وہ خود بخود نرم ہو جائینگے۔ پھر حضرت عثمان کو بلا کر پوچھا۔ انھوں نے کہا میں اس قدر کہہ سکتا ہوں کہ عمر کا باطن، ظاہر سے اچھا ہے۔ اور ہم لوگوں میں اُنکا جواب نہیں، جب اس بات کے چرچے ہوئے کہ حضرت ابو بکر، حضرت عمر کو خلیفہ کرنا چاہتے ہیں تو بعضوں کو تردد ہوا چنانچہ طلحہ نے حضرت ابو بکر سے جا کر کہا کہ آپ کے موجود ہوتے، عمر کا ہم لوگوں کے ساتھ کیا برتاؤ تھا؟ اب وہ خود خلیفہ ہونگے تو خدا جانے کیا کریں گے، آپ اب خدا کے ہاں جاتے ہیں یہ سوچ لیجیے کہ خدا کو کیا جواب دیجیے گا۔ حضرت ابو بکر

مے کما میں خدا سے کہو ملکد میں نے تیرے بندوں پر اس شخص کو افسر مقرر کیا جو تیرے  
 بندوں میں سب سے زیادہ اچھا تھا یہ کلمہ حضرت عثمان کو بلایا اور عہد نامہ خلافت لکھوانا  
 شروع کیا، ابتدائی الفاظ لکھوا چکے تھے کہ غش آگیا۔ حضرت عثمان نے یہ دیکھ کر یہ الفاظ اپنی طرف  
 سے لکھ دیے کہ میں عمر کو خلیفہ مقرر کرتا ہوں، تمہاری دیر کے بعد ہوش آیا تو حضرت عثمان سے  
 کہا کہ کیا لکھا تھا مجھ کو پڑھ کر سناؤ۔ حضرت عثمان نے پڑھا تو بیاضۃ اللہ الکریم پڑھ گئے اور کہا  
 کہ خدا تم کو جزا سے خیر دے، عہد نامہ لکھا جا چکا تو حضرت ابو بکر نے اپنے غلام کو دیا کہ جا کر  
 مجمع عام میں سنائے، پھر خود بالا خانہ پر جا کر لوگوں سے جو نیچے مجمع تھے مخاطب ہوئے اور  
 کہا کہ میں نے اپنے کسی بھائی بند کو خلیفہ نہیں مقرر کیا بلکہ عمر کو مقرر کیا، کیا تم لوگ اس پر راضی ہو؟  
 سب نے سمعنا و اطعنا کہا۔ پھر حضرت عمر کو بلا کر نہایت موثر اور مفید نصیحتیں کیں جو حضرت  
 عمر کے لئے عمدہ دستور العمل کے بجائے کام آئیں۔



## خلافت اور فتوحات

حضرت ابوبکر کے عہد میں متمدین عرب اور مدعیان نبوت کا خاتمہ ہو کر فتوحات ملی کا آغاز ہو چکا تھا۔ خلافت کے دوسرے ہی برس یعنی سلسلہ ہجری میں عراق پر لشکر کشی ہوئی اور حیرہ کے تمام اضلاع فتح ہو گئے۔ سیم ہجری میں شام پر حملہ ہوا اور اسلامی فوجیں تمام اضلاع میں پھیل گئیں۔ ان مہمات کا بھی آغاز ہی تھا کہ حضرت ابوبکر کا انتقال ہو گیا۔ حضرت عمر نے عنانِ خلافت ہاتھ میں لی تو سب سے ضروری کام ابھی مہمات کا انجام دینا تھا۔ لیکن قبل اسکے کہ ہم ان واقعات کی تفصیل لکھیں یہ بتانا ضرور ہے کہ اسلام سے پہلے عرب کو فارس و شام سے کیا تعلقات تھے۔

عرب کا سنایت قدیم خاندان جو عرب بایہ کے نام سے مشہور ہے اگرچہ اسکے حالات بابل نامعلوم ہیں تاہم اس قدر مشہور ہے کہ عاد اور عالقہ نے عراق پر قبضہ کر لیا تھا۔ عرب عرباء جو مین کے فرمانروا تھے انکی حکومت ایک زمانے میں بہت زور پکڑ گئی تھی۔ یہاں تک کہ چند بار عراق پر قابض ہو گئے اور سلطنتِ فارس کے ساتھ انکو ہمسری کا دعویٰ رہا۔

رفقہ رفقہ عرب خود حکومتِ فارس کے علاقہ میں آباد ہونے شروع ہوئے۔ بخت نصر نے جو بابل کا بادشاہ تھا اور بیت المقدس کی بربادی نے اسکے نام کو شہرت دیدی ہے، جب عرب پر حملہ کیا تو بہت سے قبیلے اسکے مطیع ہو گئے اور اس تعلق سے عراق میں جا کر آباد ہو گئے۔ رفقہ رفقہ معد بن عدنان کی بہت سی نسلیں ان مقامات میں آباد ہوتی گئیں، یہاں تک کہ ریاست کی

یاد دہائی۔ اور چونکہ اس زمانے میں سلطنت فارس میں طوائف الملوکی قائم ہو گئی تھی، عربوں نے  
 اس کی حکومت قائم کر لی جس کا پہلا فرمان روا مالک بن نعم عدنانی تھا۔ اس خاندان میں جذریہ الابرش  
 کی سلطنت نہایت وسیع ہوئی۔ اس کا بھانجا عمرو بن عدی جو اسکے بعد تخت نشین ہوا اُس نے حیرہ کو  
 دار السلطنت قرار دیا اور عراق کا بادشاہ کہلایا۔ اس دور میں اس قدر تمدن پیدا ہو گیا تھا کہ  
 ہشام کلبی کا بیان ہے کہ میں نے عرب کے زیادہ تر حالات اور فارس و عرب کے تعلقات  
 زیادہ تر اس کی کتابوں سے معلوم کئے جو حیرہ میں اس زمانے میں تصنیف ہوئی تھیں۔ اسی زمانے  
 میں اردشیر بن بابک نے طوائف الملوکی مٹا کر ایک وسیع سلطنت قائم کی اور عمرو بن عدی کو ہجرت  
 بنالیا۔ عمرو بن عدی کا خاندان اگرچہ مدت تک عراق میں فرمان روا رہا لیکن حقیقت وہ سلطنت  
 فارس کا ایک صوبہ تھا۔

شاہ پور بن اردشیر جو سلسلہ ساسانیہ کا دوسرا فرزند تھا اسکے عہد میں حجاز و یمن دونوں  
 باجگزار ہو گئے اور امراء اقیس کنڈی ان صوبوں کا گورنر مقرر ہوا تاہم مطیع ہو کر رہنا عرب کی نظر  
 کے خلاف تھا اس لئے جب کبھی موقع ملتا تھا تو بغاوت برپا ہو جاتی تھی۔ چنانچہ سابو ذی لاکتہ  
 جب صغریٰ بن فارس کے تخت پر بیٹھا تو تمام عرب میں بغاوت پھیل گئی یہاں تک کہ قبیلہ  
 عبد اقیس نے خود فارس پر حملہ کر دیا اور اباد نے عراق کے صوبے دبائے۔ شاہ پور بڑا ہو کر بڑے  
 عزم و استقلال کا بادشاہ ہوا اور عرب کی بغاوت کا انتقام لینا چاہا۔ ہجر میں پہنچ کر نہایت فخری  
 کی اور قبیلہ عبد اقیس کو برباد کرتا ہوا مدینہ منورہ تک پہنچ گیا۔ رد سائی عرب جو گرفتار ہو کر اُس کے  
 سامنے پیش کی گئی تھیں انہیں کتاب التیجان میں کی ہے۔

سامنے آئے تھے انکے شانے اکڑاؤاؤاٹا تھا چنانچہ اسی وجہ سے عرب میں وہ ذوالکثافات کے لقب سے مشہور ہے۔

سلاطین حیرہ میں سے نعمان بن منذر نے جو کسریٰ پرویز کے زمانے میں تھا، عیسوی مذہب قبول کر لیا۔ اور اس تبدیل مذہب پر یا اور کسی سبب سے پرویز نے اسکو قید کر دیا اور قید میں اسنے وفات پائی۔ نعمان نے اپنے ہتیار وغیرہ مانی کے پاس امانت رکھوا دئے تھے جو قبیلہ بکرہ بردار تھا۔ پرویز نے اس سے وہ چیزیں طلب کیں اور جب اسنے انکار کیا تو ہرمزان کو دو ہزار فوج کے ساتھ بھیجا کہ بزد چمین لائے۔ بکر کے تمام قبیلے ذی قار ایک مقام میں بڑے سرد سامان سے جمع ہوئے اور محنت سرکہ ہوا۔ فارسیوں نے شکست کھائی اس لرانی میں خباب سول اللہ بھی تشریف رکھتے تھے اور آپ نے فرمایا کہ

هَذَا اَوَّلُ يَوْمٍ اَنْتَصَفَتِ الْعَرَبُ مِنَ الْعَجَمِ  
یعنی: یہ دن ہے کہ عرب نے عجمت بر لیا۔

عرب کے تمام شعرا نے اس واقعہ پر بڑے فخر اور جوش کے ساتھ قصیدے اور اشعار لکھے۔ سہ ماہ میں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام بادشاہوں کو دعوت اسلام کے خطوط لکھے تو باوجود اسکے کہ ان خطوط میں جنگ و جدل کا اشارہ نہ تھا پرویز نے خط پڑھ کر کہا کہ ”میرا غلام ہو، مجھ کو یوں لکھا ہے“۔ اس پر بھی قناعت نہ کی بلکہ بازان کو جو مین کا عامل تھا لکھا کہ کسی بھیجہ دے کہ محمد کو گرفتار کر کے دربار میں لائے۔ اتفاق سے اسی زمانے میں پرویز کو اس کے بیٹے نے ہلاک کر دیا اور معاملہ مبینہ ہو گیا۔

رومی سلطنت سے عرب کا جو تعلق تھا یہ تھا کہ عرب کے چند قبیلے سلج و عثمان و جذام



وغیرہ شام کے سرحدی اضلاع میں جا کر آباد ہو گئے تھے۔ ان لوگوں نے رفتہ رفتہ شام کے اندرونی اضلاع پر بھی قبضہ کر لیا تھا اور زیادہ قوت و جمعیت حاصل کر کے شام کے بادشاہ کو کمانے لگے تھے۔ لیکن یہ لقب خود ان کا خانہ ساز لقب تھا ورنہ جیسا کہ متوخ ابن الاثیر نے تصریح کی ہے درحقیقت وہ رومی سلطنت کے صوبہ دار تھے۔

ان لوگوں نے اسلام سے بہت پہلے عیسائی مذہب قبول کر لیا تھا اور اس وجہ سے انکو رومیوں کے ساتھ ایک قسم کی یگانگیت ہو گئی تھی۔ اسلام کا زمانہ آیا تو مشرکین عرب کی طرح وہ بھی اسلام کے دشمن بن گئے۔ سید میں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قیصر روم کو دعوت اسلام کا خط لکھا اور وحیہ لکھی (جو خط لے کر گئے تھے) واپس آتے ہوئے ارض جہاد میں پہنچے تو انہی شامی عربوں نے وحیہ پر حملہ کیا اور ان کا تمام مال اسباب لوٹ لیا۔ اسی طرح جب رسول اللہ نے حارث بن عمیر کو خط دیکر نصری کے حاکم کے پاس بھیجا تو عمر بن شریک نے انکو قتل کرادیا۔ چنانچہ اسکے انتقام کے لیے رسول اللہ نے سید میں شکر کشی کی اور غزوہ موتہ کا واقعہ پیش آیا۔ اس لڑائی میں زید بن حارثہ، حضرت جعفر طیار، عبداللہ بن رواحہ، جوڑے رتبہ کے صحابہ تھے شہید ہوئے اور گو خالد کی حکمت علی سے فوج صحیح و سلامت نکل آئی تاہم تیجہ جنگ درحقیقت شکست تھا۔

سید میں رومیوں نے خاص مرینہ پر حملے کی تیاریاں کیں۔ لیکن جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود پیش قدمی کر کے مقام بول تک پہنچے تو انکو آگے بڑھنے کا حوصلہ نہوا۔ اگرچہ اس وقت عامر بن موسیٰ لڑائی رک گئی۔ لیکن رومی اور عسائی مسلمانوں کی فکر سے بھی غافل نہیں رہے

بیان تک کہ مسلمانوں کو ہمیشہ کھٹکا لگا رہتا تھا کہ مدینہ پر چڑھ نہ آئیں۔ صحیح بخاری میں ہے کہ جب رسول اللہ کی نسبت مشہور ہوا کہ آپ نے ازواج مطہرات کو طلاق دیدی تو ایک شخص نے حضرت عمر سے جا کر کہا کچھ تم نے سنا!!۔ حضرت عمر نے فرمایا کیوں کہیں غسانی تو نہیں بڑھ آئے؟ اسی حفظہ مقدم کے لیے سلمہ بصری میں رسول اللہ نے اسامہ بن زید کو سردار بنا کر شام کی مہم پر بھیجا اور چونکہ ایک عظیم الشان سلطنت کا مقابلہ تھا حضرت ابوبکر و عمر اور بڑے بڑے نامور صحابہ مامور ہوئے کہ فوج کے ساتھ جائیں۔ اسامہ ابھی روانہ نہیں ہوئے تھے کہ رسول اللہ نے بیمار پڑ کر انتقال فرمایا۔ غرض جب حضرت ابوبکر مسند خلافت پر متمکن ہوئے تو عرب کی یہ حالت تھی کہ وہ دونوں ہمسایہ سلطنتوں کا ہدف بن چکا تھا۔ حضرت ابوبکر نے شام پر لشکر کشی کی تو فوج سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ تم میں جو شخص مارا جائیگا شہید ہوگا اور جو بیچ جائیگا مدافع عن الدین ہوگا یعنی دین کو اُس نے دشمنوں کے حملے سے بچایا ہوگا۔ ان واقعات سے ظاہر ہوگا کہ حضرت ابوبکر نے جو کام شروع کیا اور حضرت عمر نے جس کی تکمیل کی اُسکے کیا اسباب تھے باس تمہیدی بیان کے بعد ہم اصل مطلب شروع کرتے ہیں



## فتوحات عراق

فارس کی حکومت کا چوتھا دور جو ساسانی کہلاتا ہے نو شیروان عادل کی وجہ سے بہت نام آور ہے۔ انحضرتؐ کے زمانے میں اسی کا پوتا پرویز تخت نشین تھا۔ اس مغرور بادشاہ کے زمانے تک سلطنت سنایت قوی اور زور آور رہی۔ لیکن اسکے مرنے کے ساتھ دفعۃً ایسی ابتری پیدا ہو گئی کہ ایران حکومت مدت تک متزلزل رہا۔ شیرویہ اسکے بیٹے نے کل اٹھ مہینے حکومت کی اور اپنے تمام بھائیوں کو جو کم و بیش اسے قتل کرادیا۔ اسکے بعد اسکا بیٹا اردشیر ۷ برس کی عمر میں تخت پر بیٹھا۔ لیکن ڈیڑھ برس کے بعد دربار کے ایک افسر نے اسکو قتل کر دیا اور آپ بادشاہ بن بیٹھا۔ یہ سبہجری کا بارعنوان سال تھا۔ چند روز کے بعد درباریوں نے اسکو قتل کر کے جوان شیر کو تخت نشین کیا۔ وہ ایک برس کے بعد قضا کر گیا۔ اب چونکہ غلامان میں یزد گرد کے سوا جو سنایت صغیر الحسن تھا اولاد ذکر اور باقی نہیں رہی تھی۔ پوران دخت کو اس شرط پر تخت نشین کیا گیا کہ یزد گرد و سن شور کو بیچ جائیگا تو وہی تاج و تخت کا مالک ہو گا۔

۱۷ جزافہ فریبوں نے عراق کے دو حصے کیے ہیں۔ یعنی جو حصہ غرب سے ملتی ہے اسکو عراق عرب اور جو حصہ بحیرہ سے ملتی ہے اسکو عراق عجم کہتے ہیں۔ عراق عرب کی حدود دارعبہ ہیں۔ شمال میں جزیرہ، جنوب میں بحر فارس، مشرق میں خوزستان اور مشرق میں دیارک ہے جبکہ مشہور شہر مدینہ ہے۔ دارالسلطنت اسکا بغداد ہے اور جو ٹکے ٹکے شہر مدین آباد ہیں وہ بصرہ، کوفہ، واسطہ وغیرہ ہیں۔

۱۸ ہمارے مؤرخین کا عام طریقہ یہ ہے کہ وہ سینین کو عزمان قرار دیتے ہیں۔ لیکن اس میں یہ نقص ہے کہ واقعات کا سلسلہ ٹوٹ ٹوٹ جاتا ہے مثلاً وہ ایران کی فتوحات لکھتے آتے ہیں کہ سنہ فتح ہوا چاہتا ہے۔ اور انکوائس سنہ کے تمام واقعات لکھتے ہیں۔ اس لیے قبل اسکے کہ ایران کی فتوحات تمام امون یا مزدون موقع پر انکا سلسلہ ٹوٹے۔ تمام دوسرے واقعات کو جو اسی سنہ میں پیش آئے تھے چھوڑ دینا چاہیے۔ ایسی ہی ہے ایران کی تمام فتوحات کو ایک جگہ یا شام کو ایک جگہ یا مصر کو ایک جگہ یا کتبہ کے بعد سلسلہ حکومت کی ترتیب اور ناموں کی ترتیب میں۔ مؤرخین اس قدر متعلق ہیں کہ وہ سب سے بھی اہم متعلق نہیں۔ فردوسی کا بیان سب سے اہم ہے۔ نیچے لکھا ہے کہ بعد ازاں فارس اسل ہونیکے ابو حنیفہ دیناری کے بیان کو ترجیح دی ہے ۱۹

پرویز کے بعد جو انقلابات حکومت ہوتے رہے اسکی وجہ سے ملک میں جا بجا بے امنی پھیل گئی چنانچہ پوران کے زمانے میں یہ مشہور ہو گیا کہ فارس میں کوئی وارث تلج و تخت نہیں رہا۔ ہر ایک نام ایک عورت کو ایران شاہی میں بٹھا رکھا ہے۔ اس خبر کی شہرت کے ساتھ عراق میں قبیلہ وائل کے دوسروں و مثنی شیبانی اور سوید عجبلی نے تھوڑی تھوڑی سعی محبت بہم پہنچا کر عراق کی سرحد حیرہ۔ وائلہ کی طرف غارتگری شروع کی۔ یہ حضرت ابوبکر کی خلافت کا زمانہ تھا اور خالد سیف اللہ یامہ اور دیگر قبائل عرب کی مہمات سے فارغ ہو چکے تھے۔ مثنیٰ نے حضرت ابوبکر کی خدمت میں حاضر ہو کر عراق پر حملہ کرنے کی اجازت حاصل کی۔ مثنیٰ خود اگرچہ ہلام لاپچکے تھے لیکن اس وقت تک ان کا تمام قبیلہ عیسائی یا بت پرست تھا۔ حضرت ابوبکر کی خدمت سے واپس آ کر انھوں نے اپنے قبیلہ کو اسلام کی ترغیب دی اور قبیلہ کا قبیلہ مسلمان ہو گیا۔ ان نو مسلموں کا ایک بڑا گروہ لیکر عراق کا رخ کیا۔ اور حضرت ابوبکر نے خالد کو مدد کے لئے بھیجا۔ خالد نے عراق کے تمام سرحدی مقامات فتح کر لیے اور حیرہ پر علم فتح نصب کیا۔ یہ مقام کوفہ سے تین میل ہے۔ اور چونکہ بیان نعمان بن منذر نے خوزنق ایک مشہور محل بنایا تھا وہ ایک یادگار مقام خیال کیا جاتا تھا۔

عراق کی یہ فتوحات خالد کے بڑے بڑے کارناموں پر مشتمل ہیں لیکن انکے بیان کھینکا یہ محل نہیں۔ خالد نے مہمات عراق کا خاتمہ کر دیا ہوتا۔ لیکن چونکہ اُدھر شام کی مہم پیش تھی اور جس زور شور سے وہاں عیسائیوں نے لڑنے کی تیاریاں کی تھیں اسکے متبادل کا

وہاں پورا سامان دیکھا۔ حضرت ابو بکرؓ نے بیچ اٹھانی سیپیہ جڑی میں خالد کو حکم بھیجا کہ فوراً شام کو روانہ ہوں اور ششی کو اپنا جانشین کرتے جاؤں۔ خالد اُدھر روانہ ہوئے اور عراق کی فتوحات دفعہ زرگ لکھیں۔

حضرت عمرؓ خلافت پر بیٹھے تو سب سے پہلے عراق کی مهم پر توجہ کی۔ بیعت خلافت کے لئے تمام اطراف و دیار سے ہتھیار آدمی آئے تھے اور تین دن تک اٹھاتا بندھا رہا تھا۔ حضرت عمرؓ نے اس موقع کو غنیمت سمجھا اور مجمع عام میں جہاد کا وعظ کیا لیکن چونکہ لوگوں کا عام خیال تھا کہ عراق۔ مکتوب فارس کا پایہ تخت ہے۔ اور وہ خالد کے بغیر فتح نہیں ہو سکتا اس لیے سب خاموش رہے۔ حضرت عمرؓ نے کئی دن تک وعظ کیا لیکن کچھ اثر نہ ہوا۔ آخر چوتھے دن اس جوش سے تقریر کی کہ حاضرین کے دل ہل گئے۔ ششی شیبانی نے اٹھ کر کہا کہ ”مسلمانو! میں نے مجوسیوں کو آزمایا ہے وہ مرد میدان نہیں ہیں۔ عراق کے بڑے بڑی ضلوع کو ہم نے فتح کر لیا ہے اور عجم ہمارا الوہان گئے ہیں“ حاضرین میں ابو عبیدہ ثقفی بھی تھے جو قبیلہ ثقیف کے مشہور سردار تھے۔ وہ جوش میں آکر اٹھ کھڑے ہوئے اور کہا کہ انا کھڈا یعنی ”اس کام کے لئے میں ہوں“ ابو عبیدہ کی ہمت نے تمام حاضرین کو گراما دیا۔ اور ہر طرف سے غلغلہ اٹھا کہ ہم بھی حاضر ہیں۔ حضرت عمرؓ نے مدینہ منورہ اور مصافحات سے ہزار آدمی انتخاب کئے اور ابو عبیدہ کو سپہ سالار مقرر کیا۔

ابو عبیدہ کو آنحضرتؐ کی صحبت کا شرف حاصل نہ تھا یعنی صحابی نہ تھے۔ اس وجہ سے انکی

افسری پر کسی کسی کو خیال ہوا۔ بیان تک کہ ایک شخص نے آزادانہ کہا کہ عمر اصحاب میں سے کسی کو یہ منصب دو۔ فوج میں سیکڑوں صحابہ ہیں اور انکا افسر بھی صحابی ہی ہو سکتا ہے۔ حضرت عمر نے صحابہ کی طرف دیکھا اور کہا کہ تمکو جو شرف تھا وہ ہمت اور استقلال کی وجہ سے تھا۔ لیکن اس شرف کو تم نے خود کھو دیا۔ یہ ہرگز نہیں ہو سکتا کہ جو لوگ لڑنے سے جی چاہیں وہ افسر مقرر کیے جائیں۔ تاہم چونکہ صحابہ کی دلجوئی ضرور تھی۔ ابو عبیدہ کو ہدایت کی کہ انکا ادب ملحوظ رکھنا اور ہر کام میں ان سے مشورہ لینا۔

حضرت ابو بکر کے عہد میں عراق پر جو حملہ ہوا اُسے ایرانیوں کو چوکا دیا تھا۔ چنانچہ پوران دخت نے رستم کو جو فرخ زاد گورنر خراسان کا بیٹا اور نہایت شجاع اور صاحب تدبیر تھا دربار میں طلب کیا اور وزیر حرب مقرر کر کے کہا کہ تو سیاہ و سپید کا مالک ہے۔ یہ کمالات کے سر پر تاج رکھا اور دربار یون کو جن میں تمام امرا اور اعیان سلطنت شامل تھے تاکید کی کہ رستم کی اطاعت سے کبھی انحراف نہ کریں۔ چونکہ اہل فارس اپنی نا اتفاقیوں کا نتیجہ دیکھ چکے تھے۔ انھوں نے دل سے ان احکام کی اطاعت کی، اسکا یا اثر ہوا کہ چند روز میں تمام بادشاہ میاں پٹ گئیں اور سلطنت نے پھر وہی زور و قوت پیدا کر لی جو ہر مزدور و وزیر کے زمانے میں اُسکو حاصل تھی۔

رستم نے پہلی تدبیر یہ کی کہ اضلاع عراق میں ہر طرف ہر کارے اور نقیب دوڑا دیے جنھوں نے مذہبی حمت کا جوش دلا کر تمام ملک میں مسلمانوں کے برخلاف بغاوت پھیلا دی۔ چنانچہ ابو عبیدہ کے پہنچنے سے پہلے قرأت کے تمام اضلاع میں ہنگامہ برپا ہو گیا اور جو معاملات مسلمانوں کے قبضے میں آچکے تھے انکے ہاتھ سے نکلنے پورا ان دخت نے رستم کی اطاعت کیلئے

ایک اور فوج گران قطار کی اور نرسی و جاپان کو سپہ سالار مقرر کیا۔ جاپان عراق کا ایک مشہور رئیس تھا اور عرب سے اسکو خاص عداوت تھی۔ نرسی کسری کا خالہ زاد بھائی تھا اور عراق کے بعض اضلاع قدیم سے اسکی جاگیر تھے۔ یہ دونوں امنہ مختلف راستوں سے عراق کی طرف بڑے اور ابو عبیدہ دشمنی حیرت انگیز پہنچ چکے تھے کہ دشمن کی قطاریوں کا حال معلوم ہوا، مصلحت دیکھ کر خفان کو ہٹ آئے۔ جاپان نمارق پہنچ کر خمیہ زن ہوا۔

ابو عبیدہ نے اس اثنار میں فوج کو سرد سامان سے آراستہ کر لیا۔ اور پیش قدمی کر کے خود حملے کے لئے بڑے، نمارق پر دونوں فوجیں صف آرا ہوئیں۔ جاپان کے ہمنہ و میسرہ پر جوشن شاہ اور مردان شاہ دو مشہور افسر تھے جو بڑی ثابت قدمی سے لڑے۔ لیکن بالآخر شکست کھائی اور عین معرکہ میں گرفتار ہو گئے۔ مردان شاہ بد قسمتی سے اسی وقت قتل کر دیا گیا۔ لیکن جاپان اس حملے سے بچ گیا کہ جس شخص نے اسکو گرفتار کیا تھا وہ اسکو بچا تانا تھا جاپان نے اس سے کہا کہ اس بڑھاپے میں میں تمہارے کس کام کا ہوں مجھکو چھوڑ دو۔ اور معاوضے میں مجھ سے دو جوان غلام لو۔ اُسے منظور کر لیا۔ بعد کو لوگوں نے جاپان کو پہچانا تو غل مچا یا کہ ہم ایسے دشمن کو چھوڑنا نہیں چاہتے۔ لیکن ابو عبیدہ نے کہا کہ اسلام میں مہمندی جائز نہیں۔

ابو عبیدہ نے اس معرکہ کے بعد کسکر کا رخ کیا جہاں نرسی فوج لئے پڑا تھا۔ سقا طہ میں دونوں فوجیں مقابل ہوئیں۔ نرسی کے ساتھ بہت بڑا لشکر تھا اور خود کسری کے دو ماموں زاد بھائی بندویہ اور تیرویہ ہمنہ اور میسرہ پر تھے۔ تاہم نرسی اس وجہ سے لڑائی میں دیر کر رہا تھا

اگر پایہ تخت سے امدادی فوجیں روانہ ہو چکی تھیں۔ ابو عبیدہ کو بھی یہ خبر پہنچ چکی تھی۔ انھوں نے  
 بڑھ کر جنگ شروع کر دی۔ بہت بڑے مرکز کے بعد نرسی کو شکست فاش ہوئی۔ ابو عبیدہ نے خود  
 سقاطیہ میں مقام کیا اور تھوڑی تھوڑی سی فوجیں ہر طرف بکھیر دیں کہ ایرانیوں نے جہان جہان  
 بپاہ لی ہے انکو دہان سے نکال دیں۔

فرسخ اور فراونداد جو باروسما اور زوابی کے رئیس تھے مطیع ہو گئے چنانچہ اظہارِ خلوص کیلئے  
 ایک دن ابو عبیدہ کو نہایت عمدہ عمدہ کھانے پکوا کر بھیجے۔ ابو عبیدہ نے دریافت کیا کہ یہ سامان  
 کل فوج کے لیے ہے۔ یا صرف میرے لیے؟ فرسخ نے کہا اس جلدی میں ساری فوج کا اہتمام  
 نہیں ہو سکتا تھا۔ ابو عبیدہ نے دعوت کے قبول کرنے سے انکار کیا اور کہا کہ مسلمانوں میں ایک  
 کو دوسرے پر کچھ ترجیح نہیں۔

اس شکست کی خبر سنکر رستم نے مردان شاہ کو جو عرب سے دلی عداوت رکھتا تھا اور جسکو  
 نوشیروان نے تقدس کے لحاظ سے بہمن کا خطاب دیا تھا چار ہزار فوج کے ساتھ اس  
 سامان سے روانہ کیا کہ درفش کاویانی جو کئی ہزار برس سے کیانی خاندان کی یادگار چلا آتا  
 تھا اور فتح و ظفر کا دیباچہ سمجھا جاتا تھا اسکے سر پر سایہ کڑا جاتا تھا۔ مشرقی فرات کے کنارے  
 ایک مقام پر جسکا نام مردوح تھا دونوں حریف صف آرا ہوئے۔ چونکہ تیج میں دریا حایل تھا  
 بہمن نے کہلا بھیجا کہ یا تم اس پار آ کر آؤ یا ہم آئیں۔ ابو عبیدہ کے تمام سرداروں نے کین بان  
 ہو کر کہا کہ ہلکے اسی طرف رہنا چاہیے۔ لیکن ابو عبیدہ جو شجاعت کے نشے میں سرشار تھے سمجھے کہ  
 یہ نامردی کی دلیل ہے سرداروں سے کہا یہ نہیں ہو سکتا کہ جانبازی کے میدان میں مجبوری



ہم سے آگے بڑھ جائیں۔ مردان شاہ جو پیغام لیکر آیا تھا اسے کہا ہماری فوج میں عام خیل ہے کہ دعب مرد میدان نہیں ہیں۔ اس جملے نے اور بھی اشتعال دلایا اور ابو عبیدہ نے ہیئت فوج کو کر بندی کا حکم دیدیا یعنی اور سیلا وغیرہ بڑے بڑے افسران فوج اس راسے کے باطل مخالف تھے اور علت و شان میں اتنا رتبہ ابو عبیدہ سے بڑھ کر تھا۔ جب ابو عبیدہ نے اصرار کیا تو ان لوگوں نے کہا کہ اگرچہ ہلکے طبعی یقین ہے کہ اس راسے پر عمل کرنے سے تمام فوج غارت ہوگی تاہم اس وقت تم افسر ہو اور افسر کی مخالفت ہمارا شیوہ نہیں۔ غرض کشتیوں کا پل باز چا گیا اور تمام فوج پار اتر کر غنیم سے سرکہ آرا ہوئی۔ پار کا میدان تنگ اور ناہموار تھا اس لئے مسلمانوں کو موقع نہیں مل سکتا تھا کہ فوج کو قریب سے آراستہ کر سکتے۔

ایرانی فوج کا نظارہ نہایت میب تھا بہت سے کوہ پیکر ہاتھی تھے جن پر گھنٹے ٹنگے تھے اور بڑے زور سے بجتے جاتے تھے۔ گھوڑوں پر آہنی پاکھریں تھیں سوار سوار کی لمبی ٹوپیاں آوڑے ہوئے صحرائی جانور معلوم ہوتے تھے۔ عرب کے گھوڑوں نے یہ میب نظارہ کبھی نہیں دیکھا تھا۔ بدک کرتیچھے ہٹے۔ ابو عبیدہ نے دیکھا کہ ہاتھیوں کے سامنے کچھ زور نہیں چلتا، گھوڑے سے کود پڑے۔ اور ہاتھیوں کو لگا لگا کر جاتا ہوا ہاتھیوں کو بیچ میں لے لو اور ہودون کو سواروں سمیت الٹ دو۔ اس آواز کے ساتھ سب گھوڑوں سے کود پڑے اور ہودون کی سیلا کاٹ کاٹ کر فیل نشینوں کو خاک پر گرا دیا۔ لیکن ہاتھی جس طرف مچکتے تھے صف کی صف پس ماتی تھی۔ ابو عبیدہ یہ دیکھ کر پل سفید پر جو سب کا سردار تھا حملہ آور ہوئے اور سونڈ پر تلوار ماری کہ مشک سے الگ ہو گئی۔ ہاتھی نے بڑھ کر ان گوزمین پر گرا دیا اور سینے پر پانوں رکھ دیے کہ ہڈیاں تک چر

پہلے ہو گئے۔

ابو عبیدہؓ نے پرائے کے بجائی حکم نے علم ہاتھ میں لیا اور ہاتھ پر حملہ آور ہوئے۔  
 ابو عبیدہؓ طرح انکو بھی پانوں میں لپیٹ کر مسل دیا۔ اس طرح سائے آدمیوں نے جو سب کے  
 سب ابو عبیدہؓ ہم نسب اور خاندان ثقیف سے تھے، باری بارہو علم ہاتھ میں لئے اور باکے  
 آخر میں نے علم لیا لیکن اسوقت لڑائی کا نقشہ بگڑ چکا تھا اور فوج میں بھاگ پڑ چکی تھی۔ مگر یہ  
 ہوا کہ ایک شخص نے دو ڈکریں کے تحتے توڑ دیے کہ کوئی شخص بھاگ کر جانے نہ پائے۔ لیکن  
 لوگ اسلحہ بدو اس ہو کر بھاگے تھے کہ پل کی طرف رستہ نہ ملا تو دریا میں کود پڑے۔ شہر نے  
 نے دوبارہ پل بند حوایا اور سواروں کا ایک دستہ بھیجا کہ بھاگتوں کو اطمینان سے پار تار  
 خود بھی کچھ فوج کے ساتھ دشمن کا آگاہ روک کر کھڑے ہوئے اور اسے ثابت قدمی سے لٹے کہ انکا  
 مسلمانوں کو دباتے آتے تھے رک گئے اور آگے نہ بڑھ سکے۔ تاہم حساب کیا گیا تو معلوم ہوا کہ نو ہزار  
 فوج میں سے صرف تین ہزار رہ گئے۔

اسم کی تاریخ میں۔ میدان جنگ سے فرار کرنا نہایت شاذ اور نادر وقوع میں آیا ہے  
 اور اگر کچھ ایسا واقعہ پیش آیا ہے تو اسکا عجیب افسوسناک اثر ہوا ہے۔ اس لڑائی میں جن لوگوں  
 کو یہ ذلت نصیب ہوئی تھی وہ مدت تک خانہ بدوش پھرتے رہے اور شرم سے اپنے گھر و کمونین  
 جاتے نہ گئے۔ اکثر روایات کے اور لوگوں سے منہ چھپاتے پھرتے۔ مدینہ منورہ میں یہ خبر پہنچی تو تمام ہل گیا  
 لوگ مسلمانوں کی برہمنی پر افسوس کرتے تھے اور روتے تھے۔ جو لوگ مدینہ پہنچ کر مدینہ میں پوش  
 تھے اور منہ سے باہر نہیں نکلتے تھے۔ حضرت عمرؓ کے پاس جا کر انکو تسلی دیتے تھے اور کہتے

تھے کہ تم ان کو مجبوراً الی فیسقہ میں داخل ہو۔ لیکن انکو اس تاویل سے تسلی نہیں ہوتی تھی۔  
 یہ واقعہ (مب بیان بلاذری) ہفتہ کے دن رمضان ۳۱ھ میں واقع ہوا۔ اس لڑائی  
 میں نامور صحابیوں میں سے جو لوگ شہید ہوئے وہ سلیط۔ ابوزید انصاری۔ عقبہ و عبد اللہ بن  
 قیس بن قیس۔ زید بن قیس الانصاری۔ ابو امیۃ الفزازی وغیرہ تھے۔

## واقعہ بویب رمضان ۳۱ھ

اس شکست نے حضرت عمر کو سخت برم کیا اور نہایت زور شور سے حملہ کی تیاریاں  
 کیں۔ تمام عرب میں خطبا اور نصیب بھیج دیے جنھوں نے پر جوش تقریروں سے تمام عرب میں  
 ایک آگ لگادی اور ہر طرف سے عرب کے قبائل اُمتد آئے۔ قبیلہ ازد کا سردار مخنف بن سلیم ساکن  
 سواروں کو ساتھ لے کر آیا بنو تمیم کے ہزار آدمی حسین بن معبد کے ساتھ آئے۔ حاتم طائی کے بیٹے  
 عدی ایک جمیت کثیر لیکر پہنچے۔ اسی طرح قبیلہ رباب۔ بنو کنازہ۔ قحط۔ بنو حنظلہ۔ بنو صنبہ۔ کے بڑے بڑے  
 منتے اپنے اپنے سرداروں کے ساتھ آئے۔ یہ جوش بیان تک پھیلا کہ غزوہ تعلق کے سرداروں نے  
 جو نہ بیا بیسائی تھے حضرت عمر کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا کہ آج عرب و عجم کا مقابلہ ہے اس قومی  
 سرکرہ میں ہم بھی قوم کے ساتھ ہیں۔ ان دونوں سرداروں کے ساتھ انکے قبیلے کے ہزاروں آدمی  
 تھے اور عجم کے مقابلہ کے جوش میں لبریز تھے۔

اتفاق سے انہی دنوں جربرجلی دربار خلافت میں حاضر ہوا۔ یہ ایک مشہور سردار تھا اور خطاب  
 رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہو کر درخواست کی تھی کہ اپنے قبیلے کا سردار مقرر کر دیا جائے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے درخواست منظور کر لی تھی لیکن قبیل کی نوبت نہیں آئی تھی، حضرت عمرؓ پاس حاضر ہوا تو انھوں نے عرب کے تمام عمال کے نام احکام بھیج دیے کہ جہاں جہاں اسکے قبیلے کے آدمی ہوں تاریخ میں پڑ اسکے پاس پہنچ جائیں۔ جریرؓ یہی عہدیت اعظم لیکر دوبارہ مدینہ میں حاضر ہوئے۔

ادھر تہنی نے عراق کے تمام سرحدی مقامات میں نقباً بھیج کر ایک بڑی فوج جمع کر لی تھی۔ ایرانی جاسوسوں نے یہ خبریں شاہی دربار میں پہنچائیں۔ پوران دخت نے حکم دیا کہ فوج حاصہ سے بارہ ہزار سوار انتخاب کیے جائیں اور مہران بن مہر وہ ہمدانی امیر مقرر کیا جائے۔ مہران کے انتخاب کی یہ وجہ تھی کہ اس نے خود عرب میں تربیت پائی تھی اور اس وجہ سے وہ عرب کے زور و قوت کا اندازہ کر سکتا تھا۔ کوفہ کے قریب بویب نام ایک مقام تھا، اسلامی فوجوں نے یہاں پہنچ کر ڈیرے ڈالے۔ مہران، پاپی تحت سے روانہ ہو کر سیدھا بویب پہنچا اور دریائے فرات کو بیچ میں ڈال کر غنیمت زن ہوا صبح ہوئے فرات اتر کر بڑے سرد سامان سے لشکر آرائی شروع کی۔ تہنی نے بھی نہایت ترتیب سے صف درست کی۔ فوج کے مختلف حصے کر کے بڑے بڑے نامور و نامور کی ماتحتی میں دیے چنانچہ سینہ پر بنو عور۔ میسرہ پر نسیر پیدل پر مسودہ و لہنیر پر عامم گشت کی فوج پر عصمہ کو مقرر کیا۔ لشکر آراستہ ہو چکا تو تہنی نے اس سرے سے اس سرے تک کیا چکر لگایا اور ایک ایک طرف کے پاس کھڑے ہو کر کہا۔ بہادرو! دیکھنا! تمہاری وجہ سے تمام عرب پر ہزنامی کا داغ نہائے۔

اسلامی فوج کی لڑائی کا یہ قاعدہ تھا کہ سردا تین دفعہ اللہ اکبر کہتا تھا۔ پہلی کبیر پر فوج

حرب و ہتیار سے آراستہ ہو جاتی تھی۔ دوسری تکبیر پر لوگ ہتیار تول لیتے تھے اور تیسرے نعرہ پر حملہ کر دیا جاتا تھا۔ مثنیٰ نے دوسری تکبیر ابھی نہیں کہی تھی کہ ایرانیوں نے حملہ کر دیا۔ یہ دیکھ کر مسلمان ضبط نہ کر سکے اور کچھ لوگ جوش میں آکر صف سے اُگے نکل گئے۔ مثنیٰ نے غصے میں آکر درازی دانتوں میں دہالی اور پکارے کھذا کے لیے اسلام کو رسوا نکر دیا۔ اس آواز کے ساتھ فوراً لوگ پیچھے ہٹے اور جس شخص کی جہان جگہ تھی وہیں اکرم گیا۔ چوتھی تکبیر کمر مثنیٰ نے حملہ کیا۔

عجمی اس طرح گرجتے ہوئے بڑھے کہ تمام میدان گونج اٹھا۔ مثنیٰ نے فوج کو لٹکارا کہ گھبرا نا نہیں یہ نامردانہ نکل ہے۔ عیسائی سرداروں کو جو ساتھ تھے ہٹا کر کہا کہ تم اگرچہ عیسائی ہو لیکن ہتھم ہو اور کج قوم کا معاملہ ہے۔ میں مہران پر حملہ کر رہا ہوں تم ساتھ رہنا۔ انھوں نے لبیک کہا۔ مثنیٰ نے ان سرداروں کو دونوں بازوؤں پر لے کر دھاوا کیا اور پہلے ہی حملہ میں مہران کا میزہ توڑ کر قلب میں گھس گئے۔ عجمی دوبارہ سینٹھلے اور اس طرح ٹوٹ کر گرے کہ مسلمانوں کے قدم اُٹھ گئے۔ مثنیٰ نے لٹکارا کہ مسلمانو! کہاں جاتے ہو؟ میں یہ کھڑا ہوں۔ اس آواز کے ساتھ سب پلٹ پڑے۔ مثنیٰ نے انکو سمیٹ کر پھر حملہ کیا۔ عین اس حالت میں مسعود جو مثنیٰ کے بھائی اور مشہور بہادر تھے زخم کھا کر گرے۔ انکی رکاب کی فوج بیدل ہوا جا ہستی تھی۔ مثنیٰ نے لٹکارا کہ مسلمانو! میرا بھائی مارا گیا تو کچھ پروا نہیں شرفایوں ہی جان دیا کرتے ہیں۔ دیکھو تمہارے علم جھکنے نہ پائیں۔ خود مسعود نے گرتے گرتے کہا کہ میرے مرنے سے بیدل نہو نا۔

دیر تک بڑی گھمان کی لڑائی رہی۔ انس بن ہلال جو عیسائی سردار تھا اور بڑی بھاری  
سے لڑ رہا تھا زخم کھا کر گرا۔ مثنیٰ نے خود گھوڑے سے اتر کر اسکو گود میں لیا اور اپنے بھائی سہو  
کے برابر لٹا دیا۔ مسلمانوں کی طرف بڑے بڑے افسر مارے گئے۔ لیکن مثنیٰ کی ثابت قدمی  
کی وجہ سے لڑائی کا پلہ اسی طرف بھاری رہا۔ عجم کا قلب خوب جم کر لڑا۔ مگر کل کا کل برباد ہو گیا۔  
شہر براز جو ایک مشہور افسر تھا۔ قرط کے ہاتھ سے مارا گیا۔ تاہم سپہ سالار مہران، ثابت قدم  
تھا اور بڑی بہادری سے تیغ بکت لڑ رہا تھا کہ قبیلہ تغلب کے ایک نوجوان نے تلوار سے اسکا  
کام تمام کر دیا۔ مہران گھوڑے سے گرا تو نوجوان اچھل کر گھوڑے کی پیٹھ پر جا بیٹھا اور خنجر کے  
کے لمبے پکارا۔ "مین ہوں تغلب کا نوجوان اور رئیس عجم کا قاتل۔"

مہران کے قتل پر لڑائی کا خاتمہ ہو گیا۔ عجم نہایت ابتری سے بھاگے۔ مثنیٰ نے فوراً پل کے  
پاس پہنچ کر سترہ روک لیا کہ عجم بھاگ کر نہ جانے پائیں۔ مثنیٰ کا بیان ہے کہ کسی لڑائی نے  
اس قدر ہشیار لاشیں اپنی یادگار میں نہیں چھوڑیں۔ چنانچہ دونوں کے بعد جب مسافروں کا  
اُدھر گزر ہوا تو انھوں نے جا بجا تہیوں کے انبار پائے۔ اس فتح کا ایک خاص اثر یہ ہوا کہ عربوں  
پر عجم کا جو عرب چھایا ہوا تھا جاتا رہا۔ انکو یقین ہو گیا کہ اب سلطنت کسری کے اخیر دن گئے۔  
خود مثنیٰ کا بیان ہے کہ اسلام سے پہلے میں بارہا عجم سے لڑ چکا ہوں۔ اس وقت تنوعی ہزار  
عرب پر بھاری تھے۔ لیکن آج ایک عرب دس عجمی پر بھاری ہے۔

اس معرکہ کے بعد مسلمان عراق کے تمام علاقہ میں پھیل پڑے۔

جہاں اب قعدہ آباد ہے اس زمانے میں وہاں بہت بڑا بازار لگتا تھا۔ قشنی نے عین بازار کے دن حملہ کیا۔ بازار میں جان بچا کر ادھر ادھر بھاگ گئے۔ اور شہر نقد اور اسباب ہائے دنیا پامی تخت میں یہ خبریں پہنچیں تو سب نے یک زبان ہو کر کہا کہ زمانہ حکومت، اور آپس کے اختلاف کا یہی نتیجہ تھا۔ اسی وقت پوران دست کو تخت سے اتار کر زید گرد کو جو سولہ برس کا جوان تھا اور خاندان کسری کا وہی ایک زنیہ یادگار لگیا تھا تخت نشین کیا۔ رستم اور فیروز جو سلطنت کے دست و بازو تھے اور آپس میں عناد رکھتے تھے درباریوں نے ان سے کہا کہ اب بھی اگر تم دونوں متفق ہو کر کام نہیں کرتے تو ہم خود تمہارا فیصلہ کئے دینے ہیں۔ غرض زید گرد کی تخت نشینی کے ساتھ سلطنت میں نئے سرے سے جان آگئی۔ ملکی اور فوجی افسر جہاں جہاں جس کام پر تھے مستعد ہو گئے۔ تمام قلعے اور فوجی چھاؤنیاں مستحکم کر دی گئیں عراق کی آبادیوں جو فتح ہو چکی تھیں۔ عجم کا سہارا پا کر وہاں بھی بناوٹ پھیل گئی اور تمام مفتوحہ مقامات کمانوں کے مات سے نکل گئے۔

حضرت عمر کو یہ خبریں پہنچیں تو فوراً قشنی کو حکم بھیجا کہ فوجوں کو ہر طرف سے سیٹ کر عرب کی سرحد کی طرف ہٹ آؤ اور ربیعہ و مضر کے قبائل جو عراق کی حدود میں پھیلے ہوئے ہیں انکو طلبی کا حکم بھیج دو کہ تاریخ معین پر جمع ہو جائیں۔

اسکے ساتھ خود بڑے سرو سامان سے فوجی طیاران شروع کیں، ہر طرف نقیب دوڑائے اور اصلاخ عرب میں جہاں جہاں کوئی بہادر۔ رئیس۔ صاحب تدبیر شاعر۔ خطیب۔

۱۵۔ ابو حنیفہ دینوری کی روایت ہے۔ ہری نے ۲۱ برس کی عمر بیان کی ہے۔

اہل الرائے ہو۔ نوراً دربار خلافت میں آئے۔ چونکہ حج کا زمانہ آچکا تھا خود بمطعمہ کو روانہ ہوئے اور حج سے فایز نہیں ہوئے تھے کہ ہر طرف سے قبائل عرب کا طوفان اُمتد آیا۔ سعد بن وقاص نے تین ہزار آدمی بھیجے جن میں سے ایک ایک شخص تیغ و علم کا مالک تھا۔ حضرموت، صدق، مذحج، قیس، عیلام کے بڑے بڑے سردار ہزاروں کی جمیعت لیکر آئے۔ مشہور قبائل میں سے سین کے ہزار۔ بنو تمیم و رباب کے چار ہزار۔ بنو اسد کے تین ہزار آدمی تھے۔

حضرت عمر حج کر کے واپس آئے تو جہان تک نگاہ جاتی تھی آدمیوں کا گل گل نظر آتا تھا۔ حکم دیا کہ شکر نہایت ترتیب سے آراستہ ہوئیں خود سپہ سالار بنکر جلو گاہ۔ چنانچہ ہراول پر طلحہ۔ مہینہ پر زبیر۔ میسرہ پر عبدالرحمن بن عوف کو مقرر کیا۔ فوج آراستہ ہو چکی تو حضرت علی کو بلا کر خلافت کے کاروبار سپرد کئے اور خود مدینہ سے نکل کر عراق کی طرف روانہ ہوئے، حضرت عمر کی اس مستعدی سے ایک عام جوش پیدا ہو گیا اور سب نے مرنے پر کمر بستہ ہو کر باندھ لیں۔ صرار جو ہمیشہ سے تین میل پر ایک چشمہ ہے وہاں پہنچ کر مقام کیا اور یہ اس سفر کی گویا پہلی منزل تھی۔ چونکہ امیر المومنین کا خود معرکہ جنگ میں جانا معین مصلحتوں کے لحاظ سے مناسب نہ تھا۔ اس لئے صرار میں فوج کو جمع کر کے تمام لوگوں سے اسے طلب کی۔ عوام نے یک زبان ہو کر کہا کہ امیر المومنین! یہ عجم آپ کے بغیر سر نہوگی۔ لیکن بڑے بڑے صحابہ نے جو معاملہ کا نشیب و فراز سمجھتے تھے اس کے خلاف اسے دی۔ عبدالرحمن بن عوف نے کہا کہ لڑائی کے دونوں پہلو میں اگر



خدا نخواستہ شکست ہوئی اور آپ کو پچھلے صدی پہنچا تو پھر اسلام کا خاتمہ ہے۔ حضرت عمرؓ نے کفر سے روک کر ایک پُر اثر تقریر کی اور عوام کی طرف خطاب کر کے کہا کہ میں تمہاری رائے پر عمل کرنا چاہتا تھا۔ لیکن اکابر صحابہ اس رائے سے متفق نہیں۔ غرض اس پر اتفاق ہو گیا کہ حضرت عمرؓ خود سپہ سالار بن کر بخامین۔ لیکن مشکل یہ تھی کہ اور کوئی شخص اس بارگراں کے اٹھانے کے قابل نہیں ملتا تھا۔ ابو عبیدہ و خالدہ شام کی مہمات میں مصروف تھے۔ حضرت علیؓ علیہ السلام سے درخواست کی گئی مگر انھوں نے انکار کیا۔ لوگ اسی جیسے وجہیں میں تھے کہ وفاتِ مبارک بن عوفؓ نے اٹھ کر کہا کہ میں نے پایا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کون؟ بولے کہ سعد بن ابی وقاص۔

سعد بڑے رتبہ کے صحابی اور رسول اللہؐ کے مامون تھے انکی بہادری اور شجاعت بھی مسلم تھی۔ لیکن تدبیر جنگ اور سپہ سالاری کی قابلیتوں کی طرف سے اظہار تھا اس بنا پر حضرت عمرؓ کو پھر بھی تردد تھا لیکن جب تمام حاضرین نے عبدالرحمن بن عوفؓ کی رائے کی تائید کی تو چار ناچار منظور کیا۔ تاہم احتیاط کے لحاظ سے، لشکر کی تمام مہمات قبضہ اختیار میں رکھیں۔ چنانچہ ان سرکون میں اول سے آخر تک فوج کی نقل و حرکت، حملہ کا بندوبست، لشکر کی ترتیب، فوجوں کی تقسیم وغیرہ کے متعلق ہمیشہ وقتاً فوقتاً احکام بھیجتے رہتے تھے۔ اور ایک کام بھی انکی خاص ہدایت کے بغیر انجام نہیں پاسکتا تھا۔ بیان تک کہ مدینہ سے عراق تک فوج کی منزلیں بھی خود حضرت عمرؓ ہی نے نامزد کر دی تھیں چنانچہ موتی طبری نے نام بنام انکی تصریح کر دی ہے۔

غرض سعد نے لشکر کا نشان چڑھایا اور مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے۔ ۱۷-۱۸ مئی ۱۹۱۷ء  
 طے کر کے ثعلبہ پہنچے اور یہاں مقام کیا۔ ثعلبہ کو فہ سے تین منزل پر ہے اور پانی کی افزا  
 اور موقع کی خوبی کی وجہ سے یہاں مہینے کے مہینے بازار لگتا تھا۔ تین مہینے بیان قیام  
 رہا۔ مثنیٰ موضع ذی قارین آٹھ ہزار آدمی لئے پڑے تھے جن میں خاص بلبرن وائل کے  
 چھ ہزار جوان تھے۔ مثنیٰ کو سعد کی آمد کا انتظار تھا کہ ساتھ ہو کر کو فہ پر بڑھیں۔ لیکن جسر  
 کے سہ کے مین جو زخم کھائے تھے بگڑتے گئے اور آخر اسی کے صدمے سے انتقال کیا۔ سعد  
 نے ثعلبہ سے چل کر مشرف میں ڈیرے ڈالے۔ یہاں مثنیٰ کے بھائی مثنیٰ ان سے آکر  
 ملے اور مثنیٰ نے جو ضروری مشورے دیے تھے سعد سے بیان کئے۔ چونکہ حضرت عمر کا حکم  
 تھا کہ جہان فوج کا پڑاؤ ہو وہاں کے تمام حالات لکھ کر آئیں۔ سعد نے اس مقام کا نقشہ  
 لشکر کا پھیلاؤ۔ فرد گاہ کا ڈھنگ۔ رسد کی کیفیت۔ ان تمام حالات سے انکو اطلاع دی۔  
 وہاں سے ایک مفصل فرمان آیا جس میں بہت سی ہدایتیں۔ اور فوج کی ترتیب کے قواعد  
 تھے۔ سعد نے ان احکام کے موافق پہلے تمام فوج کا جائزہ لیا جو کم و بیش تیس ہزار تھری  
 پھر مہینہ و مہینہ وغیرہ کی تقسیم کر کے ہر ایک پر جدا جدا افسر مقرر کئے۔ فوج کے جدا جدا  
 حصوں اور ان کے افسروں کی تفصیل۔ طبری کے بیان کے موافق ذیل کے نقشے سے  
 معلوم ہوگی۔

۱۔ بلاذری نے ثعلبہ اور طبری نے زرد کو لکھا ہے۔ یہ دونوں مقام آپس میں نہایت متصل اور بالکل قریب ہیں۔

حصہ	نام انص	مختصر حال
ہراول	زہرہ بن عبداللہ بن قباۃ	جاہلیت میں یہ مجاہدین کے بادشاہ تھے۔ رسول اللہ کی خدمت میں اپنی قوم کی طرف سے وکیل ہو کر آئے تھے اور اسلام لائے تھے۔
یسمنہ (دایان حصہ)	عبداللہ بن المعصم	صحابی تھے۔
میسرہ (بایان حصہ)	شرجیل بن السط	نوجوان آدمی تھے۔ قرطبہ کی جنگ میں بہت شہرت حاصل کی تھی۔
ساقہ (بچلا حصہ)	عامر بن عمرو البتیمی	
طلایع (گشت کی فوج)	سواد بن مالک	
مجدو (بقیہ عدہ فوج)	سلمان بن بقیہ الباہلی	
پیدل	حمال بن مالک لاسدی	
شتر سوار	عبداللہ بن ذی السہمین	
قامنی و خزاہنی	عبدالرحمن بن بقیہ الباہلی	
راید یعنی رسد وغیرہ کا	سلمان فارسی	مشہور صحابی ہیں۔ فارس کے رہنے والے تھے۔
بندوبست کرنے والے		
مترجم	ہلال، مجری	
منشی	زبید بن ابی سفیان	

طبیبت۔

اُمراءِ اعشار میں سے شردہ صحابہ تھے جو غزوہ بدر میں شریک تھے۔ تین سو تودہ جو بیتہ الرضوان میں حاضر تھے۔ اسی قدر وہ بزرگ جو فتح مکہ میں شریک تھے۔ سات سو ایسے جو صحابہ نہ تھے لیکن صحابہ کی اولاد تھے۔

سعد شراف ہی میں تھے کہ دربار خلافت سے ایک اور فرمان آیا جس کا مضمون یہ تھا کہ شراف سے آگے بڑھ کر قادیسیہ میں مقام کرو اور اس طرح مورچے جاؤ کہ سامنے عجم کی زمین اور پشت پر عرب کے پہاڑ ہوں تاکہ فتح ہو تو جہان تک چاہو بڑھتے چلے جاؤ اور خدا نخواستہ دوسری صورت پیش آئے تو ہٹ کر پہاڑوں کی پناہ میں آ سکو۔

قادیسیہ نہایت شاداب اور نہروں اور پلوں کی وجہ سے محفوظ مقام تھا۔ حضرت عمر جاہلیت میں ان مقامات سے اکثر گزرے تھے۔ اور اس موقع کی ہیئت اور کیفیت سے واقف تھے۔ چنانچہ سعد کو جو فرمان بھیجا اُس میں قادیسیہ کا موقع اور محل بھی مذکور تھا۔ تاہم چونکہ پُرانا تجربہ تھا سعد کو لکھا کہ ”قادیسیہ پہنچ کر سرزمین کا پورا نقشہ لکھ کر بھیجو۔ کیونکہ میں نے بعض ضروری باتیں اسی وجہ سے نہیں لکھیں کہ موقع اور مقام کے پورے حالات مجھ کو معلوم نہ تھے“ سعد نے نہایت تفصیل سے موقع جنگ کی حدود اور حالات لکھ بھیجے۔ دربار خلافت سے روانگی کی اجازت آئی۔ چنانچہ سعد۔ شراف سے چل کر غدیب پہنچے، یہاں عجمیہ نمایاں گین سے اسٹوس ہے کہ بری نے بلیدون کے نام میں لکھے مرن اسی قدر لکھا ہے کہ حضرت عمر نے فوج کے ساتھ طبیبت بھیجے

۱۱۰ یکوڈ سے ۳۰ میل پر ایک چھوٹا سا شہر تھا ۱۱

رہا کرتا تھا اور وہ مفت بات آیا۔ قادسیہ پہنچ کر سعد نے ہر طرف ہر کار سے دوڑائے کہ غنیمت کی  
 خبر لائیں۔ انھوں نے اگر بیان کیا کہ رسمِ سپر قزح زاد (جو آرمینیا کا رئیس ہے) سپہ سالار مقرر  
 ہوا ہے اور مدائن سے چل کر سا باطین ٹھہرا ہے۔ سعد نے حضرت عمر کو اطلاع دی وہاں سے  
 جواب آیا کہ لڑائی سے پہلے کچھ لوگ سفیر بن کر جائیں اور انکو اسلام کی رغبت دلائیں۔ سعد  
 نے سردارانِ قبائل میں سے چودہ نامور شخص انتخاب کئے جو مختلف صفتوں کی لحاظ  
 سے تمام عرب میں انتخاب تھے۔ عطار دبن حاحب۔ اشعث بن قیس۔ حارث بن  
 حسان۔ عاصم بن عمر۔ عمرو معدی کرب۔ مغیرہ بن شعبہ۔ معنی بن حارث۔ قدوقاست۔ اور  
 ظاہری رعب و داب کے لحاظ سے تمام عرب میں مشہور تھے۔ نعمان بن مقرن۔ بسر بن  
 ابی ریم۔ حنظلہ بن الزبیع۔ لہثیمی۔ فرات بن حیان ابی۔ عدی بن سہیل۔  
 مغیرہ بن زرارہ، عقل و تدبیر اور خرم و سیاست میں اپنا جواب نہیں رکھتے تھے۔  
 ساسانیوں کا پای تخت، قدیم زمانے میں اصطفیٰ تھا۔ لیکن نوشیروان نے مدائن کو  
 دار السلطنت قرار دیا تھا اور اس وقت سے وہی پای تخت چلا آتا تھا۔ یہ مقام سعد کی  
 فرد گاہ یعنی قادسیہ سے ۳۰۔۴۰ میل کے فاصلے پر تھا۔ سفر اگھوٹے اڑاتے ہوئے  
 سیدھے مدائن پہنچے۔ راہ میں جدھر سے گزر ہوا تھا تاشائیوں کی بھیڑ لگ جاتی تھی۔  
 یہاں تک کہ آستانہ سلطنت کے قریب پہنچا ٹھہرے۔ اگرچہ انکی ظاہری صورت یحییٰ کہ گھوڑوں  
 پر زین اور ہاتھوں میں ہتھیار تک نہ تھا تاہم بیباکی اور دلیری انکے چہروں سے نکلتی تھی  
 اور تاشائیوں پر اسکا اثر پڑتا تھا اگھوٹے جو سواری میں تھے رانوں سے نکلے جاتے تھے

اور بار بار زمین پر ٹاپ مارتے تھے۔ چنانچہ ٹاپوں کی آواز یزدگرد کے کان تک پہنچی اور اُس نے دریافت کیا کہ یہ کیسی آواز ہے۔ معلوم ہوا کہ اسلام کے سُفرا آئے ہیں۔ یہ سُکر بڑے سرو سامان سے دربار سجایا اور سُفرا کو طلب کیا۔ یہ لوگ عربی جتے پہنے، کاندھوں پر بنی چادرین ڈالے، ہاتھوں میں کوڑے لیے، نموزے چڑھائے دربار میں داخل ہوئے۔ پچھلے معرکوں نے تمام ایران میں عرب کی دھاک بٹھادی تھی یزدگرد نے سفیرون کو اس شان سے دیکھا تو سہرے ایک مہیت طاری ہوئی۔

ایرانی عموماً ہر چیز سے فال لینے کے عادی تھے۔ یزدگرد نے پوچھا کہ عربی میں چادر کو کیا کہتے ہیں؟۔ انھوں نے کہا برد۔ اُس نے (فارسی معنی کے لحاظ سے) کہا کہ ”جہان برد“ پھر کوڑے کی عربی پوچھی۔ ان لوگوں نے کہا ”سوط“ وہ سوخت سمجھا اور بولا کہ درپارس راسوختند۔ ان بدفالیوں پر سارا دربار برہم ہوا جاتا تھا۔ لیکن شاہی آداب کے لحاظ سے کوئی کچھ نہیں کہہ سکتا تھا۔ پھر سوال کیا کہ تم اس ملک میں کیوں آئے ہو؟۔ نمان بن مقرن جو سرگودہ تھے جواب دینے کے لیے آگے بڑھے۔ پہلے مختصر طور پر اسلام کے حالات بیان کیے پھر کہا کہ ہم تمام دنیا کے سامنے دو چیزیں پیش کرتے ہیں جزیہ یا تلوار۔ یزدگرد نے کہا تم کو یا دنین کہ تمام دنیا میں تم سے زیادہ ذلیل اور بے بخت کوئی قوم نہ تھی۔ تم جب کبھی ہمسے سرکشی کرتے تھے تو سرحد کے دیناؤ کو حکم بھیج دیا جاتا تھا اور وہ تمہارا بل نکال دیتے تھے۔

اس پر سب نے سکوت کیا۔ لیکن مغیرہ بن زرارہ ضبطِ فکر کے اور اٹھکر کہا کہ یہ لوگ (اپنے رفیقوں کی طرف اشارہ کر کے) رُوساے عرب ہیں اور حلم و وقار کی وجہ سے زیادہ گویا نہیں

کرتے۔ انھوں نے جو کچھ کسی ہی زیبا تھا۔ لیکن کہنے کے قابل! تین رہ گئیں۔ انکو میں بیٹا کرتا ہوں۔ یہ سچ ہے کہ ہم بد بخت اور گمراہ تھے۔ آپس میں کٹتے مارتے تھے۔ اپنی اڑکیوں کو زندہ گاڑ دیتے تھے۔ لیکن خدا تعالیٰ نے ہم پر ایک پیغمبر بھیجا جو حسب و نسب میں ہم سب سے ممتاز تھا۔ اول اول ہنسے اسکی مخالفت کی۔ وہ سچ کہتا تھا تو ہم جھٹلاتے تھے۔ وہ آگے بڑھتا تھا تو ہم پیچھے ہٹتے تھے۔ لیکن رفتہ رفتہ اسکی بات نے دلوں میں اثر کیا۔ وہ جو کچھ کہتا تھا خدا کے حکم سے کہتا تھا۔ اور جو کرتا تھا خدا کے حکم سے کرتا تھا۔ اسے ہلکو حکم دیا کہ اس مذہب کو تمام دنیا کے سامنے پیش کرو۔ جو لوگ اسلام لائیں وہ تمام حقوق میں تمھارے برابر ہیں۔ جنگجو اسلام سے انکار ہوا اور جزیہ پر راضی ہوں وہ اسلام کی حمایت میں ہیں۔ جسکو دونوں باتوں سے انکار ہوا اسے بے تلوار ہے۔“ یزدگرد غصے سے بیتاب ہو گیا اور کہا کہ اگر قاصدوں کا قتل جائز ہوتا تو تم میں سے کوئی زندہ بچ کر نہ جاتا۔ یہ لکڑی کا ٹوکرا منگوایا اور کہا کہ تم میں سے کون ہے؟۔ عاصم بن عمر نے بڑھکر کہا ”میں“ ملازموں نے ٹوکرا انکے سر پر کھدایا۔ وہ گھوڑا اڑاتے ہوئے سعد کے پاس پہنچے کہ فتح مبارک! دشمن نے اپنی زمین خود ہلکھو دیدی۔“۔ اس واقعہ کے بعد کئی مہینے تک دونوں طرف سکوت رہا۔ رسم جو سلطنت فارس کی طرف سے اس مہم پر مامور تھا سا باطین لشکر لیے پڑا تھا اور یزدگرد کی تاکید پر بھی لڑائی کو التا جاتا تھا۔ ادھر مسلمانوں کا یہ معمول تھا کہ اس پاس کے دیہات پر چڑھ جاتے تھے اور سد کے لیے موشی وغیرہ لوٹ لاتے تھے۔ اس عرصے میں بعض بعض رئیس ادھر سے ادھر آ گئے۔ ابن میں جو شش ماہ بھی تھا جو سرحد کی اخبار نویسی پر مامور تھا۔ اس حالت نے طول کھینچا تو

رعایا جو جوق یزدگرد کے پاس پہنچ کر فریادی ہوئی کہ اب ہماری حفاظت کی جائے ورنہ ہم اہل عرب کے مطیع ہوئے جاتے ہیں۔ چار ناچار رستم کو مقابلے کے لیے بڑھنا پڑا۔ ساٹھ ہزار کی جمعیت کے ساتھ سا باد سے نکلا اور قادیسیہ پہنچ کر دیرے ڈالے لیکن فوج جن جہتوں سے گزری ہر جگہ نہایت بے اعتدایان کین۔ تمام افسر شراب پی کر بدستیان کرتے تھے اور لوگوں کے ناموس تک کا لحاظ نہیں رکھتے تھے۔ ان باتوں نے عام ملک میں یہ خیال پھیلا دیا کہ سلطنت عجم اب فنا ہوتی نظر آتی ہے۔

رستم کی فوج میں جس دن سا باد سے بڑھیں سعد نے ہر طرف جاسوس پھیلا دیے کہ دم دم کی خبریں پہنچتی رہیں۔ فوج کا زنگ ڈھنگ۔ لشکر کی ترتیب۔ آثارے کا رخ۔ ان باتوں کے دریافت کے لیے فوجی افسر متعین کیے۔ اس میں کبھی کبھی دشمن کا سامنا بھی ہو جاتا تھا چنانچہ ایک دفعہ طلحہ رات کے وقت رستم کے لشکر میں لباس بدل کر گئے۔ ایک جگہ ایک مشہور گھوڑا اتھان پر بندھا دیکھا۔ بلوار سے بال ڈور کاٹ کر اپنے گھوڑے کی باگ ڈور سے اٹکالی۔ اس عرصے میں لوگ جاگ اٹھے اور ان کا تعاقب کیا۔ گھوڑے کا سوار ایک مشہور افسر تھا اور ہزار سوار کے برابر مانا جاتا تھا اس نے قریب پہنچ کر برجمی کا دار کیا۔ انھوں نے خالی دیا۔ وہ زمین پر گرے انھوں نے جھک کر برجمی ماری کہ سینے کے پار ہو گئی۔ اسکے ساتھ دو اور سوار تھے۔ ان میں سے ایک انکے ہاتھ سے مارا گیا اور دوسرے نے اس شرط پر امان طلب کی کہ میں قیدی نہ کر کے ساتھ چلتا ہوں۔ اتنے عرصے میں تمام فوج میں ہل چل پڑ گئی۔ اور لوگ ہر طرف سے ٹوٹ پڑے لیکن طلحہ رات بھرتے صاف نکل آئے اور ساٹھ ہزار فوج دیکھتی کی دیکھتی رہ گئی۔ قیدی نے



سعد کے سامنے اگر اسلام قبول کیا اور کہا کہ دونوں سوار جو علیہ کے ہاتھ سے مارے گئے میرے  
ابن عم تھے اور ہزار ہزار سوار کے برابر مانے جاتے تھے۔ اسلام کے بعد قیدی کا نام مسلم رکھا گیا  
اور اسکی وجہ سے دشمن کی فوج کے بہت سے ایسے حالات معلوم ہوئے جو اور کسی طرح معلوم نہیں  
ہو سکتے تھے۔ وہ بعد کے تمام محکومین میں شریک رہا اور ہر موقع پر ثابت قدمی اور جانا نہ دی  
کے جوہر دکھائے۔

رستم چونکہ لڑنے سے جی چراتا تھا ایک دفعہ اور صلح کی کوشش کی۔ سعد کے پاس پیغام  
بھیجا کہ تمہارا کوئی مستعد آدمی آئے تو صلح کے متعلق گفتگو کی جاے۔ سعد نے ربیع بن عامر کو اس  
خدمت پر مامور کیا۔ وہ عجیب و غریب بہت سے چپے۔ عرق گیر کی زرہ بنائی اور اسی کا ایک ٹکڑا  
سر سے لپیٹ لیا۔ کمر میں رستی کا پٹکا باندھا اور تلوار کے میان پہنچے لپیٹ لیے۔ اس  
ہنیت کدائی سے گھوڑے پر سوار ہو کر نکلے۔ ادھر ایرانیوں نے بڑے سرو سامان سے دربار  
سجایا۔ دیبا کا فرش۔ زترین گادٹکیے۔ جریر کے پردے۔ صدر میں مرصع تخت۔ ربیع فرش  
کے قریب اگر گھوڑے سے اترے۔ اور باگ ڈور کو گادٹکیے سے اٹھا دیا۔

درباری بے پردائی کی ادا سے اگرچہ کچھ نہ بولے تاہم دستور کے موافق ہتیار رکھوا لینا  
چاہا۔ انھوں نے کمائین بکایا ہوا آیا ہوں۔ تلو اس طرح میرا نام منظور نہیں تو میں اٹا پھر جاتا  
ہوں۔ درباریوں نے رستم سے عرض کی۔ اُس نے اجازت دی۔ یہ نہایت بے پردائی کی ادا  
سے آہستہ آہستہ تخت کی طرف بڑھے۔ لیکن برجی جس سے عصا کا کام لیا تھا اسکی آئی کو  
اس طرح فرش میں چھوٹے جاتے تھے کہ پر تعلق فرش اور قالین جو بچے ہوئے تھے جابجا سے

کٹ پھٹ کر بیکار ہو گئے۔ تخت کے قریب پہنچ کر زمین پر نیزہ مارا جو فرش کو آ پار کر کے زمین میں گر گیا۔ رستم نے پوچھا کہ اس ملک میں کیوں آئے ہو؟ انھوں نے کہا: "اس لیے کہ مخلوق کے بجائے خالق کی عبادت کی جائے۔" رستم نے کہا میں ارکانِ سلطنت سے مشورہ کر کے جواب دوں گا۔ درباری بار بار بھی کے پاس آکر انکے ہتیار دیکھتے تھے اور کہتے تھے کہ اسی سامان پر ایران کی فتح کا ارادہ ہے؛ لیکن جب بھی نے تلوار میان سے نکالی تو آنکھوں میں بجلی سی کوند گئی۔ اور جب اسکے کاٹ کی آزمائش کے لیے ڈھالیں پیش کی گئیں تو رہی نے اُنکے ٹکڑے اڑا دیے۔ ربعی اس وقت چلے آئے۔ لیکن نامہِ پیام کا سلسلہ برا بھلا رہا۔ اخیر سفارت میں مغیرہ گئے اُس دن ایرانیوں نے بڑے ٹھاٹھ سے دربار جمایا۔ جس قدر ندیم اور افسر تھے تاج زر پہنکر کرسیوں پر بیٹھے۔ خیمے میں دیا و سنجاب کا فرش بچھایا گیا اور خدام اور منصبدار قرینے سے دور دیہ پرے جاکر کھڑے ہوئے۔ مغیرہ گھوڑے سے اتر کر سیدھے صدر کی طرف بڑھے۔ اور رستم کے زانو سے زانو ملا کر بیٹھ گئے۔ اس گستاخی پر تمام دربار برہم ہو گیا بیان تک کہ چوبداروں نے بازو پکڑ کر انکو تخت سے اتار دیا۔ مغیرہ نے افسرانِ دربار کی طرف خطاب کر کے کہا کہ میں خود نہیں آیا۔ بلکہ تم نے بلایا تھا۔ اس لیے مہمان کے ساتھ یہ سلوک زیبانتھا تمھاری طرح ہم لوگوں میں یہ دستور نہیں کہ ایک شخص خدا بنکر بیٹھے اور تمام لوگ اسکے آگے بندہ ہو کر گردن جھکائیں۔ مترجم نے جسکا نام عبود تھا اور حیرۃ کا باشندہ تھا اس تقریر کا ترجمہ کیا تو سارا دربار متاثر ہوا۔ اور بعض بعض بول اُٹھے کہ ہماری غلطی تھی جو ایسی قوم کو ذلیل سمجھتے تھے۔

رستم بھی خرمندہ ہوا اور ندامت مٹانے کو کہا کہ یہ نوکروں کی غلطی تھی۔ میرا ایما یا حکم نہ تھا۔ پھر بے تکلفی کی طور پر مغیرہ کے ترکش سے تیر نکالے اور بات میں لیکر کہا کہ ان کلون سے کیا ہوگا؟ مغیرہ نے کہا کہ آگ کی نوگوں چوٹی ہو پھر بھی آگ ہے۔ رستم نے انکی تلوار کا نیام دکھل کر کہا کہ کس قدر بوسیدہ ہے۔ انھوں نے کہا ہاں۔ لیکن تلوار پر باڑہ ابھی کھتی گئی ہے۔ اس نوک جھوک کے بعد معاشے کی بات شروع ہوئی۔ رستم نے سلطنت کی شان و شوکت کا ذکر کر کے اظہار احسان کے طور پر کہا کہ اب بھی واپس چلے جاؤ تو ہکو کچھ ملال سنیں بلکہ کچھ انعام دلادیا جائیگا۔ مغیرہ نے تلوار کے قبضے پر ہاتھ رکھ کر کہا کہ اگر اسلام و جزیہ منظور نہیں تو اس سے فیصلہ ہوگا۔ رستم غصہ سے بھڑک اٹھا اور کہا کہ آفتاب کی قسم کل تمام عرب کو برباد کر دوں گا۔ مغیرہ اٹھ کر چلے آئے اور صلح و آشتی کی تمام امیدوں کا خاتمہ ہو گیا۔

## قادسیہ کی جنگ اور فتح

محرم ۱۰ ہجری

رستم اب تک لڑائی کو برابر مانتا جاتا تھا۔ لیکن مغیرہ کی گفتگو نے اسکو اس قدر غیرت دلائی کہ اسی وقت کربندی کا حکم دیا۔ نہر خویج میں حامل تھی حکم دیا کہ صبح ہوتے ہوتے پانچ سو ترک بنادی جائے۔ صبح تک یہ کام انجام کو پہنچا۔ اور دوپہر سے پہلے پہلے فوج نہر کے اس پار آگئی۔ خود سامان جنگ سے آراستہ ہوا۔ دہری زمین ہینین۔ سر پر خود رکھا۔ ہتھیار لگا۔ قادسیہ عراق عرب کا مشہور شہر تھا اور درائن سب کے وسط میں تھا اب وہاں پڑا ہوا ہے۔ ہمارے نقشے میں اسکو شہر

درائن کے متصل سمجھنا چاہیے۔

پھر اسب خاصہ طلب کیا اور سوار ہو کر جوش میں کھاگہ گل عرب کو چلنا چور کر دو گنا، کسی سپاہی نے کہا۔ "ان اگر خدا نے چاہا۔ بولا کہ "خدا نے نہ چاہا تب بھی۔"

فوج نہایت ترتیب سے آراستہ کی۔ آگے پیچھے تیرہ صفیں قائم کیں۔ قلب کے پیچھے ہاتھیوں کا قلعہ باندھا۔ ہود جون اور عمار یون میں ہتیار بند سپاہی بٹھائے۔ سینہ و سر کے پیچھے قلعہ کے طور پر ہاتھیوں کے پر بٹھائے۔ خبر سانی کے لیے موقع جنگ سے پانچ گنت تک فاصلے پر آدمی بٹھا دیے۔ جو واقعہ پیش آتا تھا موقع جنگ کا آدمی چلا کر کھتا تھا اور درجہ بدرجہ درائن تک خبر پہنچ جاتی تھی۔

قادسیہ میں ایک قدیم شاہی محل تھا جو عین میدان کے کنارے پر واقع تھا۔ سید کو چونکہ فوج کی شکایت تھی اور چلنے پھرنے سے معذور تھے۔ اس لیے فوج کے ساتھ شریک نہ کر کے۔ پر میدان کی طرف رخ کر کے تیکہ کے سہارے سے بیٹھے اور خالد بن عوفہ کو اپنے بجای پیہ مقرر کیا۔ تاہم فوج کو لڑاتے خود تھے۔ یعنی جس وقت جو حکم دینا مناسب ہوتا تھا پر چون پر لکھرا اور گویان بنا کر خالد کی طرف پھینکتے جاتے تھے۔ اور خالد انہی ہدایتوں کے موافق موقع موقع لڑائی کا اسلوب بدلتے جاتے تھے۔ ہزن کے ابتدائی زمانے میں، فن جنگ کا اس وقت ترقی کرنا تعجب کے قابل اور عرب کی تیزی طبع اور لیاقت جنگ کی دلیل ہے۔

فوج میں آراستہ ہو چکین تو عرب کے مشہور شعرا اور خطیب صفوں سے نکلے اور اپنی آتش فشاں سے تمام فوج میں آگ لگا دی۔ شعرا میں۔ ثمان۔ حلیہ۔ اوس بن مغیرہ۔ عبدہ بن الطیب۔ عمرو سعدی کربا اور خطیبوں میں قیس بن ہبیرہ۔ غالب۔ ابن المنیل الاسدی۔ بسیر بن

لڑائیں اور جس قدر زخمی تھے مرہم پٹی کے لیے عورتوں کے حوالے کیے۔ پھر فوج کو مکہ مندی کا حکم دیا۔ لڑائی ابھی شروع نہیں ہوئی تھی کہ شام کی طرف سے غبار اٹھا لگڑ دھپٹی تو معلوم ہوا کہ ابو عبیدہ نے شام سے جو امدادی فوجیں بھیجیں تھیں وہ اپنے چہین حضرت عمرؓ نے جس زمانے میں عراق پر حملے کی تیاریاں کی تھیں اسی زمانے میں ابو عبیدہ کو جو شام کی مہم پر مامور تھے لکھ بھجوا تھا کہ عراق کی جو فوج وہاں بھیج دی گئی تھی اسکو حکم دو کہ سعد کی فوج سے جا کر مل جائے چنانچہ عین وقت پر یہ فوج پہنچی اور تائیدِ عظیمی بھیجی گئی۔ چھ ہزار سپاہی تھے جن میں پانچ ہزار ربیعہ و مضر اور ہزار خاص حجاز کے تھے۔ ہاشم بن عقبہ (سعد کے بھائی) سپہ سالار تھے۔ اور ہر اہل قحطاع کا بے میں تھا۔ قحطاع نے پہنچتے ہی صف سے نکل کر پکارا کہ ایرانیوں میں کوئی بہادر ہو تو مقابلے کو آئے۔ اُدھر سے بہمن نکلا۔ قحطاع جسے کا واقعہ یاد کر کے پکار اُٹھے کہ ”لینا ابو عبیدہ کا قاتل جانے نہ پائے“۔ دونوں حریف تلوار لے کر مقابل ہوئے۔ اور کچھ دیر کی رد و بدل کے بعد بہمن مارا گیا۔ دیر تک دونوں طرف کے بہادر تہمتا تہمتا میدان میں نکل کر شجاعت کے جوہر دکھاتے رہے۔ سیستان کا شہزادہ شہر برازہ عور بن قطیبہ کے ہاتھ سے مارا گیا۔ بزرگمہر ہمدانی جو ایک مشہور بہادر تھا قحطاع سے ٹکر کر قتل ہوا۔ غرض ہنگامہ عام ہونے سے پہلے ایرانی فوج نے اکثر اپنے مامور بہادر کھود دیے۔ تاہم بڑے زور شور سے دونوں فوجیں حملہ آور ہوئیں۔ شام کی امدادی فوج کو قحطاع نے اس تدبیر سے روانہ کیا تھا کہ چھوٹے چھوٹے دستے کر دیے تھے اور جب ایک دستہ میدان جنگ میں پہنچ جاتا تھا تو دوسرا دور سے نمودار ہوتا تھا۔ اس طرح تمام دن فوجوں کا اتنا تبادلہ ہوا اور ایرانیوں پر رعب چھا گیا۔

ہر دستہ، اللہ اکبر کے نعرے مارتا ہوا آتا تھا اور ققاع اسکے ساتھ ہو کر دشمن پر حملہ آور ہوتے تھے۔

ہاتھیوں کے لیے ققاع نے یہ تدبیر کی کہ اونٹوں پر چھول اور برقع ڈال کر ہاتھیوں کی طرح منیب بنایا۔ یہ مصنوعی ہاتھی جس طرف رخ کرتے تھے ایرانیوں کے گھوڑے بدل کر سواروں کے قابو سے بچل جاتے تھے۔

عین ہنگامہ جنگ میں حضرت عمر کے قاصد پہنچے جبکہ ساتھ نہایت بیش قیمت عربی گھوڑے اور تلواریں تھیں۔ ان لوگوں نے فوج کے سامنے پکار کر کہا کہ امیر المومنین نے یہ انعام ان لوگوں کو بھیجا ہے جو اسکا حق ادا کر سکیں۔ چنانچہ ققاع نے مال بن مالک۔ بیل بن عمرو۔ طلحہ بن خویلد۔ عاصم بن عمر۔ تمیمی کو تلواریں جو الہدیین اور قبیلہ یربوع کے چار بہادروں کو گھوڑے عنایت کیے۔ بیل نے نعرے جوش میں اُکرنی البدیہ یہ شعر پڑھا۔

لقد علموا لا قوام انا احقہم اذا حصلوا بللہفقات البوات

سب لوگوں کو معلوم ہے کہ میں سب سے زیادہ مستحق ہوں جبوقت لوگوں نے کانٹے والی نازک تلواریں پائیں

جبوقت لڑائی کا ہنگامہ گرم تھا ابو محجن ثقفی جو ایک مشہور بہادر اور شاعر تھے اور جبکہ شراب پینے کے جرم پر سعد نے قید کر دیا تھا قید خانے کے در پہچے سے لڑائی کا تماشا دیکھ رہے تھے اور شجاعت کے جوش میں بے اختیار ہوئے جاتے تھے۔ آخر نہ ضبط کر سکے۔ سلمیٰ (سعد کی بیوی) کے پاس گئے کہ خدا کے لیے اس وقت مجھ کو چھوڑ دو۔ لڑائی سے جیتا بچا تو خود اکیس بیڑیان پہن لو گا۔ سلمیٰ نے انکار کیا یہ حسرت کے ساتھ واپس آئے اور بار بار پردہ بچہ میں یہ شعر

پڑھتے تھے۔

اکھی حزناں تن دی الحیل بالقنا واترك مشدودا علی وثاقیا

اِس سے بڑھ کر کیا غم ہوگا کہ سوار نیزہ بازیاں کر رہے ہیں اور میں زنجیروں میں بندھا پڑا ہوں

اذا قمت عنانی الحدید واغلقت مصاریع من دونی تضم المنادی

جب کھڑا ہونا چاہتا ہوں تو زنجیر اٹھنے نہیں دیتی اور دروازے بند کر دیے جاتے ہیں لہذا نہ تو کچھ کہہ سکتا ہوں نہ

ان اشعار نے سلمیٰ کے دل پر یہ اثر کیا کہ خود اگر بیڑیاں کاٹ دیں، انھوں نے فوراً صلیب

میں جا کر سعد کے گھوڑے پر چبکا نام بلقا تھا زین کسا اور میدان جنگ میں پہنچا، بھالے کے

ہاتھ نکالتے ہوئے ایک دفعہ مینہ سے مسرہ تک کا چکر لگایا۔ پھر اس زور و شور سے حملہ کیا کہ جس

طرف نکل گئے صف کی صف اُٹ دی۔ تمام لشکر متحیر تھا کہ یہ کون بہادر ہے۔ سعد بھی حیران

تھے۔ اور دل میں کہتے تھے کہ حملہ کا انداز ابو محجن کا ہے لیکن وہ توقید خانے میں قید ہے۔ شام

ہوئی تو ابو محجن نے قید خانے میں آکر خود بیڑیاں پہن لین۔ سلمیٰ نے یہ تمام حالات سعد سے بیان

کیے۔ سعد نے اسی وقت اُٹھ کر دیا اور کہا خدا کی قسم مسلمانوں پر جو شخص یوں تار ہو میں سکو

سزا نہیں دے سکتا۔ ابو محجن نے کہا بخدا میں بھی آج سے کچھ بھی شراب کو ہاتھ نہ لگاؤں گا۔

خسار جو عرب کی مشہور شاعرہ تھی اس مر کے میں شریک تھی اور اس کے چاروں بیٹے

۱۔ کتاب الخراج قاضی ابو یوسف صفحہ ۱۸۰۔ ۲۔ منار کے واقعات نہایت دلچسپ اور عجیب و غریب ہیں۔ اسکا دیوان بیروت

میں چھپ گیا ہے۔ اور اس کے مفصل حالات علامہ ابو الفرج اصفہانی نے کتاب الاغانی میں لکھے ہیں۔ اصناف شعر میں

مرثیہ گوئی میں اسکا کوئی نظیر نہیں گذرا چنانچہ بازارِ شعرا کا ظہن اس کے غم کے دروازے پر ایک غمِ نعلب کیا جاتا تھا جس پر کہا جاتا تھا ادنیٰ العرب یعنی تمام عرب میں سب سے بڑھ کر مرثیہ گو۔ وہ اسلام بھی لائی اور حضرت عمر کے دربار

میں حاضر ہوئی تھی۔

بھی ساتھ تھے۔ لڑائی جب شروع ہوئی تو اس نے بیٹوں کی طرف خطاب کیا اور کہا۔

لَعَنَ تَبَّكَ الْبَلَادُ وَلَعَنَ تَحْکُمُ السَّنَةِ پیارے بیٹو۔ تم اپنے ملک کو دو بھرنے نہ تم پر غلط پڑا تھا۔  
 تَوَحَّيْتُمْ بَا مَكْمَرِ عَجُوزٍ كَبِيرَةٍ فَوَضَعُوا هَا بَيْنَ باوجود اچھے تم اپنی کس سال مان کو بیان لائے اور غار سے آگے  
 ایلیدی اہل فاسس واللہ انکم لبئس رجل واحد ڈال دیا۔ خدا کی قسم جس طرح تم ایک مان کی اولاد ہو ایسی طرح ایک  
 ہمارا انکو بنو امیۃ واحدة ما خلت ابکم ولا فضحت باپ کے بھی ہو۔ میں نے تمہارے باپ سے بددیا یعنی  
 خالکم اظلقو فاشہدوا اول القتال و آخر کی نہ تمہارے مامون کو رسوا کیا۔ بھلاؤ اور اخیر کر دو۔

بیٹوں نے ایک ساتھ بائیں اٹھائیں اور دشمن پر ٹوٹ پڑے۔ جب گاہ سے اوجھل ہو گئے  
 تو غصہ نے آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر کہا خدا یا! میرے بیٹوں کو بچانا  
 اس دن سلمان دو ہزار اور ایرانی دس ہزار مقتول و مجروح ہوئے۔ تاہم فتح و شکست  
 کا کچھ فیصلہ نہوا۔ یہ معرکہ اغواٹ کے نام سے مشہور ہے۔

تیسرا معرکہ یوم العماس کے نام سے مشہور ہے۔ اس میں ققاع نے یہ تدبیر کی کہ رات کے  
 وقت چند رسالوں اور پیدل فوجوں کو حکم دیا کہ پڑاؤ سے دور۔ شام کی طرف نکل جائیں۔ پوچھے  
 تھو بتو۔ سوار میدان جنگ کی طرف گھوڑے اڑاتے ہوئے آئیں اور اور رسالے اسی طرح برابر  
 آتے جائیں چنانچہ صبح ہوتے ہوئے پہلا رسالہ پہنچا۔ تمام فوج نے اللہ اکبر کا نعرہ مارا اور نکل  
 پڑ گیا کہ نبی امدادی فوجیں آگئیں۔ ساتھ ہی حملہ ہوا۔ حسن اتفاق یہ کہ ہشام جنگو ابو عبیدہ نے  
 شام سے مدد کے لیے بھیجا تھا۔ عین موقع پر سات تھو سواروں کے ساتھ پہنچ گئے۔ یزدجرد  
 کو دم دم کی خبریں پہنچتی تھیں اور برابر فوجیں بھیجتا جاتا تھا۔ ہشام نے فوج کی طرف خطاب کیا اور



کہا تمہارے بھائیوں نے شام کو فتح کر لیا۔ فارس کی فتح کا جو خدا کی طرف سے وعدہ ہوا ہے وہ تمہارے ہاتھ سے پورا ہو گا، معمول کے موافق جنگ کا آغاز یوں ہوا کہ ایرانیوں کی فوج سے ایک پہلوان شیر کی طرح ڈکارتا ہوا میدان میں آیا۔ اسکا ڈیل ڈول دیکھ کر لوگ اسکے مقابلے سے جی پھراتے تھے۔ لیکن ایک عجیب اتفاق سے وہ ایک کمزور سپاہی کے ہاتھ سے مارا گیا ایرانیوں نے تجربہ اٹھا کر ہاتھیوں کے دائیں بائیں پیدل فوجیں قائم کر دی تھیں۔ عمرو معدی کرب نے رفیقوں سے کہا کہ میں مقابل کے ہاتھی پر حملہ کرتا ہوں تم ساتھ رہنا، ورنہ عمرو معدی کرب مارا گیا تو پھر معدی کرب پیدا نہو گا۔ یہ کہہ کر تلوار میان سے گھسیٹ لی اور ہاتھی پر حملہ کیا۔ لیکن پیدل فوجیں جو دائیں بائیں تھیں دفعۃً اُن پر ٹوٹ پڑیں اور اس قدر گرد اٹھی کہ یہ نظر سے چھپ گئے۔ یہ دیکھ کر انکی رکاب کی فوج حملہ آور ہوئی اور بڑے سر کے کے بعد دشن جیچے ہٹے۔ عمرو معدی کرب کا یہ حال تھا کہ تمام جسم خاک سے اٹا ہوا تھا۔ بدن پر جا بجا برصیوں کے زخم تھے۔ تاہم تلوار قبضے میں تھی اور ہاتھ چلتا جاتا تھا۔ اسی حالت میں ایک ایرانی سوار برابر سے نکلا۔ انھوں نے اس کے گھوڑے کی دُم پکڑ لی۔ ایرانی نے بار بار معذرت کیا لیکن گھوڑا جگہ سے ہل نہ سکا آخر سوار اتر کر بھاگ نکلا۔ اور یہ چل کر گھوڑے کی پیٹھ پر جا بیٹھے۔

سعد نے یہ دیکھ کر کہ ہاتھی جس طرف رخ کرتے ہیں دُل کا دُل بھٹ جاتا ہے ضخیم و سلم وغیرہ کو جو پارسی تھے اور مسلمان ہو گئے تھے بلا کر پوچھا کہ اس بلا سے سیاہ کا کیا علاج ہے۔ انھوں نے کہا کہ انکی سوئیڈ اور نکمیں بیکار کر دیا جائیں۔ تمام غول میں دُوبا ہتی نہایت منیب اور۔ کوہ پیکر اور گویا کُل ہاتھیوں کے سردار تھے۔ ایک ایضاً اور دوسرا جرب کے نام سے مشہور تھا

سعد نے قتلِ عامِ حمال۔ ریل کو بلا کر کہا کہ یہ ہم تمہارے ہات ہے۔ قتلِ عام نے پہلے کچھ سو ادر پیا دے بھیج دیے کہ ہاتھوں کو زخمین کر لیں۔ پھر خود برچھا ہاتھ میں لیکر پیل سفید کی طرف بڑھے۔ عام بھی ساتھ تھے۔ دونوں نے ایک ساتھ برچھے مارے گا نکھون میں پوست ہو گئے ہاتھی تھر جھری لیکر بھیجے ہٹا ساتھ ہی قتلِ عام کی لوار پٹی اور سوئڈ مسک سے الگ ہو گئی۔ ادھر ریل و حمال نے اجرب پر حملہ کیا۔ وہ زخم کھا کر بھاگا تو تمام ہاتھی اسکے پیچھے ہو لیے اور دم کی دم میں یہ سیاہ بادل بالکل چھٹ گیا۔

اب بہادر دن کو حوصلہ آزمائی کا موقع ملا اور اس زور کارن پڑا کہ لغوون کی گج سے مین دہل دہل پڑتی تھی۔ چنانچہ اسی مناسبت سے اس سور کے کو لیلہ الہری کہتے ہیں۔ ایرانیوں نے فوج سے ترتیب دی۔ قلب مین اور دائیں بائیں تیرہ تیرہ مہین قائم کیں۔ مسلمانوں نے بھی تمام فوج کو سمیٹ کر یکجا کیا اور آگے پیچھے تین پرے جمائے۔ سب سے آگے سوار و کار سالہ۔ انکے بعد پیدل فوجیں، اور سب سے پیچھے تیر انداز۔ سعد نے حکم دیا تھا کہ تیسری تکبیر پر حملہ کیا جاوے لیکن ایرانیوں نے جب تیر برسانے شروع کیے تو قتلِ عام سے ضبط نہو سکا۔ اور اپنے رکاب کی فوج لیکر دشمن پر نوٹ پڑے۔ فوجی اصول کے لحاظ سے یہ حرکت نافرمانی مین داخل تھی۔ تاہم لڑائی کا ڈھنگ اور قتلِ عام کا جوش دیکھ کر سعد کے منہ سے بے اختیار نکلا کہ اللہم اغفر لہ و نصہ یعنی اے خدا قتلِ عام کو معاف کرنا اور اس کا مددگار رہنا۔ قتلِ عام کو دیکھ کر نبو اسد اور نبو اسد کی دیکھا دیکھی۔ نفع۔ بھلیہ۔ کندہ۔ سب نوٹ پڑے۔ سعد ہر قبیلے کے حملے پر کہتے تھے کہ خدا اسکو معاف کرنا اور یاور رہنا۔ اول اول سوار دن کے رسالے نے حملہ کیا۔ لیکن ایرانی فوجیں جو دیوار

لی طرح جی کھڑی تھیں اس ثابت قدمی سے اردین کہ گھوڑے آگے نہ بڑھ سکے۔ یہ دیکھ کر سب گھوڑوں سے کود پڑے اور پیادہ حملہ آور ہوئے۔

ایرانوں کا ایک رسالہ سترپا پوہ سے عرق تھا قبیلہ حمیضہ نے اسپر حملہ کیا لیکن تلوارین زہرہون پر اچٹ اچٹ کر گئیں۔ سردار قبیلہ نے لکارا۔ سب نے کہا زہون پر تلوارین کا نہیں دیتیں۔ اُس نے غصے میں اگر ایک ایرانی پر بچھے کا وار کیا کہ کمر کو توڑ کر نکل گیا۔ یہ دیکھ کر اور فکرو بھی ہمت ہوئی اور اس بہادری سے لڑے کہ رسالہ کا رسالہ برباد ہو گیا۔

تمام رات ہنگامہ کارزار گرم رہا، لوگ لڑتے لڑتے تھک کر چور ہو گئے تھے اور نیند کے غام میں ہاتھ پاؤں بیکار ہوئے جاتے تھے۔ اسپر بھی جب فتح و شکست کا فیصلہ نہوا تو عقل نے سرداران قبائل میں سے چند نامور بہادرات انتخاب کیے اور سپہ سالار فوج رستم کی طرف رخ کیا۔ ساتھ ہی تیس شعث۔ عمر معدی کرب۔ ابن ذی البردین نے جو اپنے اپنے قبیلے کے سردار تھے، ساتھیوں کو لٹکرا کر دیکھو! ”یہ لوگ خدا کی راہ میں تم سے آگے نکلنے نہ پائیں“، اور اردین سرداروں نے بھی جو بہادری کے ساتھ زبان آور بھی تھے اپنے قبیلوں کے سامنے کھڑے ہو کلاس جوش سے تقریریں کیں کہ تمام لشکر میں ایک آگ لگ گئی۔ سوار گھوڑوں سے کود پڑے اور تیر و کمان پھینک کر تلواریں گھسیٹ لیں۔ اس جوش کے ساتھ تمام فوج، سیلاب کی طرح بڑھی، اور فیروزان و ہرزان کو دبا تے ہوئے رستم کے قریب پہنچ گئی۔ رستم تخت پر بیٹھا فوج کو لڑا رہا تھا۔ یہ حالت دیکھ کر تخت سے کود پڑا اور دیر تک مردانہ لڑتا رہا۔ جب زخموں سے بالکل چور ہو گیا تو بھاگ چلا، ہلال نام۔ ایک سپاہی نے تعاقب کیا۔ اتفاق سے ایک نہر سامنے

انگنی۔ رستم کو پڑا کر تیر کھل جائے۔ ساتھی ہلال بھی کو دے اور ٹانہ پکڑ کر باہر کھینچ لائے  
پھر تلوار سے کام تمام کر دیا۔ ہلال نے لاش خچر دن کے پانوں میں ڈال دی اور تخت پر چڑھ کر بچاؤ  
کہ ”رستم کا میں نے خاتمہ کر دیا“۔ ایرانیوں نے دیکھا تو تخت پہ سالار سے خالی تھا۔ تمام فوج  
میں بھاگ کر جمع ہو گئی۔ مسلمانوں نے دور تک تعاقب کیا اور ہزاروں لاشیں میدان میں  
بچھا دیں۔

انوس ہے کہ اس واقعہ کو ہمارے ملک اشعار نے قومی جوش کے اثر سے بالکل غلط  
لکھا ہے۔

برآمد خروشنے بکردار سعد      زیک سوی رستم زیک سوے سعد  
چو دیدار رستم بخون تیرہ گشت      جوان مرد تازی برو چیرہ گشت  
ہمارے شاعر کو یہ بھی معلوم نہیں کہ سعد اس واقعہ میں سرے سے شریک ہی نہ تھے۔

شکست کے بعد بھی چند نامور افسر جو بیاستون کے الگ تھو میدان میں ثابت قدم رہے۔ ان میں سے  
شہریار۔ ابن المرید۔ فرخان اہوازی۔ خسرو شنوم ہمدانی نے مردانہ جان دی۔ لیکن ہر طرف  
اہود۔ قارن۔ موقع پا کر بھاگ نکلے۔ ایرانیوں کے گشتوں کا تو شمار نہ تھا۔ مسلمان بھی کم و بیش  
حقہ ہزار کام آئے۔

اس فتح میں چونکہ سعد خود شریک جنگ نہ تھے فوج کو انکی طرف سے بے گمانی رہا

لہذا علامہ بلاذری نے لکھا ہے کہ رستم کے قاتل کا نام معلوم نہیں۔ لیکن عمرو سعدی کہ عیسیٰ بن خویلد۔ فطین جاح۔ ابن تیمون  
اسپر علیا تھا دینے جو روایت لکھی ہے وہ الاخبار الطوال کی روایت ہے۔

یہاں تک کہ ایک شاعر نے کہا۔

وقالت حتی انزل الله نخصه وسعد بباب القادسیہ معصم

میں برابر لڑا کیا۔ یہاں تک کہ خدا نے اپنی مدد بھیجی لیکن سعد۔ قادیسیہ کے دروازے سے پیٹے رہے

فابنا و قد امت نساء کثیۃ و نسوة سعد لیس فیہن ایثم

ہم واپس پھرے تو سیکڑوں عورتیں بیوہ ہو چکی تھیں لیکن سعد کی کوئی بیوی بیوہ نہیں ہوئی

یہ اشعار اُسی وقت بچے بچے کی زبان پر چڑھ گئے۔ یہاں تک کہ سعد نے تمام فوج کو جمع کر کے ابلون کے زخم دکھائے اور اپنی معذوری ثابت کی۔

سعد نے حضرت عمر کو نامہ فتح لکھا اور دونوں طرف کے مقتولوں کی تفصیل لکھی۔ حضرت

عمر کا یہ حال تھا کہ جس دن سے قادیسیہ کا شروع ہوا تھا ہر روز آفتاب نکلنے دینے سے نکلتا

اور قاصد کی راہ دیکھتے۔ ایک دن معمول کے موافق نکلے اور دھر سے ایک شتر سوار آ رہا تھا بڑھکا

پوچھا کہ دھر سے آئے ہو۔ وہ سعد کا قاصد تھا اور فردہ فتح لیکر آتا تھا جب معلوم ہوا کہ سعد کا قاصد

ہے تو اس سے حالات پوچھنے شروع کیے۔ اُس نے کہا۔ خدا نے مسلمانوں کو کامیاب کیا۔

حضرت عمر رکاب کی برابر دوڑتے جاتے تھے اور حالات پوچھتے جاتے تھے۔ شتر سوار شہر میں

داخل ہوا تو دیکھا کہ جو شخص سامنے آتا ہے انکو امیر المؤمنین کے لقب سے پکارتا ہے۔ دُور سے

کانپ اٹھا اور کہا کہ حضرت نے مجھ کو اپنا نام کیوں نہ بتایا کہ میں اس گستاخی کا قریب نہ ہوتا۔

فرمایا نہیں کچھ ہرج نہیں، تم سلسلہ کلام کو نہ توڑو چنانچہ اسی طرح اسکے رکاب کے ساتھ ساتھ

اگترک آئے۔ دینے پہنچ کر مجمع عام میں فتح کی خوشخبری سنائی۔ اور ایک سنایت پر اثر تقریر کی

جسکا اخیر فقرہ یہ تھا "مسلمانو! میں بلو شاہ نہیں ہوں کہ تمکو غلام بنانا چاہوں میں خود خدا کا غلام ہوں۔ البتہ خلافت کا بار میرے سر پر رکھا گیا ہے۔ اگر میں اس طرح تمہارا کام کروں کہ تم حسین کے گھروں میں سوؤ تو میری سعادت ہے اور اگر میری یہ خواہش ہو کہ تم میرے دروازے پر عافری دو تو میری بے بختی ہے۔ میں تمکو تعلیم دینا چاہتا ہوں لیکن قول سے نہیں بلکہ عمل سے۔"

قادیسیہ کے سر کے مین جو عجم یا عرب مسلمانوں سے لڑے تھے انہیں ایسے بھی تھے جو ل سے لڑنا نہیں چاہتے تھے بلکہ زبردستی فوج میں کپڑائے تھے۔ بہت سے لوگ گھر چھوڑ کر نکل گئے تھے۔ فتح کے بعد یہ لوگ سعد کے پاس آئے اور اس کی درخواست کی سعد نے دوبارہ خلافت کو لکھا۔ حضرت عمر نے صحابہ کو بلا کر اسے لی۔ اور سب نے بالاتفاق منظور کیا۔ غرض تمام ملک کو امن دیدیا گیا۔ جو لوگ گھر چھوڑ کر نکل گئے تھے واپس آکر آباد ہوتے گئے۔ رعایا کے ساتھ یہ ارتباط بڑھا کہ اکثر بزرگوں نے انہیں رشتہ دار یا بن کر لیں۔

ایرانیوں نے قادیسیہ سے بھاگ کر بابل میں مقام کیا تھا اور چونکہ یہ ایک محفوظ و مستحکم مقام تھا۔ اطمینان کے ساتھ جنگ کے تمام سامان جیتا کر لیے تھے۔ اور فیروزان کو سربراہ قرار دیا تھا۔ سعد نے انکے استیصال کے لیے پیشہ پیم جری میں بابل کا ارادہ کیا اور چند سردار آگے روانہ کیے۔ کہ رستہ صاف کرتے جائیں۔ چنانچہ مقام برس میں نصیری سہراہ ہوا اور میدان جنگ میں زخم اٹھا کر بابل کی طرف بھاگ گیا۔ برس کے رئیس نے جسکا نام بسطام تھا صلح کر لی اور بابل تک موقع بہ موقع پل تیار کرادیے کہ اسلامی فوجیں بے تکلف گزر جائیں۔ بابل میں اگرچہ عجم کے بڑے بڑے سردار غیر وہان۔ ہرزان۔ مہران۔ مہرجان۔ وغیرہ جمع تھے لیکن

پہلے ہی حملے میں بھاگ نکلے۔ سعد نے خود بابل میں مقام کیا۔ اور زہرہ کی افسری میں کچھ زمین آگے روانہ کیں۔ عجمی فوجیں بابل سے بھاگ کر کوئی میں ٹھہری تھیں اور شہر بایہ جو پیش زادہ تھا انکا پے سالار تھا۔ زہرہ کوئی سے گزیرے تو شہر بایہ آگے بڑھ کر مقابل ہوا اور میدان جنگ میں آ کر پٹکارا کہ جو بہادر تمام لشکر میں انتخاب ہو مقابلے کو آئے۔ زہرہ نے کہا میں نے خود تیرے مقابلے کا ارادہ کیا تھا لیکن تیرا یہ دعوے ہے تو کوئی غلام تیرے مقابلے کو جائیگا۔ یہ مکہ بابل کو جو قبیلہ یمیم کا غلام تھا اشارہ کیا۔ اسے گھوڑا آگے بڑھایا۔ شہر بایہ دیو کا ساتن و توس رکھا تھا بابل کو کمزور دیکھ کر نیزہ ہاتھ سے پھینک مار گدین میں ہاتھ ڈال زور سے کھینچا اور زمین پر گر کر سینے پر چڑھ گیا اتفاق سے شہر بایہ کا انگوٹھا نابل کے منہ میں آگیا۔ نابل نے اس زور سے کاٹا کہ شہر بایہ تپلا گیا۔ نابل متع یا کر اسکے سینے پر چڑھ بیٹھا اور تلوار سے پیٹ کو چاک کر دیا۔ شہر بایہ نہایت عسمدہ لباس اور اسلحہ سے آراستہ تھا۔ نابل نے زہرہ وغیرہ اسکے بدن سے آثار کر سعد کے آگے لا کر رکھ دیں سعد نے عبرت کے لیے حکم دیا کہ نابل وہی لباس اور اسلحہ سج کر آئے۔ چنانچہ شہر بایہ کے زرق برق لباس اور اسلحہ سے آراستہ ہو کر وہ مجمع عام میں آیا تو لوگوں کی آنکھوں میں زمانے کی نیلگوں کی تصویر بھر گئی۔

کوئی ایک تاریخی مقام تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو غزوہ دئیہ میں قید رکھا تھا چنانچہ قید خانے کی جگہ اب تک محفوظ تھی۔ سعد اسکی زیارت کو گئے اور درود چڑھ کر یہ آیت پڑھی ثلاث الا یام نذا ولھا آیین الناس۔ کوئی سے آگے پائے تحت کے قریب بہر شیر ایک مقام تھا۔ یہاں ایک شاہی رسالہ رہتا تھا جو ہر روز ایک بار قسم کھا کر لکھا تھا کہ، جب تک ہم میں سلطنت فارس

کبھی زوال نہیں آسکتا، یہاں ایک شیر بڑا ہوا تھا جو کہرنے سے بہت ہلا ہوا تھا۔ اور اسی لیے اس شہر کو بہرہ شیر کہتے تھے۔ سعد کا لشکر قریب پہنچا تو وہ ٹپ کر نکلا۔ لیکن ہاتھ نہ جواہر لول کے افسر تھے اس صفائی سے تلوار ماری کہ وہیں ڈھیر ہو کر گیا۔ سعد نے اس بہادری پر ان کی پیشانی چوم لی۔

اگے بڑھ کر سعد نے بہرہ شیر کا محاصرہ کیا اور فوج نے ادھر ادھر پھیل کر ہزاروں آدمی گرفتار کر لیے۔ شہر زادوں نے جو سا باط کارئیں تھا سعد سے کہا کہ یہ معمولی کا شکار ہیں انکے قید کرنے سے کیا مائل۔ چنانچہ سعد نے انکے نام و قرین درج کر لیے اور چھوڑ دیا۔ اس پاس کے تمام رئیسوں نے جزئیہ قبول کر لیا لیکن شہر پر قبضہ نہ ہو سکا۔ دو تیس روز پہنچے تک برابر محاصرہ ہوا۔ ایرانی کبھی کبھی قلعہ سے نکل کر معرکہ آرا ہوتے تھے۔ ایک دن بڑے جوش و خروش سے سب سے مزے پر فرین بادشاہین مجبور ہو کر تھے

برساتے ہوئے نکلے مسلمانوں نے بھی برابر کا جواب دیا۔ زہرہ جو ایک مشہور افسر تھے اور محکومین میں سب سے اگے آگے بہتے تھے۔ انکی زہرہ کی کڑیاں کہیں کہیں سے ٹوٹ گئی تھیں۔ لوگوں نے کہا کہ اس زہرہ کو بدل کرنی پہنچے۔ بولے کہ میں ایسا خوش قسمت کمان ہوں کہ دشمن کے تیر سب کو چھوڑ کر میری ہی طرف آئیں۔ اتفاق یہ کہ پہلا تیر یعنی کو اگر لگا لوگوں نے کانا چاہا تو انھوں نے منع کیا کہ جب تک یہ بدن میں ہے اسی وقت تک میں زندہ بھی ہوں، چنانچہ اسی حالت میں حملہ کرتے ہوئے بڑے اور شہر براز کو جو ایک نامی افسر تھا تلوار سے مارا۔ تھوڑی دیر لڑ کر ایرانی ہجاک چلے اور شہر والوں نے صلح کا پیر پر آڑا۔

بہر شیر اور مدائن میں صرف وجہ حایل تھا۔ سعد بہر شیر سے بڑے تو اگے وجہ تھا۔ ایرانیوں نے



نے پہلے سے جہان جہان پہل بندھے تھے توڑ کر بیکار کر دیے تھے۔ سعد و جلد کے کنارے پر پہنچے تو نہ پہل تھکا نہ کشتی۔ فوج کی طرف مخاطب ہو کر کہا سعد برا دران اسلام! دشمن نے ہر طرف سے مجبور ہو کر دریا کے دامن میں پناہ لی ہے۔ یہ تم بھی سر کر لو تو پھر مطلع صاف ہے۔ ایک کھوکھڑا دریا میں ڈال دیا۔ انکو دکھ کر اور دن نے بھی ہمت کی اور دفعۃً سب نے گھوڑے دریا میں ڈال دیے۔ دریا اگرچہ نہایت ذخار اور موج تھا لیکن بہت اور جوش نے طبیعتوں میں یہ استقلال پیدا کر دیا تھا کہ موجیں برابر گھوڑوں سے آکر ٹکراتی تھیں اور یہ رکاب سے رکاب سے رکاب ملا کر آپس میں باتیں کرتے جاتے تھے۔ یہاں تک کہ یہیں و بیار کی جو ترتیب تھی آپس میں بھی فرق نہ کیا۔ دوسرے کنارے پر ایرانی یہ حیرت انگیز تماشا دیکھ رہے تھے۔ جب فوج بالکل کنارے کے قریب آگئی تو انکو خیال ہوا کہ یہ آدمی نہیں، جن ہیں۔ چنانچہ دیوان آمدند۔ دیوان آمدند کہتے ہوئے بھاگے۔ تاہم سپہ سالار خزانہ و تھوڑی سی فوج کے ساتھ چار ہا اور گھاٹ پر تیر اندازوں کے دستے متعین کر دیے۔ ایک گروہ دریا میں آکر سرد راہ ہوا۔ لیکن مسلمان، سیلاب کی طرح بڑھتے چلے گئے اور تیر اندازوں کو حسد و فاشاک کی طرح ہٹاتے پار نکل آئے۔ یزدگرد نے حرم اور خاندان شاہی کو پہلے ہی حلوان روانہ کر دیا تھا۔ یہ خبر سن کر خود بھی شہر عجور کر نکل گیا۔ سعد مدائن میں داخل ہوئے تو ہر طرف سناٹا تھا۔ نہایت عبرت ہوئی اور بے اختیار یہ آئین زبان سے نکلیں کہ تیر کو ا  
 من جنات و عیون و نراد فی و مقاہم کدیر و نغمۃ کانا فیہا فاکھین لک  
 و اورثنا ما قومًا اخدین۔

ایوان کسریٰ میں تخت شاہی کے بجائے ممبر نصب ہوا۔ چنانچہ جمہور کی نماز اسی میں ادا کی گئی اور یہ پہلا جمہور تھا جو عراق میں ادا کیا گیا۔ ہمارے فقہاء کو تعجب ہو گا کہ سعد نے باوجودیکہ اکابر صحابیوں سے تھے اور برسوں جناب رسالت اب کی صحبت میں رہے تھے عالمگیر و محمود کی تقلید نہیں کی بلکہ ایوان میں جس قدر مجسم تصویریں تھیں سب برقرار رہنے دیں۔

دو تین دن مٹھ کر سعد نے حکم دیا کہ ایوانات شاہی کا خزانہ اور نادرات لاکھ لکھا کیے جائیں۔ کیا فی سلسلے سے لیکر نوشیروان کے عہد تک کی ہزاروں یادگار چیزیں تھیں۔ خاقان چین راجہ اور قیصر روم۔ نمان بن منذر سیاوش۔ بہرام چوبین کی زرہیں اور تلواریں تھیں۔ کسریٰ، ہرمز اور قباد کے خنجر تھے۔ نوشیروان کا تلج زرنگار۔ اور بلہوس شاہی تھا۔ سونے کا ایک گھوڑا تھا جس پر چاندی کا زین کسا ہوا تھا۔ اور سینے پر یاقوت اور زمرد بڑے ہوئے تھے۔ چاندی کی ایک ڈنڈی تھی جس پر سونے کی بالان تھی اور مہارین بیش قیمت یاقوت پر دئے ہوئے تھے۔ ناقہ سوار سر سے ہاتھ تک جواہرات سے مزیّن تھا۔ سب سے عجیب و غریب ایک فرش تھا جسکو ایرانی، بہار کے نام سے پکارتے تھے۔ یہ فرش اس غرض سے طیار کیا گیا تھا کہ جب بہار کا موسم کل جاتا تھا تو اسپر مٹھ کر شراب پیتے تھے۔ اس رعایت سے اس میں بہار کے تمام سامان مینا کیے تھے۔ بیچ میں سبزے کا مین تھا۔ چاروں طرف جدولین تھیں۔ ہر قسم کے درخت اور درختوں میں لگنے والے اور پھول اور پھل تھے۔ سطرہ یہ کہ جو کچھ تھانہ جواہرات کا تھا یعنی سونے کی زمیں۔ زمرد کا سبزہ۔ لکھنؤ کی جدولین۔ سونے چاندی کے درخت حریف کے پتے۔ جواہرات کے پھل تھے۔

۱۲۰ علامہ مہدی نے جو بڑے قوت بھی تھے قریب کے ساتھ اس واقعہ کو لکھا ہے۔

یہ تمام سامان فرج کی عام غارتگری میں ماسخ آیا تھا۔ لیکن اہل فرج ایسے راستباز اور دیانت دار تھے کہ جس نے جو چیز پائی تھی بھینہ لاکر افسر کے پاس حاضر کر دی تھی۔ چنانچہ جب سامان لاکر سجا یا گیا اور دور دور تک میدان جگکا اٹھا۔ تو خود سعد کو حیرت ہوئی۔ بار بار تعجب کرتے تھے اور کہتے تھے کہ جن لوگوں نے ان نادرات کو ماتہ نہیں لگایا، بے شبہ انتہا کے دیانت دار ہیں۔ مال غنیمت حسب قاعدہ تقسیم ہو کر پانچواں حصہ دربار خلافت میں بھیجا گیا۔ فرش اور قدیم یادگارین بھینہ بھی گئیں کہ اہل عرب، ایرانیوں کے جاہ و جلال اور اسلام کی فتح و اقبال کا تماشہ دیکھیں۔ حضرت عمر کے سامنے جب یہ سامان پہنچے گئے تو انکو بھی فرج کی دیانت اور استغنا پر حیرت ہوئی۔

محکم نام مہربین ایک شخص تھا جو نہایت موزون قامت اور خوبصورت تھا۔ حضرت عمر نے حکم دیا کہ نوشیروان کے ملبوسات اُسکو لاکر پہنائے جائیں۔ یہ ملبوسات مختلف حالتوں کے تھے۔ سواری کا جدا۔ دربار کا جدا۔ جشن کا جدا۔ تنہیت کا جدا۔ چنانچہ باری باری تمام ملبوسات محکم کو پہنائے گئے۔ جب ملبوس خاص اور تلخ زر نگار پہنا تو تماشائیوں کی آنکھیں خیرہ ہوئیں اور دیر تک لوگ حیرت سے تکتے رہے۔ فرش کی نسبت لوگوں کی اسے اتنی تقسیم نہ کیا جاسکے۔ خود حضرت عمر کا بھی یہی منشاء تھا۔ لیکن حضرت علی کے اصرار سے اس سبار پر بھی خزانہ آئی اور دولت نوشیروانی کے مرقع کے پرنے اڑ گئے۔

یورپ کے موجودہ مذاق کے موافق، ایک دخیانہ حرکت تھی۔ لیکن ہر زمانے کا مذاق جدا ہے۔ وہ مقدس زمانہ جس میں زخارفِ دنیوی کی عزت نہیں کی جاتی تھی۔ دنیاوی یادگاروں

کی کیا پروا کر سکتا تھا۔

## جلولاء سپہ ہجری

۱۹  
۶۴۹

یہ مورک فتوحات عراق کا خاتمہ تھا۔ مدائن کی فتح کے بعد ایرانیوں نے جلولاء میں جنگ کی تیاریاں شروع کیں اور ایک بڑی فوج جمع کر لی۔ خوزاند نے جو رستم کا بھائی اور سر لشکر تھا تینا تدبیر سے کام لیا۔ شہر کے گرد خندق تیار کرائی اور رستوں اور گزرگاہوں پر گولہ بچھا دیے۔ سعد کو یہ خبر پہنچی تو حضرت عمر کو خط لکھا۔ وہ ان سے جواب آیا کہ ہاشم بن عقبہ بارہ ہزار فوج لیکر اس محکم پر جائیں اور مقدمہ پیش پر ققاع مہینہ پر مسعر بن مالک۔ مسیرہ پر عمرو بن مالک۔ سادہ پر عمرو بن قرۃ مقرر ہوں۔ ہاشم، مدائن سے روانہ ہو کر چوتھے دن جلولاء پہنچے اور شہر کا محاصرہ کیا۔ مہینوں محاصرہ رہا۔ ایرانی وقتاً فوقتاً قلعہ سے نکل کر حملہ آور ہوتے تھے۔ اس طرح اتنی مورک ہوئے۔ لیکن ایرانیوں نے ہمیشہ شکست کھائی تاہم چونکہ شہر میں ہر طرح کا ذخیرہ مہیا تھا اور لاکھوں کی جمعیت حتیٰ بیدل نہیں ہوتے تھے۔ ایک دن بڑے زور شور سے نکلے مسلمانوں نے بھی حم کر مقابلہ کیا۔ اتفاق یہ کہ دفعۃً اس زور کی آندھی چلی کہ زمین و آسمان میں اندھیرا ہو گیا ایرانی مجبور ہو کر پیچھے ہٹے۔ لیکن گرد و غبار کی وجہ سے کچھ نظر نہیں آتا تھا۔ ہزاروں آدمی خندق میں گر کر مر گئے۔ ایرانیوں نے یہ دیکھ کر جا بجا سے خندق کو پاٹ کر راستہ بنایا۔ مسلمانوں کو خبر ہوئی تو انھوں نے اس موقع کو غنیمت سمجھا اور حملے کی تیاریاں کیں۔ ایرانیوں کو بھی دم دم کی خبریں پہنچتی تھیں۔ اسی وقت مسلمانوں کی آگ کے رخ گولہ بچھا دیے اور فوج کو سر و سامان ملے جلولاء۔ ہندو کے سوا مدین ایک شہر ہے جو بسبب چھوٹے ہونیکے نقشے میں منہج نہیں ہو ہندو سے خراسان جاتے وقت وہیں پڑتا ہے

سے درست کر کے قلعہ کے دروازے پر جمادیا۔ دونوں حریف اس طرح دل توڑ کر لڑے کہ لیلۃ الہیہ کے سوا کبھی نہیں لڑے تھے۔ اول تیروں کا مینہ برسا بکریاں غالی ہو گئے تو بہادر وں نے نیزے سے ہتھکڑیاں بیان تک کہ نیزے بھی ٹوٹ ٹوٹ کر ڈھیر ہو گئے تو تیغ و خنجر کا مورکہ شروع ہوا۔ قتل و غارت گری نہایت دلیری سے لڑ رہے تھے اور برابر آگے بڑھتے جاتے تھے۔ یہاں تک کہ قلعہ کے پھاٹک تک پہنچ گئے۔ لیکن سپہ سالار فوج یعنی ہاشم پیچھے رہ گئے تھے اور فوج کا بڑا حصہ انھیں کی کباب میں تھا۔ قتل و غارت گری نے انھیں سے پکڑ دیا کہ سپہ سالار قلعہ کے دروازے تک پہنچ گیا ہے فوج نے قلعہ کو ہاشم سمجھا اور دفعۃً ٹوٹ کر گری۔ ایرانی گھبرا کر اوڑھ اوڑھ بھاگے۔ لیکن جس طرف جاتے تھے گو کھر و پچھے ہوئے تھے۔ مسلمانوں نے بیدار قتل کرنا شروع کیا۔ یہاں تک کہ مورخ طبری کی روایت کے موافق لاکھ آدمی جان سے مارے گئے۔ اور تین کروڑ غنیمت ہاتھ آئی۔

سعد بن فردہ فتح کے ساتھ باپچوان حصہ مدینہ منورہ بھیجا۔ زیاد نے جو مردہ قتل کر گئے تھے نہایت فصاحت کے ساتھ جنگ کے حالات بیان کیے حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ ان واقعات کو اسی طرح مجمع عام میں بھی بیان کر سکتے ہو۔ زیاد نے کہا میں کسی سے مرعوب ہوتا تو آپ سے ہوتا۔ چنانچہ مجمع عام ہوا اور انھوں نے اس فصاحت و بلاغت سے تمام واقعات بیان کیے کہ مورکہ کی تصویر کھینچ دی۔ حضرت عمرؓ نے اسے کہ خلیفہ اسکو کہتے ہیں۔ انھوں نے جہتہ کہا۔

ان جندنا اطلقونا بالفعال لساننا

اسکے بعد زیاد نے غنیمت کا ذخیرہ حاضر کیا۔ لیکن اُس وقت شام ہو چکی تھی اس لیے تقسیم متوی رہی اور صحن مسجد میں انکا ڈھیر لگا دیا گیا۔ عبدالرحمن بن عوف اور عبداللہ بن ارقم نے

رات بھر پہرہ دیا۔ صبح کو مجمع عام میں چادر ہٹائی گئی، دہم دہم دینار کے علاوہ انبار کے انبار جواہرات تھے حضرت عمرؓ نے روپے لوگوں نے تعجب سے پوچھا کہ یہ روئے کا کیا محل ہے؟ فرمایا کہ جہاں دولت کا قدم آتا ہے رشک و حسد بھی ساتھ آتی ہے۔

یہ بزد گرد کو جلولہ کی شکست کی خبر پہنچی تو حلوآن چھوڑ کر رزے کو روانہ ہوا اور حسد و شتم کو جو ایک معزز افسر تھا چند رسالوں کے ساتھ حلوآن کی حفاظت کے لیے چھوڑا گیا۔ سعد خود جلولہ میں ٹھہرے اور قلعہ کو حلوآن کی طرف روانہ کیا۔ قلعہ شیرین (حلوآن سے تین میل پہلے) کے قریب پہنچے تھے کہ حسد و شتم خود آگے بڑھ کر مقابل ہوا لیکن شکست کھا کر بھاگ نکلا۔ قلعہ نے حلوآن پہنچ کر مقام کیا اور ہر طرف امن کی منادی کرادی۔ اطراف کے رئیس آ کر خیر قبول کرتے جاتے تھے اور اسلام کی حمایت میں آتے جاتے تھے۔ یہ فتح عراق کی فتوحات کا خاتمہ تھی۔ کیونکہ عراق کی حد بیان ختم ہو جاتی ہے۔

## فتوحاتِ شام

سلسلہ واقعات کے لحاظ سے ہم اس موقع پر شام کی شکر کشی کے ابتدائی حالات بھی نہایت اجمال کے ساتھ لکھتے ہیں۔ حضرت ابو بکرؓ نے آغاز میں ۶۳۴ء ہجری میں شام پر کئی طرف سے شکر کشی کی۔ ابو عبیدہؓ کو حمص پر، یزید بن ابی سفیانؓ کو دمشق پر، شرجیل کو اردن پر، عمرو بن العاصؓ کو مغربی قنداق پر، ۶۴۰ء ہجری۔ عرب کی سرحد سے نکل کر ان افسران نے طے بہ طے سے مقابلہ کے لیے تیار تھے۔ ان کے علاوہ قتیہ

اتمام ملک سے فوجیں جمع کر کے الگ الگ افسروں کے مقابلے پھینکے، یہ دیکھ کر افسرانِ اسلام نے اسپر اتفاق کیا کہ کل فوجیں یکجا جمع ہو جائیں۔ اسکے ساتھ حضرت ابو بکر کو خط لکھا کہ اور فوجیں مدد کو روانہ کی جائیں، چنانچہ خالد بن الولید جو عراق کے مہم پر مامور تھے عراق سے چل کر یہاں پہنچے اور فتح حاصل کرتے، دمشق پہنچے۔ اور اسکو صدر مقام قرار دیکر وہاں مقام کیا۔ قیصر نے ایک بہت بڑی فوج مقابلے کے لیے روانہ کی جسے اجنادین پہنچ کر جنگ کی تیاریاں شروع کیں، خالد اور ابو عبیدہ خود پیش قدمی کر کے اجنادین پر بڑے اور افسروں کو لکھ بھیجا کہ وہیں آکر لجا جائیں، چنانچہ شرجیل - یزید - عمرو بن العاص - وقت مقررہ پر اجنادین پہنچ گئے۔ خالد نے بڑھکر حملہ کیا اور بہت بڑے مور کے کے بعد جس میں تین ہزار مسلمان مارے گئے فتح کامل حاصل ہوئی۔ یہ واقعہ حسب روایت بن اسحاق ۶۸ ہجری لکھتا ہے۔ اس واقعہ میں واقع ہوا۔ اس مہم سے فاسخ ہو کر خالد نے پھر دمشق کا رخ کیا اور دمشق پہنچ کر ہر طرف سے شہر کا محاصرہ کر لیا، محاصرہ اگرچہ حضرت ابو بکر کے عہد میں شروع ہوا۔ لیکن چونکہ فتح حضرت عمر کے عہد میں حاصل ہوئی ہم اس معرکہ کا حال تفصیل سے لکھتے ہیں۔

### فتح دمشق

یہ شہر شام کا ایک بڑا صدر مقام تھا، اور چونکہ جاہلیت میں اہل عرب تجارت کے تعلق سے اکثر وہاں آیا جاتا کرتے تھے اسکی عظمت کا شہرہ تمام عرب میں تھا۔ ان وجوہ سے خالد نے بڑے اہتمام سے محاصرہ کے سامان کیے۔ شہر نپاہ کے بڑے بڑے دروازوں پر ان افسروں کو مقرر کیا جو شام کے صوبوں کی فتح پر مامور ہو کر آئے تھے۔ چنانچہ عمرو

بن العاص - باب لوما پر - شرجیل باب الفزادیس پر - ابو عبیدہ، باب الجلبیتہ پر متعین ہوئے اور خود خالد نے پانچ ہزار فوج ساتھ لیکر باب الشرق کے قریب ڈیرے ڈالے۔ محاصرہ کی سختی کو کھل کر عیسائی ہمت ہارے جاتے تھے خصوصاً اسوجہ سے کہ انکے جاسوس جو دریافت حال کے لیے مسلمانوں کی فوج میں آتے تھے، اگر دیکھتے تھے کہ تمام فوج میں ایک جوش کا عالم ہے۔ ہر شخص پر ایک نشہ سا چھایا ہے۔ ہر ہر فرد میں دلیری ثابت قدمی، راستبازی، غم اور استقلال پایا جاتا ہے۔ تاہم انکو یہ سہارا تھا کہ ہر قتل سر پر موجود ہے اور محض سے امدادی فوجیں چل چکی ہیں۔ اسی آئنا۔ میں حضرت ابو بکر نے انتقال کیا اور حضرت عمر مسند آراے خلافت ہوئے۔

عیسائیوں کو یہ بھی خیال تھا کہ اہل عرب ان ممالک کی سردی کی برداشت نہیں کر سکتے۔ یہ موسم سرما تک یہ بادل آپ سے آپ چھٹ جائیگا۔ لیکن انکی دونوں امیدیں بیکار گئیں۔ مسلمان کی سرگرمی جاڑوں کی شدت میں بھی کم نہ ہوئی۔ اور خالد نے ذوالکھلاع کو کچھ فوج دیکر دمشق سے ایک منزل کے فاصلے پر متعین کر دیا تھا کہ اوھر سے مدونہ آنے پائے چنانچہ ہر قتل نے محض سے جو فوجیں بھجیں تھیں وہیں روک لی گئیں۔ دمشق والوں کو اب بالکل یاس ہو گئی، اسی آئنا۔ میں اتفاق سے ایک واقعہ پیش آیا جو مسلمانوں کے حق میں تائید غیبی کا کام دے گیا۔ یہی بطریق دمشق کے گھر میں اڑکا پیدا ہوا جسکی تقریب میں تمام شہر نے خوشی کے جلے کیے اور اس کثرت سے شراب میں بین کہ شام سے پڑ کر سو رہے۔ خالد راتوں کو سوتے کم تھے اور محصورین کی دوا اسی بات کی خبر رکھتے تھے، اس سے عمدہ موقع کمان ہات اسکتا تھا، اسی وقت اُسٹے اور چند بہادر امسرون کو ساتھ لیا۔ شہر بڑا ہ کے نیچے خندق پانی سے لبریز تھی۔ نیشک کے



سہارے پار اترے اور کند کے ذریعے سے دیوار پر چڑھ گئے۔ اوپر جا کر رسی کی سیڑھی کند سے اٹھا کر نیچے لگا دی، اس ترکیب سے تھوڑی دیر میں بہت سے جانثار فضیل پہنچ گئے۔ خالد نے اتر کر پہلے دربانوں کو ہتھیار کیا۔ پھر قفل توڑ کر دروازے کھول دیے۔ ادھر فوج پہلے سے طیار کھڑی تھی۔ دروازہ کھلتے کے ساتھ سیلاب کی طرح گھس آئی اور پہرہ کی فوج کو ہتھیار کر دیا، عیسائیوں نے یہ رنگ دیکھ کر شہر نہاہ کے تمام دروازے خود کھول دیے اور ابو عبیدہ سے ملتی ہوئے کہ ہمارے خالد سے بچائیے۔ مقلدات میں جو ٹھٹھیر دن کا بازار تھا، ابو عبیدہ و خالد کا سامنا ہوا۔ خالد نے شہر کا جو حصہ فتح کیا تھا اگرچہ لڑ کر فتح کیا تھا لیکن ابو عبیدہ نے چونکہ صلح منظور کر لی تھی۔ مفتوحہ حصے میں بھی صلح کی شرطیں تسلیم کی گئیں یعنی غنیمت کی اجازت دی گئی۔ نہ کوئی شخص مفتوحہ غلام بنایا گیا۔ یہ مبارک فتح جو تمام بلاد شامیہ کی فتح کا دیا جا چکی تھی۔ جب اسلام میں پہلی فتح۔

### فصل - ذوقدہ سپہ بھری

دمشق کی شکست نے رومیوں کو سخت برہم کیا اور وہ ہر طرف سے جمع ہو کر بڑے زور اور قوت کے ساتھ مسلمانوں کے مقابلے کے لیے آمادہ ہوئے۔ دمشق کی فتح کے بعد چونکہ مسلمانوں نے اردن کا رخ کیا تھا۔ اس لیے انھوں نے اسی صوبے کے ایک مشہور شہر میان میں فوجیں جمع کرنی شروع کیں۔ شہنشاہ ہرقل نے دمشق کی امداد کے لیے جو فوجیں بھیجیں اور دمشق تک پہنچ سکی تھیں۔ وہ بھی آئیں اگر شامل ہو گئیں۔ اس طرح تین چالیس ہزار کا مجمع ہو گیا جسکا

۱۔ یہ طبری کی روایت ہے۔ بلاذری کا بیان ہے کہ خالد کو عیسائیوں کے خیموں کی خبر خود ایک عیسائی نے دی تھی اور

سیڑھی بھی عیسائی لائے تھے۔

سپہ سالار سکھار نام ایک رومی افسر تھا۔

موقع جنگ کے سمجھنے کے لیے یہ بتا دینا ضرور ہے کہ شام کا ملک چھ ضلعوں میں منقسم ہے جن میں سے دمشق جمص - اردن - فلسطین - مشور ضلع ہیں - اردن کا صدر مقام طبرہ ہے جو دمشق سے چار منزل ہے - طبرہ کے شرقی جانب بارہ میل کی لمبی ایک تحصیل ہے - اسی کے قریب چند میل پر ایک چھوٹا سا شہر تھا جس کا پرانا نام سلا اور نیا یعنی عربی نام نخل ہے - یہ زرائی اسی شہر کے نام سے مشہور ہے - یہ مقام اب بالکل ویران ہے تاہم اسکے کچھ آثار ابھی سمندر کی سطح سے تھوٹے سو فیٹ بلندی پر محسوس ہوتے ہیں - بیسان طبرہ کی جنوبی طرف میل پر واقع ہے -

غزن - دمی فوجیں بیسان میں جمع ہوئیں اور مسلمانوں نے انکے سامنے نخل میں پڑاؤ ڈالا، رومیوں نے اس ڈر سے کہ مسلمان دفعۃً نہ آ پڑیں - اس پاس جس قدر زمین تھیں کچے بند توڑ دیے اور نخل سے بیسان تک تمام عالم آب ہو گیا - کچھ اور پانی کی وجہ سے تمام راستے رک گئے - لیکن اسلام کا سیلاب کب رک سکتا تھا - مسلمانوں کا استقلال دیکھ کر عیسائی صلح پر آمادہ ہوئے اور ابو عبیدہ کے پاس پیغام بھیجا کہ کوئی شخص سفیر نہ کر آئے - ابو عبیدہ نے معاذ بن جبل کو بھیجا، معاذ - رومیوں کے لشکر میں پہنچے تو دیکھا کہ جنے میں دیہاتی زریعہ کا فرش بچھا ہے - وہیں ٹھہر گئے - ایک عیسائی نے آکر کہا کہ گھوڑا میں تمام لیتا ہوں، آپ دربار میں جا کر بیٹھیے - معاذ کی بزرگی اور تقدس کا عام چرچا تھا اور عیسائی تک اس سے وقعت تھے - اس لیے وہ واقعی انکی عزت کرنی چاہتے تھے اور انکا باہر کھڑا رہنا انکو گراں گذرتا تھا

معاذ نے کہا کہ میں اس فریق پر جو غریبوں کا حق چھین کر طیار ہوا ہے بیٹھنا نہیں چاہتا، یکسر  
 زمین پر بیٹھ گئے۔ عیسائیوں نے افسوس کیا اور کہا کہ ہم تمہاری عزت کرنی چاہتے تھے لیکن  
 تمکو خود اپنی عزت کا خیال نہیں تو مجبوری ہے۔ معاذ کو غصہ آیا گھٹنوں کے بل کھڑے ہو گئے۔  
 اور کہا کہ ”جبکو تم عزت سمجھتے ہو مجھکو اسکی پروا نہیں۔ اگر زمین پر بیٹھنا غلاموں کا شیوہ ہے تو مجھے  
 بڑھکر کون خدا کا غلام ہو سکتا ہے؟ رومی انکی بے پروائی اور آزادی پر حیرت زدہ تھے۔ یہاں  
 تک کہ ایک شخص نے پوچھا کہ مسلمانوں میں تم سے بھی کوئی بڑھکر ہے؟ انھوں نے کہا ”معاذ اللہ  
 یہی بہت ہے کہ میں سب سے بدترین ہوں“ رومی چپ ہو گئے۔ معاذ نے کچھ دیر تک انتظار  
 کر کے مترجم سے کہا کہ ”ان سے کہ دو کہ اگر تمکو مجھے کچھ کہنا نہیں ہے تو میں واپس جاتا ہوں“  
 رومیوں نے کہا ہکو یہ پوچھنا ہے کہ تم اس طرف کس غرض سے آئے۔ ابی سینیا کا ملک تم سے  
 قریب ہے۔ فارس کا بادشاہ مڑچکا ہے اور سلطنت ایک عورت کے ہاتھ میں ہے، انکو چھوڑ کر  
 تم نے ہماری طرف کیوں رخ کیا؟ حالانکہ ہمارا بادشاہ سب سے بڑا بادشاہ ہے اور تعداد میں  
 ہم آسمان کے ستاروں اور زمین کے ذروں کے برابر ہیں“ معاذ نے کہا اور سب سے پہلے  
 ہماری یہ درخواست ہے کہ تم مسلمان ہو جاؤ۔ ہمارے قبلہ کی طرف نماز پڑھو۔ شراب پینا چھوڑ دو  
 سور کا گوشت نہ کھاؤ۔ اگر تم نے ایسا کیا تو ہم تمہارے بھائی ہیں۔ اگر اسلام لانا منظور نہیں تو خیر  
 دو۔ اس سے بھی انکار ہو تو آگے تموار ہے۔ اگر تم آسمان کے ستاروں کے برابر ہو تو ہما قوت اور  
 اکثریت کی پروا نہیں۔ ہمارے خدا نے کہا ہے کہ من فیئہ قلیلۃ غلبت فئۃ کثیرۃ  
 تمکو اسپرناز ہے کہ تم ایسے شاہنشاہ کی رعایا ہو جسکو تمہاری جان و مال کا اختیار ہے، لیکن میں نے

جسکو اپنا بادشاہ بنا رکھا ہے، وہ کسی بات میں اپنے آپ کو ترجیح نہیں دے سکتا۔ اگر وہ زنا کرے تو اسکو دڑے لگائے جائیں۔ چوری کرے تو ہات کٹ ڈالے جائیں۔ وہ پردے میں نہیں بیٹھتا۔ اپنے آپ کو ہمے بڑا نہیں سمجھتا۔ مال و دولت میں اسکو ہم پر کوئی ترجیح نہیں۔ رومیوں نے کہا۔ اچھا ہم تمکو بلقار کا ضلع اور اردن کا وہ حصہ جو تمہاری زمین سے متصل ہے دیتے ہیں۔ تم یہ ملک چھوڑ کر فارس جاؤ۔ معاذ نے انکار کیا اور اٹھکر چلے آئے۔ رومیوں نے براہ راست ابو عبیدہ سے گفتگو کرنی چاہی، چنانچہ اس غرض سے ایک خاص قاصد بھیجا۔ جس وقت وہ پہنچا۔ ابو عبیدہ زمین پر بیٹھے ہوئے تھے اور ہاتھ میں تیر تھے جنکو الٹ پلٹ کر رکھے تھے۔ قاصد نے خیال کیا تھا کہ سپہ سالار بڑا جاہ و ختم رکھتا ہوگا اور یہی اسکی شناخت کا ذریعہ ہوگا لیکن وہ جس طرف آنکھ اٹھا کر دیکھتا تھا سب ایک رنگ میں ڈوبے نظر آتے تھے۔ آخر گھبرا کر پوچھا کہ تمہارا سردار کون ہے؟ لوگوں نے ابو عبیدہ کی طرف اشارہ کیا، وہ حیران رہ گیا اور تعجب سے انکی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ کیا درحقیقت تم ہی سردار ہو؟ ابو عبیدہ نے کہا ”ہاں“، قاصد نے کہا ہم تمہاری فوج کو فنی کس دود و اشرفیان دینگے تمہان سے چلے جاؤ۔ ابو عبیدہ نے انکار کیا قاصد برہم ہو کر اٹھا، ابو عبیدہ نے اسکے تیور دیکھ کر فوج کو کمر بندی کا حکم دیا اور تمام حالات حضرت عمر کو لکھ بھیجے۔ حضرت عمر نے جواب مناسب لکھا اور حوصلہ دلایا کہ ثابت قدم رہو خدا تمہارا یادگار درمدرگاہ ہے۔“

ابو عبیدہ نے اسی دن کمر بندی کا حکم دیدیا تھا لیکن رومی مقابلے میں نہ آئے۔ اگلے دن

۱۴ فتح اشام مذی۔ میں جب کہ یہ خلافت میں لیکر گیا تھا اور حضرت عمر کی ترغیب سے مسلمان ہو گیا۔

تمنا خالد میدان میں گئے صرف سواروں کا رسالہ رکاب میں تھا، رومیون نے بھی جنگ کی تیاری کی اور فوج کے تین حصے کر کے باری باری سے میدان میں بھیجے۔ پہلا دستہ خالد کی طرف باگین اٹھائے چلا آتا تھا کہ خالد کے اشارے سے قیس بن مسیرہ نے صف سے نکل کر انکا آگڑو کا اور سخت کشت و خون ہوا، یہ معرکہ ابھی سر نہیں ہوا تھا کہ دوسری فوج نکلی۔ خالد نے سبرہ بن مسروق کو اشارہ کیا، وہ اپنے رکاب کی فوج لے کر مقابل ہوئے تیسرا لشکر بڑے سرد سامان سے نکلا۔ ایک مشہور سردار سپہ سالار تھا اور بڑی تربیر سے فوج کو بڑھا آتا تھا قریب پہنچ کر خود ٹھہر گیا اور ایک افسر کو تھوڑی سی فوج کے ساتھ خالد کے مقابلے پر بھیجا۔ خالد نے یہ حملہ بھی نہایت استقلال سے سنبھالا، آخر سپہ سالار نے خود حملہ کیا اور پہلی دونوں فوجیں بھی اکڑا لیں۔ دیر تک معرکہ رہا، مسلمانوں کی ثابت قدمی دیکھ کر رومیون نے زیادہ ٹہرنا بیکار سمجھا اور الٹا واپس جانا چاہا۔ خالد نے ساتھیوں کو لاکھا کر رکھی اپنا زور صرف کر چلے۔ اب ہماری باری ہے، اس صدا کے ساتھ مسلمان دفعۃً ٹوٹ پڑے اور رومیون کو برابر دباتے چلے گئے۔

عیسائیوں کے انتظامین لڑائی مانتے جاتے تھے۔ خالد انکی یہ چال سمجھ گئے اور ابو عبیدہ سے کہا کہ رومی ہم سے مرعوب ہو چکے ہیں۔ حملے کا یہی وقت ہے، چنانچہ اسی وقت لنتیب فوج میں جا کر کچا آئے کہ کل حملہ ہوگا، فوج سرد سامان سے تیار رہے۔ رات کے پچھلے پہر ابو عبیدہ بستر خواب سے اٹھے اور فوج کی ترتیب شروع کی۔ معاذ بن جبل کو مہینہ پر مقرر کیا۔ ہاشم بن عتبہ کو مسیرہ کی افسری دی۔ پیدل فوج پر سعید بن زید متعین ہوئے۔ سو خالد

کی ماتحتی میں دیے گئے، فوج آراستہ ہو چکی تو حضرت ابو عبیدہ نے اس سرے سے اس سرے تک ایک چکر لگایا، ایک ایک علم کے پاس جا کر کھڑے ہوتے تھے اور کہتے تھے۔

عباد اللہ استوجبوا من اللہ النصیر  
بالصبر فان اللہ مع الصابرين۔

یعنی ”خدا سے مدد چاہتے ہو تو ثابت قدم رہو، کیونکہ خدا ثابت قدموں کے ساتھ رہتا ہے۔“

رومیوں نے جو تقریباً ۵۰ ہزار تھے۔ آگے پیچھے پانچ صفیں قائم کیں جنگی ترتیب یہ تھی کہ پہلی صف میں ہر ہر سوار کے دائیں بائیں دو دو قدر انداز میں تھے اور مسیرہ پر سواروں کے رسالے پیچھے پیادہ فوج میں۔ اس ترتیب سے نفاذ وہ دھماکہ جیسے مسلمانوں کی طرف بڑھے، خالد چونکہ ہر اول پر تھے پہلے ابھی سے مقابلہ ہوا۔ رومی قدر انداز دن نے تیروں کا اس قدر میخ برسایا کہ مسلمانوں کو پیچھے ہٹنا پڑا، خالد اُدھر سے پہلو دیکر مہینہ کی طرف جھکے کیونکہ انہیں سوا ہی سوا تھے قدر انداز نہ تھے، رومیوں کے حوصلے اس قدر بڑھ گئے تھے کہ مہینہ کا رسالہ فوج سے الگ ہو کر خالد پر حملہ آور ہوا، خالد اُستہ اُستہ پیچھے ہٹتے جاتے تھے یہاں تک کہ رسالہ فوج سے دور نکل آیا۔ خالد نے موقع پا کر اس زور شور سے حملہ کیا کہ صفیں کی صفیں الٹ دیں۔ گیارہ بڑے بڑے امیرانکے ہاتھ سے مارے گئے۔ اُدھر قیس بن ہبیرہ نے میسرہ پر حملہ کر کے رومیوں کا دوسرا بازو بھی کمزور کر دیا۔ تاہم قلب کی فوج تیر اندازوں کی وجہ سے محفوظ تھی۔ ہاشم بن عقبہ نے جو میسرہ کے سردار تھے، علم ہلا کر کہا ”خدا کی قسم جب تک اسکو قلب میں پہنچکر نہ مار ڈو گا پھر نہ آؤ گا۔“ یہ لکھ لکھنے سے کوڑ پڑے اور ہاتھ میں سپر لیکر رتے پھرتے اس قدر قریب پہنچ گئے کہ تیر و خندنگ سے گزر کر تیغ و شمشیر کی نوبت آئی۔ کامل گھنٹہ بھر لڑائی رہی اور

تمام میدان خون سے رنگین ہو گیا۔ آخر رومیوں کے ہاتھوں اٹھ گئے اور نہایت بدحواسی سے بھاگے۔ ابو عبیدہؓ نے حضرت عمرؓ کو نامہ فتح لکھا اور پوچھا کہ مفتوحین کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے؟ حضرت عمرؓ نے جواب میں لکھا کہ ”رعایا ذمتی قرار دیجائے۔ اور زمین بدستور زمینداروں کے قبضے میں چھوڑ دیجائے۔“

اس مور کے کے بعد ضلع اردن کے تمام شہر اور مقامات نہایت آسانی سے فتح ہو گئے اور ہر جگہ شرائط صلح میں یہ لکھ دیا گیا کہ مفتوحین کی جان، مال، زمین، مکانات، گرجے، عبادت گاہیں سب محفوظ رہیں گی۔ صرف مسجدوں کی تعمیر کے لئے کسی قدر زمین لے لی جائیگی۔

### حمص ۱۴۴ ہجری

۶۶۳۵

شام کے اضلاع میں سے یہ ایک بڑا ضلع اور قدیم شہر ہے۔ انگریزی میں اسکو امیسا کہتے ہیں۔ قدیم زمانے میں اسکی شہرت زیادہ اسوجہ سے ہوئی کہ یہاں آفتاب کے نام پر ایک بڑا ہیکل تھا۔ جسکے تیرتھ کے لیے دُور دُور سے لوگ آتے تھے اور اسکا پجاری ہونا بڑے فخر کی بات سمجھی جاتی تھی۔ دمشق اور اردن کے بعد تین بڑے بڑے شہر رہ گئے تھے جنکا مفتوح ہونا شام کا مفتوح ہونا تھا۔ بیت المقدس۔ حمص۔ اور اٹاکیہ جہاں خود ہر قلم مقیم تھا حمص ان دونوں کی نسبت زیادہ قریب اور جمعیت و سامان میں دونوں سے کم تھا، اس لیے لشکر اسلام

۱۵ واقعہ غل کی تفصیل فتح اشام اردی سے لی گئی ہے جبری وغیرہ میں اسکو نہایت اختصار کے ساتھ بیان کیا زیادہ حق کی کیفیت میں بھی اعلان ہے ۱۲

نے اول اسی کا ارادہ کیا، راہ میں بلبک پڑتا تھا، وہ خفیف سی لڑائی کے بعد فتح ہو گیا۔  
حمص کے قریب رومیوں نے خود بڑھکر مقابلہ کرنا چاہنا پختہ ایک فوج کثیر حمص سے  
نکل کر جو سیمرین مسلمانوں سے مقابل ہوئی لیکن خالد کے پہلے ہی حملے میں اُنکے  
پانوں اکھڑ گئے۔ خالد نے بسرہ بن مسروق کو تھوڑی سی فوج دے کر حمص کو روانہ کیا۔ راہ  
میں رومیوں کی ٹوٹی پھوٹی فوجوں سے جواد ہراؤ دھڑپیلی ہوئی تھیں مٹ بھیر ہوئی اور  
مسلمان کامیاب رہے۔

اس موقع کے میں شرجیل حمیری نے اکیلے سات سو اردن کو قتل کیا اور فوج سے لگ  
ہو کر جبرہ حمص کی طرف بڑے، شہر کے قریب رومیوں کے ایک رسالے نے اُنکو متنا دیکھ کر  
حملہ کیا، اُنھوں نے بڑی ثابت قدمی سے جنگ کی، یہاں تک کہ جب دمشق گیا رہ شخص  
انکے ہات سے مارے گئے تو رومی بھاگ نکلے اور ایک گرجا میں جو دیر محل کے نام سے مشہور  
تھا جا کر پناہ لی۔ ساتھ ہی یہ بھی پہنچے۔ گرجا میں ایک جماعت کثیر موجود تھی، یہ چاروں طرف  
سے گھر گئے اور ڈھیلوں اور پتھروں کی بوچھاڑیں زخمی ہو کر شہادت حاصل کی۔ میرو  
کے بعد خالد اور ابو عبیدہ نے بھی حمص کا رخ کیا اور محاصرہ کے سامان پھیلا دیے، چونکہ  
نہایت شدت کی سردی تھی رومیوں کو یقین تھا کہ مسلمان کھلے میدان میں دیر تک ٹھکرانے  
اسکے ساتھ ہر قل کا قاصد آچکا تھا کہ بہت جلد مذہبی جاتی ہے، چنانچہ اس حکم کے موافق  
جزیرہ سے ایک جمعیت عظیم روانہ بھی ہوئی، لیکن سعد بن ابی قاص نے جو عراق کی مہم پر مامور  
تھے یہ خبر سن کر کچھ فوجیں بھیج دیں جس نے اُن کو وہیں روک لیا اور آگے



بڑھنے نہ دیا۔ محص والوں نے ہر طرف سے مایوس ہو کر صلح کی درخواست کی، ابو عبیدہ نے  
عبادہ بن صامت کو وہاں چھوڑا اور خود حماۃ کی طرف روانہ ہوئے حماۃ والوں نے انکے  
پہنچنے کے ساتھ صلح کی درخواست کی اور جرنیہ دینا منظور کیا، وہاں سے روانہ ہو کر شیرر  
اور شیرر سے معرۃ النعمان پہنچے اور ان مقامات کے لوگوں نے خود اطاعت قبول  
کر لی، ان سے فایز ہو کر لازقیہ کا رخ کیا، یہ ایک نہایت قدیم شہر ہے فینش عہد میں اسکو اناشا  
کے تھے۔ حضرت ابو عبیدہ نے یہاں سے کچھ فاصلے پر مقام کیا۔ اور اسکی مضبوطی اور استواری  
دیکھ کر ایک نئی تدبیر اختیار کی یعنی میدان میں بہت سے غار کھدوائے۔ یہ غار اس تدبیر اور  
احتیاط سے طیار ہوئے کہ دشمنوں کو خبر تک نہونے پائی۔ ایک دن فوج کو کوچ کا حکم دیا اور  
محاصرہ چھوڑ کر محص کی طرف روانہ ہوئے، شہر والوں نے جو مدت کی قلعہ بندی سے تنگ  
آگئے تھے۔ اور انکا تمام کاروبار بند تھا، اسکو تائید غیبی خیال کیا اور شہر پناہ کا دروازہ کھول کر  
کاروبار میں مصروف ہوئے۔ مسلمان اسی رات کو واپس آکر غاروں میں چھپ رہے تھے۔  
صبح کے وقت کمین گاہوں سے کل کر دفعہ حملہ کیا اور دم کی دم میں شہر فتح ہو گیا۔ محص  
کی فتح کے بعد ابو عبیدہ نے خاص ہر قتل کے پاس تخت کا ارادہ کیا اور کچھ فوجیں اس طرف  
بھیج بھی دین لیکن دربار خلافت سے حکم پہنچا کہ اس سال اور آگے بڑھنے کا ارادہ نہ کیا جائے۔  
چنانچہ اس ارشاد کے موافق فوجیں واپس بلا لی گئیں۔ اور بڑے بڑے شہروں میں افسر اور  
نائب بھیج دیے گئے کہ وہاں کسی طرح کی ابتری نہونے پائے۔ خالد ایک ہزار فوج کے ساتھ دمشق کو

گئے۔ عمرو بن العاص نے اردن میں مقام کیا۔ ابو عبیدہ نے خود حمص میں اقامت کی۔

### یرموک - ۵۔ جب ۳۶ھ ہجری

رومی جو شکست کھا کھا کر دمشق و حمص وغیرہ سے نکلے تھے۔ انطاکیہ پہنچے اور ہرقل سے فریاد کی کہ عرب نے تمام شام کو پامال کر دیا، ہرقل نے انہیں سے چند ہوشیار اور مغز آومیون کو دربار میں طلب کیا اور کہا کہ عرب تم سے زور میں، ہمیت میں، سرو سامان میں کم ہیں، پھر تم انکے مقابلے میں کیوں نہیں ٹھہر سکتے، اس پر سب نے ندامت سے سر جھکا لیا اور کسی نے کچھ جواب نہ دیا لیکن ایک تجزیہ کار بڑھے نے عرض کی کہ عرب کے اخلاق ہمارے اخلاق سے اچھے ہیں، وہ رات کو عبادت کرتے ہیں، دن کو روزے رکھتے ہیں، کسی پر ظلم نہیں کرتے۔ پس میں ایک ایک سے برابری کے ساتھ ملتا ہوں۔ ہمارا یہ حال ہے کہ شراب پیتے ہیں، بدکاریاں کرتے ہیں، اقرار کی پابندی نہیں کرتے اور دن پر ظلم کرتے ہیں، اسکا یہ اثر ہے کہ انکے ہر کام میں جوش اور استقلال پایا جاتا ہے اور ہمارا جو کام ہوتا ہے ہمت اور استقلال سے خالی ہوتا ہے۔ قیصر و حقیقت شام سے نکل جانیکا ارادہ کر چکا تھا۔ لیکن ہر شہر اور ہر ضلع سے جوق جوق عیسائی فریادی پلے آتے تھے۔ قیصر کو سخت غیرت آئی اور نہایت جوش کے ساتھ آمادہ ہوا کہ شہنشاہی کا پورا زور عرب کے مقابلے میں صرف کر دیا جائے۔ روم۔ قسطنطنیہ۔ جزیرہ۔ آرمینیہ ہر جگہ احکام بھیجے کہ تمام فوجیں پائے تخت انطاکیہ میں ایک تاریخ میں تک حاضر ہو جائیں۔ تمام ضلع کے انسروں کو لکھ بھیجا کہ جس قدر آدمی جہان سے میتا ہو سکیں روانہ کیے جائیں، ان احکام کا پتہ چنا تھا کہ فوجوں کا ایک طوفان اُمنڈ آیا، انطاکیہ کے چاروں طرف جہان تک نگاہ جاتی تھی فوجوں کا ٹڈی ڈال پھیلا ہوا تھا

حضرت ابو عبیدہ نے جو مقامات فتح کر لیے تھے وہ ان کے امرا اور رئیس انکے عدل و انصاف کے اس قدر گردیدہ ہو گئے تھے کہ باوجود مخالف مذہب کے خود اپنی طرف سے دشمن کی خبر لانے کے لیے جاسوس مقرر کر گئے تھے، چنانچہ انکے ذریعے سے حضرت ابو عبیدہ کو تمام واقعات کی اطلاع ہوئی۔ انھوں نے تمام انسرون کو جمع کیا اور کھڑے ہو کر ایک پر اثر تقریر کی۔ جس کا خلاصہ یہ تھا کہ مسلمانو! خدا نے تمکو بار بار جانچا اور تم اسکی چلیغ میں پورے آئے۔ چنانچہ اسکے صلے میں خدا نے ہمیشہ تمکو مظهر و منصور رکھا۔ اب تمھارا دشمن اس سرو سامان سے تمھارے مقابلے کے لیے چلا ہے کہ زمین کا نپ اٹھی ہے۔ اب تباؤ کیا صلیح ہے؟ یزید بن ابی سفیان (معاویہ کے بھائی) کھڑے ہوئے اور کہا کہ میری رائے ہے کہ عورتوں اور بچوں کو شہر میں رہنے دین اور ہم خود شہر کے باہر لشکر آراہوں۔ اسکے ساتھ خالد اور عمرو بن العاص کو خط لکھا جائے کہ دمشق اور فلسطین سے چل کر مد کو آئیں۔ شرجیل بن حسنہ نے کہا کہ اس موقع پر ہر شخص کو آزادانہ رائے دینی چاہیے، یزید نے جو اسے دی بے شبہ خیر خواہی سے دی لیکن میں اسکا مخالف ہوں۔ شہر والے تمام عیسائی ہن ملن ہے کہ وہ تعصب سے ہمارے اہل و عیال کو بگڑ کر قیصر کے حوالے کر دیں یا خود مار ڈالیں۔ حضرت ابو عبیدہ نے کہا اسکی تدبیر یہ ہے کہ ہم عیسائیوں کو شہر سے نکال دیں، شرجیل نے اٹھ کر کہا اے امیر! تجھکو ہر گز یہ حق حاصل نہیں۔ ہم نے ان عیسائیوں کو اس شرط پر امن دیا ہے کہ وہ شہر میں اطمینان سے رہیں، اس لیے نقص عہد کیونکر ہو سکتا ہے۔ حضرت ابو عبیدہ نے اپنی غلطی تسلیم کی۔ لیکن یہ بحث طنی نہیں ہوئی کہ آخر کیا کیا جائے؟۔ عام حاضرین نے اسے دی کہ نص میں ٹھہر کر امدادی فوج کا انتظار کیا جائے، ابو عبیدہ نے

لکھا اتنا وقت کمان ہے؟ آخر یہ راسے کھڑی کہ محض چھوڑ کر دمشق روانہ ہوں، وہاں حالہ موجود ہیں اور عرب کی سرحد قریب ہے۔ یہ ارادہ مصمم ہو چکا تو حضرت ابو عبیدہ نے حبیب بن مسلمہ کو جو افسر خزانہ تھے بلا کر کہا کہ عیسائیوں سے جو جزیہ یا خراج لیا جاتا ہے اس معاوضہ میں لیا جاتا ہے کہ ہم انکو انکے دشمنوں سے بچا سکیں۔ لیکن اس وقت ہماری حالت ایسی نازک ہے کہ ہم انکی حفاظت کا ذمہ نہیں اٹھا سکتے اس لیے جو کچھ ان سے وصول ہوا ہے سب انکو واپس دید و اور ان سے کمد کہ ہم کو تمھارے ساتھ جو تعلق تھا اب بھی ہے لیکن چونکہ اس وقت تمھاری حفاظت کے ذمہ دار نہیں ہو سکتے اس لیے جزیہ جو حفاظت کا معاوضہ ہے تم کو واپس کیا جاتا ہے چنانچہ کئی لاکھ کی رقم جو وصول ہوئی ہے گل واپس کر دی گئی۔ عیسائیوں پر اس واقعہ کا اس قدر اثر ہوا کہ وہ روتے جاتے تھے اور جوش کے ساتھ کہتے جاتے تھے کہ خدا تم کو واپس لائے، یہودیوں پر اس سے بھی زیادہ اثر ہوا، انھوں نے کہا تو ریت کی قسم جب تک ہم زندہ ہیں۔ قیصر حمص پر قبضہ نہیں کر سکتا، یہ لکھ شہر نپاہ کے دروازے بند کر دیے اور ہر جگہ چوکی پہرہ بٹھا دیا۔

ابو عبیدہ نے صرف محص والوں کے ساتھ یہ برتاؤ نہیں کیا بلکہ بقدر ضلوع فتح ہو چکے تھے ہر جگہ لکھ بھیجا کہ جزیہ کی جس قدر رقم وصول ہوئی ہے واپس کر دی جائے۔

غرض ابو عبیدہ، دمشق کو روانہ ہوئے۔ اور ان تمام حالات سے حضرت عمر کو اطلاع دی،

۱۱ ابن داققات کو بلاذری نے فتح البلدان (صفحہ ۱۳) میں قاضی ابویوسف نے کتاب الخراج میں (صفحہ ۸۱) ازدی نے فتح الشام (صفحہ ۱۳۸) میں تفصیل لکھا ہے ۱۲ ابن داققات نے بغیر علی داققات نزع الشام ازدی سے لیے ہیں لیکن ابو عبیدہ محص چھوڑ کر دمشق چلا آنا ابن دماغ عباسی اور دیگر مورخین نے بھی بیان کیا ہے ۱۳

حضرت عمرؓ نے منکر کہ مسلمان رومیوں کے ڈر سے محسوس سے چلے آئے نہایت رنجیدہ ہوئے لیکن جب انکو یہ معلوم ہوا کہ کل فوج اور افسران فوج نے یہی فیصلہ کیا تو فی الجملہ تسلی ہوئی اور فرمایا کہ ”خدا نے کسی مصلحت سے تمام مسلمانوں کو اس راس پر متفق کیا ہوگا“ ابو عبیدہ کو جواب لکھا کہ دین مرد کے لیے سعید بن عامر کو بھیجتا ہوں لیکن فتح و شکست فوج کی قلت و کثرت پر نہیں ہے“ ابو عبیدہ نے دمشق پہنچ کر تمام افسروں کو جمع کیا اور ان سے مشورت کی۔ یزید بن ابی سفیان۔ شریک بن جندب۔ معاذ بن جبل۔ سب نے مختلف رائے دین، اسی آثار میں عمرو بن العاص کا قاصد خط لیکر پہنچا جس کا یہ معنوں تھا کہ اردن کے اضلاع میں عام بغاوت پھیل گئی ہے۔ رومیوں کی آمد آمد نے سخت تہلکہ ڈال دیا ہے اور محسوس کو چھوڑ کر چلا آنا نہایت بے رعبی کا سبب ہوا ہے۔ ابو عبیدہ نے جواب میں لکھا کہ محسوس کو ہم نے ڈر کر نہیں چھوڑا بلکہ مقصود یہ تھا کہ دشمن محفوظ مقامات سے کل آئے اور اسلامی فوجیں جو جا بجا پھیلی ہوئی ہیں، یکجا ہو جائیں۔ خط میں یہ بھی لکھا کہ تم اپنی جگہ سے نہ ٹلو، میں وہیں آکر تم سے ملتا ہوں۔

دوسرے دن ابو عبیدہ دمشق سے روانہ ہو گئے اور اردن کی حدود میں یرموک پہنچ کر قیام کیا۔ عمرو بن العاص بھی یہیں آکر اسے یہ موقع جنگ کی ضرورتوں کے لیے اس لحاظ سے مناسب تھا کہ عرب کی سرحد بہ نسبت اور تمام مقامات کے یہاں سے قریب تھی، اور پشت پر عرب کی سرحد تک کھلا میدان تھا جس سے یہ موقع حاصل تھا کہ ضرورت پر جہاں تک چاہیں تیجھے ہٹتے جائیں، حضرت عمرؓ نے سعید بن عامر کے ساتھ جو فوج روانہ کی تھی وہ ابھی نہیں پہنچی تھی۔ اور رومیوں کی آمد اور ان کے سامان کا حال سن کر مسلمان گھبرائے جاتے تھے۔ ابو عبیدہ نے

حضرت عمرؓ کے پاس ایک اور قاصد دوڑایا اور لکھا کہ رومی بحرِ دریا سے ابل پڑے ہیں اور جوڑ کا یہ حال ہے کہ فوج جس راہ سے گزرتی ہے، راہب، اور خاتواہ نشین، جنھوں نے کبھی خلوت سے قدم باہر نہیں نکالا تھا۔ نکل نکل کر فوج کے ساتھ ہوتے جاتے ہیں۔ خط پہنچا حضرت عمرؓ نے مہاجرین اور انصار کو جمع کیا اور خط پڑھ کر سنایا، تمام صحابہ بے اختیار رو پڑے اور بے جوش کے ساتھ پکار کر کہا کہ ”امیر المؤمنین! خدا کے لیے ہلکو اجازت دے کہ ہم اپنے بھائیوں جاکر شہر ہو جائیں۔ خدا نخواستہ انکا بال بیکا ہوا تو پھر دنیا بے سود ہے“ مہاجرین و انصا جوش برابر بڑھتا جاتا تھا یہاں تک کہ عبدالرحمن بن عوف نے کہا کہ ”امیر المؤمنین تو خود سپاہ بن اور ہمکو ساتھ لے کر چل“۔ لیکن اور صحابہ نے اس راے سے اختلاف کیا اور راے یہ ٹھہرا کہ اور امدادی فوجیں بھیجی جائیں۔ حضرت عمرؓ نے قاصد سے دریافت کیا کہ دشمن کہاں تک آگے ہیں۔ اسنے کہا یرموک سے تین چار منزل کا فاصلہ رہ گیا ہے حضرت عمرؓ نہایت غمزدہ ہوئے اور فرمایا کہ افسوس اب کیا ہو سکتا ہے؟ اتنے عرصے میں کیونکر مدد پہنچ سکتی ہے؟۔ ابو عبیدہ کے نام نہایت پر تاثیر الفاظ میں ایک خط لکھا اور قاصد سے کہا کہ خود ایک ایک صف میں جا کر یہ خط سنا اور زبانی کہنا کہ اَلَا عَمْرٍو یَقْرِیْکَ السَّلَامُ و یَقُوْلُ لَکُمْ یَا اَهْلَ الْاِسْلَامِ اَصْدَقُوْا اللِّقَاءَ وَ شَدَّ وَاَعْلٰیہُمْ شَدَّ لِلْیَوْتِ۔ وَلْتَكُونُوا اِھْوٰنَ عَلَیْکُمْ مِنَ الذِّیْنَ فَاَنَّا قَدْ کَلَّمْنَا اَنْتُمْ عَلَیْہُمْ مَنْصُورُوْنَ۔

یہ عجیب حسن اتفاق ہوا کہ جس دن قاصد ابو عبیدہ کے پاس آیا، اُسی دن عامرؓ بھی اُسی کے ساتھ پہنچ گئے۔ مسلمانوں کو نہایت تقویت ہوئی۔ اور انھوں نے نہایت استقلال ک

کے ساتھ لڑائی کی طیاریاں شروع کیں، رومی فومین یرموک کے مقابل دیر الجبل میں پہنچ کر  
 خالد نے لڑائی کی طیاریاں شروع کیں۔ معاذ بن جبل کو جو بڑے رتبہ کے صحابی تھے مینہ پر مقرر  
 کیا۔ قباث بن اشیم کو میسرہ اور ہاشم بن عتبہ کو پیدل فوج کی ہنسی دی اپنے رکاب کی  
 فوج کے چار حصے کیے۔ ایک کو اپنی رکاب میں رکھا، باقی پر قیس بن ہبیرہ، میسرہ بن دق  
 عمرو بن الطفیل کو مقرر کیا، یتیمون بہادر تمام عرب میں انتخاب تھے اور اس وجہ سے فارس العز  
 کہلاتے تھے، رومی بھی بڑے سرداران سے نکلے۔ دولاکھ سے زیادہ کی جمعیت تھی اور ۲۰  
 صفین تھیں جکے آگے آگے انکے مذہبی پیشوا ہاتھوں میں صلیبیں لیے جوش دلاتے جاتے  
 تھے، فومین بالکل مقابل آگئیں تو ایک بطریق صفت چیر کر نکلا اور کہا کہ میں تمہارا چاہتا ہوں  
 میسرہ بن مسروق نے گھوڑا بڑھایا مگر چونکہ حرفیت نہایت تنومند اور جوان تھا خالد نے روکا اور  
 قیس بن ہبیرہ کی طرف دیکھا وہ یہ اشعار پڑھتے بڑھے۔

سائل نساء الحجی فی حجالہا      الست یوم الحرب من ابطالہا

پردہ نشین عورتوں سے چوچم      کیا میں لڑائی کے دن بہادر دن کے کام نہیں کرتا

قیس۔ اس طرح جھپٹ کر پہنچے کہ بطریق ہتھیار بھی نہیں سنبھال چکا تھا کہ انکا وار چل گیا  
 لموار سر پر پڑی اور خود کو کاٹتی ہوئی گردن تک اتر آئی۔ بطریق ڈلگلا کر گھوڑے سے گرا، ساتھی  
 مسلمانوں نے تکبیر کا نعرہ مارا۔ خالد نے کہا شگون اچھا ہوا، اور اب خدا نے چاہا تو آگے فتح  
 ہے۔ عیسائیوں نے خالد کے ہم رکاب ہنسون کے مقابلے میں جدا جدا فوجیں متعین  
 کی تھیں، لیکن سب نے شکست کھائی، اس دن عین تک نوبت پہنچ کر لڑائی ملتوی ہو گئی۔

رات کو باہان نے سردار دن کو جمع کر کے کہا کہ عربوں کو شام کی دولت و نعمت کا مزہ  
 پڑ چکا، بہتر یہ ہے کہ مال و زر کی طمع دلا کر انکو یہاں سے ٹالا جائے۔ سب نے اس رائے سے  
 اتفاق کیا۔ دوسرے دن ابو عبیدہ کے پاس قاصد بھیجا کہ کسی نمرز انسر کو ہمارے پاس بھیج دو،  
 ہم اس سے صلح کے متعلق گفتگو کرنی چاہتے ہیں، ابو عبیدہ نے خالد کو انتخاب کیا، چاند  
 جو پیغام لے کر آیا اسکا نام جارج تھا۔ جس وقت وہ پہنچا شام ہو چکی تھی، ذرا دیر کے بعد  
 مغرب کی نماز شروع ہوئی، مسلمان جس ذوق شوق سے تکبیر لکھ کر کھڑے ہوئے، اور جس  
 محویت، سکون، و وقار، ادب و خضوع سے انھوں نے نماز ادا کی۔ قاصد نہایت حیرت و  
 استعجاب کی نگاہ سے دیکھتا رہا۔ یہاں تک کہ جب نماز ہو چکی تو اسے ابو عبیدہ سے چند  
 سوالات کیے، جن میں ایک یہ بھی تھا کہ تم عیسائی کی نسبت کیا اعتقاد رکھتے ہو؟ ابو عبیدہ نے  
 قرآن کی یہ آیتیں پڑھیں۔ یا اهل الكتاب لا تغلوفی دینکم ولا تقولوا علی  
 اللہ الا الحق انما المسیح عیسیٰ بن مریم رسول اللہ و کلمۃ القاہا الیٰ مریم۔ لن  
 یستخف المسیح ان یشکون عبد اللہ ولا الملائکۃ المقربون۔ مترجم نے ان الفاظ کا ترجمہ  
 کیا، تو جارج بے اختیار چکاڑا اٹھا کہ بے شک عیسائی کے یہی اوصاف ہیں اور بیشک تمہارا پیغمبر  
 سچا ہے۔ یہ لکھ کر اسے کلمہ توحید پڑھا اور مسلمان ہو گیا۔ وہ اپنی قوم کے پاس واپس جانا بھی  
 نہیں چاہتا تھا لیکن حضرت ابو عبیدہ نے اس خیال سے کہ رومیوں کو بد عہد مکی کا لگن  
 نہو مجبور کیا اور کہا کہ کل بیان سے جو سفیر جائیگا اسکے ساتھ چلے آنا۔

دوسرے دن خالد رومیوں کی شکر گاہ میں گئے۔ رومیوں نے اپنی شوکت دکھانے



کے لیے پہلے سے یہ انتظام کر رکھا تھا کہ راستے کے دونوں جانب دو تہک سوار فلی صفین  
 قائم کی تھیں جو سر سے پانون تک لوہے میں غرق تھے۔ لیکن خالد اس بے پروائی اور تحقیر  
 کی نگاہ سے ان پر نظر ڈالتے جاتے تھے جس طرح شیر کربون کے ریوڑ کو چیرتا چلا جاتا ہے، باہان  
 کے نیچے کے پاس پہنچے تو اسے نہایت اصرام کے ساتھ استقبال کیا، اور لا کر اپنے برابر  
 بٹھایا۔ مترجم کے ذریعے سے گفتگو شروع ہوئی۔ باہان نے معمولی بات چیت کے بعد لکچر کے  
 طریقے پر تقریر شروع کی، حضرت عیسیٰ کی تعریف کے بعد قصیر کا نام لیا اور فخر سے کہا کہ ہمارا  
 بادشاہ تمام بادشاہوں کا شہنشاہ ہے۔ مترجم ان الفاظ کا پورا ترجمہ نہیں کر چکا تھا کہ خالد نے  
 باہان کو روک دیا اور کہا کہ تمہارا بادشاہ ایسا ہی ہوگا لیکن ہم نے جسکو سردار بنا رکھا ہے اسکو  
 ایک لمحہ کے لیے اگر بادشاہی کا خیال آئے تو ہم فوراً اسکو معزول کر دیں، باہان نے پھر  
 تقریر شروع کی اور اپنے جاہ و دولت کا فخر بیان کر کے کہا کہ اہل عرب! تمہاری قوم کے جو  
 لوگ ہمارے ملک میں آکر آباد ہوئے ہم نے ہمیشہ انکے ساتھ دوستانہ سلوک کیے ہمارا خیال  
 تھا کہ اس مراعات کا تمام عرب ممنون ہوگا، لیکن خلاف توقع تم ہمارے ملک پر چڑھ آئے  
 اور چاہتے ہو کہ ہمارے ملک سے کمال دوا کو معلوم نہیں کہ سب سے سی قوموں نے بار بار ایسے  
 ارادے کیے لیکن کبھی کامیاب نہیں ہوئے، اب تم کو کہ تمام دنیا میں تم سے زیادہ کوئی قوم،  
 جاہل و خشن، اور بے سروسامان نہیں یہ حوصلہ ہوا ہے ہم اس پر بھی درگزر کرتے ہیں بلکہ اگر تم یہاں  
 سے چلے جاؤ تو انعام کی طور پر سپہ سالار کو دس ہزار دینار اور اورا فسر دن کو ہزار ہزار اور عام  
 سپاہیوں کو سو سو دینار دلا دیے جائیں گے۔

بابان اپنی تقریر ختم کر چکا تو خالد اُٹھے اور حمد و نعت کے بعد کہا کہ بے شبہ تم دو متمند ہو، مالدار ہو، صاحب حکومت ہو، تم نے اپنے ہمسایہ عربوں کے ساتھ جو سلوک کیا وہ بھی ہم کو معلوم ہے لیکن یہ تمہارا کچھ احسان نہ تھا بلکہ اشاعتِ مذہب کی ایک تدبیر تھی جس کا یہ اثر ہوا کہ وہ عیسائی ہو گئے اور آج خود ہمارے مقابلے میں تمہارے ساتھ ہو کر ہم سے لڑتے ہیں۔ یہ سچ ہے کہ تم نہایت محتاجِ سنگدست اور خانہ برد و دش تھے۔ ہمارے ظلم و جہالت کا یہ حال تھا کہ قومی کمزور کو پیس ڈالتا تھا، قبائل۔ آپس میں لڑا کر برباد ہوتے جاتے تھے۔ بہت سے خدا بنار کھتے تھے اور ان کو پوجتے تھے۔ اپنے ہاتھ سے بت تراشتے تھے اور اس کی عبادت کرتے تھے لیکن خدا نے ہم پر رحم کیا۔ اور ایک پیغمبر بھیجا جو خود ہماری قوم سے تھا اور ہم میں سب سے زیادہ شریف، زیادہ فیاض، زیادہ پاک و خوتا، اُس نے ہم کو توحید سکھائی اور بتا دیا کہ خدا کا کوئی شریک نہیں، وہ بیوی اور اولاد نہیں رکھتا۔ اور بالکل یکتا دیگنا ہے، اُس نے ہم کو یہ بھی علم دیا کہ ہم ان عقائد کو تمام دنیا کے سامنے پیش کریں، جسے اُنکو مانا دہ مسلمان ہے اور ہمارا بھائی ہے۔ جسے نہ مانا لیکن جزیہ دینا قبول کرنا ہے اُس کے ہم حامی اور محافظ ہیں، جس کو دونوں سے انکار ہو اُس کے لیے تلوار ہے۔

بابان نے جزیہ کا نام سُنا کہ ایک ٹمنڈی سانس بھری اور اپنے نشان کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ یہ مرکز بھی جزیہ نہ گئے۔ ہم جزیہ لیتے ہیں دیتے نہیں، غرض کوئی معاملہ طے نہیں ہوا اور خالد اُٹھ کر چلے آئے۔ اب اُس اخیر لڑائی کی طیاریاں شروع ہوئیں جس کے بعد رومی پھر کبھی سنبھل نہ سکے۔ خالد کے چلے آنے کے بعد۔ بابان نے سرداروں کو جمع کیا اور کہا کہ تم نے

سنائے اہل عرب کو دعویٰ ہے کہ جب تک تم انکی رعایا نہ بن جاؤ انکے حملہ سے محفوظ نہیں رہ سکتے۔  
 شکوہ انکی غلامی منظور ہے؟ تمام افسردہ نے بڑے جوش سے کہا کہ ہم مر جائیں گے مگر لذت گوارا نہیں ہو سکتی۔  
 صبح ہوئی تو دعویٰ اس جوش اور سر و سامان سے نکلے کہ مسلمانوں کو بھی حیرت ہو گئی۔  
 خالد نے یہ دیکھ کر عرب کے عام قاعدے کے خلاف نئے طور سے فوج آرائی کی۔ فوج جو ۳۰  
 ۳۵ ہزار تھی اُسکے ۳۶ حصے کئے اور آگے پیچھے نہایت ترتیب کے ساتھ اسی قدر صفیں قائم  
 کیں۔ مقلب فوج ابو عبیدہ کو دیا، مہینہ پر عمرو بن العاص اور شرجیل مامور ہوئے۔ میسرہ زیر  
 بن ابی سفیان کی کمان میں تھا۔ انکے علاوہ ہر صف پر الگ الگ جو انسر تعین کئے تین کرآن  
 لوگوں کو کیا جو بہادری اور فنون جنگ میں شہرت عام رکھتے تھے۔ خطبا جو اپنے زور کلام  
 سے لوگوں میں اہل علم ڈال دیتے تھے اس خدمت پر مامور ہوئے کہ پر جوش تقریروں  
 سے فوج کو جوش دلائیں۔ انھیں میں ابو سفیان بھی تھے جو فوجوں کے سامنے یہ الفاظ  
 کہتے پھرتے تھے اللہ۔ انکم نرا دة العرب وانصار الاسلام۔ وانهم زادة الروم  
 وانصار الشراك۔ اللهم ان هذا يومهم من ايامك اللهم انزل نصرک علی عبادک  
 عمرو بن العاص کہتے پھرتے تھے۔

ایہا الناس غصوا البصارکم واشتروا الرماح والرمو امر اکزکم فاذا حمل عدوکم فامهلوا صم حتی اذا کرکوا اطراف الاستنة فتبثونی وجوههم وثوب الأكسد	یادو! نگاہیں نیچی رکھو بر چھیاں تان لو اپنی جگہ پر سجمے رہو۔ پھر جب دشمن حملہ آور ہوں تو اسنے دو بیان تک کہ جب بر چھپوں گی نوک پر آجائیں تو شیر کی طرح اُن پر ٹوٹ پڑو۔
--	---

فوج کی تعداد اگرچہ کم تھی یعنی ۳۰-۳۵ ہزار سے زیادہ آدمی نہ تھے۔ لیکن تمام عرب میں انتخاب تھے۔ ان میں سے خاص وہ بزرگ جنھوں نے رسول اللہ کا جمال مبارک دیکھا تھا ایک ہزار تھے۔ تنو بزرگ وہ تھے جو جنگ بدر میں رسول اللہ کے ہم کابے تھے۔ عرب کے مشہور قبائل میں سے دتل ہزار سے زیادہ صرف ازہ کے قبیلے کے تھے۔ حمیر کی ایک بڑی جماعت تھی۔ ہمدان۔ خولان۔ لخم۔ جذام وغیرہ کے مشہور سردار تھے، اس سرور کی ایک بھی بھستہ ہے کہ عورتیں بھی اس میں شریک تھیں اور نہایت بہادری سے لڑیں، امیر معاویہ کی ماں ہند حملہ کرتی ہوئی بڑھتی تھیں تو پکارتی تھیں۔ عضد والغلفان بسیر معاویہ کی بہن جویریہ نے بھی بڑی دلیری سے جنگ کی۔

مقداد جو نہایت خوش آواز تھے۔ فوج کے آگے آگے سورہ انفال جہاد کی ترغیب ہے تلاوت کرتے جاتے تھے۔

ادھر رومیوں کے جوش کا یہ عالم تھا کہ تیس ہزار آدمیوں نے پانون میں بیڑیاں بن لیں کہ بیٹنے کا خیال تک نہ آئے۔ جنگ کی ابتداء رومیوں کی طرف سے ہوئی۔ دو لاکھ کاٹھمی نل ایک ساتھ بڑھا، ہزاروں پادری اور بیپ ہاتھوں میں جلیب لئے آگے تھے اور حضرت عیسیٰ کی جے پکارتے آتے تھے۔ یہ سرور سامان دیکھ کر ایک شخص کی زبان سے بے اختیار نکلا کہ اللہ کی کس قدر بے انتہا فوج ہے۔ خالد نے جھٹاکر کہا چپ رہ، خدا کی قسم میرے گھوڑے کے تم اپنے ہوتے تو میں کد تیار کہ عیسائی اتنی ہی فوج اور بڑھالیں۔

غرض عیسائیوں نے نہایت زور شور سے حملہ کیا، اور تیرہ دن کا منہ برساتے ہوئے۔

مسلمان بڑے کمزور رہے لیکن حملہ اس زور کا تھا کہ مسلمانوں کا مینہ ٹوٹ کر فوج سے علیحدہ ہو گیا، اور نہایت بے ترتیبی سے پیچھے ہٹا۔ نہایت یافتہ ہتھے ہٹتے ہتھے حرم کے خیمہ گاہ تک آ گئے۔ عربوں کو یہ حالت دیکھ کر سخت غصہ آیا، اور خیمہ کی چوبین اکھاڑ لیں اور پکاریں کہ نامردو! اُدھر آئے تو چوبین سے تمہارا سر توڑ دینگے، خولہ یہ شعر پڑھ کر لوگوں کو غیرت دلاتی تھیں۔

یا ہا سربا عن نسوةٍ تقیات - سُرْمِیتَ بالسَّهْمِ والمِیْنِات -

یہ حالت دیکھ کر معاذ بن جبل جو مینہ کے ایک حصے کے سپہ سالار تھے گھوڑے سے کود پڑے اور کہا کہ میں تو پیدل لڑتا ہوں لیکن کوئی بہادر اس گھوڑے کا حق ادا کر سکے تو گھوڑا حاضر ہے، منہ کے بیٹے نے کہا ہاں۔ یہ حق میں ادا کروں گا، کیونکہ میں سوار ہو کر اچھا لڑ سکتا ہوں، غرض دونوں باپ بیٹے فوج میں گئے اور اس دیر سے جنگ کی کہ مسلمانوں کے اکھڑے ہوئے پانوں پر سنبھل گئے۔ ساتھ ہی حجاج جو قبیلہ زبید کے سردار تھے پانٹنؤ آدمی لیکر بڑھے اور عیسائیوں کا جو مسلمانوں کا تعاقب کرتے چلے آتے تھے، اگا روک لیا۔ مینہ میں قبیلہ ازد شروع حملہ سے ثابت قدم رہا تھا، عیسائیوں نے لڑائی کا سارا زور اُن پر ڈالا لیکن وہ پیار کی طرح جھے رہے۔ جنگ کی یہ شدت تھی کہ فوج میں ہر طرف، سرزبات، بازو، کٹ کٹ کر گرتے جاتے تھے لیکن ان کے پائی ثبات کو نفرت نہیں ہوتی تھی۔ عمرو بن الطفیل جو قبیلہ کے سردار تھے تلواریں اڑاتے جاتے تھے اور لٹکارتے جاتے تھے کہ از دیو! دیکھنا۔ مسلمانوں پر تمہاری وجہ سے داغ نہ آئے، تو بڑے بڑے بہادر ان کے ہاتھ سے مارے گئے اور آخر خود شہادت حاصل کی۔

حضرت خالد نے اپنی فوج کو پیچھے لگا رکھا تھا۔ دفعۃً صف چیر کر نکلے اور اس زور سے حملہ

کیا کہ رومیوں کی صفین ابتر کر دیں۔ عکرمہ نے جو ابو جہل کے فرزند تھے اور اسلام لانے سے پہلے اکثر کفار کے ساتھ رہ کر اڑتے تھے، گھوڑا آگے بڑھایا اور کہا "عیسایو! میں کسی زمانے میں (کفر کی حالت میں) خود رسول اللہ سے ٹکچکا ہوں۔ کیا آج تمہارے مقابلے میں میرا پانون پیچھے پڑ سکتا ہے؟" یہ کلمہ فوج کی طرف دکھایا اور کہا "میں پرکون جیت کرتا ہوں؟ چار شخصوں نے جن میں ضرار بن ازور بھی تھے مرنے پر بیعت کی اور اس ثابت قدمی سے لڑے کہ قریباً سب کے سب وہیں کٹ کر رہ گئے۔ عکرمہ کی لاش مقتولوں کے ڈھیر میں ملی۔ کچھ کچھ دم باقی تھا۔ خالد نے اپنے زانو پر انکا سر رکھا اور گلے میں پانی پکا کر کہا: "خدا کی قسم عمر بھگوان غلط تھا کہ ہم شہید ہو کر نہ مریں گے۔"

غرض عکرمہ اور انکے ساتھی کو خود ہلاک ہو گئے لیکن رومیوں کے ہزاروں آدمی برباد کر دیئے۔ خالد کے حملوں نے اور بھی انکی طاقت توڑ دی یہاں تک کہ آخر انکو پیچھے ہٹنا پڑا اور خالد انکو دباتے ہوئے سپہ سالار در بخار تک پہنچ گئے۔ در بخار اور رومی افسروں نے انکھوں پر رومال ڈال لئے کہ اگر یہ انکھیں فتح کی صبر نہ دیکھ سکیں تو شکست بھی نہ دیکھیں۔ عین اُس وقت جب ادھر مہمہ میں بازار قال گرم تھا ابن قفاط نے مسرہ پر حملہ کیا، تہمتی سے اس حصے میں اکثر لحم و غسان کے قبیلہ کے آدمی تھے جو شام کے اطراف میں بود و باش رکھتے تھے اور ایک مدت سے روم کے باجگزار رہتے آئے تھے۔ رومیوں کا رعب جو دونوں میں سمایا ہوا تھا اُسکا یہ اثر ہوا کہ پہلے ہی حملے میں انکے پانون اکھر گئے۔ اور اگر افسروں نے

بھی بے ہمتی کی ہوتی تو لڑائی کا خاتمہ ہو چکا ہوتا۔ رومی۔ بھاگتوں کا پیچھا کرتے ہوئے خیموں  
 تک پہنچ گئے۔ عورتیں یہ حالت دیکھ کر بے اختیار محلِ پُرس اور انکی پامردی نے عیسائیوں کو آگے  
 بڑھنے سے روک دیا۔ فوج اگرچہ اتر ہو گئی تھی، لیکن افسروں میں سے قباث بن اشیم۔ سعید بن  
 زید۔ یزید بن ابی سفیان۔ عمرو بن العاص۔ شرجیل بن حسنتہ، داؤد شجاعت دے رہے تھے۔ قباث  
 کے ہاتھ سے تلواریں اور نیزے ٹوٹ ٹوٹ کر گرے جاتے تھے مگر انکے تیور پر پل نہ آتا تھا۔ نیزہ ٹوٹ کر  
 گرتا تو کہتے کہ کوئی ہے؟ جو اُس شخص کو ہتھیار دے جس نے خدا سے اقرار کیا ہے کہ میدانِ جنگ سے  
 ہٹے گا تو مر کر رہے گا۔ لوگ فوراً تلوار یا نیزہ انکے ہاتھ میں لا کر دیتے اور پھر وہ شیر کی طرح جھپٹ کر  
 دشمن پر جا پڑتے۔ ابوالاعور گھوڑے سے کود پڑے اور اپنے رکاب کی فوج سے مخاطب ہو کر کہا  
 کہ صبر و استقلال دنیا میں عزت ہے اور عقبے میں رحمت، دیکھنا یہ دولت ہاتھ سے بنانے  
 پائے، سعید بن زید غصہ میں گھٹنے ٹیکے ہوئے کھڑے تھے۔ رومی انکی طرف بڑے توشیح کی طرح  
 بھپٹے اور مقدمہ کے افسر کو مار کر گرا دیا، یزید بن ابی سفیان (معاویہ کے بھائی) بڑی ثابت قدمی  
 سے لڑ رہے تھے، اتفاق سے انکے باپ ابوسفیان جو فوج کو جوش دلاتے پھرتے تھے انکی  
 طرف آ گئے۔ بیٹے کو دیکھ کر کہا ”جان پدر! اس وقت میدان میں ایک ایک سپاہی۔ شجاعت  
 کے جوہر دکھا رہا ہے۔ تو سپہ سالار ہے اور سپاہیوں کی بہ نسبت تجھ پر شجاعت کا زیادہ حق ہے،  
 تیری فوج میں سے ایک سپاہی بھی اس میدان میں تجھ سے باری لے گیا تو تیرے لئے شرم  
 کی جگہ ہے۔“ شرجیل کا یہ حال تھا کہ رویوں کا چاروں طرف سے نرغہ تھا اور یہ بیچ میں پہاڑ  
 کی طرح ڈٹے کھڑے تھے۔ قرآن کی یہ آیت۔ إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَى مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنْفُسَهُمْ

اموالہم بان لہم الجنتۃ یقاتلون فی سبیل اللہ فیقتلون ویقتلون پڑھتے تھے اور نذرہ مارتے تھے کہ خدا کے ساتھ سودا کرنے والے اور خدا کے ہمسایہ بننے والے کہاں ہیں؟ یہ آواز جبکہ کان میں پڑی، بے اختیار ٹوٹ پڑا بیان نکلا کہ اکھڑی ہوئی فوج پھر سنبھل گئی اور نذرہ جیل نے انہیں لے کر اس بہادری سے جنگ کی کہ رومی جو ٹوٹے چلے آتے تھے بڑھنے سے رک گئے۔

ادھر عورتیں خیموں سے نکل نکل کر فوج کی پشت پر اکھڑی ہوئیں اور چلا کر گنتی تھیں کہ میدان سے قدم ہٹایا تو پھر ہمارا منہ نہ دیکھنا۔

لڑائی کے دونوں پہلو اب تک برابر تھے۔ بلکہ غلبہ کا پتہ رومیوں کی طرف تھا۔ دفعہ تیس بن ہبیرہ جنگو خالد نے فوج کا ایک حصہ دیکر میسرہ کی پشت پر متعین کر دیا تھا۔ عقب سے نکلے اور اس طرح ٹوٹ کر گرے کہ رومی سرداروں نے بہت سنبھالا مگر فوج سنبھل نہ سکی۔ تمام صفیں اتر ہو گئیں اور گھبرا کر پیچھے ہٹیں۔ ساتھ ہی سعید بن زید نے قلب سے نکل کر حملہ کیا، رومی دوزخ ہٹتے چلے گئے یہاں تک کہ میدان کے سرے پر جونا تھا اسکے کنارے تک آگئے تھوڑی دیر میں انکی لاشوں نے وہ مالہ بھر دیا اور میدان خالی ہو گیا۔

اس لڑائی کا یہ واقعہ یاد رکھنے کے قابل ہے کہ جس وقت گھسان کی لڑائی ہو رہی تھی۔ عباس بن قیس جو ایک بہادر سپاہی تھے بڑی جانبازی سے لڑ رہے تھے۔ اسی اثنا میں اسی نے انکے پاؤں پر تلوار ماری اور ایک پانوں کٹ کر الگ ہو گیا۔ عباس کو خبر تک نہ ہوئی تھوڑی دیر کے بعد ہوش آیا تو دھونڈتے پھرتے تھے کہ میرا پاؤں کیا ہوا؟ انکے قبیلے کے لوگ اس واقعہ پر ہمیشہ فخر کرتے تھے۔ چنانچہ سوار بن اوفی ایک شاعر نے کہا۔



وَمِنَّا ابْنُ عَتَابٍ وَنَاشِدُ سَرَجَلِهِ وَمِنَّا الَّذِي اَدَى اِلَى الْحَيِّ حَاجِبًا  
 رومیوں کے جس قدر آدمی مارے گئے۔ انکی تعداد یوں اختلاف ہے۔ طبری اور اردی نے  
 لاکھ سے زیادہ تعداد بیان کی ہے۔ بلاذری نے۔ "ستتر ہزار لکھا ہے" مسلمانوں کی طرف تین ہزار  
 کا نقصان ہوا جنہیں ضرار بن ازور۔ ہشام بن العاصی۔ ابان۔ سعید وغیرہ تھے۔ قیصر الظالمیہ  
 میں تھا کہ شکست کی خبر پہنچی۔ اسی وقت قسطنطینیہ کی تیاری کی چلتے وقت شام کی طرف رخ  
 کر کے کہا۔ "الوداع ای شام"

ابو عبیدہ نے حضرت عمر کو نامہ فتح لکھا۔ اور ایک مختصر سے سفارت بھیجی حسین حذیفہ بن الیمان  
 بھی تھے۔ حضرت عمر یرموک کی خبر کے انتظار میں کئی دن سے سوئے نہ تھے۔ فتح کی خبر پہنچی تو  
 دفعتہ سجدے میں گرے اور خدا کا شکر ادا کیا۔

ابو عبیدہ یرموک سے محصل کو واپس گئے۔ اور خالد کو قنسرین روانہ کیا۔ شہر والوں نے  
 اول مقابلہ کیا۔ لیکن پھر قلعہ بند ہو کر جزیرہ کی شرط پر صلح کر لی۔ یہاں عرب کے قبائل میں سے  
 قبیلہ تمیمخ مدت سے آکر آباد ہو گیا تھا، یہ لوگ برسوں تک کتل کے جیموں میں بسر کرتے رہے  
 تھے لیکن رفتہ رفتہ تمدن کا یہ اثر ہوا کہ بڑی بڑی عالی شان عمارتیں بنوالی تھیں۔ حضرت  
 ابو عبیدہ نے ہرقومی کے اتحاد سے انکو اسلام کی ترغیب دی۔ چنانچہ سب مسلمان ہو گئے  
 صرف بنو سلیم کا خاندان عیسائیت پر قائم رہا اور چند روز کے بعد وہ بھی مسلمان ہو گیا تبیلہ کی  
 کے بھی بہت سے لوگ یہاں آباد تھے۔ انھوں نے بھی اپنی خوشی سے اسلام قبول کیا۔

قنسرین کی فتح کے بعد ابو عبیدہ نے حلب کا محاصرہ کیا۔ شہر سے باہر میدان میں عرب کے بہت سے قبیلے آباد تھے۔ انھوں نے جزیرہ پر صلح کر لی اور تھوڑے دنوں کے بعد سب کے سب مسلمان ہو گئے۔ حلب والوں نے ابو عبیدہ کی آمد شکر قلمہ میں پناہ لی۔ عیاض بن غنم نے جو مقدمہ ہمیش کے افسر تھے۔ شہر کا محاصرہ کیا اور چند روز کے بعد اور مفتوحہ شہروں کی طرح ان شرائط پر صلح ہو گئی کہ عیسائیوں نے جزیرہ دینا منظور کیا۔ اور انکی جان۔ مال۔ شہر نپاہ۔ مکانات قلمے۔ اور گرجوں کی حفاظت کا معاہدہ لکھ دیا گیا۔ حلب کے بعد انطاکیہ آئے۔ چونکہ یہ قیصر کا خاص دار السلطنت تھا۔ بہت سے رومیوں اور عام عیسائیوں نے یہاں آکر پناہ لی تھی۔ ابو عبیدہ نے ہر طرف سے شہر کا محاصرہ کیا، چند روز کے بعد عیسائیوں نے مجبور ہو کر صلح کر لی ان صدر مقامات کے فتح ہونے نے تمام شام کو مرعوب کر دیا اور یہ نوبت پہنچی کہ کوئی افسر تھوڑی سی جمعیت کے ساتھ جس طرف نکل جاتا تھا۔ عیسائی خود آکر امن و صلح کے خواہنگار ہوتے تھے۔ چنانچہ انطاکیہ کے بعد ابو عبیدہ نے چار دن طرف فوجین پھیلا دیں۔ بوقا۔ جوہ۔ سرین۔ توزی۔ فورس۔ تل غراز۔ دلوک۔ رعبان۔ یہ چھوٹے چھوٹے مقامات اسرائانی سے فتح ہوتے گئے کہ خون کا ایک قطرہ بھی زمین پر نہیں گرا، اسی طرح بالس اور قاصیرین بھی پہلے دہلیز میں فتح ہو گئے۔ جو جوہ والوں نے جزیرہ سے انکار کیا اور کہا کہ ہم لڑائی میں مسلمانوں کا ساتھ دیں گے۔ چونکہ جزیرہ فوجی خدمت کا معاوضہ ہے۔ انکی یہ درخواست منظور کر لی گئی۔

انطاکیہ کے مضافات میں بڑا اس ایک مقام تھا جس سے ایشیائی کوچک کی سرحد ملتی تھی یہاں عرب کے بہت سے قبائل عسان۔ تنوخ۔ ایاد۔ رومیوں کے ساتھ ہر قتل کے پاس

جانے کی تیاریاں کر رہے تھے۔ حبیب بن مسلمہ نے اُن پر حملہ کیا اور بڑا معرکہ ہوا۔ ہزاروں قتل ہوئے۔ خالد نے مرعش پر حملہ کیا اور اس شرط پر صلح ہوئی کہ عیسائی شہر چھوڑ کر نکلیں۔

## بیت المقدس - ۱۶

بم اور پھر لکھ آئے ہیں کہ حضرت ابوبکرؓ نے جب تمام پرچہ چرائی کی تو ہر ہر صوبہ پر الگ الگ افسر بھیجے۔ چنانچہ فلسطین۔ عزمین العاص کے حصے میں آیا۔ عزمین العاص نے بعض مقامات حضرت ابوبکرؓ ہی کے عہد میں فتح کر لیے تھے اور فاروقی عہد تک تو نابلس۔ لد۔ غمواس۔ بیت جبرین۔ تام۔ بے۔ بے۔ شہرون پر قبضہ ہو چکا تھا۔ جب کوئی عام معرکہ پیش آجاتا تھا تو وہ فلسطین چھوڑ کر ابو عبیدہ سے باتتے تھے اور انکو مدد دیتے تھے لیکن فراع ہونے کے ساتھ فوراً واپس آجاتے تھے اور اپنے کام میں مشغول ہوتے تھے۔ یہاں تک کہ اس پاس کے شہرون کو فتح کر کے خاص بیت المقدس کا محاصرہ کیا۔ عیسائی قلعہ بند ہو کر رہے، اُس وقت حضرت ابو عبیدہ۔ شام کے انتہائی اضلاع قنسرین وغیرہ فتح کر چکے تھے، چنانچہ ادھر سے فرصت پا کر بیت المقدس کا رخ کیا۔ عیسائیوں نے ہمت ہار کر صلح کی درخواست کی اور مزید اطمینان کے لئے یہ شرط اضافی کی کہ عمر خود بیان میں اور معاہدہ صلح انکے ہاتھوں سے لکھا جائے۔ ابو عبیدہ نے حضرت عمر کو خط لکھا کہ بیت المقدس کی فتح آپ کی تشریف آوری پر موتوں ہے۔ حضرت عمر نے تمام معزز صحابہ کو جمع کیا اور

مشورت کی۔ حضرت عثمان نے کہا کہ، رعیائی مرعوب اور شکستہ دل ہو چکے ہیں۔ آپ انکی اس درخواست کو رد کر دین تو انکو اور بھی ذلت ہوگی اور یہ سمجھ کر کہ سلمان انکو بالکل حقیر سمجھتے ہیں۔ بغیر کسی شرط کے ہتیار ڈال دیں گے، لیکن حضرت علی نے اس کے خلاف رائے دی۔ حضرت عمر نے انہی کی رائے کو پسند کیا۔ اور سفر کی طیاریاں کیں، حضرت علی کو نائب مقرر کر کے خلافت کے کاروبار انکو سپرد کیے اور رجب ۳۱ھ میں مدینہ سے روانہ ہو گئے۔

ناظرین کو انتظار ہوگا کہ فاروق اعظم کا سفر اور سفر بھی وہ جس سے دشمنوں پر اسلامی جلال کا عجب بٹھانا مقصود تھا۔ کس سرد سامان سے ہوا ہوگا؟ لیکن بیان تقارہ و نوبت، خدم و حشم، لاؤشکر ایک طرف، ہموالی ڈیرہ اور خمیہ تک نہ تھا۔ سواری میں گھوڑا تھا اور چند مہاجرین و انصار ساتھ تھے۔ تاہم جہان یہ آواز پہنچی تھی کہ فاروق اعظم نے مدینہ سے شام کا ارادہ کیا ہے زمین دہل جاتی تھی۔

سرداروں کو اطلاع دی جا چکی تھی کہ جابیہ میں اگر ان سے ملین، اطلاع کے مطابق یزید بن ابی سفیان اور خالد بن الولید وغیرہ نے یہیں استقبال کیا۔ شام میں رہ کر ان افسروں میں عرب کی سادگی باقی نہیں رہی تھی، چنانچہ حضرت عمر کے سامنے یہ لوگ آئے تو اس مہیت سے آئے کہ بدن پر حریر و دیبا کے چلتے اور پر تکلف قبائین تھیں اور زرق برق پوشاک اور ظاہری شان و شوکت سے عجمی معلوم ہوتے تھے، حضرت عمر کو سخت غصہ آیا۔ گھوڑے سے آتر پڑے اور سگر نیسے اٹھا کر انکی طرف پھینکے کہ اس قدر جلد تم نے عجمی عادتیں

۱۔ یہ خبر کی روایت ہے یعقوبی نے حضرت علی کے پاس حضرت عثمان کا نام لیا ہے۔ ۲۔ یعقوبی صفحہ ۱۶۰۔

اختیار کر لیں۔

ان لوگوں نے عرض کی کہ قبائون کے نیچے ہتیار ہیں (یعنی پہلری کا جو ہر ہاتھ نہیں دیا ہے) فرمایا ”تو کچھ مضائقہ نہیں“، شہر کے قریب پہنچے تو ایک اونچے ٹیلے پر کھڑے ہو کر چاروں طرف نگاہ ڈالی۔ غوطہ کا دلفریب سبزہ زار اور دمشق کے بلند اور شاندار مکانات سامنے تھے۔ دل پر ایک خاص اثر ہوا عبرت کے لمحہ میں یہ آیت پڑھی کَفُتْرَ کُلِّ امْنٍ جَنَّاتٍ وَعِیُّونِ اَلْہِ پھر نابغہ کے چند حسرت انگیز اشعار پڑھے۔

جاسیر میں دیر تک قیام رہا اور بیت المقدس کا معاہدہ بھی یہیں لکھا گیا۔ وہاں کے عیسائیوں کو حضرت عمر کی آمد کی خبر پہلے پہنچ چکی تھی، چنانچہ ریسان شہر کا ایک گروہ ان سے ملنے کے لئے دمشق کو روانہ ہوا۔ حضرت عمر فوج کے حلقے میں بیٹھے تھے کہ دفعۃً کچھ سوار نظر آئے جو گھوڑے اڑاتے آتے تھے اور کمر میں تلواریں چمک رہی تھیں۔ مسلمانوں نے فوراً ہتیار سنبھال لئے۔ حضرت عمر نے پوچھا خیر ہے؟ لوگوں نے سواروں کی طرف اشارہ کیا۔ حضرت عمر نے فراست سے سمجھا کہ بیت المقدس کے عیسائی ہیں۔ فرمایا گھبراؤ نہیں یہ لوگ امان طلب کرنے آتے ہیں۔ غرض معاہدہ صلح لکھا جا کر بڑے بڑے مغز صحابہ کو دستخط ہو گئے۔ معاہدہ کی تکمیل کے بعد حضرت عمر نے بیت المقدس کا ارادہ کیا۔ گھوڑا جو سواری میں تھا اسے ستم گھس کر بگاڑ ہو گئے تھے اور رُک رُک کر قدم رکھتا تھا۔ حضرت عمر یہ دیکھ کر اتر پڑے لوگوں نے

۱۵۷ ہجری صفحہ (۲۴۰۲) ۱۵۷ ہجری کی روایت ہے بلذری اور ازدی نے لکھا ہے کہ معاہدہ صلح بیت المقدس یہ لکھا گیا

اس معاہدے کو نامہ ماننے اس کتاب کے دوسرے حصے میں نقل کیا ہے۔ دلیور اس کتاب کا دوسرا حصہ صفحہ (۱۴۹)۔

ترکی نسل کا ایک عمدہ گھوڑا حاضر کیا۔ گھوڑا شوخ اور چالاک تھا حضرت عمر سوار ہوئے تو اسیل کرنے لگا۔ فرمایا کبخت یہ غدر کی چال تو نے کمان سیکھی۔ یہ لکڑا ترپے اور پیادہ پا چلے بیت المقدس قریب آیا تو حضرت ابو عبیدہ اور سرداران فوج استقبال کو آئے۔ حضرت عمرؓ کا لباس اور سرد سامان جس معمولی حیثیت کا تھا۔ اُسکو دیکھ کر مسلمانوں کو شرم آتی تھی کہ عیسائی اپنے دل میں کیا کہیں گے؟ چنانچہ لوگوں نے ترکی گھوڑا اور عمدہ قیمتی پوشاک حاضر کی حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ ”خدا نے ہلکو جو عزت دی ہے وہ اسلام کی عزت ہے اور ہمارے لئے یہی ہے“ عرض اس حال سے بیت المقدس میں داخل ہوئے سب سے پہلے مسجد میں گئے۔ محراب کے پاس پہنچ کر سجدہ داؤد کی آیت پڑھی اور سجدہ کیا۔ پھر عیسائیوں کے گرجا میں آئے اور ادھر اُدھر پھرتے رہے۔

چونکہ یہاں اکثر افسران فوج اور عمال جمع ہو گئے تھے کئی دن تک قیام کیا اور ضروری احکام جاری کئے۔ ایک دن بلال (رسول اللہ کے موزن) نے اگر شکایت کی کہ امیر المومنین ہمارے افسر پرند کا گوشت اور میدہ کی روٹیاں کھاتے ہیں۔ لیکن عام مسلمانوں کو معمولی کھانا بھی نصیب نہیں۔ حضرت عمرؓ نے افسروں کی طرف دیکھا۔ انھوں نے عرض کی کہ اس ملک میں تمام چیزیں اذان میں جتنی قیمت پر حجاز میں روٹی اور کھجور ملتی ہے یہاں اُسی قیمت پر پرند کا گوشت اور میدہ ملتا ہے۔ حضرت عمرؓ افسروں کو مجبور نہ کر سکے لیکن حکم دیدیا کہ مال غنیمت اور خزانہ کے علاوہ۔ ہر سپاہی کا کھانا بھی مقرر کر دیا جائے۔

ایک دن نماز کے وقت بلال سے درخواست کی کہ آج اذان دو بلال نے کہا میں غم

کہ چکا تھا کہ رسول اللہ کے بعد کسی کے لئے اذان نہ دینگا۔ لیکن آج (اور صرف آج) اچھا ارشاد بجا لاؤنگا۔ اذان دینی شروع کی تو تمام صحابہ کو رسول اللہ کا عہد مبارک یاد آگیا اور رقت طاری ہوئی۔ ابو عبیدہ و معاذ بن جبل روتے روتے بیتاب ہو گئے، حضرت عمرؓ کی چکی لگ گئی اور دیر تک ایک اثر رہا۔

ایک دن مسجد اقصیٰ میں گئے اور کعب احبار کو بلایا اور ان سے پوچھا کہ نماز کمان پڑھی جاے۔ مسجد اقصیٰ میں ایک پتھر ہے جو انبیاء سابقین کی یادگار ہے۔ اسکو صحفہ کہتے ہیں اور یہودی اسکی اسی طرح تعظیم کرتے ہیں جس طرح مسلمان جبہ اسود کی۔ حضرت عمرؓ نے جب قبلہ کی نسبت پوچھا تو کعب نے کہا کہ صحفہ کی طرف۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ تم میں اب تک یہودیت کا اثر باقی ہے اور اسی کا اثر تھا کہ تم نے صحفہ کے پاس اگر حقیقی آثار دی۔ اس واقعہ سے حضرت عمرؓ کا جو طرز عمل اس قسم کی یادگاروں کی نسبت تھا ناہر ہوتا ہے۔ اس موقع پر ہماری اس کتاب کے دوسرے حصے کے صفحہ ۲۰۷ و ۲۰۸ کو بھی ملاحظہ کرنا چاہیے۔

## محکم دلائل سے مزین و بارہ کوشش

یہ معرکہ اس لحاظ سے یاد رکھنے کے قابل ہے کہ اس سے جزیرہ اور آرمینیا کی فتوحات کا موقع پیدا ہوا۔ ایران اور روم کی مہمیں جن اسباب سے پیش آئیں وہ ہم اوپر لکھ آئے ہیں لیکن اس وقت تک آرمینیا پر لشکر کشی کے لیے کوئی خاص سبب نہیں پیدا ہوا تھا۔ اسلامی فتوحات

چونکہ روز بروز وسیع ہوتی جاتی تھیں اور حکومتِ اسلام کی حدود برابر بڑھتے جاتے تھے۔ ہمسایہ سلطنتوں کو خود بخود خوف پیدا ہوا۔ کہ ایک دن ہماری باری بھی آتی ہے۔ چنانچہ جزیرہ والون نے قیصر کو لکھا کہ نئے سرے ہمت کیجیے ہم ساتھ دینے کو موجود ہیں۔ چنانچہ قیصر نے ایک فوج کثیر حمص کو روانہ کی۔ ادھر سے جزیرہ والے ۳۰ ہزار کی بھیڑ بھانکے ساتھ شام کی طرف بڑھے۔

ابو عبیدہ نے بھی ادھر ادھر سے فوجیں جمع کر کے حمص کے باہر صفین جائیں ساتھ ہی حضرت عمر کو تمام حالات سے اطلاع دی حضرت عمر نے آٹھ بڑے بڑے شہروں میں فوجی چھاؤنیاں قائم کر رکھی تھیں۔ اور ہر جگہ چار چار ہزار گھوڑے فقط اس غرض سے ہر وقت تیار رہتے تھے کہ کوئی اتفاقیہ موقع پیش آجائے تو فوراً ہر جگہ سے فوجیں لیجا کر کے موقع پر پہنچ جائیں۔ ابو عبیدہ کا خط آیا تو ہر طرف قاصد دوڑائے۔ فقاع بن عمر کو جو قدیمین مقیم تھے لکھا کہ فوراً چار ہزار سو ایک لاکھ حمص پہنچ جائیں۔ سیل بن عدی کو حکم بھیجا کہ جزیرہ پنچکر جزیرہ والون کو حمص کی طرف بڑھنے سے روک دیں۔ عبداللہ بن عتبان کو نصیبین کی طرف روانہ کیا۔ ولید بن عقبہ کو مامور کیا کہ جزیرہ پنچکر عرب کے ان قبائل کو تمام رکھیں جو جزیرہ میں آباد تھے۔ حضرت عمر نے ان انتظامات پر بھی قناعت نہ کی بلکہ خود مدینہ سے روانہ ہو کر دمشق میں آئے جزیرہ والون نے جب سنا کہ خود انکے ملک میں مسلمانوں کے قدم آگئے تو حمص کا محاصرہ چھوڑ کر جزیرہ کو چل دیے عرب کے قبائل جو عیسائیوں کی مدد کو آئے تھے وہ بھی چٹپائے اور خفیہ خالد کو پیغام بھیجا کہ تمہاری مرضی ہو تو ہم اسی وقت یا عین موقع پر عیسائیوں سے الگ ہو جائیں۔ خالد نے اکلا بھیجا کہ افسوس! میں دوسرے شخص (ابو عبیدہ) کے ہاتھ میں ہوں۔ اور وہ جملہ کرنا پسند



نہیں کرتا اور نہ مجھ کو تمہارے ٹھہرنے اور چلے جانے کی مطلق پروا نہ تھی۔ تاہم اگر تم تجھے ہوتا محاصرہ چھوڑ کر کسی طرف نکل جاؤ۔ ادھر فوج نے ابو عبیدہ سے تقاضا شروع کیا کہ حملہ کرنے کی اجازت ہو۔ انھوں نے خالد سے پوچھا خالد نے کہا میری جو رائے ہے معلوم ہے عیسائی ہمیشہ کثرت فوج کے بل پر لڑتے ہیں۔ اب کثرت بھی نہیں رہی۔ پھر کس بات کا اندیشہ ہے اس پر بھی ابو عبیدہ کا دل مطمئن نہ تھا۔ تمام فوج کو جمع کیا اور نہایت پر زور اور موثر تقریر کی کہ مسلمانوں آج جو ثابت قدم رہ گیا وہ اگر زندہ بچا تو ملک و مال ہاتھ آئیگا اور مارا گیا تو شہادت کی دولت ملیگی۔ مین گواہی دیتا ہوں (اور یہ جھوٹ بولنے کا موقع نہیں) کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص مرے اور مشرک ہو کر نہ مرے وہ ضرور جنت میں جائیگا۔ فوج پہلے ہی سے حملہ کرنے کے لئے بقیہ رتھی۔ ابو عبیدہ کی تقریر نے اور بھی گرا دیا اور دفعہ سب نے ہتیا سنبھال لئے ابو عبیدہ۔ طلب فوج اور خالد و عباس مینہ اور میرہ کو لیکر بڑھے قعقاع جو کوفہ سے چار ہزار فوج کے ساتھ مدد کو آتے تھے محسن سے چند میل پر راہ میں تھے کہ اس واقعہ کی خبر سنی۔ فوج چھوڑ کر تسووان کے ساتھ ابو عبیدہ سے آئے۔ مسلمانوں کے حملے کے ساتھ عرب کے قبائل (عیساکر خالد سے اقرار ہو چکا تھا) ابتری کے ساتھ پیچھے ہٹے انکے ہٹنے سے عیسائیوں کا بازو ٹوٹ گیا۔ اور تھوڑی دیر اگر اس بدحواسی سے بھاگے کہ مرج الدیاج تک انکے قدم نہ جمے۔ یہ اخیر معرکہ تھا جسکی ابتداء عیسائیوں کی طرف سے ہوئی اور جسکے بعد انکو پھر کبھی پیش قدمی کا حوصلہ نہیں ہوا۔

## حضرت خالد کا معزول ہونا

شام کی فتوحات اور شہرِ یثرب کے واقعات میں حضرت خالد کا معزول ہونا ایک اہم واقعہ ہے۔ عام مورخین کا بیان ہے کہ حضرت عمرؓ نے عثمانؓ خلافت میں لینے کے ساتھ پہلا جو حکم دیا وہ خالد کی معزولی تھی۔ ابن الاثیر وغیرہ سب یہی لکھتے آتے ہیں لیکن یہ انکی سخت غلطی ہے۔ افسوس ہے کہ ابن الاثیر کو خود اپنی اختلاف بانی کا بھی خیال نہیں۔ خود ہی سلسلہ کے واقعات میں خالد کا معزول ہونا لکھا ہے اور خود ہی سلسلہ کے واقعات میں انکی معزولی کا الگ عنوان قائم کیا ہے اور دونوں جگہ بالکل ایک سے واقعات نقل کر دئے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ حضرت عمرؓ خالد کی بعض بے اعتدالیوں کی وجہ سے مدت سے ناراض تھے تاہم آغاز خلافت میں ان سے کچھ تعرض کرنا نہیں چاہا۔ لیکن چونکہ خالد کی عادت تھی کہ وہ کاغذت حساب دربار خلافت کو نہیں بھیجتے تھے اس لئے انکو تاکید لکھی کہ آئندہ سے اسکا خیال رکھیں۔ خالد نے جواب میں لکھا کہ میں حضرت ابو بکرؓ کے زمانے سے ایسا ہی کرتا آیا ہوں اور اب اسکے خلاف نہیں کر سکتا۔ حضرت عمرؓ کو انکی یہ خود مختاری کیونکر پسند ہو سکتی تھی اور وہ بیت المال کی رقم کو اس طرح بیدارچ کیونکر کسی کے ہاتھ میں دیکھتے تھے۔ چنانچہ خالد کو لکھا کہ تم اسی شرط پر سپہ سالار رہ سکتے ہو کہ فوج کے مصارف کا حساب ہمیشہ بھیجتے رہو۔ خالد نے اس شرط کو نامنظور کیا اور اس بنا پر وہ سپہ سالاری کے عہدے سے معزول کر دیے گئے۔ چنانچہ اس واقعہ کو حافظ ابن حجرؒ نے کتاب الاصابہ میں حضرت خالد کے حال میں تفصیل لکھا ہے۔

! اینہم انکو بالکل معزول نہیں کیا بلکہ ابو عبیدہ کے ماتحت کر دیا۔ اسکے بعد شہرِ یثرب میں یہ واقعہ

پیش آیا کہ حضرت خالدؓ نے ایک شاعر کو دس ہزار روپے انعام میں دیے۔ پرچہ نویسوں نے اسی وقت حضرت عمرؓ کو پرچہ لکھا۔ حضرت عمرؓ نے ابو عبیدہ کو خط لکھا کہ خالدؓ نے یہ انعام اپنی گرہ سے دیا تو اسراف کیا اور بیت المال سے دیا تو خیانت کی۔ دونوں صورتوں میں وہ مزدولی کے قابل ہیں۔ خالدؓ جس کیفیت سے مزدول کئے گئے وہ سننے کے قابل ہے۔ قاصد نے جو مزدولی کا خط لیکر آیا تھا مجمع عام میں خالدؓ سے پوچھا کہ یہ انعام تم نے کہاں سے دیا۔ خالدؓ اگر اپنی خطا کا استہوار کر لیتے تو حضرت عمرؓ کا حکم تھا کہ ان سے درگزر کیا جائے لیکن وہ خطا کے اقرار کرنے پر راضی نہ تھے۔ مجبوراً قاصد نے۔ مزدولی کی علامت کے طور پر آنکے سر سے ٹوپی اتار لی اور انکی سرخابی کی سزا کے لئے انکی کمانہ سے انکی گردن باندھی۔ یہ واقعہ کچھ حکم حیرت انگیز نہیں کہ ایک ایسا بڑا سپہ سالار جس کا نظیر تمام اسلام میں کوئی شخص موجود نہ تھا اور جسکی تلوار نے عراق و شام کا فیصلہ کر دیا تھا اس طرح ذلیل کیا جا رہا ہے اور مطلق دم نہیں مارتا۔ اس واقعہ سے ایک طرف تو خالدؓ کی نیکی نفسی اور حق پرستی کی شہادت ملتی ہے اور دوسری طرف حضرت عمرؓ کی سطوت و جلال کا اندازہ ہوتا ہے۔

خالدؓ نے حمص پہنچ کر اپنی مزدولی کے متعلق ایک تقریر کی۔ تقریر میں یہ بھی کہا کہ امیر المؤمنین عمرؓ نے مجھکو شام کا امیر مقرر کیا اور جب میں نے تمام شام کو زیر کر لیا تو مجھکو منزل کر دیا۔ اس فقرے پر ایک سپاہی اٹھ کھڑا ہوا اور کہا کہ اسے سردار چپ رہ!۔ ان باتوں سے فتنہ پیدا ہو سکتا ہے۔ خالدؓ نے کہا ہاں! لیکن عمرؓ کے ہوتے فتنہ کا کیا احتمال ہے۔

خالد بن ولیدؓ آئے اور حضرت عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا کہ عمرؓ! خدا کی قسم تم میرے معاملہ میں نا انصافی کرتے ہو۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ تمہارے پاس اتنی دولت کہاں سے آئی۔ خالدؓ نے کہا کہ مال غنیمت سے۔ اور یہ کہہ کر کہا کہ ساٹھ ہزار سے جس قدر زیادہ رقم نکلے وہ میں آپکے حوالہ کرتا ہوں۔ چنانچہ بیس ہزار روپے زیادہ نکلے اور وہ بیت المال میں داخل کر دئے گئے۔ حضرت عمرؓ نے خالدؓ کی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ خالدؓ! اللہ تم کو محبوب بھی ہو اور میں تمہاری عزت بھی کرتا ہوں۔ یہ کہہ کر تمام عمالانِ ملکی کو لکھ بھیجا کہ میں نے خالدؓ کو ناراضی سے یا خیانت کی بنا پر موقوف نہیں کیا۔ لیکن چونکہ میں یہ دیکھتا تھا کہ لوگ انکے مفتون ہوتے جاتے ہیں اس لئے میں نے انکا مزول کرنا مناسب سمجھا تا کہ لوگ یہ سمجھ لیں کہ جو کچھ کرتا ہے خدا کرتا ہے۔ ان واقعات سے ایک نکتہ میں شخص آسانی یہ سمجھ سکتا ہے کہ خالدؓ کی مزولی کے کیا اسباب تھے اور اس میں کیا مصلحتیں تھیں۔

### عمواس کی دبا۔ سیدہ

اس سال شام و مصر و عراق میں سخت دبا پھیلی۔ اور اسلام کی بڑی بڑی یادگاریں غارت و برباد ہو گئیں۔ دبا کا آغاز سیدہ کے اخیر میں ہوا اور کئی مہینے تک نہایت شدت رہی۔ حضرت عمرؓ کو اول جب خبر پہنچی تو اسکی تدبیر اور انتظام کے لئے خود روانہ ہوئے۔ سرخ پہنچ کر ابو عبیدہ وغیرہ سے جو انکے استقبال کو آئے تھے معلوم ہوا کہ بیماری کی شدت بڑھتی جاتی ہے۔ مہاجرین اولین اور انصار کو بلایا اور اسے طلب کی۔ مختلف لوگوں نے مختلف

سیدہ بڑی مہنت سے ایک مقام کا نام ہے۔

رائین دین لیکن ماجرین فتح نے یزبان ہو کر کہا کہ اچکا یہاں ٹھہرنا مناسب نہیں۔ نہشت  
 عمر نے حضرت عباس کو حکم دیا کہ پاردین کر کل کوچ ہے۔ حضرت ابو عبیدہ چونکہ تقدیر کے مسئلہ پر نہایت سختی  
 کے ساتھ اعتقاد رکھتے تھے انکو نہایت غصہ آیا۔ اور پیش میں آکر کہا

افلا رامن قدس الله  
 یعنی اے عمر! تقدیر اتنی سے بھاگتے ہو؟

حضرت عمر نے اُنکی سخت کلامی کو گوارا کیا اور کہا

نعم افر من قضاء الله الى قضاء الله  
 یعنی ہاں! تقدیر اتنی سے بھاگتا ہوں مگر بھاگتا بھی تقدیر اتنی کیطورت

غرض خود مدینہ چلے آئے اور ابو عبیدہ کو لکھا کہ مجھ کو تم سے کچھ کام ہے۔ کچھ دنوں کے لئے یہاں  
 آجاؤ۔ ابو عبیدہ کو خیال ہوا کہ دبا کے خوف سے بلایا ہے۔ جواب میں لکھ بھیجا کہ جو کچھ تقدیر  
 میں لکھا ہے وہ ہوگا۔ میں مسلمانوں کو چھوڑ کر اپنی جان بچانے کے لئے یہاں سے ٹل نہیں سکتا۔  
 حضرت عمر غصہ پڑھ کر روئے اور لکھا کہ فوج جہاں آتری ہے وہ نشیب اور مرطوب جگہ ہے۔  
 اس لئے کوئی عمرہ موقع تجویز کر کے وہاں اُٹھ جاؤ۔ ابو عبیدہ نے اس حکم کی تعمیل کی اور جابہ  
 میں جا کر تمام کیا جواب دہوا کی خوبی میں مشہور تھا۔

جابہ پہنچ کر ابو عبیدہ بیمار پڑے۔ جب زیادہ شدت ہوئی تو لوگوں کو جمع کیا اور نہایت  
 پیر اثر الفاظ میں وصیت کی۔ معاذ بن حیل کو اپنا جانشین مقرر کیا اور چونکہ نماز کا وقت  
 آچکا تھا حکم دیا کہ وہی نماز پڑھائیں۔ اور نماز ختم ہوئی اور حاضرین نے داعی اجل کو لبیک  
 کہا۔ بیماری اسی طرح زور وں پر تھی اور فوج میں انتشار پھیلنا ہوا تھا۔ عمر و بن العاص  
 نے لوگوں سے کہا کہ یہ دبا انہی بلاؤں میں سے ہے جو بنی اسرائیل کے زمانے میں مصر

پر نازل ہوئی تھیں اس لئے بیان سے بھاگ چلنا چاہئے۔ معاذ نے سنا تو ممبر پر چڑھ کر خطبہ پڑھا اور کہا کہ یہ وبا بلائیں ہے بلکہ خدا کی رحمت ہے۔ خطبہ کے بعد غمیہ میں آئے تو بیٹے کو مبارک پایا۔ نہایت استقلال کے ساتھ کیا اب التَّحْقُّنُ رِثَابٌ فَلَا لَكُمْ مِنْ الْمُمْتَرِينَ۔ یعنی اے فرزند۔ یہ خدا کی طرف سے ہے۔ دیکھ شہیدین نہ پڑنا، بیٹے نے جواب دیا سُبْحَانَ اللَّهِ مَا تَكُنُ مِنَ الصَّابِرِينَ۔ یعنی خدا نے چاہا تو آپ مجھ کو صابر پائیں گے۔ یہ کلمہ انتقال کیا۔ معاذ بیٹے کو دفنا کر آئے تو خود بیمار پڑے۔ عمرو بن العاص کو خلیفہ مقرر کیا اور اس خیال سے کہ زندگی خدا کے قرب کا حجاب تھی۔ بڑے اطمینان اور سرت کے ساتھ جان دی۔

نہرب کا نشہ بھی عجیب چیز ہے۔ وبا کا وہ زور تھا اور ہزاروں آدمی طعمہ اہل ہوتے جاتے تھے۔ لیکن معاذ اس کو خدا کی رحمت سمجھا کئے اور کسی قسم کی کوئی تدبیر نہ کی۔ لیکن عمرو بن العاص کو یہ نشہ کم تھا۔ معاذ کے مرنے کے ساتھ انھوں نے مجمع عام میں خطبہ پڑھا اور کہا کہ وبا جب شروع ہوتی ہے تو آگ کی طرح پھیلی جاتی ہے۔ اس لئے تمام فوج کو بیان سے اٹھ کر سپاہیوں پر جارہنا چاہئے۔ اگرچہ انکی رائے بعض صحابہ کو جو معاذ کے ہم خیال تھے ناپسند آئی یہاں تک کہ ایک بزرگ نے علانیہ کہا کہ ”تو جھوٹ کہتا ہے“ تاہم عمرو نے اپنی رائے پر عمل کیا۔ فوج انکے حکم کے مطابق اُدھر اُدھر سپاہیوں پھیل گئی اور وبا کا خطرہ جاتا رہا۔ لیکن یہ تدبیر اس وقت عمل میں آئی کہ ۲ ہزار مسلمان جو آدمی دنیا کے فتح کرنے کے لئے کافی ہو سکتے تھے، موت کے

مہمان ہو چکے تھے۔ انہیں ابو عبیدہ۔ معاذ بن جیل۔ یزید بن ابی سفیان۔ عمارت بن ہشام۔ سہیل بن عمر۔ عقبہ بن سہیل۔ بڑے درجے کے لوگ تھے۔ حضرت عمرؓ کو ان تمام حالات سے اطلاع

ہوتی رہتی تھی۔ اور مناسب احکام بھیجتے رہتے تھے۔ یزید بن ابی سفیان اور معاذ کے مرنے کی خبر آئی تو معاویہ کو دمشق کا اور شرجیل کو اردن کا حاکم مقرر کیا۔

اس قیامت خیز وبا کی وجہ سے فتوحات اسلام کا سیلاب دفعۃً رک گیا۔ فوج بجائے اسکے کہ مخالفت پر حملہ کرتی خود اپنے حال میں گرفتار تھی۔ ہزاروں (شکے) یتیم ہو گئے۔ ہزاروں عورتیں بویہ بن گئیں۔ جو لوگ مرے تھے انکا مال و اسباب مارا مارا پھرتا تھا۔ حضرت عمرؓ نے ان حالات سے مطلع ہو کر شام کا قصد کیا۔ حضرت علیؓ کو مدینہ کی حکومت دی اور خود ایلمہ کو روانہ ہوئے۔ یرفہ انکا غلام اور بہت سے صحابہ ساتھ تھے۔ ایلمہ کے قریب پہنچے تو کسی مصلحت سے اپنی سواری غلام کو دی اور خود اسکے اونٹ پر سوار ہو گئے۔ راہ میں جو لوگ دیکھتے تھے پوچھتے تھے کہ امیر المؤمنین کون ہیں؟ فرماتے کہ تمہارے آگے! اسی حیثیت سے ایلمہ میں آئے اور یہاں دو ایک روز قیام کیا۔ گرمی کا کرتہ جریب بدن تھا کجا دے کی رگڑ لکھا کر بھیچے سے پھٹ گیا تھا۔ مرمت کے لئے ایلمہ کے پادری کو حوالہ کیا، اُس نے خود اپنے ہاتھ سے پیوند لگائے۔ اور اُسکے ساتھ ایک نیا کرتہ تیار کر کے پیش کیا۔ حضرت عمرؓ نے اپنا کرتہ پہن لیا اور کہا کہ اسمیں پسینہ خوب جذب ہوتا ہے۔ ایلمہ سے دمشق آئے۔ اور شام کے اکثر اضلاع میں دو دو چار چار دن قیام کر کے مناسب انتظامات کئے۔ فوج کی تنخواہیں تقسیم کیں۔ جو لوگ وبا میں ہلاک ہوئے تھے اُنکے دُور و نزدیک کے وارثوں کو بلا کر انکی میراث دلائی۔ سرحدی مقامات پر فوجی چھاؤنیاں قائم کیں۔ جو اسیامان خالی ہوئی تھیں اُنپر نئے عمدہ دارمقرر کئے (ان باتوں کی پوری تفصیل دوسرے حصے میں آئیگی) چلتے دقت لوگوں کو جمع کیا، اور جو انتظامات کئے تھے اُنکے متعلق تقریر کی۔

اس سال عرب میں سخت قحط پڑا۔ اور اگر حضرت عمرؓ نے نہایت مستعدی سے انتظام نہ کیا ہوتا تو ہزاروں لاکھ آدمی بھوکوں مر جاتے۔ اسی سال۔ مہاجرین اور انصار اور قبائل عرب کی تنخواہیں اور روزینے مقرر کئے۔ چنانچہ ان انتظامات کی تفصیل دوسرے حصے میں آئیگی۔

### قیساریہ کی فتح۔ شوال ۱۹ھ

یہ شہر بحرِ شام کے ساحل پر واقع ہے اور فلسطین کے اضلاع میں شمار کیا جاتا ہے۔ آج دیران پڑا ہے لیکن اس زمانے میں بہت بڑا شہر تھا اور بقول بلاذری کے تین سو بازار آباد تھے۔ یہ شہر پر اول اول ۱۹ھ میں عمرو بن العاص نے چڑھائی کی اور مدت تک محاصرہ کئے پڑے رہے لیکن فتح نہ ہو سکا۔ ابوسعیدہ کی وفات کے بعد حضرت عمرؓ نے یزید بن ابی سفیان کو امی جملہ مقرر کیا تھا۔ اور حکم دیا تھا کہ قیساریہ کی محاصرہ پر جائیں۔ وہ، اہلزار کی جمعیت کے ساتھ روانہ ہوئے اور شہر کا محاصرہ کیا۔ لیکن ۱۹ھ میں جب بیمار ہوئے تو امیر معاویہ اپنے بھائی کو اپنا قائم مقام کر کے دمشق چلے آئے اور سین وفات پائی۔ امیر معاویہ نے بڑے سرد سامان سے محاصرہ کیا۔ شہر دلہ کسی دفعہ قلعہ سے نکل کر ٹسے لیکن ہر دفعہ شکست کھائی۔ تاہم شہر پر قبضہ نہ ہو سکا۔ ایک دن ایک یہودی نے جبکہ نام یوسف تھا۔ امیر معاویہ کے پاس آکر ایک سنگ کا نشان دیا جو شہر کے اندر اندر قلعہ کے دروازے تک گئی تھی۔ چنانچہ چند بہادروں نے اسکی راہ قلعہ کے اندر پہنچ کر دروازہ کھول دیا۔ ساتھ ہی تمام فوج ٹوٹ پڑی اور کشتوں کے پتے لگا دیے۔ تو یزید کا بیان یہ



کہ کم سے کم عیسائیوں کی اتنی ہزار فوج تھی حسین بہت کم زندہ بچی۔ چونکہ یہ ایک مشہور مقام تھا اسکی فتح سے گویا شام کا مطلع صاف ہو گیا۔

### جزیرہ سہیلہ بحری

مدائن کی فتح سے دفعۃً تمام عجم کی آنکھیں کھل گئیں عرب کو یا تو وہ تحقیر کی نگاہ سے دیکھتے تھے یا اب انکو عرب کے نام سے لرزہ آتا تھا۔ اسکا یہ اثر ہوا کہ ہر ہر صوبے نے بجائے خود عرب کے مقابلے کی تیاریاں شروع کیں سب سے پہلے جزیرہ نے ہتیا رہنغا لایونکہ اسکی سرحد عراق سے بالکل ملی ہوئی تھی۔ سعد نے حضرت عمر کو ان حالات سے اطلاع دی۔ وہاں سے عبداللہ بن المہتم مامور ہوئے اور چونکہ حضرت عمر کو اس معرکہ کا خاص خیال تھا اور اور امیروں کو بھی خود ہی نامزد کیا۔ چنانچہ مقدمۃ الجیش پر ربیع بن الاقل۔ یمنہ پر عارت بن حسان۔ میسرہ پر فرات بن حیان۔ ساقہ پر عاتق بن قیس مامور ہوئے۔ عبداللہ بن المہتم پانچ ہزار کی جمعیت سے تکریت کی طرف بڑھے۔ اور شہر کا محاصرہ کیا۔ مہینے سے زیادہ زیادہ محاصرہ رہا۔ اور ۲۴ دفعہ حملے ہوئے۔ چونکہ عجمیوں کے ساتھ عرب کے چند قبائل یعنی ایاد۔ ثعلب۔ مضر۔ جعی شرکیہ تھے۔ عبداللہ نے خفیہ پیام بھیجا اور غیرت دلائی کہ تم عرب ہو کر عجم کی غلامی کیوں گوارا کرتے ہو؟ اس کا یہ اثر ہوا کہ سب نے اسلام قبول کیا اور کھلا بھیجا کہ تم شہر پر حملہ کرو۔ ہم

۱۔ جزیرہ اس حصہ آبادی کا نام ہے جو مدینہ اور فزات کے بیچ ہیں اسکی حدود اردبیل ہیں۔ مغرب آرمینیا کا کچھ حصہ۔ اور ایشیا کی کچھ

جنوب شام۔ مشرق عراق۔ شمال آرمینیا کے کچھ حصے۔ یہ تمام دج فتنہ ہے۔ ۲۔ کریمہ جزیرہ کا سب سے ابتدائی شہر ہے جسکی حدود

۳۔ یہ جزیرہ ہے۔ وجہ کے غریب جانب واقع ہے اور مصل سے ۶ منزل پر ہے۔

عین موقع پر عجمیوں سے ٹوٹ کر تم سے آملین گئے۔ یہ بند و بست ہو کر نایح معین پڑھا دیا۔  
عجمی مقابلے کو نکلے تو خود انکے ساتھ کے عربوں نے عقب سے انپر حملہ کیا۔ عجمی دونوں طرف  
سے گھر کر بالکل پامال ہو گئے۔

یہ معرکہ اگرچہ جزیرہ کی مہمات میں شامل ہے لیکن چونکہ اسکا موقع اتفاقی طور سے عراق کے  
سلسلے میں آگیا تھا اس لیے مورخین اسلام، جزیرہ کی فتوحات کو اس واقعہ سے شروع  
نہیں کرتے۔ اور خود اس زمانے میں یہ معرکہ عراق کے سلسلے سے الگ بنین خیال کیا جاتا تھا  
سنہ ہجری میں جب عراق و شام کی طرف سے اطمینان ہو گیا تو سعد کے نام حضرت عمر  
کا حکم پہنچا کہ جزیرہ پر فوجیں بھیج جائیں۔ سعد نے عیاض بن غنم کو پانچ ہزار کی جمعیت سے  
اس مہم پر مامور کیا۔ وہ عراق سے چل کر جزیرہ کی طرف بڑے اور شہر رہا کے قریب کجی  
زمانے میں رومن امپائر کا یادگار مقام تھا، دیرے ڈالے۔ بیان کے حاکم نے خیف سی  
روک ٹوک کے بعد جزیرہ پر صلح کر لی۔ رہا، کے بعد چند روز میں تمام جزیرہ اس سرے  
اس سترک فتح ہو گیا۔ جن جن مقامات پر خیف خیف لڑائیاں پیش آئیں انکے یہ نام ہیں۔ قحہ  
حران۔ نصیبین۔ میار فارقین۔ سساط۔ سروج۔ قرقسیا۔ زوزان۔ عین الوردہ۔

## خوزستان

سنہ ہجری میں خیرہ بن شعبہ بصرہ کے حاکم مقرر ہوئے اور چونکہ خوزستان کی حد

خوزستان اس حصہ آبادی کا نام ہے جو عراق اور فارس کے درمیان واقع ہے انہیں ۱۲ بڑے شہر ہیں جن میں سے

بڑا شہر "امواز" ہے جو نقشہ میں بھی مرقہ کر دیا گیا ہے ۱۲

بصرہ سے ملی ہوئی ہے۔ انھوں نے خیال کیا کہ اسکے فتح کے بغیر بصرہ میں کافی طور سے امن و امان قائم نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ سپہ مجری کے شروع میں اہواز پر جسکو ایرانی ہرگز نہیں کہتے تھے حملہ کیا۔ بیان کے رئیس نے ایک مختصر سی رقم دے کر صلح کر لی۔ مغیرہ و میں کی گئے شہر مجری میں مغیرہ معزول ہو کر انکی جگہ ابو موسیٰ اشعری مقرر ہوئے۔ اس انقلاب میں اہواز کے رئیس نے سالانہ رقم بند کر دی اور علانیہ بغاوت کا اظہار کیا۔ مجبوراً ابو موسیٰ نے لشکر کشی کی۔ اور اہواز کو جا گھیرا۔ شاہی فوج جو بیان رہتی تھی اسے بڑی پامردی سے مقابلہ کیا۔ لیکن آخر شکست کھائی اور شہر فتح ہو گیا۔ غنیمت کے ساتھ ہزاروں آدمی لونڈی غلام بنکر تقسیم کیے گئے۔ لیکن جب حضرت عمر کو اطلاع ہوئی تو انھوں نے لکھ بھیجا کہ سب رہا کر دیے جائیں چنانچہ وہ سب چھوڑ دیے گئے۔ ابو موسیٰ نے اہواز کے بعد مناذر کا رخ کیا۔ چونکہ ایک محفوظ مقام تھا۔ شہر والوں نے بھی مہمت اور استقلال سے حملے کو روکا۔ اس موقع میں مہاجر بن زیاد جو ایک معزز افسر تھے شہید ہوئے۔ اور قلعہ والوں نے انکا سر کاٹ کر بیچ کے لنگرہ پر لٹکا دیا۔ ابو موسیٰ نے مہاجر کے بھائی بزیج کو بیان چھوڑا اور خود سوس کو روانہ ہوئے۔ بزیج نے مناذر کو فتح کر لیا اور ابو موسیٰ نے سوس کا محاصرہ کر کے ہر طرف سے رسد بند کر دی۔ قلعہ میں کھانے پینے کا سامان ہو چکا تھا۔ مجبوراً رئیس شہر نے اس شرط پر صلح کی کہ اس کے خاندان کے سوا آدمی زندہ چھوڑ دیے جائیں۔ ابو موسیٰ نے منظور کیا۔ رئیس ایک ایک آدمی کو نامزد کرتا جاتا تھا اور اسکو امن دیدیا جاتا تھا۔ بد قسمتی سے شمار میں رئیس نے خود اپنا نام نہیں لیا تھا۔ چنانچہ جب ستر کی تعداد پوری ہو گئی تو ابو موسیٰ نے رئیس کو جو شمار سے باہر تھا قتل کر لیا۔

سوس کے بعد رامہنر کا محاصرہ ہوا اور آٹھ لاکھ سالانہ پر صلح ہو گئی۔ یزدگرد اُس وقت قم میں مقیم تھا اور خاندانِ شاہی کے تمام ارکان ساتھ تھے۔ ابو موسیٰ کی دست درازیوں کی خبریں اُسکو برابر پہنچتی تھیں۔ ہرمزان نے جو شیر و دیہ کا مومن اور بڑی قوت و اقتدار کا سردار تھا، یزدگرد کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی کہ اگر اہواز و فارس میری حکومت میں دیدیے جائیں تو میں عرب کے سیلاب کو آگے بڑھنے سے روک دوں۔ یزدگرد نے اُسی وقت ہرمزان حکومت عطا کر کے ایک جمعیتِ عظیم ساتھ کر دی۔ خوزستان کا صدر مقام شوشہ تھا اور شاہی عمارات اور فوجی چھاؤنیاں جو کچھ تھیں بین تھیں۔ ہرمزان نے وہاں ہینچکر طلعمہ کی مرت کرائی۔ اور خندق اور برجوں سے مستحکم کیا۔ اسکے ساتھ ہر طرف نقیب اور ہر کارے دوڑادیے کہ لوگوں کو جوش و ملا کر جنگ کیلئے آمادہ کریں۔ اس تدبیر سے قومی جوش جو افسردہ ہو گیا تھا پھر تازہ ہو گیا اور چند روز میں ایک جمعیتِ اعظم فراہم ہو گئی۔ ابو موسیٰ نے دربارِ خلافت کو نامہ لکھا اور مدد کی درخواست کی۔ وہاں سے عمار بن یاسر کے نام جو اُس وقت کوفہ کے گورنر تھے، حکم آیا کہ نعمان بن مقرن کو ہزار آدمی کے ساتھ مدد کو بھیجیں۔ لیکن غنیم نے جو سرد سامان کیا تھا اسکے سامنے یہ جمعیت بیکار تھی۔ ابو موسیٰ نے دوبارہ لکھا جس کے جواب میں عمار کو حکم پہنچا کہ عبداللہ بن مسعود کو آدمی فوج کے ساتھ کوفہ میں چھوڑ دو اور باقی فوج لے کر خود ابو موسیٰ کی مدد کو جاؤ۔ اُدھر جریر بن علی ایک بڑی فوج لیکر جلو لا پہنچا۔ ابو موسیٰ نے اس سرد سامان سے شوشہ کا رخ کیا اور شہر کے قریب ہینچکر دیر سے ڈالے۔ ہرمزان کثرتِ فوج کے بل پر خود شہر سے نکل کر حملہ آور ہوا۔ ابو موسیٰ نے بڑی ترقیب سے صف آرائی کی۔ نیمینہ براہِ بن مالک کو دیا۔ (یہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کے بھائی تھے)

میسرو پر برابر بن عازب انصاری کو مقرر کیا۔ سواروں کا رسالہ حضرت انس کی رکاب میں تھا۔ دونوں فوجیں خوب جی توڑ کر لڑیں۔ برابر بن مالک مارتے دھارتے شہر نپاہ کے بسا لٹ تک پہنچ گئے۔ اُدھر ہرزان نہایت بہادری کے ساتھ فوج کو لڑا رہا تھا۔ عین بھاگ پر دونوں کا سامنا ہوا۔ برابر مارے گئے۔ ساتھ ہی غزاة بن ثور نے جو سینہ کو لڑا رہے تھے بڑھ کر وار کیا۔ لیکن ہرزان نے ابکا بھی کام تمام کر دیا۔ تاہم میدان مسلمانوں کے ہاتھ رہا۔ عجی ایک ہزار مقتول اور قلعہ سوزندہ گرفتار ہوئے۔ ہرزان نے قلعہ بند ہو کر لڑائی جاری رکھی۔

ایک دن شہر کا ایک آدمی چپ کر ابو موسیٰ کے پاس آیا اور کہا کہ اگر میرے جان و مال کو امن دیا جائے تو میں شہر پر قبضہ کر ادوں۔ ابو موسیٰ نے منظور کیا۔ اس نے ایک عرب کو جبکا نام اشرس تھا ساتھ لیا اور نہر دجل سے جو دجلہ کی ایک تلخ ہے اور شہر کے نیچے بہتی ہے پار کر کے ایک ترخانے کی راہ شہر میں داخل ہوا اور اشرس کے منہ پر چادر ڈال کر کہا کہ نوکر کی طرح میرے پیچھے پیچھے چلے آؤ۔ چنانچہ شہر کے گلی کوچوں سے گزرتا ہوا خاص ہرزان کے محل میں آیا۔ ہرزان رئیسوں اور درباریوں کے ساتھ طلبہ جائے بیٹھا ہوا تھا۔ شہری نے انکو تمام عمارات کی سیسہ کرائی اور موقع کے نشیب و فراز دکھا کر ابو موسیٰ کی خدمت میں حاضر ہوا کہ میں اپنا فرض ادا کر چکا آگے تمہاری ہمت اور تقدیر ہے۔ اشرس نے اس کے بیان کی تصدیق کی اور کہا کہ دوستو جاننا میرے ساتھ ہوں تو شہر فوراً فتح ہو جائے۔ ابو موسیٰ نے فوج کی طرف دیکھا۔ دوستو، بہادریوں نے بڑھ کر کہا کہ خدا کی راہ میں ہماری جان حاضر ہے۔ اشرس اسی ترخانے کی راہ شہر نپاہ کے دروازے پر پہنچے۔ اور پہرہ والوں کو تہ تیغ کر کے اندر کی طرف سے دروازے کو لہ لیتے

ادھر ابو موسیٰ فوج کے ساتھ موقع پر موجود تھے۔ دروازہ کھلنے کے ساتھ تمام لشکر ٹوٹ پڑا اور  
شہر میں ہل چل پڑ گئی۔ ہرمزان نے بھاگ کر قلعے میں پناہ لی مسلمان قلعہ کے نیچے پہنچے تو  
اُس نے برج پر چڑھ کر کہا کہ میرے ترکش میں اب بھی ستائیس ہیں اور جب تک اتنی ہی لاشیں بیان  
نہ کیجے جائیں میں گرفتار نہیں ہو سکتا۔ تاہم میں اس شرط پر اتر آتا ہوں کہ تم مجھ کو مدتیہ ہو چکاؤ۔  
اور جو کچھ فیصلہ ہو عمر کے ہاتھ سے ہو، ابو موسیٰ نے منظور کیا اور حضرت انس کو مامور کیا کہ میرے  
تک اُس کے ساتھ جائیں۔ ہرمزان بڑی شان و شوکت سے روانہ ہوا۔ بڑے بڑے ریل اور  
خاندان کے تمام آدمی رکاب میں لیے۔ مدینہ کے قریب پہنچ کر شاہانہ ٹھاٹھ سے آراستہ  
ہوا۔ تاج مرصع جو آذین کے لہجے سے مشہور تھا سر پر رکھا۔ دیبا کی قبازیب بدن کی۔ اور  
شاہانِ عجم کے طریقے کے موافق زیور پہنے سر سے مرصع تلوار لگائی۔ غرض شوکت و شان کی تصویر  
بنکر مدینے میں داخل ہوا اور لوگوں سے پوچھا کہ امیر المومنین کمان میں؟ وہ سمجھتا تھا کہ جس شخص  
کے دبہ بنے تمام دنیا میں ناطقہ ڈال رکھا ہے اس کا دربار بھی بڑے سرو سامان کا ہو گا۔ حضرت  
عمر اس وقت مسجد میں تشریف رکھتے تھے اور فرش خاک پر لیٹے ہوئے تھے۔

ہرمزان مسجد میں داخل ہوا تو سیکڑوں تماشاخی ساتھ تھے جو اسکے زرق برق لباس  
کو بار بار دیکھتے تھے اور تعجب کرتے تھے۔ لوگوں کی آہٹ سے حضرت عمر کی آنکھ کھلی تو عجیب  
شان و شوکت کا مرتع سامنے تھا۔ اوپر سے نیچے تک دیکھا اور حاضرین کی طرف مخاطب  
ہو کر فرمایا کہ ”یہ دنیا سے دو ان کی دلفریب بیان ہیں۔“ اسکے بعد ہرمزان کی طرف مخاطب  
ہوئے۔ اس وقت تک تشریف نہیں آیا تھا۔ مغیرہ بن شعبہ کچھ کچھ فارسی سے آشنا تھے، اس لیے

انھوں نے ترجائی کی۔ حضرت عمرؓ نے پہلے وطن پوچھا۔ مغیرہؓ وطن کی فارسی نہیں جانتے تھے۔ اس لیے کہا کہ از کدام ارضی؟ پھر اور باتیں شروع ہوئیں۔ تھادیہ کے بعد ہرمزان نے کئی دفعہ سعدؓ سے صلح کی تھی اور ہمیشہ امتہؓ اس سے پھر پھرتا تھا۔ شوستر کے معرکے میں دو بڑے مسلمان امیر اس کے ہاتھ سے مارے گئے تھے۔ حضرت عمرؓ کو ان باتوں کا اس قدر رنج تھا کہ انھوں نے ہرمزان کے قتل کا پورا ارادہ کر لیا تھا تاہم اتمامِ حجت کے طور پر عرضِ معروض کی اجازت دی۔ اس نے کہا کہ عمرؓ جب تک خدا ہمارے ساتھ تھا ہم اب غلام تھے اب خدا تمہارے ساتھ ہے اور ہم تمہارے غلام ہیں۔ یہ کہہ کر نیچے کا پانی مانگا۔ پانی آیا تو پیالہ ہاتھ میں لے کر درخواست کی کہ جب تک پانی نہ پی لوں مارا بخاؤں۔ حضرت عمرؓ نے منظور کیا۔ اسے پیالہ ہاتھ سے رکھ دیا اور کہا کہ میں پانی نہیں پیتا اور اس لیے شرط کے موافق، تم مجھ کو قتل نہیں کر سکتے۔ حضرت عمرؓ اس معاملے پر حیران رہ گئے۔ ہرمزان نے کلمہ توحید پڑھا اور کہا کہ میں پہلے ہی اسلام لا چکا تھا لیکن یہ تدبیر اس لیے کی کہ لوگ یہ نہ کہیں کہ میں نے تمہارے ڈر سے اسلام قبول کیا۔ حضرت عمرؓ نہایت خوش ہوئے اور خاص مہینہ میں رہنے کی اجازت دی، اس کے ساتھ دو ہزار سالانہ روزینہ مقرر کر دیا۔ حضرت عمرؓ فارس وغیرہ کی فہمائیں اکثر اس سے مشورہ لیا کرتے تھے۔

شوستر کے بعد جب دی ساہور پر حملہ ہوا جو شوستر سے ۴۰ میل ہے۔ کئی دن تک محاصرہ رہا۔ ایک دن شہر والوں نے خود شہر نیاہ کے دروازے کھول دیے اور نہایت اطمینان کے ساتھ

تمام لوگ اپنے کاروبار میں مصروف ہوئے۔ مسلمانوں کو انکے اطمینان پر تعجب ہوا اور اسکا سبب دریافت کیا۔ شہر والوں نے کہا تم ہکو جزیرہ کی شرط پر امن دے چکے۔ اب کیا جھگڑا رہا۔ سب کو حیرت تھی کہ امن کس نے دیا؟ تحقیق سے معلوم ہوا کہ ایک غلام نے لوگوں سے چھپا کر امن کا رقعہ لکھ دیا ہے۔ ابو موسیٰ نے کہا ایک غلام کی خود رائی محبت نہیں ہو سکتی۔ شہر والے کہتے تھے کہ ہم آزاد اور غلام نہیں جانتے۔ آخر حضرت عمر کو خط لکھا گیا۔ انھوں نے جواب میں لکھا کہ مسلمانوں کا غلام بھی مسلمان ہے اور حکموں سے امان دیدی تمام مسلمان امان دیکچکے۔ اس شہر کی فتح نے تمام خوزستان میں اسلام کا سکہ بٹھا دیا اور فتوحات کی فہرست میں ایک اور نیا ملک اضافہ ہو گیا۔

### عراق عجم۔ سپہ ہجری

جلولہ کے بعد جبکہ ہم پہلے لکھ آئے ہیں یزدگرد، رومی چلا گیا۔ لیکن میان کے رئیس ابان جادویہ نے بیوفائی کی۔ اس لئے اسے سے نکل کر اصفہان اور کرمان ہوتا ہوا خراسان پہنچا۔ میان پہنچ کر مرو میں اقامت کی۔ آتش پارسی ساتھ تھی اسکے لئے آتشکدہ تیار کرایا اور مطہرین جو کر پہر سلطنت و حکومت کے ٹھاٹھ لگا دئے۔ یہیں خبر لگی کہ عربوں نے عراق کے ساتھ خوزستان بھی فتح کر لیا اور ہر فرمان جو سلطنت کا زور بازو تھا زندہ گرفتار ہو گیا۔ یہ حالات سن کر نہایت

۱۔ سرزمین عراق دو حصوں پر منقسم ہے مغربی حصے کو عراق حب کہتے ہیں اور مشرقی حصے کو عراق عجم۔ عراق عجم کی حدود اربعہ یہ ہیں کہ شمال میں بلقان، جنوب میں شیراز، مشرق میں خوزستان، اور مغرب میں شمران واقع ہے۔ اسوقت اسکے بڑے شہر اصفہان، ہمدان اور رومی سمجھ جاتے تھے۔ اسوقت رومی باہل و بران ہو گیا اور اسکے قریب ہمدان آکر ہو گیا ہے جو نشان قاجار کا دار السلطنت ہے۔ ۱۲



طیش میں آیا۔ اگرچہ سلطنت کی حیثیت سے اسکا وہ پہلا عرب و داب باقی نہیں رہا تھا تاہم تین مہینے  
 برس کا خاندانی اثر دفعۃً نہیں مٹ سکتا تھا۔ ایرانی اس وقت تک یہ سمجھتے تھے کہ عرب کی آمد میسر نہ  
 مقامات تک پہنچ کرک جائیگی۔ اس لئے انکو اپنی خاص سلطنت کی طرف سے اطمینان تھا لیکن  
 خوزستان کے واقعہ سے انکی آنکھیں کھلیں۔ ساتھ ہی شہنشاہ کے فرامین اور قیوب پہنچے، اس سے  
 دفعۃً طبرستان، جرجان، دماوند، رے، اصفہان، ہمدان سے گذر کر خراسان۔ اور تہ تک تلام  
 بیج گیا۔ اور ڈیڑھ لاکھ کا بیڑی دلِ قہر میں آکر بٹھرا۔ یزدگرد نے مردان شاہ کو رہزنا فرزند تھا، لشکر  
 مقرر کر کے نواوند کی طرف روانہ کیا۔ اس معرکہ میں درفش کاویانی جسکو عجمِ فالِ ظفر سمجھتے تھے  
 مبارک فالی کے لحاظ سے نکالا گیا۔ چنانچہ مردان شاہ جب روانہ ہوا تو اس مبارک علم کا پھر ریا  
 اسپر سایہ کرا جاتا تھا۔ عمار بن یاسر نے جو اس وقت کوفہ کے گورنر تھے حضرت عمر کو این حالات  
 سے اطلاع دی۔ حضرت عمر عمار کا خط لئے ہوئے مسجد نبوی میں آئے اور سب کو سنا کے کہا  
 کہ گردہ عرب! اس مرتبہ تمام ایران کمر بستہ ہو کر چلا ہے کہ مسلمانوں کو دنیا سے مٹا دے۔ تم لوگوں کی  
 کیا رائے ہے؟ طلحہ بن عبید اللہ نے اٹھ کر کہا کہ امیر المومنین! واقعات نے آپکو تجربہ کار بنا دیا ہے  
 ہم اسکے سوا کچھ نہیں جانتے کہ آپ جو حکم دین بجالائیں، حضرت عثمان نے کہا کہ ”میری رائے  
 ہے کہ شام۔ یمن۔ بصرہ کے افسروں کو لکھا جائے کہ اپنی فوجیں لیکر عراق کو روانہ ہوں۔ اور  
 آپ خود اہل حرم کو لیکر مدینہ سے آئیں۔ کوفہ میں تمام فوجیں آپکے علم کے نیچے جمع ہوں اور  
 پھر نواوند کی طرف رخ کیا جائے۔“ حضرت عثمان کی اس رائے کو سب نے پسند کیا۔ لیکن  
 حضرت علیؓ چپ تھے۔ حضرت عمرؓ نے انکی طرف دیکھا وہ بولے کہ شام اور بصرہ سے فوجیں

ہمیں تو ان مقامات پر سرحد کے دشمنوں کا قبضہ ہو جائیگا اور آپ نے مدینہ چھوڑا تو عرب میں ہر طرف قیامت برپا ہو جائیگی اور خود اپنے ملک کا تھا مناشکل ہوگا۔ میری رائے ہے کہ آپ یہاں سے نہ ملین اور شام۔ یمن۔ بصرہ وغیرہ میں ان صحیبے جائیں کہ جہاں جہاں جس قدر فوجیں ہیں ایک ایک نمٹ ادھر روانہ کر دیجائیں۔ حضرت عمرؓ نے کہا میری بھی یہی رائے تھی لیکن میں تنہا اسکا فیصلہ کرنا نہیں چاہتا تھا۔ اب یہ بحث پیش آئی کہ ایسی بڑی مہم میں سپہ سالار کون کون جاسے؟ لوگ ہر طرف خیال دوڑاتے تھے لیکن اس درجہ کا کوئی شخص نظر نہیں آتا تھا۔ جو لوگ اس منصب کے قابل تھے وہ اور اہم مقامات میں مصروف تھے۔

حضرت عمرؓ کے مراتب کمال میں یہ بات بھی داخل ہے کہ انھوں نے ملک کے حالات سے ایسی واقفیت حاصل کی تھی کہ قوم کے ایک ایک فرد کے اوصاف، انکی نگاہ میں تھے۔ چنانچہ اس موقع پر حاضرین نے خود کہا کہ اسکا فیصلہ آپ سے بڑھ کر کون کر سکتا ہے؟ حضرت عمرؓ نے نعمان بن مقرن کو انتخاب کیا اور سب نے اسکی تائید کی۔ نعمان۔ تیس ہزار کی محبت سے کرکوفہ سے روانہ ہوئے۔ اس فوج میں بڑے بڑے صحابہ شامل تھے جنہیں سے خدیفہ بن الیمان۔ عبداللہ بن عمر۔ جریر بن عبدالمطلب۔ مغیرہ بن شعبہ۔ عمرو معدی کرب۔ زیادہ مشہور ہیں۔ نعمان نے جاسر بن کعبہ کو معلوم کیا کہ ننادند تک راستہ صاف ہے۔ چنانچہ ننادند تک برابر بڑھتے چلے گئے۔ ننادند سے تومیل ادھر اسپدان ایک مقام تھا وہاں پہنچ کر ڈاؤ ڈالا۔ ایک بڑی تدبیر حضرت عمرؓ نے یہی کہ فارس میں جو اسلامی فوجیں موجود تھیں انکو لکھا کہ ایرانی اس طرف سے ننادند کی طرف بڑھنے نہ پائیں۔ اس طرح دشمن ایک بہت بڑی مدد سے محروم رہ گیا۔

عجم نے نمان کے پاس سفارت کے لئے پیغام بھیجا۔ چنانچہ مغیرہ بن شعبہ جو پہلے بھی اس کام کو انجام دیکھ چکے تھے سفیر نکل گئے۔ عجم نے بڑی شان سے در و دربار آراستہ کیا، مردان شاہ کو تاج پہنا کر تختِ زر پر بٹھایا۔ تخت کے دائیں بائیں ملک ملک کے شاہزادے، دیباے زرکش کی قبائیں، بہر پرتاج زر، ہاتھوں میں سونے کے کنگن، پنکڑ بیٹھے۔ انکے پیچھے دُور دُور تک سپاہیوں کی صفیں قائم ہوئیں، جنگی برہنہ تلواروں سے انکھیں خیرہ ہوئی جاتی تھیں۔ مترجم کے ذریعے سے گفتگو شروع ہوئی۔ مردان شاہ نے کہا۔ اہل عرب! سب سے زیادہ بخت، سب سے زیادہ طاقت، سب سے زیادہ ناپاک، جو قوم ہو سکتی ہے تم ہو! یہ قدر انداز جو میرے تخت کے گرد کھڑے ہیں ابھی تمہارا فیصلہ کر دیتے۔ لیکن مجھ کو یہ گوارا نہ تھا کہ انکے تیر تمہارے ناپاک خون میں آلودہ ہوں۔ اب بھی اگر تم بیان سے چلے جاؤ تو میں تم کو معاف کر دوں گا۔ مغیرہ نے کہا ہاں ہم لوگ ایسے ہی ذلیل و حقیر تھے لیکن اس ملک میں اگر کمزور دولت کا مزہ بڑ گیا اور یہ فرسے ہم سے اسی وقت چھوٹیں گے جب ہماری لاشیں خاکِ پز کچھ جائیں۔ غرض سفارت بجاصل گئی۔ اور دونوں طرف جنگ کی طیاریاں شروع ہو گئیں۔ نعمان نے یمنہ اور سیرہ خدیفہ اور سوید بن مقرن کو دیا۔ مجرہہ پر ققاع کو مقرر کیا۔ ساقہ پر جاشع۔ مستعین ہوئے۔ ادھر یمنہ پر زردک۔ اور سیرہ پر یمن تھا۔ عجمیوں نے میدانِ جنگ میں پہلے سے ہر طرف گولہ بچھا دئے تھے جسکی وجہ سے مسلمانوں کو آگے بڑھنا مشکل ہوتا تھا اور عجمی جب چاہتے تھے شہر سے نکل کر حملہ آور ہوتے تھے۔ نمان نے یہ حالت دیکھ کر افسروں کو جمع کیا اور سب سے الگ الگ رائے لی۔ علیہ بن خالد الاسدی کی رائے کے موافق فومین آراستہ ہو کر شہر سے پچھلے سانت میل کے فاصلہ پر پھٹے۔ اور ققاع کو تھوڑی سی فوج دیکر بھیجا کہ شہر پر حملہ آور ہوں۔

عجمی بڑے جوش سے مقابلہ کو کھلے اور اس بندوبست کے لیے کہ کوئی شخص بھیجے نہ ہٹنے پائے جس قدر بڑھتے آتے تھے پیچھے گو کھرو کھجائے آتے تھے۔ قحطان نے لڑائی چھیڑ کر آہستہ آہستہ پیچھے ہٹنا شروع کیا۔ عجمی برابر بڑھتے چلے آئے۔ یہاں تک کہ گو کھرو کی سرحد سے نکل آئے۔ نعمان نے ادھر جو فوجیں جبار کھتی تھیں موقع کا انتظار کر رہی تھیں۔ جون ہی عجمی زور پر آئے انھوں نے حملہ کرنا چاہا۔ لیکن نعمان نے روکا۔ عجمی جو برابر تیر بربار ہے تھے اس سے سیکڑوں ہزاروں مسلمان کام آئے لیکن افسر کی یہ اطاعت تھی کہ زخم کھاتے تھے اور ہاتھ روکے کھڑے تھے۔ مغیرہ بار بار کہتے تھے کہ فوج بیکار ہوئی جاتی ہے اور موقع ہاتھ سے نکلا جاتا ہے۔ لیکن نعمان اس خیال سے دوپہر کے چلنے کا انتظار کر رہے تھے کہ رسول اللہ حب دشمن پر حملہ کرتے تھے تو اسی وقت کرتے تھے۔ غرض دوپہر دھلی، تو نعمان نے دستور کے موافق تین نفرے مارے۔ پہلے نفرہ پر فوج سرد سامان سے درست ہو گئی۔ دوسرے پر لوگوں نے تلواریں تول لیں۔ تیسرے پر دفعۃً حملہ کیا اور اس بے جگری سے ٹوٹ کر گئے کہ کشتوں کے پشتے لگ گئے۔ میدان میں اس قدر خون بہا کہ گھوڑوں کے پانوں پھیل پھیل جاتے تھے۔ چنانچہ نعمان کا گھوڑا پھیل کر گرا ساتھ ہی خود بھی گرے اور زخموں سے چوڑ ہو گئے۔ انکا امتیازی لباس جس سے وہ معرکے میں پہچانے جاتے تھے کلاہ اور سفید قبا تھی۔ جون ہی وہ گھوڑے سے گرے نعیم بن مقرن انکے بھائی نے علم کو جھپٹ کر تھام لیا اور انکی کلاہ اور قبا پس کر انکے گھوڑے پر سوار ہو گئے۔ اس تدبیر سے نعمان کے مرنے کا حال کسی کو معلوم نہوا اور اڑائی بدستور قائم رہی۔ اس مبارک زمانے میں مسلمانوں کو خدا نے جو ضبط و استقلال دیا تھا اسکا انبازہ

ذیل کے واقعہ سے ہو سکتا ہے نعمان جس وقت زخمی ہو کر گرے تھے اعلان کر دیا تھا کہ میں  
مرہمی جاؤں تو کوئی شخص لڑائی کو چھوڑ کر میری طرف متوجہ نہ ہو۔ اتفاق سے ایک سپاہی انکے  
پاس سے نکلا، دیکھا تو کچھ سانس باقی ہے اور دم توڑ رہے ہیں۔ گھوڑے سے اتر کر انکے پاس بیٹھنا  
چاہا کہ انکا حکم یاد آگیا۔ اسی طرح چھوڑ کر چلا گیا۔ فتح کے بعد ایک شخص سر جانے گیا۔ انھوں نے  
آنکھیں کھولیں اور پوچھا کہ کیا انجام ہوا؟ اسنے کہا مسلمانوں کو فتح ہوئی، خدا کا شکر ادا کر کے  
کہا کہ فوراً عمر کو اطلاع دو۔

رات ہوتے ہوتے عمیوں کے پانوں اکٹھے اور بھاگ نکلے مسلمانوں نے ہومان تک  
تغاب کیا۔

خدیفہ بن الیمان نے جو نعمان کے بعد سر لشکر مقرر ہوئے سناؤندہ پنچا مقام کیا۔ بیان ایک  
مشہور آتشکدہ تھا اسکا نموبہ خدیفہ کی خدمت میں حاضر ہوا کہ مجھکو امن دیا جائے تو میں ایک  
ملاعبے بھاگ پستہ دون۔ چنانچہ کسرے پر دیز کے نہایت بیش بابا جواہرات لاکر پیش کیے جسکو  
کسرے نے شکل وفتون کے لیے محفوظ رکھا تھا۔ خدیفہ نے مال غنیمت کو تقسیم کیا اور پانچواں حصہ  
مع جواہرات کے حضرت عمر کی خدمت میں بھیجا۔ حضرت عمر کو ہفتون سے لڑائی کی خبر نہ تھی پہنچی  
قاصد نے مردہ فتح سنایا تو بے انتہا خوش ہوئے۔ لیکن جب نعمان کا شہید ہونا سنا تو بے اختیار  
رہ پڑے۔ اور دیر تک سر پر ہاتھ رکھ کر روتے رہے۔ قاصد نے اور شہدا کے نام گنائے اور کہا  
کہ بت سے اور لوگ بھی شہید ہوئے جنگو میں نہیں جاتا۔ حضرت عمر پھر روئے اور فرمایا کہ عمر تجا  
تو نہ جانے خدا انکو جاتا ہے۔ جواہرات کو دیکھ کر غصہ سے کہا کہ فوراً واپس لیجاؤ اور خدیفہ سے

کہو کچھ کر فوج کو تقسیم کر دیں۔ چنانچہ یہ جو اہرات چار کروڑ درہم کو فروخت ہوئے۔  
اس لڑائی میں قریباً تیس ہزار عجمی لڑکر مارے گئے۔ اس سرک کے بعد عجم نے پھر کبھی زور  
نہیں پکڑا۔ چنانچہ عرب نے اس فتح کا نام فتح الفسوح رکھا۔ فیروز جبکہ ہاتھ پر حضرت فاروق  
کی شہادت لکھی تھی اسی لڑائی میں گرفتار ہوا تھا۔

## عام لشکر کشی ۲۱ھ

اس وقت تک حضرت عمرؓ نے ایران کی عام تسخیر کا ارادہ نہیں کیا تھا۔ اب تک جو لڑائیاں  
ہوئیں وہ صرف اپنے ملک کی حفاظت کے لئے تھیں۔ عراق البتہ مالک محدود زمین اضافہ  
کر لیا گیا تھا لیکن وہ درحقیقت عرب کا ایک حصہ تھا کیونکہ اسلام سے پہلے اسکے ہر حصہ میں عرب  
آباد تھے۔ عراق سے آگے بڑھ کر جو لڑائیاں ہوئیں وہ عراق کے سلسلہ میں خود بخود پیدا ہوتی  
گئیں۔ حضرت عمرؓ خود فرمایا کرتے تھے کہ کاش ہمارے اور فارس کے بیچ میں آگ کا پہاڑ ہوتا کہ وہ ہم پر  
حملہ کر سکتے نہ ہم آپر چڑھ کر جا سکتے۔

لیکن ایرانیوں کو کسی طرح چین نہیں آتا تھا۔ وہ ہمیشہ نئی فوجیں تیار کر کے مقابلے پر آتے  
تھے اور جو مالک مسلمانوں کے قبضے میں آچکے تھے وہاں غدر کروادیا کرتے تھے۔ نہادند  
کے موہ کے سے حضرت عمرؓ کو اس پر خیال ہوا اور اکابر صحابہ کو بلا کر دھچکا کہ مالک مفتوحہ میں بااثر  
بغادت کیوں ہو جاتی ہے؟ لوگوں نے کہا جب تک یزدگرد ایران کی حدود سے نکل نہ جائے  
یہ فتنہ فرو نہیں ہو سکتا کیونکہ جب تک ایرانیوں کو یہ خیال رہے گا کہ تخت کیان کا وارث موجود ہے

اس وقت تک انکی امیدیں منقطع نہیں ہو سکتیں۔

اس بنا پر حضرت عمرؓ نے عام شکرکشی کا ارادہ کیا۔ اپنے ہاتھ سے متعدد وعلم تیار کئے اور جدا جدا امالک کے نام سے نامزد کر کے مشہور افسردن کے پاس بھیجے۔ چنانچہ خراسان کا علم احنف بن قیس کو، ساہور و اردشیر کا۔ مجاشع بن مسعود کو، صطخر کا۔ عثمان بن العاص ثقفی کو، فسا کا۔ ساریہ بن رعم الکفانی کو۔ کرمان کا۔ سیل بن عدی کو، سیستان کا۔ عاصم بن عمر کو۔ کرمان کا۔ حکم بن عمیر تغلبی کو۔ آذربایجان کا، عقبہ کو عنایت کیا۔ سلسلہ میں یہ افسر اپنے اپنے متعینہ مالک کی طرف روانہ ہوئے۔ چنانچہ ہم انکو الگ الگ ترتیب کے ساتھ لکھتے ہیں۔

فتوحات کے اس سلسلے میں سب سے پہلے اصفہان کا نمبر ہے۔ سلسلہ میں عبداللہ بن عبداللہ نے اس صوبہ پر چڑھائی کی۔ بیان کے رئیس نے جب کا نام استدار تھا اصفہان کے نواحی میں بڑی جمیعت فراہم کی تھی۔ جبکہ ہرادل پر شہر براز جادو یہ ایک پرانا تجربہ کار افسر تھا۔ دونوں فوجیں مقابل ہوئیں تو جادو یہ نے میدان میں آکر پکارا کہ جسکو دعویٰ ہو تمنا میرے مقابلے کو آئے۔ عبداللہ خود مقابلے کو نکلے۔ جادو یہ مارا گیا۔ اور ساتھ ہی لڑائی کا بھی خاتمہ ہو گیا۔ استدار نے معمولی شرائط پر صلح کر لی، عبداللہ نے آگے بڑھ کر جے یعنی خاص اصفہان کا محاصرہ کیا۔ فاؤد سفان بیان کے رئیس نے پیغام بھیجا کہ دوسروں کی جانبیں کیوں ضائع ہوں، ہم تم پر لڑ کر خود فیصلہ کر لیں۔ دونوں حریف میدان میں آئے۔ فاؤد سفان نے توار کا دار کیا۔ عبداللہ نے اس پامردی سے اسکے حملہ کا مقابلہ کیا کہ فاؤد سفان کے منہ سے بے اختیار افسرین نکلی اور کسا کیمن تم سے لڑنا نہیں چاہتا۔ بلکہ شہر اس شرط پر حوالہ کرتا ہوں کہ باشندوں میں سے

جو چاہے جزیہ دیکر شہر میں رہے اور جو چاہے نکل جائے۔ عبداللہ نے یہ شرط مسطور کی اور معاہدہ صلح لکھ دیا۔

اسی اثنا میں خبر لگی کہ ہمدان میں غدر ہو گیا۔ حضرت عمر نے نعیم بن مقرن کو اُدھر روانہ کیا۔ انھوں نے بارہ ہزار کی جمعیت سے ہمدان پہنچ کر محاصرہ کے سامان کئے لیکن جب محاصرہ میں دیر لگی تو اضلاع میں ہر طرف فوجیں پھیلا دیں۔ یہاں تک کہ ہمدان بھڑکرائی تمام مقامات فتح ہو گئے۔ یہ حالت دیکھ کر محصوروں نے بھی ہمت ہار دی اور صلح کر لی۔ ہمدان فتح ہو گیا لیکن دیلم نے رُسے و آذربائیجان وغیرہ سے نامہ و پیام کر کے ایک بڑی فوج فراہم کی۔ ایک طرف سے فرخان کا باپ زینب دی جو رُسے کا رئیس تھا ابنوہ کثیر لے کر آیا۔ دوسری طرف آذربائیجان سے اسفندیار رستم کا بھائی پہنچا۔ وادی رودین یہ فوجیں جمع ہوئیں۔ اور اس زور کا ملن پڑا کہ لوگوں کو نڈاوند کا موکر یاد آگیا۔ آخر دیلم نے شکست کھائی۔ عروہ جو واقعہ جس میں حضرت عمر کے پاس شکست کی خبر لیکر گئے تھے اس فتح کا پیام لے کر گئے کہ اس دن کی تلافی ہو جائے حضرت عمر دیلم کی تیاریاں سُکر نہایت تردد میں تھے۔ اور امداد کا سامان کر رہے تھے۔ کہ دفعتاً عروہ پہنچے۔ حضرت عمر کو خیال ہوا کہ لشکروں اچھا نہیں۔ بے ساختہ زبان سے اِنَّا لِلّٰہِ نکلے۔ عروہ نے کہا آپ گھبراہٹ میں نہیں۔ خدا نے مسلمانوں کو فتح دی۔

حضرت عمر نے نعیم کو نامہ لکھا کہ ہمدان پر کسی کو اپنا قائم مقام کر کے رُسے کو روانہ ہوں۔ جسے کا حاکم اُس وقت سیاوش تھا جو بہرام جوہرین کا پوتا تھا۔ اُسے دنیاوند۔ طبرستان۔ قوس۔ جرجان کے رئیسوں سے مدد طلب کی۔ اور ہر جگہ سے امدادی فوجیں آئیں۔ لیکن زینب دی جو سیاوش



سے کچھ ملال تھا نعیم بن مقرن سے آملہ اسکی سازش سے شہر چلے ہوا اور حملہ کے ساتھ دفعۃً شہر فتح ہو گیا۔ نعیم نے زمیندہی کورنے کی ریاست دی اور پڑانے شہر کو برباد کر کے حکم دیا کہ اسے سرسے آباد کیا جائے۔ حضرت عمر کے حکم کے مطابق نعیم نے خود اسے مین قیام کیا۔ اور اپنے بھائی سودہ کو قوس پر بھیجا جو بغیر کسی جنگ کے فتح ہو گیا۔ اس فتح کے ساتھ عراق عجم پر پورا پورا قبضہ ہو گیا۔

## آذربيجان - سنیہ

جیسا کہ ہم پہلے لکھ آئے ہیں حضرت عمر نے آذربيجان کا علم عبثہ بن فرقہ اور کبیر کو بھیجا تھا اور انکے بڑھنے کی سمتیں بھی متعین کر دی تھیں۔ کبیر جرمیدان میں پہنچے تو اسفندیار کا سامنا ہوا۔ اسفندیار نے شکست کھائی اور زندہ گرفتار ہو گیا۔ دوسری طرف اسفندیار کا بھائی بہرام عبثہ کا ساتھ راہ ہوا۔ لیکن وہ بھی شکست کھا کر بھاگ گیا۔ اسفندیار نے بھائی کی شکست کی خبر سنی تو کبیر سے کہا کہ اب لڑائی کی آگ بجھ گئی۔ اور میں جزیرہ پر تم سے صلح کر لیتا ہوں۔ چونکہ آذربيجان ابھی دونوں بھائیوں کے قبضے میں تھا۔ عبثہ نے اسفندیار کو اس شرط پر رہا کر دیا کہ وہ آذربيجان

سے آتش دیکھنے سے آذربيجان کا پتہ اس مرد لگے گا کہ شہر تبریز کو اسکا صدر مقام سمجھا جائے (سابق میں شہر راندہ دارا صدر تھا)

برہمداد اور اردبیل ہی صوبہ مین آباد ہیں۔ آذربيجان کی دہشتید مین دور دو تین ہیں ایک یہ کہ وہ آذربانے ایک آتشکد بنایا تھا

جسکا نام آذر آباد گان تھا۔ دوسری روایت یہ ہے کہ آتش پہلوی مین آذر کے مٹی آتش کے ہیں اور ایجان کے معنی ہیں محافظ یعنی

نگاہ دار زندہ آتش چونکہ اس صوبہ مین آتشکد دن کی کثرت تھی اس وجہ سے ہی نام ہو گیا جسکو عربوں نے اپنی زبان مین

آذر بجان کر لیا۔

کا رئیس رہ کر جزیرہ ادا کرتا رہے۔ مورخ بلاذری کا بیان ہے کہ آذربایجان کا علم خدیفہ بن یان ملا تھا۔ وہ نہادند سے چل کر اردبیل پہنچے جو آذربایجان کا پایہ تخت تھا۔ یہاں کے رئیس نے ماجران، یمند، سراء، سبز، میلانج وغیرہ سے ایک ابنوہ کثیر جمع کر کے مقابلہ کیا اور شکست کھائی پھر ۷۸ لاکھ سالانہ صلح ہو گئی۔ خدیفہ نے اسکے بعد موقان و جبلانی پر حملہ کیا اور فتح کے پھر ریے اڑائے۔ اسی آثار میں دربار خلافت سے خدیفہ کی معزولی کا فرمان پہنچا اور عتبہ بن فرقد انکی جگہ پر مقرر ہوئے۔ عتبہ کے پہنچتے پہنچتے آذربایجان کے تمام اطراف میں بغاوت پھیل چکی تھی چنانچہ عتبہ نے دوبارہ ان مقامات کو فتح کیا۔

## طبرستان ۲۲ھ

ہم اوپر لکھ آئے ہیں کہ نعیم نے جب رے فتح کر لیا تو انکے بھائی سوید قوس پر بڑھے اور یہ وسیع صوبہ بغیر جنگ بدل کے قبضہ میں آگیا۔ یہاں سے جرجان جو طبرستان کا مشہور ضلع ہے نہایت قریب ہے۔ سوید نے وہاں کے رئیس روزبان سے نامہ دپام کیا۔ اسے جزیرہ پر صلح کر لی اور معاہدہ صلح میں متصیح لکھ دیا گیا کہ مسلمان جرجان اور دوستان وغیرہ کے امن کے ذمہ دار ہیں اور ملک والوں میں جو لوگ بیرونی حملوں کے روکنے میں مسلمانوں کا ساتھ دینگے وہ جزیرہ سے بری ہیں۔ جرجان کی خبر سکر طبرستان کے رئیس نے بھی جو سپہدار کھلاتا تھا اس شرط پر صلح کر لی کہ پانچ لاکھ درہم سالانہ فتنہ میں ممبر طبرستان فرمات عثمانی میں ملکا بیٹے کہ خلافت فاروقی میں جزیرہ کچھ بڑھ دیا گیا تھا۔ اسکی حدود اور بڑے ہیں۔ مشرق میں اسان جرجان مغرب میں آذربایجان شمال میں عجمان اور جنوب میں بلاخیل۔ اجمام اور ستر آباد اسکے مشہور شہر ہیں۔

سالانہ دیا کر گیا۔ اور مسلمانوں کو ان پر یا انکو مسلمانوں پر کچھ حق نہوگا۔

## آرمینہ

بکیر جو آذربایجان کی مہم پر مامور ہوئے تھے آذربایجان فتح کر کے باب کے متصل پہنچ گئے تھے کہ حضرت عمرؓ نے ایک نئی فوج تیار کر کے انکی مدد کو بھیجی۔ باب کا رئیس جب کا نام شہر براز تھا مجوسی تھا۔ اور سلطنت ایران کا ماتحت تھا۔ مسلمانوں کی آمد سن کر خود حاضر ہوا اور کہا کہ مجھکو آرمینہ کے کینوں سے کچھ ہمدردی نہیں ہے۔ مین ایران کی نسل سے ہوں اور جب خود ایران فتح ہو چکا تو مین بھی تمہارا مطیع ہوں۔ لیکن میری درخواست ہے کہ مجھے جزیرہ نہ لیا جائے بلکہ جب ضرورت پیش آئے تو فوجی امداد لیجائے۔ چونکہ جزیرہ درحقیقت صرف محافظت کا معادضہ ہے اس لیے یہ شرط منظور کر لی گئی۔ اس قانع ہو کر فوج مین آگے بڑھیں۔ عبدالرحمن بن ربیعہ البجری کی طرف جو مملکت خزر کا پای تخت تھا روانہ ہوئے۔ شہر براز ساتھ تھا اسے تعجب سے کہا کہ کیا ارادہ ہے؟۔ ہلوگ اپنے عہد میں اسی کو عنیت سمجھتے تھے کہ وہ لوگ ہم پر چڑھ کر نہ آئیں۔ عبدالرحمن نے کہا لیکن مین جب تک اسکے جگہ مین ٹکس جان باز نہیں آسکتا۔ چنانچہ بیضیا فتح کیا تھا کہ خلافت فاروقی کا زمانہ تمام ہو گیا۔ اور حکمران نے قان کج جان سے اران کی سرحد شروع ہوتی ہے فتح کر کے اسلام کی سلطنت مین ملا لیا۔ حبیب بن مسلمہ اور خدیفہ نے تغلیس اور جبال اللان کا رخ کیا۔ لیکن قبل اسکے کہ وہ ان اسلام کا پھر پراہوتا

۱۸۵ مودہ آرمینہ کو بلاد ارمن بھی کہتے ہیں جو ایشیای کوچک کا ایک حصہ ہے۔ شمال مین کجاسود، جنوب مین کروی اور صومالی حصہ در تک چلا گیا ہے۔ شہر مین کجستان اور غرب مین بلاد روم واقع ہیں چونکہ مودہ خلافت عثمانی مین کامل فتح ہوا تھا اس لیے نقشہ مین فاروقی رنگ سے جدا ہے۔

حضرت عمر کی خلافت کا زمانہ ہو چکا۔ چنانچہ یہ تمام مہمات حضرت عثمان کے عہد میں انجام کو پہنچیں۔

## فارس - سیدہ ۲۳ھ

فارس پر اگرچہ اول اول ستماء میں حملہ ہوا لیکن چونکہ حضرت عمر کی اجازت سے نہ تھا اور نہ اُس وقت چندان کامیابی ہوئی ہنسے اُس زمانے کے واقعات کے ساتھ اسکو لکھنا مناسب نہ سمجھا۔ عراق اور امویہ جو عرب کے ہمسایہ تھے فتح ہو چکے تو حضرت عمر اکثر فرمایا کرتے تھے کہ ”ہمارے اور فارس کے بیچ میں نشین پیار جابل ہوتا تو اچھا تھا لیکن فارس سے ایک اتفاقی طور پر جنگ چھڑ گئی۔ علاء بن الحضرمی ستماء میں بحرین کے عامل مقرر ہوئے۔ وہ بڑی بہت اور حوصلہ کے آدمی تھے اور چونکہ سعد وقاص سے بعض اسباب کی وجہ سے رقابت تھی ہر میدان میں اُن سے بڑھ کر قدم مار لیا جاتے تھے۔ سعد نے جب قادسیہ کی لڑائی جیتی تو علاء کو سخت رشک ہوا۔ یہاں تک کہ دوبار خلافت سے اجازت تک نہ لی اور فومین طیار کر کے دریا کی راہ فارس پر چڑھائی کر دی۔ خلید بن منذر سرشکر تھے اور جارد بن الحللی اور سوار بن ہمام کے ماتحت الگ الگ فومین تھیں۔ اصطخر پہنچ کر جہاز نے لنگر کیا اور فومین کنارے پر اتریں۔ یہاں کا حاکم ایک ہیرہ تھا۔ وہ ایک ابنوہ کثیر لیکر پہنچا اور دریا اتر کر اس پانچویں قائم کین کہ مسلمان جہاز تک پہنچنے نہ پائیں۔ اگرچہ مسلمانوں کی جمعیت نہایت کم تھی اور جہاز بھی گویا دشمن کے قبضہ میں آگئے تھے لیکن سپہ سالار فوج کی ثابت قدمی میں فرق نہ آیا۔ بڑے جوش کے ساتھ متقابل

۱۸۶ حال کے جزائیہ میں عراق کی مدد لکھا کہ فارس کی مدد بڑھائی گئی ہیں اگرچہ جسوت کا نقشہ دیا ہے اُس وقت فارس کے مدد دینے

شمال میں ہمنان، جنوب میں بحر فارس، مشرق میں کرمان اور مغرب میں عراق و عرب اسکا سب سے بڑا دشمن اور شہر شیراز ہے ۱۸

کو بڑھے اور فوج کو لٹکارا کہ مسلمانو! بمیل نہو! دشمن نے ہمارے جہازوں کے  
نے چاہا تو جہاز کے ساتھ دشمن کا ملک بھی ہمارا ہے۔

خلیدہ اور جاردو بڑی جانبازی سے رجز پڑھ پڑھ کر لڑے اور ہزار دن کو تہ تیغ کیا۔  
خلیدہ کا رجز یہ تھا۔

یا ال عبد القیس للنزاع قد حفل الامداد بالجماع  
وکلهم فی سُنن المصاع بحسن ضرب القوم بالقطاع

۱۰۰ ۱۰۰ ۱۰۰ ۱۰۰ ۱۰۰ ۱۰۰ ۱۰۰ ۱۰۰ ۱۰۰ ۱۰۰

اُدھر بھی راہین بندھتیں۔ ایرانیوں نے پہلے سے ہر طرف نالے روک رکھے تھے اور جا بجا نوذین  
ستعین کر دی تھیں۔

حضرت عمر کو فارس کے حملہ کا حال معلوم ہوا تو نہایت برہم ہوئے۔ غلام کو نہایت تنبیہ کا نامہ  
لکھا۔ ساتھ ہی عتبہ بن غزوہ کو لکھا کہ مسلمانوں کے بچانے کے لیے فوراً لشکر تیار ہو اور فارس پر  
جائے۔ چنانچہ بارہ ہزار فوج جسکے سپہ سالار ابو سہرہ تھے طیار ہو کر فارس پر بڑھی اور سلمان جہان  
رکے پڑے تھے وہاں پہنچ کر دیر سے ڈالے۔ اُدھر مجوسیوں نے ہر طرف نقیب دوڑا دئے تھے اور  
ایک ابنوہ کثیر جسکا سر لشکر شہرک تھا اکھٹا کر لیا تھا۔ دونوں حریفین دل توڑ کر لڑے بالآخر ابو سہرہ  
نے فتح حاصل کی۔ لیکن چونکہ آگے بڑھنے کا حکم نہ تھا بصرہ واپس چلے آئے۔ واقعہ نہادند کے بعد  
جب حضرت عمر نے ہر طرف فوجیں روانہ کیں تو فارس پر بھی چڑھ گئے اور جداجدا نوذین ستعین

۱۔ پارسیوں نے تونج کو صدر مقام قرار دیکر بیان بڑا سامان کیا تھا۔ لیکن جب سلامی فوجین  
ملف مقامات میں پھیل گئیں تو انکو بھی منتشر ہونا پڑا اور یہ انکی شکست کا دیباچہ تھا۔ چنانچہ سابور بادشاہ  
مروج۔ ص ۱۶۲ سب بارمی باری فتح ہو گئے لیکن حضرت عمر کی اخیر خلافت یعنی سلسلہ میں جب عثمان  
بن ابی العاص، بحرین کے عامل مقرر ہوئے تو شہرک نے جو فارس کا مرزبان تھا بغاوت کی اور  
تمام مفتوحہ مقامات ہاتھ سے نکل گئے۔ عثمان نے اپنے بھائی حکم کو ایک جمعیت کثیر کے ساتھ  
اس محم پر مامور کیا۔ حکم جزیرہ ابرکاوان فتح کر کے تونج پر بڑھے اور اسکو فتح کر کے وہیں چھاؤنی  
متحدہ ۱۰ اور

بہت سے جھٹے دبائیے۔ شہرک یہ دیکھ کر نہایت عیش میں آیا اور ایک فوج عظیم جمع کر کے توجہ پر  
 بڑھا۔ راسخہ سہنچا تھا کہ ادرہ سے حکم خود آگے بڑھ کر مقابل ہوئے۔ شہرک نے نہایت ترتیب  
 سے صف آرائی کی۔ ایک دستہ سب سے پیچھے رکھا کہ کوئی سپاہی تیغیے پانون ہٹائے تو وہیں  
 قتل کر دیا جائے۔ غرض جنگ شروع ہوئی اور دیر تک مورکہ رہا۔ پارسیوں کو شکست ہوئی  
 اور شہرک جان سے مارا گیا۔ اسکے بعد عثمان نے ہر طرف فوجیں بھیجیں اس مورکہ سے تمام  
 فارس میں ڈھاک پڑ گئی۔ عثمان نے جس طرف رخ کیا ملک کے ملک فتح ہوتے چلے  
 گئے۔ چنانچہ گازرون۔ نوبندگان۔ ارجان۔ شیراز۔ ساہور۔ جو فارس کے صدر مقامات  
 ہیں خود عثمان کے ہات سے فتح ہوئے۔ فنا۔ دارا بگرد وغیرہ پر فوجیں گئیں اور  
 کیا سیاح آئین کو۔

## کرمان - سیستان

کرمان کی فتح پر سہیل بن عدی مامور ہوئے تھے چنانچہ سیستان میں ایک فوج لے کر  
ہراول بشیر بن عمر اجملی کی افسری میں تھا کرمان پر حملہ آور ہوئے۔ یہاں کے مزیان نے  
اسے وغیرہ سے مدد طلب کر کے مقابلہ کیا۔ لیکن وہ خود میدان جنگ میں نہیر کے ہاتھ سے  
ہلا۔ چونکہ آگے کچھ روک ٹوک نہ تھی جبریت اور سیرجان تک فوجیں بڑھتی چلی گئیں اور ہشتیار  
اور کربا، غنہ

## سیستان - سیستان

یہ ملک عاصم بن عمر کے ہاتھ سے فتح ہوا۔ باشندے سرحد پر برائے نام لڑکر بھاگ نکلے۔  
ہر ابر بڑھتے چلے گئے یہاں تک کہ زرنج کا جو سیستان کا دوسرا نام ہے محاصرہ کیا۔  
روان نے چند روز کے بعد اس شرط پر صلح کی درخواست کی کہ انکی تمام اراضی حمی

سکا قیام نام کرانیہ ہے حدود اربعہ یہ ہیں۔ شمال بن کوہستان، جنوب بن کوہستان، مشرق میں سیستان اور مغرب میں فارس ہے۔ زمانہ  
اسکا قیام اربعہ کو اخیر (بدیسر) تھا جلی مگر اب حیرت آباد ہے ۱۲ سیستان کو عرب سمجھتا ہے کہیں۔ حدود اربعہ  
شمال میں ہرات، جنوب میں کرمان، مشرق میں سندھ اور مغرب میں کوہستان ہے۔ مشہور شہر زرنج ہے جہاں پورہ

افراط سے پیدا ہوتا ہے۔ رقبہ ۲۵۰۰۰ میل مربع ہے ۱۲

ہی جائے۔ مسلمانوں نے یہ شرط منظور کر لی اور اس طرح وفا کی کہ جب مزرعہ کی طرف  
 چلتے تھے تو بلدی سے گزر جاتے تھے کہ زراعت چھوٹک نہ جائے۔ اس ملک کے قبضہ  
 میں آنے سے بڑا فائدہ یہ ہوا کہ سندھ سے لیکر نہر بلوچ تک جس قدر ممالک تھے انکی فتح کی گئی  
 اٹھ مین انکی چنانچہ وقتاً فوقتاً ان ملکوں پر حملے ہوتے رہتے تھے۔

## مکران - ۱۲۳ھ ۶۶۴ء

مکران پر حکمران عمرو بن عبد اللہ بن عامر۔

یہیں سب سے بعد راسل کے تسلط کھائی اور مکران پر قبضہ ہو گیا۔ ظلم کے بارے  
 کے ساتھ چند ہمتی بھی جو لوٹ میں آئے تھے دربار خلافت میں بھیجے۔ صہارہ عبدی جو  
 فتح لے کر گئے تھے حضرت عمرؓ نے ان سے مکران کا حال پوچھا۔ انھوں نے کہا ارض  
 سہلہ اجل و ماء ہاوشل و ثمر ہا و قل وعد و ما بطل و خیر ہا قلیل و شرہ  
 کثویل و اکثر بہا قلیل حضرت عمرؓ نے فرمایا واقعات کے بیان میں قافیہ بندی کا  
 کام ہے۔ انھوں نے کہا میں واقعی حالات بیان کرتا ہوں۔ حضرت عمرؓ نے لکھ بھیجا کہ  
 فوہم جہان تکتہ سنج علی ہین دہین رک جائیں چنانچہ فتوحات فاروقی کی اخیر حد یہی مکران

۱۲۳ھ مکران کا نصف حصہ بلوچستان کہلاتا ہے اگرچہ پورے بلوچستان کی فتوحات فاروقی کی حد سندھ کے شہر دہلی تک لکھا ہے گو طبری نے

یہ کو اخیر قرار دیا ہے۔ ایسے ہی نقشہ میں فتوحات فاروقی کی وجہ تک حد قرار دی ہے۔



ہن یہ طبری کا بیان ہے۔ مورخ بلاذری کی روایت ہے کہ یوسیل کے نشیبی حصہ اور تھاکیم  
ہائین۔ اگر یہ صحیح ہے تو حضرت عمر کے عہد میں اسلام کا قدم سندھ ہند میں بھی آچکا تھا۔

## خراسان کی فتح اور یزدگرد کی ہزیمت

اور ہم لکھ آئے ہیں کہ حضرت عمر نے جن جن انصرون کو ملک گیری کے علم بھیجے تھے ان میں  
بن قیس بھی تھے اور انکو خراسان کا علم عنایت ہوا تھا احف نے سندھ میں خراسان کا  
قبضہ کیا ہو کر ہرات پہنچے اور اسکو فتح کر کے مرو شاہجہان پر بڑھے۔ یزدگرد شاہنشاہ فارس  
نیم تھا۔ انکی آمد شکوہ مرو رو د چلا گیا اور خاقان چین اور دیگر سلاطین کو استدعا کے  
لکھے۔ احف نے مرو شاہجہان پر عارث بن النعمان باہلی کو چھوڑا اور خود مرو رو د کی طرف  
یزدگرد یہاں سے بھی بھاگا اور سید صالح بلخ پہنچا۔ اس اثنا میں کوفہ سے امدادی فوجیں  
جسکے مہینہ دوسرہ وغیرہ کے انصر علقم بن القری۔ ربیع بن عامر تھمی۔ عبداللہ بن ابی  
ثقفی۔ ابن ام غزال الہمدانی۔ تھے۔ احف نے تازہ دم فوج لیکر بلخ پر حملہ کیا۔ یزدگرد  
ست کھائی اور دریائے ترک خاقان کی حکومت میں چلا گیا۔ احف نے میدان خالی پا کر ہر طرف  
بمجددین اور نیشاپور سے طمارستان تک فتح کر لیا۔ مرو رو د کو تختگاہ قرار دیکر مقام کیا۔ اور

علاقہ بلاذری کے نزدیک تمام ماوراء النہر، فغانہ، خوارزم، طمارستان اور سیستان رتبہ خراسان میں داخل

ہوئے۔ اصل یہ ہے کہ اس کے بعد ہر زمانے میں مختلف رہے ہیں۔ اسکے مشہور شہر نیشاپور، مرو، ہرات، بلخ، طوس، خیساو

حضرت عمر کو نامہ لکھا کہ خراسان اسلام کے قبضہ میں آگیا۔ حضرت عسمر فتوحات کی دست کو چنبد  
پسند نہیں کرتے تھے خط پڑھ کر فرمایا کہ ہمارے اور خراسان کے بیچ میں آگ کا دریا حایل ہوتا تو خوب  
ہوتا۔ احنف کے مردانہ حوصلوں کی اگرچہ بڑی تعریف کی اور فرمایا کہ احنف شرفیوں کا سرچ ہے  
تاہم جواب میں جو نامہ لکھا اُس میں لکھا کہ جہاں تک پہنچ چکے ہو وہاں سے آگے نہ بڑھنا۔ اُدھر یزدگرد  
خاقان کے پاس گیا تو اُس نے بڑی عزت و توفیق کی اور ایک فوج کثیر ہمراہ لیکر یزدگرد کے ساتھ ساتھ خراسان  
کو روانہ ہوا۔ احنف چوبیس ہزار فوج کے ساتھ بلخ میں مقیم تھے خاقان کی آمد سُکر مرد و دُکورد  
ہوئے اور وہاں پہنچ کر مقام کیا۔ خاقان بلخ ہوتا ہوا مرد و دُکورد پہنچا۔ یزدگرد خاقان سے الگ ہو کر مرو  
شاہجان کی طرف بڑھا۔ احنف نے کھلے میدان میں مقابلہ کرنا مناسب نہ سمجھا۔ نہر ترکر ایک میدان  
میں جسکی پشت پر پادشاہ صفت آرائی کی۔ دونوں فوجیں مدت تک اُن سے سامنے مصیفن جمائے  
پڑی رہیں۔ عجمی صبح اور شام ساز و سامان سے آراستہ ہو کر میدان جنگ میں جاتے تھے اور چونکہ  
ادھر سے کچھ جواب نہیں دیا جاتا تھا بغیر لڑے بھڑے واپس آجاتے تھے۔ ترکوں کا عام دستور یہ  
کہ پہلے تین بہادر میدان جنگ میں باری باری مبل و دامہ کے ساتھ جاتے ہیں پھر سارا لشکر منہش  
میں آتا ہے۔ ایک دن احنف خود میدان جنگ میں گئے۔ اُدھر سے معمول کے موافق ایک ترک  
مبل و غلم کے ساتھ نکلا۔ احنف نے حملہ کیا اور دیر تک رد و بدل رہی آخر احنف نے ایک عجمی  
ماری۔ ترک زمین پر گر کر مر گیا۔ احنف نے جوش میں آکر کہا۔

ان علی کل شئیں حقیقاً      ان یخصب الصعدۃ او یندقا

عامدے کے موافق دُور بہادر ترکی میدان میں آئے۔ اور احنف کے ہات سے مارے گئے۔

خاقان جب خود میدان میں آیا تو اپنے بہادروں کی لاشیں میدان میں پڑی دیکھیں۔ چونکہ  
شگون بُرا تھا۔ نہایت پیچ و تاب کھایا اور فوج سے کہا کہ ہم بھیاڑہ، پرایا جھگڑا کیوں مول لیں۔ چنانچہ  
اسی وقت کوچ کا حکم دیدیا۔

یزدگرد۔ مروشا، بھجان کا محاصرہ کئے پڑا تھا کہ یہ خبر پہنچی۔ فتح سے ناامید ہو کر خزانہ اور جواہر خا  
ساتھ لیا اور ترکستان کا قصد کیا۔ درباریوں نے یہ دیکھ کر کہ ملک کی دولت ہاتھ سے چلی جاتی ہے  
رُودکا اور جب اُسے نہانا تو برسرِ مقابلہ اگر تمام مال اور اسباب ایک ایک کر کے چھین لیا۔ یزدگرد  
بے سروسامان خاقان کے پاس پہنچا اور حضرت عمر کی اخیر خلافت تک فرغانہ میں جو خاقان  
کا دار السلطنت تھا مقیم رہا۔ احنف نے حضرت عمر کو فتح کا نامہ لکھا۔ قاصد مدینہ پہنچا تو حضرت عمر  
نے تمام آدمیوں کو جمع کر کے مُردہ فتح سنایا اور ایک پُر اثر تقریر کی۔ آخر میں فرمایا کہ آج جو سیون  
کی سلطنت برباد ہو گئی اور اب وہ اسلام کو کسی طرح ضرر نہیں پہنچا سکتے۔ لیکن اگر تم بھی بہت کر دہی  
پڑنا بہت قدم نہ رہے تو خدا تم سے بھی حکومت چھین کر دوسروں کے ہاتھ میں دیدیگا۔

## مصر کی فتح۔ سنہ ۶۴۱ھ

مصر کی فتح اگرچہ فاروقی کا زمانہ میں داخل ہے لیکن اسکے بانی مابنی عمرو بن العاص  
تھے۔ وہ اسلام سے پہلے تجارت کا پیشہ کرتے تھے اور مصر انکی تجارت کا جولا نگاہ تھا۔ اُس  
زمانے میں مصر کی نسبت گوارس قسم کا خیال بھی انکے دل میں نہ گزرا ہو گا لیکن اُسکی زرخیزی اور  
شادابی کی تصویر ہمیشہ انکی نظروں میں پھرتی رہتی تھی۔ حضرت عمرؓ نے شام کا جو اخیر سفر کیا اُس میں

یہ اُن سے ملے اور مصر کی نسبت گفتگو کی۔ حضرت عمرؓ نے پہلے۔ احتیاط کے لحاظ سے انکار کیا لیکن آخر انکے اصرار پر راضی ہو گئے اور چار ہزار فوج ساتھ کر دی، اسپر بھی انکا دل مطمئن نہ تھا۔ عمروؓ کے کہا کہ خدا کا نام لیکر روانہ ہو۔ لیکن مصر پہنچنے سے پہلے اگر میرا خط پہنچ جائے تو اُسے پھرانے۔ عیش پہنچے تھے کہ حضرت عمرؓ کا خط پہنچا۔ اگرچہ اسمین آگے بڑھنے سے روکا تھا لیکن چونکہ شریعہ مکرم تھا عمروؓ کے کہا کہ اب تو ہم مصر کی مدین آچکے۔

غرض عیش سے چل کر فرما پہنچے۔ یہ شہر بحرہ و دم کے کنارے پر واقع ہے اور گوب ویران پڑا ہے لیکن اُس زمانے میں آباد تھا اور جالینوس کی زیارت گاہ ہونے کی وجہ سے ایک ممتاز شہر گنا جاتا تھا۔ میان سرکاری فوج رہتی تھی۔ اُسے شہر سے نکل کر مقابلہ کیا اور ایک مہینے تک معرکہ کارزار گرم رہا۔ بالآخر رومیوں نے شکست کھائی۔ عمروؓ فرما سے چل کر بلقیس۔ اور اُمّ دینین کو فتح کرتے ہوئے فسطاط پہنچے فسطاط۔ اُس زمانے میں کف دست میدان تھا اور اُس قطعہ زمین کا نام تھا جو دریائے نیل اور جبلِ مقلم کے بیچ میں واقع ہے اور جہاں اُس وقت زراعت کے کمیت یا چراگاہ کے تختے تھے لیکن چونکہ میان سرکاری قلعہ تھا اور رومی سلطنت کے حکام جو مصر میں رہتے تھے یہیں رہا کرتے تھے اسکے علاوہ چونکہ دریائے نیل پر واقع تھا اور جہازات و کشتیاں قلعہ کے دروازے پر آکر لگتی تھیں ان وجہ سے

۱۵ مرقزی: غیر زمین لکھا ہے کہ اہم مقام۔ فوج میں عمروؓ سے ملا۔ انھوں نے اس خیال سے کہ اُسے بڑھنے سے منع کیا ہو گا اہم مقام سے خط نہیں دیا اور کہا کہ بلدی کیا ہے منزل پر پہنچ کر لوگھا۔ عیش کے قریب پہنچے تو خط لیکر کھولا اور پڑھ کر کہا کہ ابراہیم بنی مین نے لکھا ہے کہ عمرؓ پہنچے ہو تو رک جانا۔ لیکن ہم تو مصر کی مدین آچکے، لیکن عمرو بن العاص کی نسبت ایسی جلیلہ بازی کے اتمام کی کیا ضرورت ہے۔ اولاً تو بلادِ فنیقیہ نے تیرے کی بے خدا کو عیش ہی میں ملا۔ لیکن فتحِ مین ملا ہو تب بھی کچھ ہرج منہ نہیں۔ کیونکہ فتحِ خود مصر میں داخل ہے۔

سرکاری ضرورتوں کے لیے نہایت مناسب مقام تھا۔ عمرو نے اول اسی کو تاکا۔ اور محاصرہ کی طیاریاں شروع کیں۔

موقوف جو مصر کا فرمانروا اور قیصر کا باج گزار تھا عمرو بن العاص سے پہلے قلعہ میں پہنچ چکا تھا اور لڑائی کا بندوبست کر رہا تھا۔ قلعہ کی مضبوطی اور فوج کی قلت دیکھ کر عمرو نے حضرت عمرؓ کو خط لکھا اور غارت طلب کی۔ انھوں نے دس ہزار فوج اور چار ہزار پیادے اور خط میں لکھا کہ ان افسروں میں ایک ایک ہزار ہزار سوار کے برابر ہے۔ یہ افسر زبیر بن العوام۔ عبادہ بن العاص۔ مقداد بن عمر۔ سلمہ بن ملجم تھے۔ زبیر کا جو رتبہ تھا اسکے لحاظ سے عمرو نے انکو افسر بنایا اور محاصرہ وغیرہ کے انتظامات انکے ہاتھ میں دیدیے، انھوں نے گھوڑے پر سوار ہو کر خندق کے چاروں طرف چکر لگایا اور جہاں جہاں مناسب تھا۔ مناسب تعداد کے ساتھ سوار اور پیادے متعین کیے اسکے ساتھ بمحققوں سے پتھر برسانے شروع کیے۔ اسپر پورے سات مہینے گزر گئے اور فتح و شکست کا کچھ فیصلہ نہوا۔ زبیر نے ایک دن تنگ آ کر کہا کہ آج میں مسلمانوں پر فدا ہوتا ہوں۔ یہ کلمہ ننگی تلوار ہاتھ میں لی اور سیر علی لگا کر قلعہ کی فصیل پر چڑھ گئے، چند اور صحابہ نے انکا ساتھ دیا۔ فصیل پر پہنچ کر سب نے ایک ساتھ تکبیر کے نعرے بلند کئے، ساتھ ہی تمام فوج نے نعرہ مارا کہ قلعہ کی زمین دہل اٹھی۔ عیسائی یہ سمجھ کر کہ مسلمان قلعہ کے اندر گھس آئے۔ بدحواس ہو کر بھاگے اور زبیر نے فصیل سے اتر کر قلعہ کا دروازہ کھول دیا۔ اور تمام فوج اندر گھس آئی۔ موقوف نے یہ دیکھ کر صلح کی درخواست کی اور اسی وقت سب کو امان دیدی گئی۔

ایک دن عیسائیوں نے عمرو بن العاص اور افسران فوج کی بڑی دھوم دھام سے دعوت کی کہ عمرو بن العاص نے قبول کیا اور سلیقہ شعار لوگوں کو ساتھ لے گئے۔

دوسرے دن عمرو نے اُن لوگوں کی دعوت کی۔ رومی بڑے تزک و احتشام سے آئے اور معمولی کرسیوں پر بیٹھے۔ کھانے میں خود مسلمان بھی شریک تھے اور جیسا کہ عمرو نے پہلے سے حکم دیدیا تھا۔ سادہ عربی لباس میں بکتے اور عربی انداز اور عادت کے موافق کھانے پڑ بیٹھے۔ کھانا بھی سادہ یعنی معمولی گوشت اور روٹی تھی۔ عربوں نے کھانا شروع کیا تو گوشت کی بوٹیان شور بے میں بڑھ کر اس زور سے دوانقون سے نوحہ جتے تھے کہ شہر کی چھینٹیں اُڑ کر دیون کے کپڑوں پر پڑتی تھیں۔ کھانے کے بعد رومیوں نے کما دہ لوگ کمان میں جو کل ہماری دعوت میں شریک تھے یعنی وہ ایسے گنوار اور بے سلیقہ نہ تھے۔ عمرو نے کہا: وہ اہل الراہی تھے اور یہ سپاہی ہیں۔

مقام پر نہ آئے اگرچہ تمام مصر کے لیے معاہدہ صلح لکھوایا تھا لیکن ہر قتل کو جب خبر ہوئی تو اُسے زناہت ناراضی ظاہر کی اور لکھ بھجوا کہ قطعی اگر عربوں کا مقابلہ نہیں کر سکتے تھے تو رومیوں کی تعداد کیا کم تھی۔ یہ سبقت ایک عظیم الشان فوج روانہ کی کہ اسکندریہ پہنچ کر مسلمانوں کے مقابلے کیلئے تیار ہو۔

## اسکندریہ کی فتح - ۲۱

سلطان کی فتح کے بعد عمرو نے چنبرہ دوزخک یہاں قیام کیا اور یہیں سے حضرت عمر کو خط لکھا کہ حفاظ فتح ہو چکا۔ اجازت ہو تو اسکندریہ پر فوجیں بڑھائی جائیں۔ وہاں سے منظوری آئی۔ عمرو نے کپڑ کا حکم دیا۔ اتفاق سے عمرو کے خیمہ میں ایک کبوتر نے گھونسا لگا لیا تھا۔ خیمہ اکھاڑا جانے لگا تو عمرو کی نگاہ پڑی۔ حکم دیا کہ اسکو یہیں رہنے دو کہ ہمارے مہمان کو تکلیف نہونے پاس۔ چونکہ عربی میں خیمہ کو حفاظ کہتے ہیں اور عمرو نے اسکندریہ سے واپس آکر اسی خیمہ کے قریب شہر بایا اس لیے خود شہر

بھی فسطاط کے نام سے مشہور ہو گیا اور آج تک یہی نام لیا جاتا ہے۔ بہر حال ۲۱ھ میں عمرو نے اسکندریہ کا فتح کیا۔ اسکندریہ اور فسطاط کے درمیان میں رومیوں کی جو آبادیاں تھیں انھوں نے سدرہ ہونا چاہنا پچھ ایک جماعت عظیم جس میں ہزاروں قطبی بھی شامل تھے فسطاط کی طرف بڑھے کہ مسلمانوں کو دہین روک لیں۔ مقام کربن میں دونوں حریفوں کا سامنا ہوا۔ مسلمانوں نے نہایت طیش میں آکر جنگ کی اور شہنشاہ عیسائی مارے گئے۔ پھر کسی نے روک ٹوک کی جرأت نہ کی۔ اور عمرو نے اسکندریہ پہنچ کر دم لیا۔ مقوقس جزیرہ دیکر صلح کرنا چاہتا تھا۔ لیکن رومیوں کے ڈر سے نہیں کر سکتا تھا۔ تاہم یہ درخواست کی کہ ایک مدت میں کے لئے صلح ہو جائے۔ عمرو نے انکار کیا۔ مقوقس نے مسلمانوں کے مرعوب کرنے کے لئے شہر کے تمام آدمیوں کو حکم دیا کہ ہتھیار لگا کر شہر نباہ کی فضیل پر مسلمانوں کے آنے سامنے صف بجا کر کھڑے ہوں۔ عورتیں بھی اس حکم میں داخل تھیں اور اس غرض سے کہ بھاپنی نہ جا سکیں انھوں نے شہر کی طرف منہ کر لیا تھا۔ عمرو نے کہلا بھیجا کہ تم ہمارا مطلب سمجھ لیکن تم کو معلوم نہیں کہ ہم نے اب تک جو ملک فتح کیے کثرت فوج کے بل پر نہیں کیے۔ تمہارا بادشاہ ہر قل جس سرد سامان سے ہمارے مقابلے کو آیا تم کو معلوم ہے اور جو نتیجہ ہوا وہ بھی مخفی نہیں۔“ مقوقس نے کہا سچ ہے یہی عرب بن جنھون نے ہمارے بادشاہ کو قسطنطینیہ پہنچا کر چھوڑا۔“ اسپر رومی سردار نہایت غضبناک ہوئے۔ مقوقس کو بہت برا بھلا کہا اور لڑائی کی طیتاریاں شروع کیں۔

مقوقس کی مرضی چونکہ جنگ کی نہ تھی۔ اُسے عمرو سے اقرار لے لیا تھا کہ چونکہ میں رومیوں سے

الگ ہوں۔ اس وجہ سے میری قوم (یعنی قطبی) کو تمہارے ہاتھ سے ضرر نہ پہنچے پائے، قبطیوں نے صرف یہی نہیں کیا کہ اس معرکہ میں دونوں سے الگ رہے۔ بلکہ مسلمانوں کو بہت کچھ مدد دی۔ منطاط سے اسکندریہ تک فوج کے آگے آگے پہنوں کی مرمت کرتے اور ٹرکین بناتے گئے خود اسکندریہ کے محاصرہ میں بھی رسد وغیرہ کا انتظام انہی کی بدولت ہو سکا۔ رومی کبھی کبھی قلعہ سے باہر نکل نکل کر لڑتے تھے۔ ایک دن نہایت سخت معرکہ ہوا۔ تیر و خدنگ سے گذر کر تلوار کی نوبت آئی۔ ایک رومی نے صف سے نکل کر کہا کہ جسکو دعویٰ ہو تمنا میرے مقابلے کو آئے۔ مسلمہ بن خالد نے گھوڑا بڑھایا۔ رومی نے اُنکو زمین پر دے ڈکا۔ دُرُجُک کر تلوار مارنا چاہتا تھا کہ ایک سوار نے اُرجان بجائی۔ عمر کو اسپر اس قدر غصہ آیا کہ نہایت ایک طرف مسلمہ کے رتبہ کا بھی پاس نہ کر کے کہا کہ ”زنجون کو میدان جنگ میں آنے کی کیا ضرورت ہے،“ مسلمہ کو نہایت ناگوار ہوا لیکن مصلحت کے لحاظ سے کچھ نہ کہا۔

ژرفائی کا: در اسی طرح قائم تھا آخر مسلمانوں نے اس طرح دل تو کھڑا کیا کہ رومیوں کو دباتے ہوئے قلعہ کے اندر ٹھس گئے۔ دیر تک قلعہ کے صحن میں معرکہ رہا آخر میں رومیوں نے سنبھل کر ایک ساتھ حملہ کیا اور مسلمانوں کو قلعہ سے باہر نکال کر دروازے بند کر دیے۔ اتفاق یہ کہ عمرو بن عاص اور سلمہ اور دو شخص اور اندر رہ گئے۔ رومیوں نے ان لوگوں کو زندہ گرفتار کرنا چاہا لیکن جب ان لوگوں نے مردانہ جان دینی چاہی تو انہوں نے کہا دونوں طرف سے ایک ایک آدمی مقابلے کو نکلے۔ اگر ہمارا آدمی مارا گیا۔ تو ہم کو چھوڑ دینگے کہ قلعہ سے نکل جاؤ۔ اور تمہارا آدمی مارا جائے تو تم سب ہتھیار ڈال دو عمرو بن عاص نے نہایت خوشی سے منظور کیا اور خود مقابلے کے لیے



نکلتا چاہا۔ مسئلہ نے بڑو کا تم فوج کے سردار ہو۔ تم پر آئینہ آئی تو انتظام میں خلل ہوگا۔ یہ لکھ گھوڑا بڑھایا۔ رومی بھی ہتیار سنبھال چکا تھا۔ دیر تک وار ہوتے رہے۔ بالآخر مسئلہ نے ایک ہاتھ مارا کہ رومی دہرین ڈھیر ہو کر بگیا۔ رومیوں کو یہ معلوم نہ تھا کہ انہیں کوئی سردار ہے۔ انھوں نے اقرار کے موافق قلعہ کا دروازہ کھول دیا اور سب صحیح سلامت باہر نکل آئے۔ عمرو نے مسئلہ سے اپنی پہلی گستاخی کی معافی مانگی اور انھوں نے نہایت صاف دلی سے معاف کر دیا۔

محاصرہ جس قدر طویل کھینچتا جاتا تھا حضرت عمر کو زیادہ پریشانی ہوتی تھی۔ چنانچہ عمرو کو خط لکھا کہ شاید تم لوگ دہان رہ کر عیسائیوں کی طرح عیش پرست بن گئے۔ ورنہ فتح میں اس قدر دیر نہوتی۔ جس دن میرا خط پہنچے۔ تمام فوج کو جمع کر کے جماد پر خطبہ دو اور پھر اس طرح حملہ کرو کہ جنگو میں نے افسر کر کے بھیجا تھا فوج کے آگے ہوں اور تمام فوج ایک دفعہ دشمن پر پوٹ پڑے۔ عمرو نے تمام فوج کو یکجا کر کے خطبہ پڑھا اور ایک پڑاثر تقریر کی کہ مجھے ہوئے جوش تازہ ہو گئے۔

عبادہ بن صامت کو جو برسوں رسول اللہ کی صحبت میں رہے تھے بلا کر کہا کہ اپنا نیزہ جھکود مجھے خود سر سے عمامہ اتارا اور نیزہ پر لگا کر انکو حوالہ کیا کہ یہ سپہ سالار کا علم ہے اور آج آپ سپہ سالار ہیں۔

زبیر بن العوام اور مسلمہ بن مخلد کو فوج کا ہر اہل کیا غرض اس سردار مان سے قلعہ پر دھاوا ہوا اور پہلے ہی حملہ میں شہر فتح ہو گیا۔ عمرو نے اسی وقت معاویہ بن ضیح کو بلا کر کہا کہ جس قدر تیز جاسکو جاؤ اور امیر المومنین کو ثر دہ فتح سناؤ۔ معاویہ اونٹنی پر سوار ہوئے اور دو منزلہ سے منزلہ کرتے ہوئے مدینہ پہنچے۔ چونکہ ٹھیک دوپہر کا وقت تھا اس خیال سے کہ یہ آرام کا وقت ہے بارگاہِ خلافت میں

سیدھے مسجد نبوی کا رخ کیا۔ اتفاق سے حضرت عمر کی نوٹھی اُدھر اُکلی اور اُنکو مسافر کی ہست میں دیکھ کر پوچھا کہ کون ہو اور کہاں سے آئے ہو؟ انھوں نے کہا۔ اسکندریہ سے۔ اُسے اسی وقت جا کر خبر کی اور ساتھ ہی واپس آئی کہ چلو تمکو امیر المومنین بلاتے ہیں۔ حضرت عمر آنا بھی انتظار نہیں کر سکتے تھے خود چلنے کے لئے طیار ہوئے اور چادر سنبھال رہے تھے کہ معاویہ پہنچ گئے۔ فتح کا حال سن کر زمین پر گرے اور سجدہ شکر ادا کیا۔ اٹھ کر مسجد میں آئے اور منادی کرا دی کہ لا الصلوة جامعة سنتے ہی تمام مدینہ آمنہ آیا۔ معاویہ نے سب کے سامنے فتح کے حالات بیان کئے وہاں سے اٹھ کر حضرت عمر کے ساتھ اُنکے گھر پر گئے۔ حضرت عمر نے نوٹھی سے پوچھا کچھ کھانے کو ہے۔ وہ روٹی اور روغن زیتون لائی۔ مہمان کے آگے رکھا اور کہا کہ آنے کے ساتھ میرے پاس کیوں نہیں چلے آئے؟ انھوں نے کہا میں نے خیال کیا کہ یہ آرام کا وقت ہے۔ شاید آپ سوتے ہوں! فرمایا کہ افسوس! تمہارا میری نسبت یہ خیال ہے میں دن کو سوؤں گا تو خلافت کا بار کون سنبھالیگا۔

عمر و اسکندریہ کی فتح کے بعد فسطاط کو واپس گئے اور وہاں شہر بسانا چاہا۔ الگ الگ قلعے متعین کئے اور داغ بیل ڈال کر عرب کی سادہ وضع کی عمارتیں طیار کرائیں تفصیل اسکی دوسرے صفحے میں آئیگی۔

اسکندریہ اور فسطاط کے بعد اگرچہ برابر کا کوئی حریف نہیں ہا تھا تاہم چونکہ مصر کے تمام ضلع میں رومی پھیلے ہوئے تھے ہر طرف تھوڑی تھوڑی فوجیں روانہ کیں کہ آئندہ کسی خطرے کا احتمال

نہ رہ جائے۔ چنانچہ خارجہ بن خذافہ العدوی۔ نیوم۔ انٹونین۔ انیم۔ بشروہات۔ مید۔ و اسکے تمام مضائق  
میں چکر لگائے اور ہر جگہ لوگوں نے خوشی سے جزیہ دینا قبول کیا۔ اسی طرح عمیر بن ذہب جمعی نے  
تینس۔ دمیاط۔ توذ۔ دمیرو۔ شطا۔ و تمل۔ بنا۔ بوسیر۔ کو مستحق کیا۔ عقبہ بن عامر الجہنی نے مصر کے  
تمام نشیبی حصے فتح کئے۔

چونکہ ان لڑائیوں میں نہایت کثرت سے فطی اور رومی گرفتار ہوئے تھے۔ غزوے دربار خلافت  
کو لکھا کر انکی نسبت کیا گیا جاے۔ حضرت عمر نے جواب لکھا کہ بکبلا کر کہہ دو کہ انکو اختیار ہے مسلمان  
ہو جائیں یا اپنے مذہب پر قائم رہیں۔ اسلام قبول کرینگے تو انکو وہ تمام حقوق حاصل ہونگے جو مسلمانوں  
حاصل میں۔ ورنہ جزیہ دینا ہوگا جو تمام ذمیوں سے لیا جاتا ہے۔ غزوے تمام قیدی جو بعد اذین  
ہزاروں کے زیادہ تھے۔ ایک جامع کیے۔ عیسائی سرداروں کو بھی طلب کیا اور مسلمان عیسائی  
الک الک ترتیب سے آنے سامنے بیٹھے بیچ میں قیدیوں کا گروہ تھا۔ زبان خلافت پر عا گیا تو بہت سے  
قیدیوں نے جو مسلمانوں میں۔ مگر اسلام کے ذوق سے آشنا ہو گئے تھے۔ اسلام قبول کیا۔ اور بہت سے  
اپنے مذہب پر قائم رہے۔ جب کوئی شخص اسلام کا اظہار کرتا تھا تو تمام مسلمان اللہ اکبر  
کا نعرہ بلند کرتے تھے۔ اور خوشی سے بچھے جاتے تھے۔ اور جب کوئی شخص عیسائیت کا  
اقرار کرتا تھا تو تمام عیسائیوں میں مبارکباد کا غل پڑتا تھا۔ اور مسلمان اس قدر غمزدہ ہوتے  
تھے کہ بتوں کے آنسو غل پڑتے تھے۔ دیر تک یہ سلسلہ جاری رہا اور دونوں فریق اپنے اپنے  
حقتہ رسد می کے موافق کامیاب آئے۔

## حضرت عمرؓ کی شہادت ۲۶۔ ذوالحجہ ۳۳ مطابقت ۳۲ھ

(کل مدت خلافت ۱۰ برس ۶ مہینہ چار دن)

مدینہ منورہ میں فیروز نام ایک پارسی غلام تھا جسکی کنیت ابو لوطھی۔ اُسے ایک دن حضرت عمرؓ سے اُکرتکایت کی کہ میرے آقا مغیرہ ابن شعبہ نے مجھ پر بہت بھاری محمول مقرر کیا ہے آپ کم کر دیجیے۔ حضرت عمرؓ نے تعداد پوچھی۔ اُسے کمار دوزانہ دو درہم دقیراً سات آنے حضرت عمرؓ نے پوچھا تو کون سا پیشہ کرتا ہے۔ ”لولاکہ“ بخاری۔ نقاشی۔ آہنگری۔ فرمایا کہ ان صنعتوں کے مقابلہ میں یہ رقم کچھ بہت نہیں ہے۔“ فیروز دل میں سخت ناراض ہو کر چلا آیا۔

دوسرے دن حضرت عمرؓ صبح کی نماز کے لیے نکلے تو فیروز خنجر بیکر مسجد میں آیا حضرت عمرؓ کے حکم سے کچھ لوگ اس کام پر مقرر تھے کہ جب جماعت کھڑی ہو تو صفین درست کریں جب صفین سیدھی ہوگئی تھیں تو حضرت عمرؓ تشریف لاتے تھے اور امامت کرتے تھے۔ اُس دن بھی مسب معمول صفین درست ہو چکیں تو حضرت عمرؓ امامت کے لئے بڑے اور جون ہی نماز شروع کی۔ فیروز نے دھتہ لگات میں سے نکل کر چھپے دار کئے جن میں سے ایک ناف کے نیچے پڑا۔ حضرت عمرؓ نے فوراً عبد الرحمن بن عوفؓ کو بات پکڑ کر اپنی جگہ کھڑا کر دیا اور خود زخم کے صدر سے گر پڑے۔

عبد الرحمن بن عوفؓ نے اس حالت میں نماز پڑھائی کہ حضرت عمرؓ اسے سبل پڑے تھے۔ فیروز نے اور لوگوں کو بھی زخمی کیا لیکن بالآخر کمر لیا گیا اور ساتھی اُسے خود کشی کر لی۔ حضرت عمرؓ کو لوگ اٹھا کر گھولائے۔ سب سے پہلے انھوں نے پوچھا کہ ”میرا قاتل کون تھا؟“

لوگوں نے کہا۔ فیروز۔ فرمایا کہ درالحمد للہ کہ میں ایسے شخص کے ہات سے نہیں مارا گیا جو اسلام کا دعوے رکھتا تھا۔ لوگوں کو خیال تھا کہ زخم چند ان کا رسی نہیں ہے۔ غالباً شفا ہو جائے چنانچہ ایک طبیب بلایا گیا اُسے نبیذ اور دودھ پلایا اور دونوں چیزیں زخم کی راہ باہر نکل آئیں۔ اُس وقت لوگوں کو یقین ہو گیا کہ وہ اس زخم سے جانبر نہیں ہو سکتے۔ چنانچہ لوگوں نے اُن سے کہا کہ ”اب آپ اپنا ولی عہد منتخب کر جائیے۔“

حضرت عمرؓ نے عبد اللہ اپنے فرزند کو بلا کر کہا کہ ”عائشہ کے پاس جاؤ اور کہو کہ عمرؓ آپ سے اجازت طلب کرتا ہے کہ رسول اللہ کے پہلو میں دفن کیا جائے۔“ عبد اللہ حضرت عائشہ کے پاس آئے۔ وہ رورہی تھیں۔ حضرت عمرؓ کا سلام کیا اور پیغام پہنچایا۔ حضرت عائشہ نے کہا کہ ”اس جگہ کو میں اپنے لئے محفوظ رکھنا چاہتی تھی۔ لیکن آج میں عمرؓ کو اپنے آپ پر ترجیح دوں گی۔“ عبد اللہ واپس آئے۔ لوگوں نے حضرت عمرؓ کو خبر کی۔ بیٹے کی طرف مخاطب ہوئے اور کہا کہ کیا خبر لائے؟ انھوں نے کہا کہ جو آپ چاہتے تھے۔ فرمایا کہ ”یہی سب بڑی آرزو تھی۔“ اُس وقت اسلام کے حق میں جو سب سے اہم کام تھا وہ ایک خلیفہ کا انتخاب کرنا تھا۔ تمام صحابہ بار بار حضرت عمرؓ سے درخواست کرتے تھے کہ اس مهم کو آپ طے کر جائے۔ حضرت عمرؓ نے خلافت کے معاملے پر مدتوں غور کیا تھا اور انشاء اللہ سوچا کرتے تھے۔ بار بار لوگوں نے انکو اس حالت میں دیکھا کہ سب سے الگ تنہا بیٹھے ہیں اور کچھ سوچ رہے ہیں۔ دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ خلافت کے باب میں غلطان پہچان ہیں۔

مدت کے غور و فکر پر بھی انکے انتخاب کی نظر کسی شخص پر جمی نہ تھی۔ بارہا انکے منہ سے

میں ساختہ آہ کل گئی کہ ”افسوس اس بارگراں کا کوئی اٹھانے والا نظر نہیں آتا“ تمام صحابہ میں اس وقت چھ شخص تھے جن پر انتخاب کی نگاہ پڑ سکتی تھی علیؓ - عثمانؓ - زبیرؓ - طلحہؓ - سعد و قاصؓ۔ عبد الرحمن بن عوفؓ۔ لیکن حضرت عمرانؓ سب میں کچھ نہ کچھ کمی پاتے تھے اور اسکا انھوں

سہ حضرت عمرؓ نے اور بزرگوں کی نسبت جو زور دیکر بیان کیا۔ انکو اپنے انکوادب سے نہیں لکھا لیکن ان میں جی کلام نہیں آتا۔ حضرت علیؓ کے متعلق جو کتبہ چینی حضرت عمرؓ کی زبانی عام تاریخوں میں منقول ہے یعنی یہ کہ ”انکے مزاج میں ظرافت ہے“ یہ ایک خیال ہی بنال معلوم ہوتا ہے۔ حضرت علیؓ ظریف تھے مگر اسی قدر قہنا ایک لطیف المزاج بزرگ ہو سکتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ حضرت علیؓ کے تعلقات قریش کے ساتھ کچھ ایسے پیچ و پیچ تھے کہ قریش کسی طرح انکے اگے سر نہیں جھکا سکتے تھے۔ علامہ طبری نے اس معاملے کے متعلق حضرت عمرؓ کے خیالات مکالمہ کی صورت میں نقل کئے ہیں ہم انکو اس موقع پر اس لئے درج کرتے ہیں کہ اس سے حضرت عمرؓ کے خیالات کا زریعہ معلوم ہوگا، مکالمہ عبداللہ ابن عباسؓ سے ہوا تھا جو حضرت علیؓ کے ہم قبیلا اور طرفدار تھے۔

حضرت عمرؓ کیون عبداللہ ابن عباسؓ، علیؓ ہمارے ساتھ کیوں نہیں شریک ہوئے؟

عبداللہ ابن عباسؓ: میں نہیں جانتا۔

حضرت عمرؓ: تمہارے باپ رسول اللہؐ کے چچا اور تم رسول اللہؐ کے چچے بھائی ہو۔ پھر تمہاری قوم تمہاری طرفدار کیوں نہیں ہوتی؟

عبداللہ ابن عباسؓ: میں نہیں جانتا۔

حضرت عمرؓ: لیکن میں جانتا ہوں تمہاری قوم تمہارا سردار ہونا گوارا نہیں کرتی تھی

عبداللہ ابن عباسؓ: کیوں؟

نے مختلف موقعوں پر اٹھارہ بجی کر دیا تھا، چنانچہ طبری وغیرہ میں انکے ریمارک تفصیل مذکور ہیں۔  
مذکورہ بالا بزرگوں میں وہ حضرت علیؓ کو سب سے بہتر جانتے تھے لیکن بعض اسباب سے

متعلقہ رصفہ (۲۰۴) حضرت عمرؓ - وہ یہ نہیں پسند کرتے تھے کہ ایک ہی خاندان میں نبوت اور خلافت دونوں آجائیں۔

شاید ہم یہ کہو گے کہ حضرت ابو بکرؓ نے مکہ خلافت سے محروم کر دیا۔ لیکن خدا کی قسم یہ بات نہیں، ابو بکرؓ نے وہ کیا جس سے زیادہ مناسب  
کوئی بات نہیں ہو سکتی تھی۔ اگر وہ مکہ خلافت دینا بھی چاہتے تو انکا ایسا کرنا تھا جسے حق میں کچھ بھی مفید نہ ہوتا۔

دوسرا مکالمہ اس سے زیادہ مفصل ہے کچھ باتیں تو وہی ہیں جو پہلے مکالمہ میں گزریں کچھ نئی ہیں۔ اور وہ یہ ہیں۔

حضرت عمرؓ کیوں عبداللہ بن عباسؓ! مقامی نسبت میں بعض بعض باتیں سننا کرتا تھا لیکن میں نے اس خیال سے  
اسکی تحقیق نہیں کی کہ مقامی عزت میری آنکھوں میں کم نہ ہو جائے۔

عبداللہ بن عباسؓ - وہ کیا باتیں ہیں؟

حضرت عمرؓ میں نے سنا ہے کہ تم کہتے ہو کہ لوگوں نے ہمارے خاندان سے خلافت سدا اور خلافت چھین لی۔

عبداللہ بن عباسؓ - خلافت کی نسبت تو میں نہیں کہہ سکتا۔ کیونکہ یہ بات کسی پر غصی نہیں لیکن سدا تو اسکا تعجب کیسا  
ابیس نے آدم پر حسد کیا اور ہلوگ آدم ہی کی اولاد ہیں۔ پھر محسود ہون تو کیا تعجب ہے؟

حضرت عمرؓ - افسوس۔ خاندان بنی ہاشم کے دونوں سے پرانے رنج اور کینے زبانی نہ گئے۔

عبداللہ بن عباسؓ - ایسی بات نہ کہئے۔ رسول اللہ صلوٰۃ علیہ وسلم بھی ہاشمی ہی تھے۔

حضرت عمرؓ - اس تذکرہ کو جانے دو۔

عبداللہ بن عباسؓ - بہت مناسب۔ (دیکھو تاریخ طبری صفحہ ۲۶۸ تا ۲۷۰)

ان مکالمات سے علاوہ اصل واقعہ کے۔ قرآن میں اس کا بھی اندازہ کر سکو گے کہ حضرت عمرؓ کے مبارک عہد میں لوگ کس دہری

انکی نسبت بھی قطعی فیصلہ سنیں کر سکتے تھے۔

غرض وفات کے وقت جب لوگوں نے اصرار کیا تو فرمایا کہ وہ ان چھ شخصوں میں جسکی نسبت کثرتِ راس ہو وہ خلیفہ منتخب کر لیا جائے۔

حضرت عمرؓ کو قوم اور ملک کی ہمدردی کا جو خیال تھا اسکا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ عین کرب و تکلیف کی حالت میں جہاں تک انکی قوت اور حواس نے یاری دی اسی دُھن میں مصروف رہے۔ لوگوں کو مخاطب کر کے کہا کہ جو شخص خلیفہ منتخب ہو اسکو میں وصیت کرتا ہوں کہ پانچ فرقہ کے حقوق کا نہایت خیال رکھے۔ ماجرین۔ انصار۔ اعراب۔ وہ اہل عرب جو اور اور شہروں میں جا کر آباد ہو گئے ہیں۔ اہل ذمہ (یعنی عیسائی۔ یہودی۔ پارسی جو اسلام کی رعایا تھے) پھر ہر ایک کے حقوق کی تصریح کی چنانچہ اہل ذمہ کے حق میں جو الفاظ کہے وہ یہ تھے۔ میں خلیفہ وقت کو وصیت کرتا ہوں کہ وہ خدا کی ذمہ داری اور رسول اللہ کی ذمہ داری کا لحاظ رکھے یعنی اہل ذمہ سے جو اقرار ہے وہ پورا کیا جائے انکے دشمنوں سے لڑا جائے اور انکو انکی طاقت سے زیادہ تکلیف نہ دی جائے۔

قوم کے کام سے فراغت ہو چکی تو اپنے ذاتی مطالب پر توجہ کی۔ عبداللہؓ اپنے بیٹے کو بلا کر کہا کہ ”مجھے کس قدر قرض ہے؟ معلوم ہوا کہ چھیالیس ہزار درہم، فرمایا کہ میرے متردک سے ادا ہو سکے

حاشیہ متعلقہ صفحہ (۲۰۴) اور بیابانی سے اپنے خیالات کا اظہار کرتے تھے۔ اور یہ زیادہ تر اسی وجہ سے تھا کہ حضرت عمرؓ خود

آزادی اور حق گوئی کو قوم میں پھیلانا چاہتے تھے۔

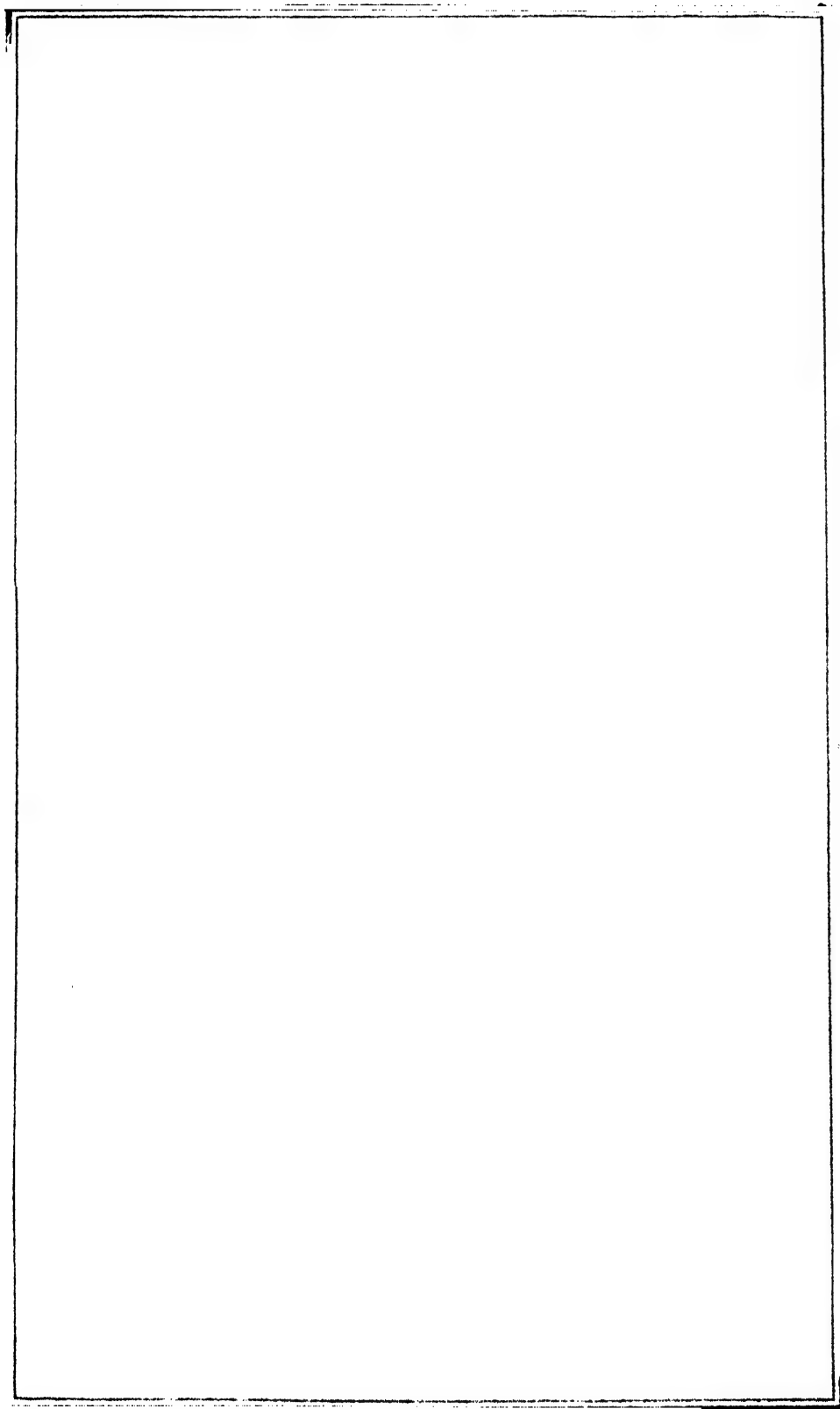


تو بہتر روزہ خاندانِ عدیؓ درخواست کرنا اور اگر وہ بھی پورا نہ کر سکیں تو کل قریش سے لیکن قریش کے علاوہ اوروں کو تکلیف نہ دینا۔ یہ صحیح بخاری کی روایت ہے (دیکھو کتاب المناقب باب تحتہ البیۃ والافاق علی عثمان)۔ لیکن عمر بن شہب نے کتاب المدنیہ میں بسند صحیح روایت کی ہے کہ نافع جو حضرت عمرؓ کے غلام تھے کہتے تھے کہ عمرؓ پر قرض کیونکر ہو سکتا تھا؟ حالانکہ ان کے ایک وارث نے اپنے حصہ وارثت کو ایک لاکھ بیچا تھا۔

حقیقت یہ ہے کہ حضرت عمرؓ پر چھپا اسی ہزار کا قرض ضرور تھا لیکن وہ اس طرح ادا کیا گیا کہ انکا مسکن مکان بیچ ڈالا گیا جسکو امیر معاویہ نے خریدا۔ یہ مکان باب السلام اور باب الرحمتہ کے بیچ میں واقع تھا اور اس مناسبت سے کہ اُس سے قرض ادا کیا گیا ایک مدت تک دارالقضا کے نام سے مشہور رہا۔ چنانچہ خلافتہ الوقافی اخبار دارالمصطفیٰ میں یہ واقعہ تفصیل فرماتے ہیں۔

حضرت عمرؓ نے تین دن کے بعد انتقال کیا اور محرم کی پہلی تاریخ ہفتہ کے دن مدفون ہوئے۔

نماز جنازہ صہیب نے پڑھائی۔ حضرت عبدالرحمنؓ۔ حضرت علیؓ۔ حضرت عثمانؓ۔ طلحہؓ۔ سعدؓ۔ قاصؓ۔ عبدالرحمن بن عوفؓ نے قبر میں اتارا۔ اور وہ آفتابِ عالم تاب خاک میں چھپ گیا۔



سلسلہ

نامورانِ اسلام

# الہامی روایت

یعنی حضرت رضی اللہ عنہ کی مفصل سوانح عمری کا

حصہ دوم

جس میں آول حضرت عمرؓ کے تمام ملکی، مالی اور فوجی انتظامات کی تفصیل ہو پھر ان کے ذاتی اخلاق، عادات اور علمی کمالات کا ذکر ہو اور خصوصاً ان کے مجتہدانہ کارناموں کو نہایت شرح و بسط سے لکھا ہے۔

مؤلف

شبلی نعمانی

محرم حجت اللہ رحمہ کے

نامی پریس کراچی

## حصہ دوم

### فتوحات پر ایک اجمالی نگاہ

پہلے حصے میں تم فتوحات کی تفصیل پڑھ آئے ہو، اُس سے تمہارے دل پر اُس عہد کے مسلمانوں کے جوش، ہمت، عزم، و استقلال، کا قوی اثر پیدا ہوا ہو گا لیکن اسلاف کی داستان سننے میں تم نے اسکی پرواز کی ہوگی کہ واقعات کو فلسفہ یا معنی کی نگاہ سے دیکھا جائے۔

لیکن ایک نکتہ سنج مورخ کے دل میں فوراً یہ سوالات پیدا ہونگے کہ چند صحرا نشینوں نے کیونکر فارس و روم کا دفتر الٹ دیا؟ کیا یہ تاریخ عالم کا کوئی مستثنیٰ واقعہ ہے؟ آخر اسکے اسباب کیا تھے؟ کیا ان واقعات کو سکندر و چنگیز کی فتوحات سے تشبیہ نہیں دیجا سکتی؟ جو کچھ ہوا اُسمیں فرمانرواے خلافت کا کتنا حصہ تھا؟ ہم اس موقع پر انہی سوالات کا جواب دینا چاہتے ہیں لیکن نہایت اجمال کے ساتھ پہلے یہ بتا دینا ضرور ہے کہ فتوحات فاروقی کی وسعت اور اسکے حدود اربعہ کیا تھے؟

حضرت عمر کے مقبوضہ ممالک کا کل رقبہ ۲۰۱۰۰۰ میل مربع یعنی کم از کم حضرت

شمال کی جانب ۱۰۳۶- مشرق کی جانب ۱۰۰۷- جنوب کی جانب ۴۸۳ میل تھا۔ مغرب کی جانب چونکہ صرف جدہ تک حد حکومت تھی اس لئے وہ قابل ذکر نہیں۔

ایمن شام- مصر- عراق- جزیرہ- خوزستان- عراق عجم- آرمینیہ- آذربائیجان- فارس- کرمان- خراسان اور کرمان- جبین بلوچستان کا بھی کچھ حصہ آجاتا ہے شامل تھا۔ ایشیائی کوچک پر جسکو اہل عرب روم کہتے ہیں- مسلمہ میں حملہ ہوا تھا لیکن وہ فتوحات کی فہرست میں شمار ہونیکے قابل نہیں۔ یہ تمام فتوحات خاص حضرت عمر کی فتوحات ہیں اور اسکی تمام مدت- دس برس سے کچھ ہی زیادہ ہے۔

پہلے سوال کا جواب یورپین مورخوں نے یہ دیا ہے کہ اسوقت فارس و روم دونوں سلطنتیں اوج اقبال سے گر چکی تھیں۔ فارس میں خسرو پرویز کے بعد نظام سلطنت بالکل درہم و برہم ہو گیا تھا کیونکہ کوئی لائق شخص جو حکومت کو سنبھال سکتا موجود نہ تھا۔ دربار کے عمائد و ارکان میں سازشیں شروع ہو گئی تھیں اور انہی سازشوں کی بدولت تخت نشینوں میں اول بدل ہوتا رہتا تھا چنانچہ تین ہی چار برس کے عرصے میں عنان حکومت چھ سات فرمانرواؤں کے ہاتھ میں آئی اور بدل گئی۔ ایک اور وجہ یہ ہوئی کہ نو شیردان سے کچھ پہلے مزدکیہ فرقہ کا بہت زور ہو گیا تھا جو اتحاد و زندہ کی طعن مائل تھا۔ نو شیردان نے گوتلوار کے ذریعے سے اس مذہب کو دبا دیا لیکن بالکل مٹا نہ سکا۔ اسلام کا قدم جب فارس میں پہنچا تو اس فرقے کے لوگوں نے مسلمانوں کو اس حیثیت کے اپنا پشت و پناہ سمجھا کہ وہ کسی کے مذہب اور عقائد سے تعرض نہیں کرتے تھے۔ عیسائیوں میں سنٹورین فرقہ جسکو اور کسی حکومت میں پناہ نہیں ملتی تھی۔ وہ بھی اسلام کے سایہ میں آکر

فتح کے اسباب  
یورپین مورخوں  
کی رائے کے  
موافق

مخالفوں کے ظلم و ستم سے بچ گیا اس طرح مسلمانوں کو دہڑے فرقہ کی ہمدردی اور اعانت مفت میں ہات آگئی۔

روم کی سلطنت خود کمزور ہو چکی تھی۔ اسکے ساتھ عیسائیت کے باہمی اختلافات اُن دونوں زوروں پر تھے اور چونکہ اس وقت تک مذہب کو نظام حکومت میں دخل تھا اسلئے اس اختلاف کا اثر مذہبی خیالات تک محدود نہ تھا بلکہ اسکی وجہ سے خود سلطنت کمزور ہوئی جاتی تھی۔ یہ جواب گو واقعیت سے خالی نہیں لیکن جس قدر واقعیت ہے اُس سے زیادہ طرز

استدلال کی قطع سازی ہے جو یورپ کا خاص انداز ہے۔ بے شبہ اس وقت فارس و روم کی سلطنتیں اصلی عروج پر نہیں رہی تھیں لیکن اسکا صرف اس قدر نتیجہ ہو سکتا تھا کہ وہ پُر زور قومی سلطنت کا مقابلہ کر سکتیں۔ نہ یہ کہ عرب جیسی بے سرو سامان قوم سے ٹکرا کر پرے پڑے ہو جاتیں۔ روم و فارس گو کسی حالت میں تھے تاہم فنون جنگ میں ماہر تھے۔ یونان میں خاص قواعد حرب پر جو کتابیں لکھی گئی تھیں اور جواب تک موجود ہیں رومیوں میں یک مدت تک اکاغلی رواج رہا۔ اسکے ساتھ رسد کی فراوانی، سرو سامان کی بہتات، آلات جنگ کے متنوع، فوجوں کی کثرت، مین کی نہیں آئی تھی اور سب سے بڑھکر یہ کہ کسی ملک پر چڑھکر جانا نہ تھا بلکہ اپنے ملک میں، اپنے قلعوں میں، اپنے مورچوں میں، ہر ملک کی حفاظت کرنی تھی۔ مسلمانوں کے حملے سے ذرا ہی پہلے حشر دہریز کے عہد میں جو ایران کی شوکت و شان کا عین شباب تھا۔ قیصر روم نے ایران پر حملہ کیا اور ہر ہر قدم پر فتوحات حاصل کرتا ہوا اصفہان تک پہنچ گیا۔ شام کے صوبے جو ایرانیوں نے چھین لئے تھے واپس لئے اور

یہ چین فنون  
کی اسے کی  
فعلی

نئے سرے نظم و نسق قائم کیا۔

ایران میں خسرو پرویز تک تو عموماً مسلم ہے کہ سلطنت کو نہایت جاہ و جلال حاصل تھا خسرو پرویز کی وفات سے۔ اسلامی حملے تک صرف تین چار برس کی مدت بنے اتنے تھوڑے عرصے میں ایسی قوی اور قدیم سلطنت کمان تک کمزور ہو سکتی تھی! البتہ تخت نشینوں کی اذالہ سے نظام میں فرق آگیا تھا۔ لیکن چونکہ سلطنت کے اجزاء یعنی خزانہ۔ فوج۔ اور محاصل میں کوئی کمی نہیں آئی تھی۔ اس لئے جب یزدگرد تخت نشین ہوا اور دربار یون نے اصلاح کیطرح توجہ کی تو فوراً نئے سرے وہی ٹھاٹھ قائم ہو گئے۔ مذکورہ فرقہ۔ گویا ایران میں موجود تھی لیکن ہلکے تمام تاریخ میں ان سے کسی قسم کی مدد ملنے کا حال معلوم نہیں ہوتا۔ اسی طرح فرقہ سنویرین کی کوئی اعانت ہلکے معلوم نہیں۔ عیسائیت کے اختلاف مذہب کا اثر بھی کسی واقعہ میں خود یورپین مورخوں نے کہیں نہیں بتایا۔

اب عرب کی حالت دیکھو! تمام فوجیں جو مصر و ایران و روم کی جنگ میں مصروف تھیں انکی مجموعی تعداد کبھی ایک لاکھ تک بھی نہ پہنچی۔ فنون جنگ سے واقفیت کا یہ حال کہ یرموک پہلا معرکہ جس میں عرب نے تعجبیہ کے طرز پر صفت آرائی کی۔ خود زرہ۔ چلتے۔ جوشن۔ بکتر۔ چار آئینہ۔ آہنی دستانے۔ جلم۔ موزے۔ جو ہر ایرانی سپاہی کا لازمی ملبوس جنگ لٹ تھا۔ اس میں سے عربوں کے پاس صرف زرہ تھی اور وہ بھی اکثر چمڑے کی ہوتی تھی۔ رکاب لوہے کے بجائے لکڑی کی تھی۔ آلات جنگ میں سے گرز و کند سے عرب بالکل آشنا

۱۔ ابن قتیبہ نے اخبار العوال میں لکھا ہے کہ یخیزین بر سپاہی کو استعمال کرنی پڑتی تھیں ۱۲

نہ تھے۔ تیر تھے لیکن ایسے چھوٹے اور کم حیثیت کہ قادیسیہ کے مورکھ میں ایرانیوں نے جب پہلی پہل اُٹھو دیکھا تو سمجھا کہ کھلے ہیں۔

فتوحات کے  
پہلی سبب

ہمارے نزدیک اس سوال کا اصلی جواب صرف اس قدر ہے کہ مسلمانوں میں اُس وقت بانی اسلام کی بدولت جو جوش، غم، استقلال، ہمت، بلند جوشگلی، دلیری، پیدا ہو گئی تھی اور جسکو حضرت عمرؓ نے اور زیادہ قوی اور تیز کر دیا تھا روم و فارس کی سلطنتیں عین عروج کے زمانے میں بھی اُسکی ٹکڑی نہیں اٹھا سکتی تھیں۔ البتہ اسکے ساتھ اور بھی چیزیں مل گئی تھیں جنہوں نے فتوحات میں نہیں بلکہ قیام حکومت میں مدد دی۔ آئین سب سے مقدم چیز مسلمانوں کی راستبازی اور دیانت داری تھی۔ جو ملک فتح ہو جاتا تھا وہاں کے لوگ مسلمانوں کی راستبازی کے اس قدر گرویدہ ہو جاتے تھے کہ باوجود اختلاف مذہب کے انکی سلطنت کا زوال نہیں چاہتے تھے۔ یرموک کے مورکھ میں سلمان جب شام کے اضلاع سے نکلے تو تمام عیسائی رعایا نے پکارا کہ خدا تمکو پھر اس ملک میں لائے، اور یہودیوں نے توریت ہاتھ میں لیکر کہا کہ ہمارے جیسے جی تمہیں صرا ب یہاں نہیں آسکتا۔

رومیوں کی حکومت جو شام و مصر میں تھی وہ بالکل جابرانہ تھی اس لئے رومیوں نے مسلمانوں کا جو مقابلہ کیا وہ سلطنت اور فوج کے زور سے کیا۔ رعایا انکے ساتھ نہ تھی۔ مسلمانوں نے جب سلطنت کا زور توڑ دیا تو آگے مطلع صاف تھا یعنی رعایا کی طرف سے کسی قسم کی مزاحمت نہ تھی۔ البتہ ایران کی حالت اس سے مختلف تھی، وہاں سلطنت کے



نیچے بہت سے بڑے بڑے رئیس تھے جو بڑے بڑے اضلاع اور صوبوں کے مالک تھے؛ وہ سلطنت کے لئے نہیں بلکہ خود اپنی ذاتی حکومت کی حفاظت کے لئے لڑتے تھے، یہی وجہ تھی کہ پامی تخت کے فتح کر لینے پر بھی فارس میں ہر قدم پر مسلمانوں کو مزاحمتیں پیش آئیں۔ لیکن عام رعایا وہاں بھی مسلمانوں کی گرویدہ ہوتی جاتی تھی اور اس لئے فتح کے بعد بقاع حکومت میں ان سے بہت مدد ملتی تھی۔

ایک اور بڑا سبب یہ تھا کہ مسلمانوں کا اول اول حملہ شام و عراق پر ہوا ان دنوں مقامات میں کثرت سے عرب آباد تھے۔ شام میں دمشق کا حاکم غسانی خاندان تھا جو برا نام قیصر کا محکوم تھا۔ عراق میں محمی خاندان والے درہل ملک کے مالک تھے گو کسریٰ کو خراج کی طور پر کچھ دیتے تھے۔ ان عربوں نے اگرچہ اس وجہ سے کہ عیسائی ہو گئے تھے اول اول مسلمانوں کا مقابلہ کیا۔ لیکن قومی اتحاد کا جذبہ رایگان نہیں جاسکتا تھا۔ عراق کے بڑے بڑے رئیس بہت جلد مسلمان ہو گئے اور مسلمان ہو جانے پر وہ مسلمانوں کے دست و بازو بن گئے۔ شام میں بھی آخر عربوں نے اسلام قبول کر لیا اور رومیوں کی حکومت سے آزاد ہو گئے۔

سکندر اور چنگیز وغیرہ کا نام لینا یہاں بالکل بے موقع ہے بے شبہ ان دونوں نے بڑی بڑی فتوحات حاصل کیں۔ لیکن کیونکر؟ قہر، ظلم، اور قتل عام، کی بدولت۔ چنگیز کا حال تو سب کو معلوم ہے۔ سکندر کی یہ کیفیت ہے کہ جب اُسے شام کی طرف

۱۷ آگے چل کر ایک موقع پر ہم نے اُنکے نام بھی تفصیل سے لکھے ہیں

شہر صور کو فتح کیا تو چونکہ وہاں کے لوگ دیر تک جم کر رہے تھے اس لئے قتل عام کا حکم دیا اور ایک ہزار شہریوں کے سر شہر بنیاد کی دیوار پر لٹکا دئے۔ اسکے ساتھ ۳۰ ہزار باشندوں کو لونڈی غلام بنا کر بیچ ڈالا جو لوگ قدیم باشندے اور آزادی پسند تھے انہیں ایک شخص کو بھی زندہ نہ چھوڑا۔ اسی طرح فارس میں جب اہل طغر کو فتح کیا تو تمام مردوں کو قتل کر دیا اس طرح کی اور بھی بے رحمان اسکے کا زامون میں مذکور ہیں۔

عام طور پر مشہور ہے کہ ظلم اور ستم سے سلطنت برباد ہو جاتی ہے، یہ اس لحاظ سے صحیح ہے کہ ظلم کو بقائے نہیں چنانچہ سکندر اور چنگیز کی سلطنتیں بھی دیر پا نہ ہوئیں۔ لیکن فوری فتوحات کے لئے اس ستم کی سفایاں کا رگڑا بت ہوئی ہیں، انکی وجہ سے ملک کا ملک مرعوب ہو جاتا ہے اور چونکہ رعایا کا بڑا گروہ ہلاک ہو جاتا ہے اس لئے بغاوت و فساد کا اندیشہ باقی نہیں رہتا۔ یہی وجہ ہے کہ چنگیز بخت نصر تیمور نادہر جتنے بڑے بڑے فاتح گذرے ہیں سب کے سب سفاک بھی تھے۔

لیکن حضرت عمر کی فتوحات میں کبھی سر مو قانون انصاف سے تجاوز نہیں ہو سکتا تھا۔ آدیوں کا قتل عام ایک طرف۔ دختون کے کاٹنے تک کی اجازت نہ تھی۔ بچوں اور بوڑھوں سے بالکل تعرض نہیں کیا جاسکتا تھا۔ مجرمین معرکہ کارزار کے کوئی شخص قتل نہیں کیا جاسکتا تھا۔ دشمن سے کبھی کسی موقع پر بے عمدی یا فریب دہی نہیں کیا جاسکتی تھی۔ امسرون کو تباہی کی احکام جاتے تھے کہ فان قاتلوکم فلا تقدر واولادکم تقتلوا و لا تقتلوا اولیئہا۔ یعنی دشمن سے لڑائی کرین تو ان سے فریب نہ کرو۔ کسی کی ناک

کان نہ کاٹو۔ کسی بچے کو قتل نہ کرو۔

جو لوگ مطیع ہو کر باغی ہو جاتے تھے اُن سے دوبارہ اقرار لیکر، درگزر کی جاتی تھی۔ یہاں تک کہ جب عربوں والے تین تین دفعہ متواتر اقرار کر کے پھر گئے تو صرف اس قدر کیا کہ انکو وہاں سے جلا وطن کر دیا لیکن اسکے ساتھ انکی کل جائیداد مقبوضہ کی قیمت ادا کر دی۔ خیبر کے یہودیوں کو سازش اور بغاوت کے جرم میں کالائو اُن کی مقبوضہ اراضیات کا معاوضہ دیدیا اور اضلاع کے محکام کو احکام بھیج دیے کہ جدھر سے اُن لوگوں کا گزر ہو انکو ہر طرح کی اعانت دیجائے اور جب یہ کسی شہر میں قیام اختیار کریں تو ایک سال تک اُن سے جزیہ نہ لیا جائے۔

جو لوگ فتوحات فاروقی کی حیرت انگیزی کا یہ جواب دیتے ہیں کہ دنیا میں اور بھی ایسے فلاح گذرے ہیں، انکو یہ دکھانا چاہیے کہ اس احتیاط، اس قید، اس پابندی، اس درگزر کے ساتھ دنیا میں کس حکمران نے ایک چپہ بھڑ میں بھی فتح کی ہے۔ اسکے علاوہ۔ سکندر۔ اور چنگیز وغیرہ خود ہر موقع اور ہر جنگ میں شریک رہتے تھے اور خود سپہ سالار بنکر فوج کو لڑاتے تھے۔ اسکی وجہ سے علاوہ اسکے کہ فوج کو ایک ماہر سپہ سالار ہات آتا تھا فوج کے دل قوی رہتے تھے اور ان میں بالطبع اپنے آقا پر فدا ہو جانے کا جوش پیدا ہوتا تھا۔

حضرت عمر تمام مدت خلافت میں ایک دفعہ بھی کسی جنگ میں شریک نہیں ہوئے، فوجیں ہر جگہ کام کر رہی تھیں البتہ انکی باگ حضرت عمر کے ہات میں رہتی تھی۔ ایک اور صریح فرق یہ ہے کہ سکندر وغیرہ کی فتوحات گزرنے والے بادل کی طرح

تھیں کہ ایک دفعہ زور سے آیا اور کل گیا۔ ان لوگوں نے جو مالک فتح کئے وہ ان کوئی نظم حکومت نہیں قائم کیا، برخلاف اسکے فتوحات فاروقی میں یہ استواری تھی کہ جو ممالک اس وقت فتح ہوئے۔ تیرہ سو برس گزرنے پر آج بھی اسلام کے مہینے میں ہیں۔ اور خود حضرت عمر کے عہد میں ہر قسم کے ملکی انتظامات وہاں قائم ہو گئے تھے۔

آخر سوال کا جواب عام رائے کے موافق یہ ہے کہ فتوحات میں خلیفہ وقت کی خیران تحفہ نہیں دیتی۔ اس وقت کے جوش اور غم کی جو حالت تھی وہ خود تمام فتوحات کی کفیل تھی۔ لیکن ہمارے نزدیک یہ صحیح نہیں۔ حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کے زمانے میں بھی تو آخر وہی مسلمان تھے۔ لیکن کیا نتیجہ ہوا؟ جوش اور اثر بے شبہ برقی قوت میں لیکن یہ قوت اسی وقت کام دے سکتی ہے جب کام لینے والا بھی اسی زور و قوت کا ہو، قیاس اور استدلال کی ضرورت نہیں۔ واقعات خود اسکا فیصلہ کر سکتے ہیں، فتوحات کے تفصیلی حالات پڑھ کر صاف معلوم ہوتا ہے کہ تمام فوج پتلی کی طرح حضرت عمرؓ کے اشاروں پر حرکت کرتی تھی اور فوج کا جو نظم و نسق تھا وہ خاص انکی سیاست و تدبیر کی بدولت تھا۔ اسی کتاب میں آگے چل کر جب ہم مفصل طور پر پڑھو گے کہ حضرت عمرؓ نے فوج کی ترتیب، فوجی مشقین، بارکون کی تعمیر، گھوڑوں کی پرداخت، قلعوں کی حفاظت، جاڑے اور گرمی کے لحاظ سے حملوں کی تعمیر، فوج کی نقل و حرکت، پرچہ نویسی کا انتظام، افسران فوجی کا انتخاب، قلعہ شکن آلات کا استعمال، یہ اور اس قسم کے امور کے متعلق کیا کیا انتظام خود ایجاد کئے اور انکو کس عجیب و غریب زور و قوت

فتوحات میں  
حضرت عمر کا  
انتظام

کے ساتھ قائم رکھا تو تم خود فیصلہ کر لو گے کہ حضرت عمر کے بغیر یہ کل مطلق کام نہیں دیکھی تھی۔  
عراق کی فتوحات میں حضرت عمر نے درحقیقت خود سپہ سالاری کا کام کیا تھا۔ فوج  
جب مدینے سے روانہ ہوئی تو ایک ایک منزل بلکہ راستہ تک خود متعین کر دیتا تھا اور  
اسکے موافق تحریری احکام بھیجتے رہتے تھے۔ فوج، قادیسیہ کے قریب پہنچی تو متوقع  
کا نقشہ منگوا بھیجا اور اسکے لحاظ سے فوج کی ترتیب، اور صف آرائی کے متعلق ہدایتیں  
بھیجیں جس قدر افسر جن جن کاموں پر مامور ہوئے تھے انکے خاص حکم کے موافق  
مامور ہوئے تھے۔

تاریخ طبری میں عراق کے واقعات کو تفصیل سے دیکھو تو صاف نظر آتا ہے  
کہ ایک بڑا سپہ سالار، دُور سے تمام فوجوں کو لڑا رہا ہے اور جو کچھ ہوتا ہے اُس کے  
اشاروں پر ہوتا ہے۔

ان تمام لڑائیوں میں جو دس برس کی مدت میں پیش آئیں سب سے زیادہ  
خطرناک دُور سے تھے۔ ایک نناوند کا معرکہ جب ایرانیوں نے فارس کے صوبجات میں  
ہر جگہ نقیب دوڑا کر تمام ملک میں آگ لگا دی تھی اور لاکھوں فوج مہیا کر کے مسلمانوں  
کی طرف بڑھے تھے۔

دوسرے جب قیصر روم نے جزیرہ والون کی اعانت سے دوبارہ محض پرچھا  
کی تھی۔ ان دونوں معرکوں میں صرف حضرت عمر کی حُسن تدبیر تھی جس نے ایک طرف ایک  
آٹھتے ہوئے طوفان کو دبا دیا اور دوسری طرف ایک کوہ گران کے پرچے اُڑا دیے چنانچہ

ہم ان واقعات کی تفصیل پہلے حصے میں لکھ آئے ہیں۔

ان تمام واقعات کی تفصیل کے بعد یہ دعویٰ صاف ثابت ہو جاتا ہے کہ جب سے دنیا کی تاریخ معلوم ہے آج تک کوئی شخص فاروق اعظم کے برابر ساج اور کشورستان نہیں گذرا۔

## نظام حکومت

اسلام میں خلافت یا حکومت کی بنیاد اگرچہ حضرت ابوبکر کے عہد میں پڑی لیکن نظام حکومت کا دور حضرت عمر کے عہد سے شروع ہوتا ہے۔ حضرت ابوبکر کی دو سالہ خلافت میں اگرچہ بڑے بڑے مہمات کا فیصلہ ہوا یعنی عرب کے مرتدوں کا خاتمہ ہو گیا اور بیرونی فتوحات شروع ہوئیں، تاہم حکومت کا کوئی خاص نظام نہیں قائم ہوا اور نہ آتنا مختصر زمانہ اسکے لئے کافی ہو سکتا تھا، حضرت عمر نے ایک طرف تو فتوحات کو یہ سمجھ دیا کہ قیصر و کسریٰ کی وسیع سلطنتیں ٹوٹ کر عرب میں مل گئیں، دوسری طرف حکومت و سلطنت کا نظام قائم کیا اور اسکو اس قدر ترقی دی کہ انکی وفات تک حکومت کے جس قدر مختلف شعبے ہیں سب وجود میں آچکے تھے،

لیکن قبل اسکے کہ ہم حکومت کے قواعد و آئین کی تفصیل بتائیں پہلے یہ بتانا چاہئے کہ اس حکومت کی ترکیب اور ساخت کیا تھی؟ یعنی شخصی تھی؟ یا جمہوری؟ اگرچہ اسوقت عرب کا تمدن جس حد تک پہنچا تھا اسکے لحاظ سے حضرت عمر کی خلافت پر جمہوری یا شخصی دونوں میں سے کسی ایک کا بھی اطلاق نہیں ہو سکتا۔ لیکن ایسے موقع پر صرف

اس بات کا پتہ لگانا کافی ہے کہ حکومت کا جو انداز تھا وہ جمہوریت سے ملتا تھا یا شخصیت سے، یعنی سلطنت کا سلطان ذاتی اختیارات پر تھا یا عام رائے پر۔

جمہوری اور  
شخصی سلطنت  
کا موازنہ

جمہوری اور شخصی طریق حکومت میں جو چیز سب سے بڑھ کر ماہر الامتیاز ہے وہ عوام کی مداخلت اور عدم مداخلت ہے، یعنی حکومت میں جس قدر رعایا کو دخل دینے کا زیادہ حق حاصل ہوگا، اسی قدر اس میں جمہوریت کا عنصر زیادہ ہوگا۔ یہاں تک کہ سلطنت جمہوری کی اخیر حد یہ ہے کہ مستند نشین حکومت کے ذاتی اختیارات بالکل فنا ہو جائیں اور وہ جماعت کا رکن کا صرف ایک ممبر بجائے۔ برخلاف اسکے شخصی سلطنت میں تمام داروہ صرف ایک شخص پر ہوتا ہے۔ اس بنا پر، شخصی سلطنت سے خواہ مخواہ تلخ ذیل پیدا ہوا نہیں (۱) بجائے اسکے کہ ملک کے تمام قابل انخاص کی قابلیتیں کام میں آئیں صرف چند ارکان سلطنت کی عقل و تدبیر پر کام چلتا ہے،

(۲) چونکہ بجز چند عمدہ دارون کے اور لوگوں کو ملکی انتظامات سے کچھ سروکار نہیں ہوتا۔ اس لئے قوم کے اکثر افراد سے انتظامی قوت اور قابلیت رفتہ رفتہ معدوم ہونے لگتی ہے،

(۳) مختلف فرقوں اور جماعتوں کے خاص خاص حقوق کی اچھی طرح حفاظت نہیں ہوتی کیونکہ جن لوگوں کو ان حقوق سے غرض ہے انکو انتظام سلطنت میں خلل نہیں ہوتا اور جن لوگوں کو دخل ہوتا ہے انکو غیروں کے حقوق سے اس قدر ہمدردی نہیں ہو سکتی جتنی خود ارباب حقوق کو ہو سکتی ہے۔

چونکہ مجر چند ارکان سلطنت کے کوئی شخص ملکی اور قومی کاموں میں دخل دینے کا مجاز نہیں ہوتا۔ اس لئے قوم میں ذاتی اغراض کے سوا قومی کاموں کا مذاق معدوم ہو جاتا ہے۔

یہ نتائج شخصی سلطنت کے لوازم ہیں اور کبھی اس سے جدا نہیں ہو سکتے۔ برخلاف اسکے جمہوری سلطنت میں اسکے برعکس نتائج ہونگے۔ اس بنا پر جس سلطنت کی نسبت جمہوری و شخصی کی بحث ہو اس کی نوعیت کا اندازہ نتائج سے بھی کیا جاسکتا ہے۔

یہین خیال کرنا چاہئے کہ جمہوریت کا طریقہ عرب کا فطری مذاق تھا اور اس لئے عرب میں جو حکومت قائم ہوتی وہ خواہ مخواہ جمہوری ہوتی۔ عرب میں مدت سے تین وسیع حکومتیں موجود تھیں۔ یمنی۔ حمیری۔ غسانی۔ لیکن یہ سب شخصی تھیں، قبائل کے سردار البتہ جمہوری اصول پر انتخاب کئے جاتے تھے لیکن انکو کسی قسم کی ملکی حکومت حاصل نہ تھی، بلکہ انکی حیثیت سپہ سالاروں یا قاضیوں کی ہوتی تھی۔ حضرت ابوبکر کی خلافت نے بھی اس بحث کا کچھ فیصلہ نہیں کیا کیونکہ گو۔ انکا انتخاب کثرت راسے پر ہوا تھا لیکن وہ ایک فوری کارروائی تھی چنانچہ خود حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ فلا یغترن امرء ان یقول انما کانت بیعة ابی بکر فلتة وتمت الالوانها قد کانت كذلك لکن الله یشہا

حضرت عمرؓ کے گرد و پیش جو سلطنتیں تھیں وہ بھی جمہوری نہ تھیں۔ ایران میں تو سرے



کبھی یہ مذاق ہی نہیں پیدا ہوا۔ روم البتہ کسی زمانے میں اس شرف سے ممتاز تھا۔ لیکن حضرت عمر کے زمانے سے بہت پہلے وہاں شخصی حکومت قائم ہو چکی تھی اور حضرت عمر کے زمانے میں تو وہ بالکل ایک جابرانہ خود مختار سلطنت رہ گئی تھی۔ غرض حضرت عمر نے بغیر کسی مثال اور نمونے کے جمہوری حکومت کی بنیاد ڈالی اور اگرچہ وقت کے اقتضائے اس کے تمام اصول و فروع مرتب نہ ہو سکے تاہم جو چیزیں حکومت جمہوری کی روح ہیں سب وجود میں آگئیں۔ انہیں سب کے اصل الاصول مجلس شوریٰ کا انعقاد تھا یعنی جب کوئی انتظام پیش آتا تھا تو ہمیشہ ارباب شوریٰ کی مجلس منعقد ہوتی تھی اور کوئی امر بغیر مشورہ اور کثرت رائے کے عمل میں نہیں آسکتا تھا۔ تمام جماعت اسلام میں اس وقت دگر وہ تھے جو کل قوم کے پیشوا تھے اور جنکو تمام عرب نے گویا اپنا قائم مقام تسلیم کر لیا تھا یعنی مہاجرین۔ انصار مجلس شوریٰ میں ہمیشہ لازمی طور پر ان دونوں گروہ کے ارکان شریک ہوتے تھے۔ انصار بھی دو قبیلوں میں منقسم تھے۔ اوس و خزرج چنانچہ ان دونوں خاندان کا مجلس شوریٰ میں شریک ہونا ضرور تھا مجلس شوریٰ کے تمام ارکان کے نام اگرچہ ہم نہیں بنا سکتے تاہم اس قدر معلوم ہے کہ حضرت عثمان۔ حضرت علی۔ عبد الرحمن۔ بن عوف۔ معاذ بن جبل۔ ابی بن کعب۔ زید بن ثابت۔ امین شامل تھے۔ مجلس کے انعقاد کا یہ طریقہ تھا کہ پہلے ایک منادی اعلان کرتا تھا کہ الصلوٰۃ جامعۃ۔ یعنی سب لوگ نماز کے لئے جمع ہو جائیں۔ جب

حضرت عمر کی  
حکومت میں  
مجلس شوریٰ  
دکھائی

مجلس شوریٰ  
کے ارکان اور  
ان کے انعقاد  
کا طریقہ

مجلس شوریٰ  
کے جلسے

لوگ جمع ہو جاتے تھے تو حضرت عمر مسجد نبوی میں جا کر دو رکعت نماز پڑھتے تھے نماز کے بعد ممبر پر چڑھ کر خطبہ دیتے تھے اور بحث طلب امر پیش کیا جاتا۔

معمولی اور روزمرہ کے کاروبار میں اس مجلس کے فیصلے کافی سمجھے جاتے تھے لیکن جب کوئی امر اہم پیش آتا تھا تو مہاجرین اور انصار کا اجلاس عام ہوتا تھا اور سب کے اتفاق سے وہ امر طے پاتا تھا۔ مثلاً عواق و شام کے نفع ہونے پر جب بعض صحابہ نے اصرار کیا کہ تمام مفتوحہ مقامات 'فوج کی جاگیر میں دیدیے جائیں تو بہت بڑی مجلس منعقد ہوئی جس میں تمام قدامتے مہاجرین اور انصار میں سے عام لوگوں کے علاوہ دس بڑے بڑے سردار جو تمام قوم میں ممتاز تھے اور جنہیں سے ہر شخص قبیلہ اوس اور ہ قبیلہ خزرج کے تھے شریک ہوئے۔ کئی دن تک اس مجلس کے جلسے رہے اور نہایت آزادی و بیباکی سے لوگوں نے تقریریں کیں۔ اس موقع پر حضرت عمر نے جو تقریر کی اُسکے جتہ جتہ فقرے ہم اس لحاظ سے نقل کرتے ہیں کہ اس سے منصب خلافت کی حقیقت اور خلیفہ وقت کے اختیارات کا اندازہ ہوتا ہے۔

انی لہو ان عجبکم الالان تشرکوا فی امانتی فیما حملت من امور کوفانی  
واحد کا حد کہو + ولست اریہ ان تتبعوا هذا الذی هوای

اسلام میں جب نہاوند کا سخت معرکہ پیش آیا اور عجمیوں نے اس سرور سامان طیار کی کہ لوگوں کے نزدیک خود خلیفہ وقت کا اس مہم پر جانا ضروری ٹھہرا تو بہت

۱۵ تاریخ طبری صفحہ ۲۵۷

۱۶ تمام تفصیل کتاب الفرائض قاضی ابویوسف صفحہ ۱۲ وہ این ہے ۱۲

بڑی مجلس شوریٰ منعقد ہوئی۔ حضرت عثمان، طلحہ بن عبد اللہ، زبیر بن العوام، عبد الرحمن بن عوف، وغیرہ نے باری باری کھڑے ہو کر تقریریں کیں اور کہا کہ آپ کا خود موقع جنگ پر جانا مناسب نہیں۔ پھر حضرت علی کھڑے ہوئے اور ان لوگوں کی تائید میں تقریر کی۔ غرض کثرتِ رائے سے یہی فیصلہ ہوا کہ حضرت عمر موقعِ جنگ پر نہ جائیں، ایطاح فوج کی تحواہ۔ دفتر کی ترتیب۔ عمال کا تقرر۔ غیر قوموں کو تجارت کی آزادی اور ان پر محصول کی تشخیص۔ اس قسم کے بہت سے معاملات میں شبلی نسبت تائید میں تبصرج مذکور ہے کہ مجلس شوریٰ میں پیش ہو کر طے پائے۔ ان امور کے پیش ہونیکے وقت ارکانِ مجلس نے جو تقریریں کیں وہ بھی تائید میں مذکور ہیں۔

مجلس شوریٰ کا انعقاد اور اہل الرائے کی مشورت، استحسان و تبرع کے طور پر نہ تھی بلکہ حضرت عمر نے مختلف موقعوں پر صاف صاف فرما دیا تھا کہ مشورے کے بغیر خلافت سرے سے جائز ہی نہیں انکے خاص الفاظ یہ ہیں **لا خلافة الا عن مشورۃ** مجلس شوریٰ کا اجلاس اکثر خاص خاص ضرورتوں کے پیش آنے کے وقت ہوتا تھا۔ لیکن اسکے علاوہ ایک اور مجلس تھی جہاں روزانہ انتظامات اور ضروریات پر گفتگو ہوتی تھی۔ مجلس ہمیشہ مسجد نبوی میں منعقد ہوتی تھی اور مرتب مہاجرین صحابہ اس میں شریک ہوتے تھے۔ صوبجات اور اضلاع کی روزانہ خبریں جو دربار خلافت میں پہنچتی تھیں حضرت عمر انکو اس مجلس میں بیان کرتے تھے اور کوئی بحث طلب امر ہوتا تھا تو اس میں

لوگوں سے استصواب کیا جاتا تھا۔ مجوسیوں پر جزیہ مقرر کرنے کا مسئلہ اول اسی مجلس میں پیش ہوا تھا۔ مورخ بلاذری نے اس مجلس کا حال ایک صحنی تذکرے میں ان الفاظ میں لکھا ہے۔

كان للمهاجرين مجلس في المسجد فكان عمر يجلس معهم فيه ويجدّهم عما ينقضي اليه من اهل الكوفة فقال يوم ما ادرى كيف اصنع بالبحر

مجلس شوری کے ارکان کے علاوہ، عام رعایا کو انتظامی امور میں مدخلت حاصل تھی، صوبجات اور اضلاع کے حاکم اکثر رعایا کی مرضی سے مقرر کئے جاتے تھے۔ بلکہ بعض اوقات بالکل انتخاب کا طریقہ عمل میں آتا تھا۔ کوفہ۔ بصرہ۔ اور شام میں جب عمال خراج مقرر کئے جانے لگے تو حضرت عمرؓ نے ان تینوں صوبوں میں احکام نیچے کر وہاں کے لوگ اپنی اپنی پسند سے ایک ایک شخص انتخاب کر کے بھیجیں جو ان کے نزدیک تمام لوگوں سے زیادہ دیانت دار اور قابل ہو، چنانچہ کوفہ سے عثمان بن فرقہ بصرہ سے حجاج بن علاط شام سے معن بن یزید کو لوگوں نے منتخب کر کے بھیجا اور حضرت عمرؓ نے انھیں لوگوں کو ان مقامات کا حاکم مقرر کیا۔ قاضی ابو یوسف صاحب نے اس واقعہ کو بنی الفاظ میں بیان کیا ہے یہ ہیں۔

كتب عمر بن الخطاب الى اهل الكوفة يبعثون اليه رجلا من اخيرهم واهلهم والى اهل البصرة كذلك والى اهل الشام كذلك قال فبعث اليه اهل الكوفة عثمان بن فرق وبعث اليه اهل الشام معن بن يزيدي

عام رعایا کی مدخلت

بعث الیہ اهل البصرة الحجاج بن علاط کلہم سلیون قال فاستعمل کل واحد  
منہم علی خراج ارضہ<sup>۱</sup>

سعد بن ابی وقاص بہت بڑے رتبے کے صحابی اور نوشیروانی پای تخت کے  
فاح تھے۔ حضرت عمر نے ان کو کوفہ کا گورنر مقرر کیا تھا لیکن جب لوگوں نے انکی شکایت  
کی تو معزول کر دیا۔

حکومت جمہوری کا ایک بہت بڑا اصول یہ ہے کہ ہر شخص کو اپنے حقوق اور غرض  
کی حفاظت کا پورا اختیار اور موقع دیا جائے۔ حضرت عمر کی حکومت میں ہر شخص کو نہایت  
آزادی کے ساتھ یہ موقع حاصل تھا اور لوگ علانیہ اپنے حقوق کا اظہار کرتے تھے۔  
اضلاع سے قریباً ہر سال سفارتیں آتی تھیں جنکو وفد کہتے تھے اس سفارت کا مرن  
یہ مقصد ہوتا تھا کہ دربار خلافت کو ہر قسم کے حالات اور شکایات سے مطلع کیا جائے اور  
داد رسی چاہی جائے۔ حضرت عمر نے خود بار بار مختلف موقعوں پر اس حق کا اعلان کر دیا  
تھا یہاں تک کہ خاص اسکے لئے مجمع عام میں خطبہ پڑھا۔ فرمانوں میں تصریح کی اور ایک  
دفتر تمام عاملان سلطنت کو حج کے مجمع عام میں طلب کر کے اسکا اعلان کیا، چنانچہ اسکی  
پوری تفصیل عاملوں کے بیان میں آئیگی۔

حکومت جمہوری کا اصلی زیور یہ ہے کہ پادشاہ ہر قسم کے حقوق میں، عام آدمیوں کے  
ساتھ برابری رکھتا ہو یعنی کسی قانون کے اثر سے مستثنیٰ نہ ہو، ملک کی آمدنی میں سے

ضروریات زندگی سے زیادہ نہ لے سکے، عام معاشرت میں اُسکی حاکمانہ حیثیت کا کچھ لحاظ نہ کیا جائے، اُسکے اختیارات محدود ہوں، ہر شخص کو اُسپر نکتہ چینی کا حق حاصل ہو، یہ تمام امور حضرت عمر کی خلافت میں اس درجے تک پہنچے تھے کہ اُس سے زیادہ ممکن نہ تھے اور جو کچھ ہوا تھا خود حضرت عمر کے طریق عمل کی بدولت ہوا تھا۔ اُنھوں نے متعبد و موقنون پر ظاہر کر دیا تھا کہ حکومت کے لحاظ سے اُنکی کیا حیثیت ہے۔ اور ان کے کیا اختیارات ہیں؟ ایک موقع پر اُنھوں نے اس کے متعلق جو تقریر کی تھی اُسکے بعض بعض فقرے اس موقع پر لکھنے کے قابل ہیں۔

اِنَّمَا اَنَا وَمَا لَكُمْ كَوَلِي الْيَتِيمَانِ اسْتغفرت  
استغفرت وان افتقرت اكلت بالمعرف  
لكم على ايها الناس خصال تغذوني  
بها لكم على ان لا اجتبي شيئا من  
خلافكم ولا مما افاء الله عليكم الا من  
وجهه ولكم على اذا وقع في يدى ان لا  
يخرج منى الا في حقه ولكم على  
ان اسر يد فى اعطياتكم واسد ثغوركم  
ولكم على ان لا الفيك فى الممالك  
نجلو تھارے مال (یعنی بیت المال) میں اس قدر حق ہے، جتنا  
یتیم کے مربی کو یتیم کے مال میں اگر میں دیکھتا ہوں گا تو کچھ نہ لوں گا۔  
اور ضرورت پڑی تو دستور کے موافق کھانے کے لئے تو کھا سکا ہوں  
میرے اور پرتم لوگوں کے متعدد حقوق ہیں جس کا ٹکڑا مجھ سے  
مواخذہ کرنا چاہئے۔ ایک یہ کہ ملک کا خرچ اور مال غنیمت  
بجائے طور سے نہ جمع کیا جائے ایک یہ کہ جب میرے ہاتھ میں  
خرچ اور غنیمت آئے تو بجائے طور سے صرف نمونے ہائے ایک یہ  
میں تمھارے روزیے بڑھاؤں اور سرحدوں کو محفوظ رکھوں۔  
ایک یہ کہ تمکو خطروں میں نہ ڈالوں۔

ایک موقع پر ایک شخص نے کئی بار حضرت عمر کو مخاطب کر کے کہا کہ اِنْقِلَبْ لِلّٰہِ بِاَعْمَرِ  
یعنی "امی عمر خدا سے دور" حاضرین میں سے ایک شخص نے اسکو روکا اور کہا کہ بس مت  
ہوا۔ حضرت عمر نے فرمایا "نہیں کہنے دو۔ اگر یہ لوگ نہ کہیں تو یہ بے مصرف ہیں۔ اوہ لوگ  
نہا میں تو تم۔" ان باتوں کا یہ اثر تھا کہ خلافت اور حکومت کے اختیارات اور حدود تمام  
لوگوں پر ظاہر ہو گئے تھے۔ اور شخصی شوکت اور اقتدار کا تصور دلوں سے جاتا رہا تھا۔  
عاز بن جبیل نے رومیوں کی سفارت میں حضرت عمر کی خلافت کے متعلق جو نصیر  
کی تھی وہ حقیقت حکومت جمہوری کی اصل تصویر ہے۔ اور حکومت جمہوری کی حقیقت آج  
بھی اس سے واضح تر اور صحیح تر نہیں بیان کئے جاسکتی۔

نوعیت حکومت بتانے کے بعد ہم حضرت عمر کے نظام حکومت کی طرف  
متوجہ ہوتے ہیں۔

حکومت کے نظم و نسق میں جو چیز سب سے مقدم ہے یہ ہے کہ انتظام کے تمام  
مختلف حصے ایک دوسرے سے ممتاز اور الگ الگ ہوں اور یہی ترقی تمدن کی سب سے  
بڑی دلیل ہے۔ جس طرح تمدن کی ابتدائی حالت میں مکانات کی قطع ہوتی ہے کہ  
ایک ہی حجرہ تمام مزدورتوں کے لئے کافی ہوتا ہے، پھر جس قدر تمدن بڑھتا جاتا ہے  
کھانے، سونے، ملاقات کرنے، لکھنے، پڑھنے، اور دیگر ضروریات کے لئے جدا جدا  
کمرے بنتے جاتے ہیں۔ یہی حالت بالکل سلطنت کی ہے، ابتدائی تمدن میں انتظام

کے تمام نیغے ملے جلے رہتے ہیں، جو شخص صوبہ کا گورنر ہوتا ہے وہی لڑائی کے وقت سپہ سالار بن جاتا ہے، مقدمات کے انفصال کے وقت وہی قاضی کا کام دیتا ہے، جرائم کی تعزیریں وہی پولیس کی حیثیت رکھتا ہے، جس قدر تمدن ترقی کرتا جاتا ہے الگ الگ صیغے قائم ہوتے جاتے ہیں اور ہر صیغے کا الگ افسر ہوتا ہے۔ انگریزی حکومت کو ۱۰۰ برس ہوئے لیکن جوڈیشل اور ایکزیکٹیو۔ اختیارات اب تک ملے جلے ہیں، یعنی کلکٹر ضلع مالگزار بھی وصول کرتا ہے۔ اور مقدمات بھی فیصل کرتا ہے۔ اور غیر آئینی اضلاع میں تو بہت زیادہ خلط مبحث ہے۔ حضرت عمر کے عجیب غریب کارناموں میں ایک یہ بھی ہے کہ باوجود اسکے کہ اس وقت عرب کا تمدن نہایت ابتدائی حالت میں تھا اور سلسلہ حکومت کے آغاز کو صرف چند برس گزرے تھے تاہم انھوں نے بہت سے شعبے جو مملو تھے الگ کر کے جدا گانہ محکمے قائم کئے۔ چنانچہ ان تمام شعبوں کو ہم تفصیل سے لکھتے ہیں۔

## ملک کی تقسیم

صوبجات اور اضلاع

عمدہ داران ملک

نظام حکومت کا ابتدائی سلسلہ جس پر تمام انتظامات متفرع ہیں، ملک کا مختلف حصوں میں تقسیم ہونا ہے جنکو صوبہ، ضلع، اور پرگنہ سے تعبیر کیا جاتا ہے اسلام میں حضرت عمر پہلے شخص ہیں جس نے اسکی ابتدائی اور اس زمانے کے موافق نہایت موزونی اور



حضرت عمر  
کے متفقہ کردہ  
صوبے

تناسب سے اسکے حدود قائم کئے۔ تمام موخرین نے اسکی تصریح کی ہے کہ انھوں نے ممالک مقبوضہ کو ۸ صوبوں پر تقسیم کیا مکہ۔ مدینہ۔ شام۔ جزیرہ۔ بصرہ۔ کوفہ۔ مصر۔ فلسطین۔ موخرع یعقوبی نے ۸ کے بجائے ۷ صوبے لکھے ہیں۔ اور لکھا ہے کہ یہ انتظام حضرت عمر نے ۱۰ سالہ میں کیا تھا۔ موخرین کا یہ بیان اگرچہ درحقیقت صحیح ہے لیکن آسمین ایک اجمال ہے جسکی تفصیل تبادینی ضرور ہے۔ فاروقی فتوحات کو جو وسعت حاصل تھی اُسکے لحاظ سے صرف یہ ۸ صوبے کافی نہیں ہو سکتے تھے۔ فارس۔ خوزستان۔ کرمان۔ وغیرہ بھی آخر صوبے ہی کی حیثیت رکھتے تھے۔

اصل یہ ہے کہ جو ممالک فتح ہوئے انکی جو تقسیم پہلے سے تھی اور جو مقامات صوبے یا ضلع تھے اکثر جبکہ حضرت عمر نے اُسی طرح رہنے دیے، اس لئے موخرین نے انکا نام نہیں لیا۔ البتہ جو صوبے خود حضرت عمر نے قائم کئے انکا ذکر ضرور تھا اور وہ یہی آٹھ تھے۔ لیکن یہ امر بھی بلحاظ اغلب صحیح ہے درنہ تاریخی تصریحات سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عمر نے پچھلی تقسیم ملکی میں بھی تصرفات کئے تھے۔ فلسطین پہلے ایک صوبہ شمار کیا جاتا تھا۔ اور آسمین ۱۰ اضلع شامل تھے۔ ۱۵ سالہ میں جب حضرت عمر نے خود فلسطین جا کر معاہدہ امن لکھا تو اس صوبے کے دو حصے کر دئے۔ ایک کا صدر مقام ایلیا اور دوسرے کا رملہ قرار دیا، اور علقمہ بن حکیم و علقمہ بن مجزز کو الگ الگ دو لون صوبوں میں متعین کیا۔

۱۵ طبری صفحہ ۲۴۰ و ۲۴۱۔ اصل عبارت یہ ہے۔ فصارت فلسطین بفضین نصف مع اہل ایلیا و نصف مع اہل رملہ

دہم عشر کور فلسطین تدرال شام کتبا + + + و فرق فلسطین علی طین۔ فنزل کل واحد منها فی علمہ۔

مصر کی نسبت مہکو معلوم نہیں کہ فتح سے پہلے اسکی کیا حالت تھی لیکن حضرت عمرؓ نے اسکو دو صوبوں میں تقسیم کیا۔ بالائی حصہ جسکو عربی میں صعیہ کہتے ہیں اور حبشین ۲۸ ضلع شامل تھے ایک الگ صوبہ قرار دیکر عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کو وہاں کا حاکم مقرر کیا اور نیشی حصہ حبشین ۵ ضلع شامل تھے اسپر ایک دوسرا نسر تعینات کیا۔ عمرو بن العاص بطور گورنر جنرل کے تھے۔

نوشیروانی  
کے صوبے

فارس وغیرہ میں چونکہ حضرت عمرؓ نے قریباً تمام نوشیروانی انتظامات بحال رہنے دئے تھے۔ اسلئے صرف یہ بتادینا کافی ہے کہ نوشیروان کے عہد میں یہ ممالک کتنے حصوں میں منقسم تھے۔

موزخ الیعقوبی نے لکھا ہے کہ نوشیروان کی سلطنت عراق کے علاوہ تین بڑے بڑے صوبوں میں منقسم تھی۔

حراسان۔ اس میں مفصلہ ذیل اضلاع شامل تھے۔ نیشاپور۔ ہرات۔ مرو۔ مردود۔ فاراب۔ طالقان۔ بلخ۔ بخارا۔ بادعیس۔ باورد۔ غرستان۔ طوس۔ حرش۔ جرجان۔ آذربائیجان۔ اس میں مفصلہ ذیل اضلاع شامل تھے۔ طبرستان۔ رے۔ قزوین۔ زنجان۔ قم۔ اصفہان۔ ہمدان۔ نساوند۔ دینور۔ طوان۔ ماسندان۔ مہرجان۔ قذوق۔ شہر زور۔ صامغان۔ آذربجان۔

فارس۔ اس میں مفصلہ ذیل اضلاع شامل تھے۔ اصطخر۔ شیراز۔ نوبندجان۔ جور۔

کا زردون - فنا - دارا بگرد - ارد شیر خرہ - سا بور - اہواز - جند یسا بور - سوس - نر تیری -  
مناذر - تستر - ایدج - رام ہرمز -

صوبوں کے  
افسر

صوبوں میں مفصلہ ذیل بڑے بڑے عہدہ دار رہتے تھے۔ والی یعنی حاکم صوبہ  
کاتب یعنی میز نشی - کاتب دیوان یعنی دفتر فوج کا میز نشی - صاحب الخراج یعنی  
کلکٹر - صاحب احوال یعنی افسر پولیس - صاحب بیت المال یعنی افسر خزانہ -  
قاضی یعنی صدر الصدور و منصف - چنانچہ کوفہ میں عمار بن یاسر والی عثمان بن  
حنیف کلکٹر عبد اللہ بن مسعود افسر خزانہ - شریح قاضی - عبد اللہ بن خلف الخراجی -  
کاتب دیوان تھے۔

ہر صوبے میں ایک فوجی افسر بھی ہوتا تھا لیکن اکثر حالتوں میں صوبے کا  
عامل ہی اس خدمت پر بھی مامور ہوتا تھا۔ پولیس کا محکمہ بھی جہاں تک ہم کو معلوم  
ہے ہر جگہ الگ نہ تھا۔ اکثر کلکٹر یا عامل اس خدمت کو بھی انجام دیتا تھا مثلاً  
عمار بن یاسر جو قوت کوئے کے حاکم تھے پولیس کا کام بھی انہی کے سپرد تھا۔ بحرین  
میں قدامتہ بن مظلوم صاحب الخراج تھے اور پولیس کا کام بھی کرتے تھے۔ والی  
کا اسٹاف وسیع اور مستقل اسٹاف ہوتا تھا اور اسکے ممبر خود دربار خلافت کی طرف  
سے مامور ہوتے تھے۔ عمار کو جب حضرت عمرؓ نے کوفہ کا حاکم مقرر کر کے بھیجا تو  
وہ سن معزز آدمی انکے اسٹاف میں دئے جن میں ایک قرط خزر جمی بھی تھے۔

میرمنشی قابل اور تقریر اور تحریر میں یکتا ہوتا تھا۔ ابو موسیٰ اشعری جو بصرہ کے گورنر تھے ان کا میرمنشی نریاد بن سمیہ تھا جسکی فصاحت و بلاغت پر خود حضرت عمر حیران رہ گئے تھے اور عمرو بن العاص کہا کرتے تھے کہ اگر یہ نوجوان قریش کی نسل سے ہوتا تو تمام عرب اسکے علم کے نیچے آجاتا۔

اضلاع میں بھی عامل، افسر خزانہ، اور قاضی، وغیرہ ہوتے تھے اور یہ سب گورنر صوبہ کے ماتحت اور اسکے زیر حکومت کام کرتے تھے۔ پرگنوں میں غالباً صرف تحصیلدار رہتے تھے اور اسکے ساتھ اسکا علمہ ہوتا تھا۔

صوبجات اور اضلاع کی تقسیم کے بعد سب سے مقدم جو چیز تھی ملکی عمدہ داران کا انتخاب اور انکی کارروائی کا دستور العمل بنانا تھا، کوئی فرمانروا کتنا ہی بیدار مغر اور کوئی قانون کتنا ہی مکمل ہو لیکن جب تک حکومت کے اعضا و جوارح یعنی عمدہ داران ملکی قابل، لائق، رہتبار، اور متدین نہ ہوں اور ان سے نہایت بیدار مغری کے ساتھ کام نہ لیا جائے، ملک کو کبھی ترقی نہیں ہو سکتی، حضرت عمرؓ نے اس باب میں جس نکتہ رسی اور تدبیر و سیاست سے کام لیا، انصاف یہ ہے کہ تاریخ عالم کے ہزاروں ورق اُلٹ کر بھی اسکی نظیر نہیں ملتی، اس مرحلے میں اس بات سے بڑی مدد ملی کہ انکی طبیعت شروع سے جو ہر شناس واقع ہوئی تھی یعنی جس شخص میں جس قسم کی قابلیت ہوتی تھی وہ اسکی تزکیہ و تنبیہ جاتے تھے۔ اسکے ساتھ انھوں نے ملک کے تمام قابل آدمیوں سے واقفیت ہم پہنچائی تھی، یہی بات تھی کہ انھوں نے جس شخص کو جو کام دیا اس کے

حضرت عمرؓ  
کی جہنشناسی

انجام دینے کے لئے اُس سے بڑھکر آدمی نہیں مل سکتا تھا، عرب میں چار شخص تھے جن کو ذہاۃ العرب کہا جاتا تھا یعنی جو فن سیاست و تدبیر میں اپنا جواب نہیں رکھتے تھے۔ امیر معاویہ - عمرو بن العاص - مغیرہ بن شعبہ - زیاد بن سمیہ - حضرت عمرؓ نے زیاد کے سوا مینوں کو بڑے بڑے ملکی عہدے دے دیے۔ اور چونکہ یہ لوگ صاحبِ ادعا بھی تھے اس لئے اس طرح اُن پر قابو رکھا کہ کبھی کسی قسم کی خود سری نہ کرنے پائے، زیاد ان کے زمانے میں شانزدہ سالہ نوجوان تھا اس لئے اُسکو کوئی بڑا عہدہ نہیں دیا لیکن اُسکی قابلیت اور استعداد کی بنا پر ابو موسیٰ اشعری کو لکھا کہ کاروبار حکومت میں اُسکو مشیر کار بنائیں۔ فن حرب میں عمرو معدی کرب اور طلحہ بن خالد نہایت ممتاز تھے لیکن تدبیر و سیاست میں انکو دخل نہ تھا حضرت عمرؓ نے ان دونوں کو نعمان بن مقرن کی ماتحتی میں عراق کی فتوحات پر مامور کیا لیکن نعمان کو لکھ بھیجا کہ اُنکو کسی صیغے کی افسری نہ دینا کیونکہ تنہا صرف اپنا فن خوب جانتا ہے۔ عبداللہ بن ارم ایک معزز صحابی تھے۔ ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کہیں سے ایک جواب طلب تحریر آئی، آپ نے فرمایا کہ اسکا جواب کون لکھے گا؟ عبداللہ بن ارم نے عرض کی کہ ”میں“ یہ کلمہ خود اپنی طبیعت سے جواب لکھ کر لائے، آنحضرتؐ نے سنا تو نہایت پسند فرمایا۔ حضرت عمرؓ بھی موجود تھے۔ انکی اس قابلیت پر اُنکو خاص خیال ہوا اور جیسا کہ علامہ بن الاثیر وغیرہ نے لکھا ہے یہ اثر ان کے دل میں ہمیشہ قائم رہا یہاں تک کہ جب خلیفہ ہوئے تو اُنکو میرمنشی مقرر کیا،

نماوند کی عظیم الشان مہم کے لئے جب مجلس شوریٰ کا عام اجلاس ہوا اور حضرت عمرؓ نے اسے طلب کی کہ اس مہم پر کون بھیجا جائے؟ تو تمام مجمع نے اتفاق کیا کہ آپکو جو وقعتیت ہے اور آپ نے ایک ایک کی قابلیت کا جس طرح اندازہ کیا ہے کسی نے نہیں کیا، چنانچہ حضرت عمرؓ نے نعمان بن مقرن کا نام لیا اور سب نے یزبان ہو کر کہا کہ یہ انتخاب بالکل بجا ہے۔ عمار بن یاسر بڑے رتبے کے صحابی تھے اور زہد و تقدس میں بے نظیر تھے لیکن سیاست و تدبیر سے آشنا نہ تھے، قبولیت عام اور بعض مصلحتوں کے لحاظ سے حضرت عمرؓ نے انکو کوہ کا حاکم مقرر کیا لیکن چند روز کے بعد جب ان سے کام چل نہ سکا تو مغزول کر دیا اور انکے طرفداروں کو دکھا دیا کہ وہ اس کام کے لئے موزون نہ تھے، اس قسم کی سیکڑن مثالیں ہیں جنکا استقصاء نہیں کیا جاسکتا۔ کسی شخص کو شوق ہو تو رجال کی کتابوں سے عرب کے تمام لائق آدمیوں کا پتہ لگائے اور پھر دیکھے کہ حضرت عمرؓ نے ان پر زون کو حکومت کی کل میں کیسے مناسب موقعوں پر لگایا تھا۔

تاہم آٹھ بڑا کام صرف ایک شخص کی ذمہ داری پر چھوڑا نہیں جاسکتا تھا۔ اس لئے حضرت عمرؓ نے مجلس شوریٰ منعقد کی اور صحابہ سے خطاب کر کے کہا کہ اگر آپ لوگ میری مدد کر نیگے تو کون کرے گا؟ حضرت ابوہریرہؓ نے کہا کہ ہم آپکو مدد دیں گے، لیکن اسوقت ملی انتظام میں حصہ لینا زہد اور تقدس کے خلاف سمجھا جاتا تھا چنانچہ حضرت ابو عبیدہؓ نے

۱۔ کتاب الخراج صفحہ ۶۵۔ اس عبارت یہ ہے ان عمر بن الخطاب دعا اصحاب رسول الله فقال

اذا الموعينون فمن يعينوني الخ ۱۲

فرمایا کہ اسے عمر تم رسول اللہ کے اصحاب کو دنیا میں آلودہ کرتے ہو۔ حضرت عمرؓ نے کہا میں ان بزرگوں سے مدد نہ لوں تو کس سے لوں، ابو عبیدہؓ نے کہا اگر ایسا ہی ہے تو نحو میں بیش قرار مقرر کرو کہ لوگ خیانت کی طرف مائل نہ ہوں پائین۔ غرض حضرت عمرؓ نے لوگوں کی رائی و مشورت سے نہایت دیانت دار اور قابل لوگ انتخاب کئے اور انکو ملی منتہین سپرد کیں۔ زیادہ اہم خدمات کے لئے مجلس شوریٰ کے عام اجلاس میں انتخاب ہوتا تھا۔ اور جو شخص تمام ارکان مجلس کی طرف سے انتخاب کیا جاتا تھا وہ اس خدمت پر مامور ہوتا تھا چنانچہ عثمان بن حنیف کا تقرر اسی طریقے پر ہوا تھا۔ بعض اوقات صوبے یا ضلع کے لوگوں کو حکم بھیجتے تھے کہ جو شخص تمام لوگوں سے زیادہ دیانت دار اور قابل ہو، اسکو انتخاب کر کے بھیجو چنانچہ انہی منتخب لوگوں کو دہان کا عامل مقرر کرتے تھے عثمان بن فرقہ۔ معن بن زید۔ حجاج بن غلاط اسی قاعدے کے موافق مقرر کئے گئے تھے۔ چنانچہ ہم اسکی تفصیل اوپر لکھ آئے ہیں۔

نحوہ کا  
مسالہ

ایک وقت یہ تھی کہ لوگ کسی خدمت کے معاوضے میں تنخواہ لینا پسند نہیں کرتے تھے اور اسکو زہد و تقدس کے خلاف سمجھتے تھے بعینہ اس طرح جس طرح آج کل کے مقدس واعظوں کو اگر کہا جائے کہ وہ باقاعدہ اپنی خدمتوں کو انجام دیں اور مشاہرہ لیں تو انکو نہایت ناگوار ہوگا، لیکن نذر و نیاز کے نام سے جو رشتیں ملتی ہیں اس سے انکو احتراز نہیں ہوتا۔ حضرت عمرؓ کے زمانے میں بھی بہت سے لوگ اس غلطی میں مبتلا تھے لیکن یہ امر تمدن اور

اصول انتظام کے خلاف تھا، اس لئے حضرت عمرؓ نے بڑی کوشش سے اس غلطی کو رفع کیا اور تنخواہیں مقرر کیں، ایک موقع پر حضرت ابو عبیدہؓ نے جو مشہور صحابی اور سپہ سالار تھے حق الخدمت لینے سے انکار کیا تو حضرت عمرؓ نے بڑی مشکل سے انکو راضی کیا۔ حکیم بن حزم نے حضرت عمرؓ کے بار بار اصرار پر بھی کبھی روزیہ یا وظیفہ لینا گوارا نہ کیا۔

جو شخص عامل مقرر ہوتا تھا اسکو ایک فرمان عطا ہوتا تھا جس میں اسکی تقرری اور اختیارات اور فرائض کا ذکر ہوتا تھا۔ اسکے ساتھ بہت سے مہاجرین اور انصار کی گویا ثبت ہوتی تھی، عامل جس مقام پر جاتا تھا تمام لوگوں کو جمع کر کے یہ فرمان پڑھتا تھا، جسکی وجہ سے لوگ اسکے اختیارات اور فرائض سے واقف ہو جاتے تھے، اور جبکہ ان اختیارات کی حد سے آگے قدم رکھتا تھا تو لوگوں کو اسپر گرفت کا موقع ملتا تھا، حضرت عمرؓ کو اس بات کا سخت اہتمام تھا کہ عاملوں کے جو فرائض ہیں ایک ایک ان سے واقف ہو جائے چنانچہ بارہا مختلف مقامات اور مختلف موقعوں پر اسکے متعلق خطبے دیے، ایک خطبے میں جو مجمع عام میں دیا تھا عاملوں کو مخاطب کر کے یہ الفاظ فرمائے۔

الا وانی لہم العتکم امرع ولا جبارین ولكن  
بمشکم ائمة الهدی یبتدی بکم فادروا علی  
یاد۔ کہو کہ میں نے تم لوگوں کو امیر اور سخت گیر نہ رکھے نہیں بھیجا ہے بلکہ امام بنا کر بھیجا ہے کہ لوگ تمہاری تقلید کریں۔ تم لوگ

۱۔ طبری صفحہ ۳۵۰۰ - ۲۔ کثر السمال جلد ۳ صفحہ ۳۲۲ - ۳۔ طبری صفحہ ۳۴۴ - ۴۔ اسد الغابۃ (تذکرہ حذیفہ بن

ایمان) - ۵۔ جی ایلی تصدیق ہوتی ہے اسکے الفاظ یہ ہیں کان عمل اذا استعمل عاملا کتب عہدہ قد بعثت قالنا وامرہ بکذا - ۶۔ فلما قدم المدائن استقبلہ الدہاقین فلما قرع عہدہ للخر

عاملوں کے  
فرائض میں  
انکے فرائض  
کی تفصیل



المسلمین حقوقہم ولا تضربوہم فتذلہم  
ولا تحمدوہم ففتنوہم ولا تغلقوا  
الابواب دونہم فیاکل قلوبہم ضعیفہم  
ولا تناثروا علیہم فظلموہم

مسلمانوں کے حقوق ادا کرو، انکو زد و کوب نہ کرو، کہ وہ ذلیل ہوں  
انکی بجا تعریف نہ کرو کہ غلطی میں پڑیں۔ ان کے لئے اپنے دروازے  
نہ بند رکھو کہ زبردست کمزوروں کو کھا جائیں۔ انہیں کسی چیز میں  
اپنے آپ کو ترجیح نہ دو کہ یہ ان پر ظلم کرنا ہے۔

جب کوئی شخص کسین کا عامل مقرر کیا جاتا تھا تو حضرت عمر صحابہ کے ایک گروہ کے  
سامنے اُسکو فرمان تقرر می عنایت کرتے تھے اور ان صحابہ کو گواہ مقرر کرتے تھے جس سے  
یہ مقصد تھا کہ جو شخص مقرر کیا جاتا ہے اُسکی یاقوت اور فرائض کا اعلان ہو جائے۔  
ہر عامل سے عہد لیا جاتا تھا کہ ترکی گھوڑے پر سوار نہ ہوگا۔ باریک کپڑے نہ پہنے گا۔  
چٹھنا ہوا آٹا نہ کھائے گا۔ دروازے پر دربان نہ رکھے گا۔ اہل حاجت کے لئے دروازہ ہمیشہ  
اکھلا رکھے گا۔ یہ شرطیں اکثر پروانہ تقرر می میں درج کی جاتی تھیں اور انکو مجموع عام میں  
پڑھ کر سنایا جاتا تھا۔

جس وقت کوئی عامل مقرر ہوتا تھا اُسکے پاس جس قدر مال اور اسباب  
ہوتا تھا اُسکی مفصل فہرست تیار کر کر محفوظ رکھی جاتی تھی اور عامل کی مالی حالت میں  
غیر معمولی ترقی ہوتی تھی تو اس سے مواخذہ کیا جاتا تھا۔ ایک دفعہ اکثر عمال اس بلا میں

۱۷ کتاب الخراج صفحہ ۶۶ میں ہے کان عمل اذا استعمل رجلا اشہد علیہ رھطاً من الاضایر

۱۸ کتاب الخراج صفحہ ۶۶۔ ۱۹ فتوح البلدان صفحہ ۲۱۹ میں ہے کان عمر بن الخطاب یکتب اموال عمالہ

اذا ولاہم شرعاً سمعوا ما اراد علی ذلک ۱۱

عاملوں سے  
میں باتوں  
کا عہد لینا  
جا تھا

عاملوں کے  
مال ہوا یا  
کی فہرست

بتلا ہوئے خالد بن صعق نے اشعار کے ذریعے سے حضرت عمر کو اسکی اطلاع دی  
حضرت عمر نے سب کی موجودات کا جائزہ لیکر آدھا مال بٹایا اور بیت المال  
میں داخل کر دیا۔ اشعار میں سے چند شعریہ ہیں۔ (اسمیں اُن عاملوں کے نام بھی تفصیل  
سے بتائے ہیں۔

ابلق امیر المؤمنین رسالة فلا تدعن اهل الرسايتق والقري فارسل الى محاج فاعرف حسابہ ولا تنسين النافعين كليهما وما عاصم منها بصفر عياب وشبلا فسله المال و ابن محرش نوعوب اذا ابوا ونغز واذا غنوا اذا التاجر الدارى جاء بفارة	فانت امين الله في المال ولا امر يسبقون مال الله في الاقدام الوف وارسل الى جزء وارسل الى بشر ولا ابن غلاب من سرة بنى نصر وذاك اللذى فى السوق مولى بنى فقد كان فى اهل الرسايتق ذا ذك فانى لهم وف ولسنا اولى وفا من المسك راحت في مفارقهم تجري
---	--

تمام عمال کو حکم تھا کہ ہر سال حج کے زمانے میں حاضر ہوں، حج کی تقریب سے  
تمام اطراف کے لوگ موجود ہوتے تھے۔ حضرت عمر کھڑے ہو کر باعلان کہتے تھے کہ جس  
کسی کو کسی عامل سے کچھ شکایت ہو پیش کرے۔ چنانچہ ذرا اسی شکایتیں پیش ہوتی تھیں

زائر جمعین  
نام عاملوں  
کی طبی

سلف تاریخ مبریٰ سنہ ۲۰۰۰ میں ہے وکان من سنة عمر وسيرة ان ياخذ عماله بموافاة الحج في كل سنة  
للسياسة وليخرجهم بذلك عن الرعية وليكون شكاة الرعية وقا وغاية ينهونها فيه اليه ۱۲

تحقیقات ہو کر اُسکا تذکر کیا جاتا تھا۔ ایک دفعہ حضرت عمرؓ نے بہت بڑا مجمع کر کے خطبہ دیا اور کہا کہ صاحبو! اعمال جو مقرر کر کے بھیجے جاتے ہیں اس لئے نہیں بھیجے جاتے کہ تم کو طمانچہ مارین یا تمہارا مال چھین لین، بلکہ میں انکو اس لئے بھیجتا ہوں کہ رسول اللہ صلم کا طریقہ سکھائیں، سو اگر کسی عامل نے اس کے خلاف کیا ہو تو مجھ سے بیان کر دے تاکہ میں اُسکا انتقام لوں، عمرو بن العاص نے جو مصر کے گورنر تھے اٹھ کر کہا کہ وہ اگر کوئی عامل ادب دینے کے لئے کسی کو ماریگا تب بھی آپ اسکو سزا دیں گے؟ حضرت عمرؓ نے کہا اُس خدا کی قسم جسکے مات میں میری جان ہے ضرور میں سزا دوں گا کیونکہ میں نے خود رسول اللہ کو ایسا کرتے دیکھا ہے، خبردار مسلمانوں کو نہ مارا کرو ورنہ وہ دلیل ہو جائیں گے، اُسکے حقوق تلف نہ کرو ورنہ وہ کفرانِ نعمت پر مجبور ہوں گے۔

ایک دفعہ سب ممول تمام اعمال حاضر تھے ایک شخص اٹھا اور کہا کہ آپکے عامل نے مجھکو بے قصور تو کوڑے مارے ہیں، حضرت عمرؓ نے مستغیث کو حکم دیا کہ وہ بنِ مجمع عام میں عامل کو تو کوڑے لگائے، عمرو بن العاص نے کھڑے ہو کر کہا کہ یہ امر اعمال پر گران ہوگا، حضرت عمرؓ نے فرمایا ”لیکن یہ نہیں ہو سکتا کہ میں ملزم سے انتقام نہ لوں“ عمرو بن العاص نے منت کر کے مستغیث کو اس شرط پر راضی کیا کہ ایک ایک تازیانے کے عوض میں دو دوا شرفی لیکر اپنے حق سے باز آئے۔

وقتاوقتا اعمال کی جو شکایتیں پیش ہوتی تھیں اسکی تحقیقات کے لئے ایک خاص

عمدہ قائم کیا جس پر محمد بن مسلمہ انصاری مامور تھے۔ یہ بزرگ اکابر صحابہ میں سے تھے۔ تمام غزوات میں رسول اللہ کے ہمراہ رہے تھے۔ ایک دفعہ رسول اللہ ایک مہم پر تشریف لے گئے تو ان کو مدینہ میں اپنا نائب مقرر کرتے گئے، ان وجوہ سے حضرت عمر نے ایسے بڑے کام کے لئے انہی کو انتخاب کیا، جب کسی عامل کی شکایت آتی تھی تو یہ تحقیقات پر مامور ہوتے تھے اور موقع پر جا کر مجامع عامہ میں لوگوں کا اظہار لیتے تھے۔ سلسلہ میں سعد وقاص جنھوں نے قادیسیہ کی مہم سر کی تھی اور کوفہ کے گورنر تھے ان کی نسبت لوگوں نے حضرت عمر کے پاس جا کر شکایت کی، یہ وہ وقت تھا کہ ایرانیوں نے بڑے زور شور سے لڑائی کی طیاریاں کی تھیں اور لاکھ ڈیڑھ لاکھ فوج لیکر نہادند کے قریب آپہنچے تھے۔ مسلمانوں کو سخت تردد تھا اور ان کے مقابلے کے لئے کوفہ سے فوجیں روانہ ہو رہی تھیں، عین اسی حالت میں یہ لوگ پہنچے۔ حضرت عمر نے فرمایا کہ اگرچہ یہ نہایت تنگ اور پرخطر وقت ہے تاہم یہ تردد و مجھکو سعد وقاص کی تحقیقات سے نہیں روک سکتا۔ اسی وقت محمد بن مسلمہ کو کوفہ روانہ کیا انھوں نے کوفہ کی ایک ایک مسجد میں جا کر لوگوں کے اظہار لئے اور سعد بن وقاص کو ساتھ لیکر مدینہ میں آئے یہاں حضرت عمر نے خود ان کا اظہار لیا۔

۱۵۔ اسد الغابہ ذکر محمد بن مسلمہ بن ہر وہو کان صاحب العمال ایام عمر کان عملاً اشکی لیہ عامل المرسل علیہ لکشف الحال وہو الذی حمل علی عمالہ لیاخذ شرطاً والہم بیری نے مختلف مقامات میں تفریق کی ہے کہ محمد بن مسلمہ۔ عمال کی تحقیقات پر انوشہ ۲۔ یہ پوری تفصیل تاریخ طبری صفحہ ۲۰۰ تا ۲۰۸ میں ہے۔ صحیح بخاری میں بھی اس

بعض اوقات کمیشن کے طور پر چند آدمی تحقیقات کے لئے بھیجے جاتے تھے چنانچہ اس قسم کے متعدد واقعات تاریخوں میں مذکور ہیں۔ بعض اوقات ابتدائے عامل کو مدنیہ میں بلا کر براہ راست تحقیقات کرتے تھے اور یہ اکثر اس وقت ہوتا تھا جب عامل، صوبہ کا حاکم یا معزز افسر ہوتا تھا چنانچہ ابو موسیٰ اشعری جو بصرہ کے گورنر تھے انکی نسبت جب شکایت گزری تو حضرت عمر نے سینٹ کا بیان خود اپنے ہات سے قلمبند کیا اور ابو موسیٰ کو اپنے حضور میں بلوا کر تحقیقات کی۔ الزامات یہ تھے کہ ابو موسیٰ نے اسیرانِ جنگ میں سے ۶۰ رئیس زادے چھانٹ کر اپنے لئے رکھے ہیں، انکی ایک نوڈی ہے جسکو دونوں وقت نہایت عمدہ غذا بہم پہنچانی جاتی ہے حالانکہ اس قسم کی غذا عام مسلمانوں کو تیسرین آسکتی۔ کاروبار حکومت، زیادہ بن سمیتہ کو سپرد کر رکھا ہے اور وہی سیاہ و سپید کا مالک ہے، تحقیقات سے پہلا الزام غلط ثابت ہوا، تیسرے الزام کا ابو موسیٰ نے یہ جواب دیا کہ زیادہ سیاست و تدبیر کا آدمی ہے اس لئے میں نے اسکو اپنا مشیر بنا رکھا ہے، حضرت عمر نے زیادہ کو طلب کیا اور امتحان لیا تو حقیقت میں قابل آدمی تھا اس لئے خود بصرہ کے حکام کو ہدایت کی کہ زیادہ کو مشیر کار بنائیں، دوسرا الزام پیش ہوا تو ابو موسیٰ کچھ جواب نہ دے سکے چنانچہ نوڈی اُن سے چھین لی گئی۔

عالموں کی خطاؤں پر سخت گرفت کی جاتی تھی خصوصاً اُن باتوں پر جن سے ترفع اور امتیاز یا نمود و فخر ثابت ہوتا تھا سخت مواخذہ کیا جاتا تھا۔ جس عامل کی نسبت ثابت ہوتا تھا

کہ بیماری کی عیادت نہیں کرتا یا کمزور اُسکے دربار میں بار نہیں پاتا وہ فوراً موتوں کو دیا جاتا تھا۔ ایک دفعہ حضرت عمر بازار میں پھر رہے تھے ایک طرف سے آواز آئی کہ عمر کیا عاملوں کے لئے چند قواعد کے مقرر کرنے سے تم عذابِ الہی سے بچ جاؤ گے، تمکو یہ خبر ہے کہ عیاض بن عثم جو مصر کا عامل ہے، باریک کپڑے پہنتا ہے اور اُسکے دروازے پر دربان مقرر ہے، حضرت عمر نے محمد بن مسلمہ کو بلایا اور کہا کہ عیاض کو جس حالت میں پاؤں ساتھ بلاؤ اور محمد بن مسلمہ نے وہاں پہنچ کر دیکھا تو واقعی دروازے پر دربان تھا اور عیاض باریک کپڑے کا کرتہ پہنے بیٹھے تھے، اسی ہیئت اور لباس میں ساتھ لے کر مدینے آئے حضرت عمر نے وہ کرتہ اتار کر بالوں کا کرتہ پہنایا اور بکریوں کا ایک گلہ منگو کر حکم دیا کہ بنگل میں لے جا کر جھاؤ، عیاض کو انکار کی تو بنگال نہ تھی مگر بار بار کہتے تھے کہ اس سے مر جانا بہتر ہے، حضرت عمر نے فرمایا تبھکو اس سے عاریکون ہے تیرے باپ کا نام عثم اسی وجہ سے پڑا تھا کہ وہ بکریاں چراتا تھا۔ غرض عیاض نے دل سے توبہ کی اور جب تک زندہ رہے اپنے فرائض نہایت خوبی سے انجام دیتے رہے۔

حضرت سعد وقاص نے کوفہ میں اپنے لئے ایک محل بنوایا تھا جس میں دو بیویاں بھی تھیں، حضرت عمر نے اس خیال سے کہ اس سے اہل حاجت کو رکاوٹ ہوگا محمد بن مسلمہ کو مامور کیا کہ جا کر دو بیویاں میں آگ لگا دیں چنانچہ اس حکم کی پوری تعمیل ہوئی اور سعد وقاص بچکے دیکھا کئے۔

اس قسم کی باتیں اگرچہ بظاہر قابل اعتراض ہیں کیونکہ لوگوں کے طرز معاشرت ذاتی افعال سے تعرض کرنا اصول آزادی کے خلاف ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ حضرت عمرؓ تمام ملک میں مساوات اور جمہوریت کی جو روح پھونکتی چاہتے تھے وہ بغیر اسکے ممکن نہ تھی کہ وہ خود اور انکے دست و بازو یعنی ارکانِ سلطنت اس رنگ میں ڈوبے نظر آئیں، عام آدمیوں کو اختیار ہے جو چاہیں کریں، انکے افعال کا اثر بھی انہی تک محدود رہیگا، لیکن جو لوگ سلطنت کے ارکان ہیں انکے طرز معاشرت کا متنازعہ ہونا لوگوں کے دلوں میں اپنی حقارت کا خیال پیدا کرتا ہے اور رفتہ رفتہ اس قسم کی باتوں سے سلطنت شخصی کی وہ تمام خصوصیتیں پیدا ہو جاتی ہیں جسکے یہ معنی ہیں کہ ایک شخص آقا اور باقی تمام لوگ غلام ہیں، اسکے علاوہ جو شخص عرب کی فطرت سے واقف ہے وہ باسانی سمجھ سکتا ہے کہ اس قسم کی باتیں، پولیٹیکل مصالح سے خالی دھتھن، مساوات اور عدم ترجیح جسکو آجکل کی اصطلاح میں سوشلزم کہتے ہیں عرب کا اصلی مذاق ہے اور عرب میں جو سلطنت اس اصول پر قائم ہوگی وہ یقیناً بہ نسبت اور ہر قسم کی سلطنت کے زیادہ کامیاب ہوگی۔ یہی وجہ ہے کہ یہ احکام زیادہ تر عرب کی آبادیوں میں محدود تھے۔ ورنہ۔ امیر معاویہ، شام میں بڑے سرد سامان سے رہتے تھے اور حضرت عثمانؓ سے کچھ تعرض نہیں کرتے تھے۔ شام کے سفر میں حضرت عمرؓ نے انکے خدم و حشم کو دیکھ کر اس قدر کما اکسروا اینہ یمنی یہ نو شیر وانی جاہ و جلال کیسا؛ مگر جب انھوں نے جواب دیا کہ یہاں رویوں سے سابقہ رہتا ہے اور انکی نظیر میں بغیر اسکے سلطنت کا عرب و داب نہیں قائم رہ سکتا تو

حضرت عمرؓ نے پھر تعرض نہیں کیا۔

غمال کی دیانت اور راستبازی کے قائم رکھنے کے لئے نہایت عمدہ اصول یہ اختیار کیا تھا کہ غواہین پیش قرار مقرر کی تھیں۔ یورپ نے مدتوں کے تجربے کے بعد یہ اصول سیکھا ہے اور ایشیائی سلطنتیں تو اب تک اس راز کو نہیں سمجھیں جسکی وجہ سے رشوت اور غبن، ایشیائی سلطنتوں کا خاصہ ہو گیا ہے، حضرت عمرؓ کے زمانے میں اگرچہ معاشرت نہایت ارزان اور روپیہ گران تھا تاہم غواہین علی قدر مراتب عموماً پیش قرار تھیں۔ صوبہ داروں کی تنخواہ پانچ ہزار تک ہوتی تھی اور غنیمت کی تقسیم سے جو ملتا تھا وہ الگ چنانچہ امیر معاویہؓ کی تنخواہ ہزار دینار ماہوار یعنی پانچ ہزار روپے تھی۔

اب ہم عمالان فاروقی کی ایک اجمالی فہرست درج کرتے ہیں جس سے اندازہ ہوگا کہ حضرت عمرؓ نے حکومت کی کل میں کس قسم کے پُرزے استعمال کئے تھے۔

نام	مقام ماموریت	عمدہ	کیفیت
ابو عبیدہ	شام	والی	مشہور صحابی اور عشرہ مبشرہ میں داخل ہیں۔
زید بن ابی سفیان	"	"	نام بنو امیہ میں ان سے بڑھکر کوئی شخص لائق نہ تھا۔
امیر معاویہ	"	"	سیاست و تدبیر میں مشہور ہیں۔
عمرو بن العاص	مصر	"	مصر انہی نے فتح کیا۔
سعد بن ابی وقاص	کوفہ	"	آنحضرتؐ کے مامون تھے۔



نام	مقامِ امتوری	عہدہ	کیفیت
عتبہ بن غزوہ	بصرہ	والی	مہاجرین میں سے ہیں۔ بصرہ انہی نے آباد کرایا۔
ابوموسیٰ اشعری	"	"	مشہور جلیل القدر صحابی ہیں۔
عتاب بن اسید	مکہ معظمہ	"	آنحضرتؐ نے انکو مکہ معظمہ کا عامل مقرر کیا تھا۔
نافع بن عبدالمارث	"	"	فصلی صحابہ میں سے ہیں۔
خالد بن العاص	"	"	ابوہل کے بیٹے اور مغز شغص تھے۔
عثمان بن ابی العاص	طائف	"	آنحضرتؐ کے بعد جب تہاد پھیلا تو طائف کو گونگوا انہی نے اٹھایا۔
یعلیٰ بن امیہ	ہمن	"	صحابہ میں سے تھے اور قیاضی میں شہرت عام رکھتے تھے۔
علاء بن الحضرمی	"	"	بڑے صاحب اثر تھے، آنحضرتؐ نے انکو یمن کا عامل مقرر کیا تھا
نفسان	مراہ	صاحب الخراج	
عثمان بن حنیف	انطاخ فرات	کشتربند	حساب کتاب اور پامیش کے کام میں نہایت ماہر تھے۔
عیاض بن غنم	جزیرہ	والی	جزیرہ انہی نے فتح کیا۔
عسیر بن سعد	محس	"	حضرت عمرؓ انکی نہایت عزت کرتے تھے۔
خزیمہ بن الیمان	مراہ	"	مشہور صحابی اور آنحضرتؐ کے رازدار تھے۔
نافع بن عبدالمارث	"	"	بڑے خاندان کے آدمی تھے۔
خالد بن حرت ہمانی	ہفمان	امیر خزانہ	
سمرة بن مندب	سوقی الہلوز	"	اکابر صحابہ میں ہیں۔

نام	تمام مایوت	عمدہ	کیفیت
نعمان بن عدی	ميسان		صحابہ میں سے اول انہی کو دراست کا مال ملا۔
عرجہ بن ہرثہ	موصل	الشتر لکڑی	موصل میں انہی نے فوجی چھاؤنی بنوائی۔

## صیغہ محاصل

### خراج

خراج کا نظم و نسق، عرب کی تاریخ تمدن میں ایک نیا اضافہ تھا، اسلام سے پہلے اگرچہ عرب کے مختلف خاندان، تاج و تخت کے مالک ہوئے جنہوں نے سلطنت کے تمام کاروبار قائم کر دئے تھے، لیکن محاصل کا باقاعدہ انتظام بالکل موجود نہ تھا۔ اسلام کے آغاز میں اس قدر ہوا کہ جب حمیر فتح ہوا تو یہودیوں نے درخواست کی کہ زراعت کا کام ہم اچھا جانتے ہیں اسلئے زمین ہمارے ہی قبضے میں چھوڑ دی جائے۔ جناب رسول اللہ نے انکی درخواست منظور کر لی اور بٹائی پر معاملہ ہو گیا۔ اسکے سوا جن مقامات کے باشندے سب مسلمان ہو گئے تھے انکی زمین پر عشر مقرر کر دیا جو ایک قسم کی زکوٰۃ تھی۔ حضرت ابو بکر کے عہد میں عراق کے کچھ حصے فتح ہوئے لیکن خراج وغیرہ کا کچھ انتظام نہوا بلکہ سرسری طور پر کچھ رزم مقرر کر دی گئی۔

حضرت عمر کو جب جنگی تمات کی طرف سے فی الجملہ اطمینان ہوا یعنی سلسلہ میں ادھر عراق عرب پر پورا قبضہ ہو گیا اور اس طرف یرموک کی فتح نے رومیوں کی توت کا ہتھیال کر دیا۔ تو حضرت عمر نے خراج کے نظم و نسق کی طرف توجہ کی۔ اس مرحلے میں پہلی میٹنگن میٹ

خراج کا  
طریقہ، ب  
میں حضرت  
عمر نے  
ایجاد کیا

آئی کہ امر اسے فوج نے اصرار کیا کہ تمام مفتوحہ مقامات صلہ فتح کے طور پر انکی جاگیر میں عنایت کئے جائیں، اور باشندوں کو انکی غلامی میں دیدیا جائے۔ حضرت عمرؓ نے عراق کے فتح کے ساتھ سعد بن وقاص کو وہاں کی مردم شماری کے لئے حکم دیا تھا۔ سعد نے نہایت جانچ کے ساتھ مردم شماری کا کاغذ مرتب کر کے بھیجا۔ کل باشندوں اور اہل فوج کی تعداد کا موازنہ کیا گیا تو ایک ایک مسلمان کے حصے میں تین تین آدمی پڑتے تھے۔ اُسی وقت حضرت عمرؓ کی اسے قائم ہو چکی تھی کہ زمین باشندوں کے قبضے میں رہنے دی جائے اور انکو ہر طرح پر آزاد چھوڑ دیا جائے، لیکن اکابر صحابہ میں سے عبدالرحمن بن عوف وغیرہ اہل فوج کے ہزار بے تھے۔ حضرت بلالؓ نے اس قدر کہہ کی کہ حضرت عمرؓ نے حق ہو کر فرمایا اللہم اکفنی بلالا یعنی اے خدا مجھکو بلال سے نجات دے، حضرت عمرؓ یہ استدلال پیش کرتے تھے کہ اگر ممالک مفتوحہ، فوج کو تقسیم کر دیے جائیں تو آئندہ افواج کی طیاری بیرونی حملوں کی حفاظت، ملک کے امن و امان، قائم رکھنے کے مصارف کمان سے آئینگے؟ عبدالرحمن بن عوف کہتے تھے کہ ”جنگی تلواروں نے ملک کو فتح کیا ہے انھنی کو قبضے کا بھی حق ہے۔ آئندہ نسلیں مفت کیونکر پاسکتی ہیں۔“ چونکہ حضرت عمرؓ کی حکومت کا طریقہ جمہوری تھا یعنی جو فیصلہ ہوتا تھا اکثریت اسے پر ہوتا تھا، اس لئے ایک عام اجلاس ہوا جس میں تمام قدامد مہاجرین اور انصار میں سے پانچ قبیلہ اوس اور پانچ قبیلہ خزرج کے سردار، وکیل کے طور پر شریک ہوئے۔ حضرت علیؓ، حضرت عثمانؓ اور طلحہؓ نے حضرت

عمر کی راے سے اتفاق کیا تاہم کوئی فیصلہ نہ ہو سکا۔ کئی دن تک یہ مرحلہ رہا۔ حضرت عمر کو دفعۃً قرآن مجید کی ایک آیت یاد آئی جو اس بحث کے لئے نص قاطع تھی۔ یعنی لَقَدْ آتَيْنَا الَّذِينَ أَخْرَجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ وَأَمْوَالِهِمْ آلَ الْكَافِرِينَ آیت کے اخیر فقرے وَالَّذِينَ جَاءُوا مِنْ بَعْدِهِمْ سے حضرت عمر نے یہ استدلال کیا کہ فتوحات میں آئندہ نسلوں کا بھی حق ہے، لیکن اگر کافعین کو تقسیم کر دیا جائے تو آنے والی نسلوں کے لئے کچھ باقی نہیں رہتا، حضرت عمر نے کھڑے ہو کر نہایت پر زور تقریر کی اور اس آیت کو استدلال میں پیش کیا۔ تمام لوگ بول اُٹھے کہ بے شبہ آپ کی راے بالکل صحیح ہے۔ اس استدلال کی بنا پر یہ اصول قائم ہو گیا کہ جو ممالک فتح کئے جائیں وہ فوج کے ملک نہیں ہن بلکہ حکومت کے ملک قرار پائیں گے اور پچھلے قابضین کو یہ غل نہیں کیا جائیگا، اس اصول کے قرار پانے کے بعد حضرت عمر نے ممالک مفتوحہ کے بند و بست پر توجہ کی۔

حضرت عمر کا  
استدلال

عراق چونکہ عرب سے نہایت قریب اور عربوں کے آباد ہو جانے کی وجہ سے عرب کا ایک صوبہ بن گیا تھا، سب سے پہلے اُس سے شروع کیا۔ حضرت عمر کا ایک یہ بھی اصول تھا کہ ہر ملک کے انتظام میں وہاں کے قدیم رسم و رواج سے واقفیت حاصل کرتے تھے اور اکثر حالتوں میں کسی قدر اصلاح کے ساتھ قدیم انتظامات کو بحال رکھتے تھے۔ عراق میں اس وقت مالک زاری کا جو طریقہ جاری تھا یہ تھا کہ ہر شتم کی فروغ پر ایک خاص شرح کے لگان مقرر تھے جو زمین قسطن میں ادا کئے جاتے تھے۔ یہ طریقہ سب سے پہلے قباد نے قائم کیا تھا اور نو شیروان نے اسکی تکمیل کی تھی۔ نو شیروان تک زمین لگان

عراق کا  
بند و بست

میں یہ اصول ملحوظ رہتا تھا کہ صل پیداوار کے نصف سے زیادہ نمونے پائے۔ لیکن خسرو پرویز نے اُس پر اضافہ کیا اور یزدگرد کے زمانے میں اور بھی تہہ ملیان ہوئیں۔ حضرت عمرؓ نے مزید تحقیقات کے لحاظ سے پیمائش کا حکم دیا، اس کام کے لئے چونکہ دیانت کے ساتھ فن مساعہ سے واقف ہونا ضرور تھا اور عرب میں اس قسم کے فنون اسوقت تک رائج نہ تھے، اس لئے فی الجملہ وقت پیش آئی، آخر دو شخص انتخاب کئے گئے، عثمان بن حنیف اور خذیفہ بن الیمان، یہ دونوں بزرگ اکابر صحابہ میں سے تھے اور عراق میں زیادہ تر رہنے سے اس قسم کے کاموں سے واقف ہو گئے تھے۔ خصوصاً عثمان بن حنیف کو اس فن میں پوری مہارت حاصل تھی۔ قاضی ابو یوسف صاحب نے کتاب الخراج میں لکھا ہے کہ انھوں نے اس تحقیق اور صحت کے ساتھ پیمائش کی جس طرح قیمتی کپڑا ناپا جاتا ہے۔ حضرت عمرؓ نے پیمائش کا پیمانہ خود اپنے دست مبارک سے پیمانہ کر کے دیا، کئی مہینے تک بڑے اہتمام اور جانچ کے ساتھ پیمائش کا کام جاری رہا، کل قریب ۳۰۵ میل اور عرض میں ۲۴۰ یعنی کل ۳۰۰۰۰ میل کسٹر ٹھہرا۔ اور پہاڑ، صحرا اور نہروں کو چھوڑ کر قابل زراعت زمین تین کروڑ ساٹھ لاکھ جریب ٹھہری۔ خاندان شاہی کی جاگیر آتشکدوں کے اوقات۔ لاوارثوں۔ مفرورون۔ اور باغیچوں کی جائداد۔ وہ زمینیں جو سڑکوں کی طیاری اور درستی اور ڈاک کے مصارف کے لئے مخصوص تھیں، دُریا برآورد۔ جنگل۔ ان تمام زمینوں کو حضرت عمرؓ نے خالصہ قرار دیکر انکی آمدنی حبسکی

انسان  
بندوبستعراق کا  
مُل جرب

تعداد سالانہ ستر لاکھ تھی رفاہ عام کے کاموں کے لئے مخصوص کر دی۔ کبھی کبھی کسی شخص کو اسلامی کوششوں کے صلے میں جاگیر عطا کی جاتی تھی تو انہی زمینوں سے کی جاتی تھی۔ لیکن یہ جاگیریں کسی حال میں خراج یا عشر سے مستثنیٰ نہیں ہوتی تھیں۔ باقی تمام زمین قدیم قبضہ داروں کو دیدی گئی اور حسب ذیل لگان مقرر کیا گیا۔

گیہوں	فی جریب یعنی پون بیگھ بھنت	۲ درہم سال
جو	"	۱ درہم سال
نیشکر	"	۶ درہم سال
دونی	"	۵ درہم سال
انگور	"	۱۰ درہم سال
نخلستان	"	"
تل	"	۸ درہم سال
ترکاری	"	۳ درہم سال

لگان کی  
شرح

عراق  
کا مسند

بعض بعض جگہ زمین کی لیاقت کے اعتبار سے اس شرح میں تفاوت بھی ہوا یعنی گیہوں پر فی جریب ۴ درہم اور جو پر ۲ درہم مقرر ہوئے، اقلادہ زمین پر بشرطہ لیکہ قابل زراعت ہو دو جریب پر ایک درہم مقرر ہوا۔ اس طرح کل عراق کا خراج ۸ کروڑ ساٹھ لاکھ درہم بھیرا۔ چونکہ پیمائش کے مہتمم مختلف لیاقت کے تھے اس لئے تشخیص جمع میں بھی فرق رہا تاہم جہاں جس قدر جمع مقرر کی گئی اُس سے زیادہ مالکان اراضی کے لئے

چھوڑ دیا گیا۔ حضرت عمر کو ذمہ رعایا کا اس قدر خیال تھا کہ دونوں افسردہ کو بلا کر کہا کہ تم نے تشخیص جمع میں سختی تو نہیں کی؟ عثمان نے کہا کہ نہیں۔ بلکہ ابھی اس قدر اور گنجائش ہے۔

جو لوگ قدیم سے زمیندار اور تعلقہ دار تھے اور جن کو ایرانی زبان میں مرزبان اور دہقان کہتے تھے۔ حضرت عمر نے انکی حالت اسی طرح قائم رہنے دی، اور ان کے جو اختیارات اور حقوق تھے سب بحال رکھے۔

جس خوبی سے بند و بست کیا گیا تھا اسکا یہ نتیجہ ہوا کہ باوجود اسکے کہ لگان کئی صین نو شیردان کی مقرر کردہ شرحوں سے زائد بھین تاہم نہایت کثرت سے اقادہ زمینیں آباد ہو گئیں اور دفعۃً زراعت کی پیادہ زمین ترقی ہو گئی۔ چنانچہ بند و بست کے دوسرے ہی سال خراج کی مقدار آٹھ کروڑ سے، دس کروڑ بیس ہزار درہم تک پہنچ گئی۔ سالک مابعد میں اور بھی اضافہ ہوتا گیا، اس پر بھی حضرت عمر کو یہ احتیاط مہی کہ ہر سال جب عراق کا خراج آتا تھا تو دہل ثقہ اور مستعد اشخاص کو فہ سے اور اسی قدر بصرہ سے طلب کئے جاتے تھے اور حضرت عمر انکو چار دفعہ شرعی قسم دلاتے تھے کہ یہ مالگزاری کسی ذمہ یا مسلمان پر ظلم کر کے تو نہیں لی گئی ہے۔

یہ عجیب بات ہے کہ حضرت عمر نے اگرچہ نہایت نرمی سے خراج مقرر کیا تھا لیکن

۱۷۰ تا ۱۸۰ ہجری ۲۱۔ ۱۷۰ تا ۱۸۰ ہجری ۲۱۔ ۱۷۰ تا ۱۸۰ ہجری ۲۱۔ ۱۷۰ تا ۱۸۰ ہجری ۲۱۔ ان عمر الخطاب کان

یجی لعراق کل سنة مائة الف الف اوقية شويخرج اليه عشرة من اهل الكوفة وعشرون من اهل

البصرة يشهدون اربع شهادات بالله انه من طيب، ما فيه ظلم لمسلم ولا معاهد ۱۲

زمیندار  
اور تعلقہ دار

پیداوار اور  
آمدنی میں  
ترقی

ہر سال انگیزی  
کی نسبت عایا  
کا اظہار  
کیا جانا

جس قدر مالگزاری ان کے عہد میں وصول ہوئی زمانہ مابعد میں کبھی وصول نہیں ہوئی۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز فرمایا کرتے تھے کہ ”حجاج پر خدا لعنت کرے کج بخت کو نہ دین

کی لیاقت تھی نہ دنیا کی، عمر بن الخطاب نے عراق کی مالگزاری ۱۰ کروڑ ۲ لاکھ درہم

وصول لی، زیادہ سے ۱۰ کروڑ ۵ لاکھ اور حجاج سے باوجود بیرون شہر کے صرف ۱۰ کروڑ

۶ لاکھ وصول کئے، مامون الرشید کا زمانہ عدل و انصاف کے لئے مشہور ہے لیکن اس کے

عہد میں بھی عراق کے خراج کی تعداد ۵ کروڑ ۴ لاکھ درہم سے کبھی نہیں بڑھی۔

جہاں تک ہلکے معلوم ہے، عراق کے سوا حضرت عمرؓ نے اور کسی صوبے کی پیمائش

نہیں کرائی بلکہ جہاں جس قسم کا بند و بست تھا اور بند و بست کے جو کاغذات پہلے سے

طیار تھے انکو اسی طرح قائم رکھا، یہاں تک کہ دفتر کی زبان تک نہیں بدلی یعنی جس طرح

اسلام سے پہلے عراق و ایران کا دفتر فارسی میں، شام کا رومی میں، مصر کا قبطی میں،

تھا حضرت عمرؓ کے عہد میں بھی اسی طرح رہا۔ خراج کے محکمے میں جس طرح قدیم سے پائی

یونانی اور قبطی ملازم تھے بدستور بجا رہے۔ تاہم حضرت عمرؓ نے قدیم طریقہ انتظام میں

بہمان جو کچھ غلطی دیکھی اسکی اصلاح کر دی چنانچہ اسکی تفصیل آگے آتی ہے۔

مصر میں فرعون کے زمانے میں جو بند و بست ہوا تھا، ٹالو میز (بطالہ) نے بھی ہی

قائم رکھا اور رومن اپنا یہاں بھی وہی جاری رہا۔ فرعون نے تمام اراضی کی پیمائش

کرائی تھی اور شمشیں جمع اور طریقہ ادا کے مقدم اصول یہ قرار دیے تھے۔

حضرت عمر  
کے زمانے میں  
جس طرح خراج  
وصول ہوا  
زمانہ مابعد میں  
کچھ نہ

خراج کا دفتر  
فارسی اور  
رومی زبان  
میں تھا



مصر میں  
خزوں کے  
زمانے کے  
قواعد انگریزی

(۱) خراج نقد اور اصل پیداوار دونوں طریقے سے وصول کیا جائے۔

(۲) چند سالوں کی پیداوار کا اوسط نکال کر، اسکے لحاظ سے جمع تشخیص کی جائے۔

(۳) بندوبست چار سالہ ہو۔

رومیوں کا  
کا اضافہ

رومیوں نے اپنے عہد حکومت میں اور تمام قاعدے بحال رکھے لیکن یہ نیا دستور

مقرر کیا کہ ہر سال خراج کے علاوہ، مصر سے غلے کی ایک مقدار کثیر باقی تختِ سلطینیہ

کو روانہ کی جاتی تھی اور سلطنت کے ہر صوبے میں فوج کی رسد کے لئے یہیں سے غلہ جاتا تھا

حضرت عمرؓ  
تیم طریقے  
کی اصلاح  
کی

جو خراج میں محسوب نہیں ہوتا تھا۔ حضرت عمرؓ نے یہ دونوں جابرانہ قاعدے موقوف کر دیے۔

یورپ کے مورخوں نے لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ کے عہد میں بھی یہ رسم جاری رہی، چنانچہ قوط

کے سال مصر سے مدینہ منورہ کو جو غلہ بھیجا گیا اسی اصول کے موافق بھیجا گیا، لیکن یونانی

سخت غلطی اور قیاس بازی ہے،۔ بے شبہ عام القحط میں مصر سے غلہ آیا اور پھر یہ

ایک رسم قائم ہو کر مدتوں تک جاری رہی، لیکن یہ وہی غلہ تھا جو خراج سے وصول ہوتا

تھا، کوئی نیا خراج یا ٹیکس نہ تھا چنانچہ علامہ بلاذری نے فتوح البلدان میں صاف

صاف تصریح کر دی ہے۔ اس بات کا بڑا ثبوت یہ ہے کہ جب خراج میں صرف نقدی کا

۱۷۰ FAVAN BERCHEM نے ایک کتاب فرنج زبان میں مسلمانوں کے قانون انگلری پر لکھی ہے۔ یہ حالت

میں ہی کتاب سے لئے ہیں آگے چل کر بھی اس کتاب کے حوالے کیے اس کتاب کا پورا نام یہ ہے LA PROPRIETE

TERRITORIAL ET L'IMPOT FONCIER SONS LES

۱۷۰ PREMIERS CALIFES فتح البلدان صفحہ ۲۱۷۔

طریقہ رہ گیا تو حرمین کے لئے جو غلہ بھیجا جاتا تھا خرید کر کے بھیجا جاتا تھا، چنانچہ امیر معاویہ کے عہد حکومت کی نسبت علامہ مقریزی نے صاف اسکی تصریح کی ہے۔ حضرت عمرؓ نے ہر صوبہ میں فوج کی رسد کے لئے غلے کے گھٹن کا بھی انتظام کیا تھا لیکن یہ بھی وہی خراج کا غلہ تھا۔

مصر میں ہول  
مالگزاری کا  
طریقہ

حضرت عمرؓ نے مالگزاری کے وصول کا طریقہ بھی نہایت نرم کر دیا اور اس لحاظ سے دونوں ملک کے قدیم قاعدون میں فی الجملہ ترسیم کر دی، مصر ایک ایسا ملک ہے جسکی پیداوار کا مادہ دریا سے نیل کی طغیانی ہے اور چونکہ اسکی طغیانی کے مدارج میں نہایت تفاوت ہوتا رہتا ہے اس لئے پیداوار کا کوئی خاص اندازہ نہیں ہو سکتا، چند سالوں کے اوسط کا حساب اس لئے مفید نہیں کہ جاہل کاشتکار اپنے مصارف کی تقسیم ایسی باقاعدہ نہیں کر سکتے کہ خشک سالی میں اوسط حساب کے لحاظ سے انکا کام چل سکے۔

بہر حال حضرت عمرؓ کے زمانے میں مالگزاری کے وصول کا یہ طریقہ تھا کہ جب مالگزاری کی قسطیں کھلتی تھیں تو تمام پرگنہ جات سے رئیس اور زمیندار، اور عواف، طلب کئے جاتے تھے اور وہ پیداوار حال کے لحاظ سے کل ملک کے خراج کا ایک تخمینہ پیش کرتے تھے، اسکے بعد اسی طرح ہر ہر ضلع اور ہر ہر پرگنہ کا تخمینہ مرتب کیا جاتا تھا جس میں مقامی زمیندار اور کھیا شریک ہوتے تھے۔ یہ تخمینہ رقم ان لوگوں کے مشورے سے ہر ہر گانوں پر پھیلا دی جاتی۔ پیداوار جو ہوتی تھی اس میں سے اول گرجاؤں اور خاموں کے

مصارف اور مسلمانوں کی ممانی کا خرچہ کمال لیا جاتا تھا، باقی جو بچتا تھا اس میں سے جمع مشخصہ ادا کی جاتی تھی، ہر گانوں پر جو جمع مشخص ہوئی تھی پڑتے سے اس کا ایک حصہ گانوں کے پیشہ وروں سے بھی وصول کیا جاتا تھا۔

اس طریقہ میں اگرچہ بڑی رحمت تھی اور گویا ہر سال نیا بندوبست کرنا پڑتا تھا لیکن مصر کے حالات کے لحاظ سے عدل اور انصاف کا یہی مقتضا تھا اور مصر میں یہ طبعی تھوڑی سی تبدیلی کے ساتھ ایک مدت سے معمول بھی تھا۔

لگان کی شرح فی جریب ایک دینار اور تین اردب غلہ قرار دی گئی۔ اور یہ معاہدہ لکھ دیا گیا کہ اس مقدار پر کبھی اضافہ نہیں کیا جائیگا۔

اس عدل و انصاف کے ساتھ حضرت عمر کے زمانے میں جو خراج وصول ہوتا تھا اس کی تعداد اگر ۲۰ لاکھ دینار تھی جس کے تقریباً پانچ کروڑ چھ لاکھ روپے ہوتے ہیں، علامہ مقریزی نے لکھا ہے کہ یہ صرف جزیے کی رقم تھی، خراج اس کے علاوہ تھا، ابو قول بغدادی نے بھی اپنے جغرافیہ میں قاضی ابو حازم کا جو قول نقل کیا ہے وہ اسی کے مطابق ہے، لیکن میرے نزدیک دونوں نے غلطی کی ہے، خود علامہ مقریزی نے لکھا ہے کہ جب عمرو بن العاص نے پہلی سال ایک کروڑ دینار وصول کئے تو حضرت عمر نے اس خیال سے کہ مقوس نے ابھی پچھلے سال ۲۰ کروڑ وصول کئے تھے

علامہ مقریزی نے یہ پوری تفصیل نقل کی ہے دیکھو کتاب مذکور صفحہ ۷۷، علامہ بخاری کی کتاب جغرافیہ صفحہ ۲۱۴

سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے ۱۲

عمر بن العاص سے باز پرس کی۔ یہ مسلم ہے کہ مقوقس کے عہد میں جزیرے کا دستور تھا اس لئے عمر بن العاص کی یہ رقم اگر جزیرہ تھی تو مقوقس کی رقم سے اس کا مقابلہ کرنا بالکل بے معنی تھا۔ اسکے علاوہ تمام مورخین نے اور خود مقریزی نے جہان خراج کی حیثیت سے اسلام کے قبل اور بعد زماون کا مقابلہ کیا ہے اسی تعداد کا نام لیا ہے۔ بہر حال حضرت عمر کے عہد میں خراج کی مقدار جہاں تک پہنچی زمانہ ما بعد میں کبھی اس حد تک نہیں پہنچی۔ بنو امیہ اور بنو العباس کے زمانے میں تیس لاکھ دینار سے زیادہ وصول نہیں ہوئی۔ ہشام بن عبد الملک نے جب بڑے اہتمام سے تمام ملک کی اراضیات کی پیمائش کرائی جو تین کروڑ فدان ٹھہری، تو ۳۰ لاکھ سے ۴۰ لاکھ ہو گئے۔ البتہ حضرت عثمان کے زمانے میں عبداللہ بن سعد گورنر مصر نے ۱۰ کروڑ ۴ لاکھ دینار وصول کئے تھے، لیکن جب حضرت عثمان نے خزیہ۔ عمر بن العاص سے کہا کہ اب تو آؤ مٹی نے زیادہ دودھ دیا، تو عمر بن العاص نے آزادانہ کہا کہ ”ہاں لیکن بچہ بھوکھا رہا“ امیر معاویہ کا زمانہ ہر قسم کی دنیاوی ترقی میں یادگار ہے انکے عہد میں مصر کے خراج کی تعداد ۹۰ لاکھ دینار تھی۔ فاطمین کے عہد میں خلیفہ المغرلین اللہ کے گورنر نے باوجودیکہ لگان کی شرح دو گنی کر دی تاہم ۳۲ لاکھ دینار سے زیادہ وصول نہوئے۔

مصر کا خراج  
بنو امیہ اور  
بنو عباس کے  
زمانے میں

ہشام بن اسلام کے عہد تک وہ قانون جاری تھا جو ایک یونانی بادشاہ نے اپنے

شام

تمام مالک مقبوضہ میں قائم کیا تھا، اس نے پیداوار کے اختلاف کے لحاظ سے زمین کے مختلف مباح قرار دئے تھے اور ہر قسم کی زمین پر جداگانہ شرح کے لگان مقرر کئے تھے، یہ قانون چھٹی صدی عیسوی کے آغاز میں یونانی زبان سے شامی زبان میں ترجمہ کیا گیا اور اسلام کی فتوحات تک وہی ان تمام مالک میں جاری تھا۔ قراین اور قیاسات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے مصر کی طرح یہاں بھی وہی قدیم قانون جاری رہنے دیا، حضرت عمرؓ کے زمانے میں۔ شام سے جو خراج وصول ہوتا تھا اس کی کل تعداد ۱۔ کروڑ ۴۰ لاکھ دینار یعنی ۵ کروڑ ۸۰ لاکھ روپے بنتی۔

عراق، مصر اور شام کے سوا اور مالک مفتوحہ یعنی فارس، کرمان، آرمینیا، وغیرہ کے بند و بست اور تشخیص خراج کے حالات ہم بہت کم معلوم کر سکے۔ مورخین ان ملکوں کے حالات فتح میں صرف اس قدر لکھتے ہیں کہ وہاں کے لوگوں پر جزیہ اور زمین پر خراج مقرر کیا گیا۔ کہیں کہیں کسی خاص رقم پر معاہدہ ہو گیا ہے تو اس کی تعداد لکھ دی ہے، باقی اور قسم کی تفصیل کو بات نہیں لگایا ہے، اور چونکہ اس قسم کی جزئی تفصیلات سے کچھ بڑے نتائج متعلق نہیں اس لئے ہم بھی اس کی چندان پروا نہیں کرتے۔

ابنہ ایک محقق کی نگاہ اس بات پر پڑ سکتی ہے کہ اس صیغے میں فتوحات فاروقی کی غاں ایجادات اور اصلاحیں کیا ہیں اور ہم اسی خاص پہلو پر نگاہ ڈالنا چاہتے ہیں۔ سب سے بڑا انقلاب جو حضرت عمرؓ نے اس صیغے میں کیا اور جس کی وجہ سے رعایا کی بہبودی اور خوشحالی

قانون نگاری  
میں حضرت عمر  
کی مہمات

وقتِ نہایت ترقی تگرگی، یہ تھا کہ زمینداری اور ملکیت زمین کا جو قدیم قانون تھا اور بالکل جابرانہ تھا مٹا دیا۔ رومیون نے جب شام اور مصر پر قبضہ کیا تو تمام اراضیات اصلی باشندوں سے چھین کر کچھ انسران فوج اور کچھ اراکین دربار کو دیدین، کچھ شاہی جاگیر قرار پائیں، کچھ کلیسا اور چرچ پر وقف کر دی گئیں۔ اصلی باشندوں کے ہاتھ میں ایک چپہ زمین بھی نہیں رہی۔ وہ صرف کاشتکاری کا حق رکھتے تھے اور اگر مالک زمین انکی کاشتکاری کی زمین کو کسی کے ہاتھ منتقل کرتا تھا تو زمین کے ساتھ کاشتکار بھی منتقل ہو جاتے تھے اخیر میں باشندوں کو بھی کچھ زمینداریاں ملنے لگیں۔ لیکن زمینداری کی حفاظت اور اس سے متمتع ہونے کے لئے، رومی زمینداروں سے اعانت یعنی پڑتی تھی، اس بہانے سے زمیندار خود اس زمین پر متصرف ہو جاتے تھے اور وہ غریب کاشتکار کا کاشتکار بجاتا تھا، یہ طریقہ کچھ رومی سلطنت کے ساتھ مخصوص نہ تھا بلکہ جان تک ہلکو معلوم ہے تمام دنیا میں قریب قریب یہی طریقہ جاری تھا کہ زمین کا بہت بڑا حصہ، انسران فوج یا اراکانِ دہ کی جاگیر میں دیدیا جاتا تھا۔

حضرت عمرؓ نے ملک پر قبضہ کرنے کے ساتھ، اس ظالمانہ قانون کو مٹا دیا، رومی نو اکثر ملک کے مفتوح ہوتے ہی نکل گئے اور جو رہ گئے انکے قبضے سے بھی زمین نکال لی گئی۔ حضرت عمرؓ نے ان تمام اراضیات کو جو شاہی جاگیر تھیں یا حین پر رومی انسران قابض تھے، باشندگانِ ملک کے حوالے کر دیں، اور بجائے اسکے کہ وہ مسلمان انسران یا فوجی سرداروں کو عنایت کی باتیں قاعدہ بنا دیا کہ مسلمان کسی حالت میں ان زمینوں

پر قافلہ بن نہیں ہو سکتے، یعنی مالکانِ اراضی کو قنیت دے کر خریدنا چاہیں تو خرید بھی نہیں سکتے۔ یہ قاعدہ ایک مدت تک جاری رہا چنانچہ لیث بن سعد نے مصر میں کچھ زمین مول لی تھی تو بڑے بڑے پیشوایانِ مذہب مثلاً امام مالک، نافع بن زید، ابن لمیعہ نے اُن پر سخت اعتراض کیا، حضرت عمرؓ نے اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اہل عرب کو جو ان مالک میں پھیل گئے تھے زراعت کی مانعت کر دی، چنانچہ تمام فوجی افسروں کے نام احکام بھیج دیے کہ ”لوگوں کے روزینے مقرر کر دیے گئے ہیں اس لئے کوئی شخص زراعت نہ کرنے پائے“ یہ حکم اس قدر سختی سے دیا گیا کہ شریک غطفیہ ایک شخص نے مصر میں کچھ زراعت کر لی تو حضرت عمرؓ نے اُسکو بلا کر سخت مواخذہ کیا اور فرمایا کہ میں تجھکو ایسی سزا دوں گا کہ اور دن کو عبرت ہو۔

ان قاعدوں سے ایک طرف تو حضرت عمرؓ نے اُس عدل و انصاف کا نمونہ قائم کیا جسکی نظیر دنیا میں کہیں موجود نہ تھی کیونکہ کسی فاتح قوم نے مفتوحین کے ساتھ کبھی ایسی رعایت نہیں برتی تھی، دوسری طرف زراعت اور آبادی کو اس سے نہایت ترقی ہوئی اسلئے کہ اصلی باشندے جو مدت سے ان کاموں میں مہارت رکھتے تھے عرب کے خانہ بدوش بے دوائی برابری نہیں کر سکتے تھے، سب سے بڑھکر یہ کہ اس تدبیر نے فتوحات کی وسعت میں بڑا کام دیا، فرانس کے ایک نہایت لایق مصنف نے لکھا ہے کہ یہ بات مسلم ہے کہ اسلام کی فتوحات میں خرلج اور مالگزارى کے معاملے کو بہت دخل ہے اور سلطنت

میں باشندگان ملک کو جو سخت خرچ ادا کرنا پڑتا تھا اس نے مسلمانوں کی فتوحات کو نہایت تیزی سے بڑھایا، مسلمانوں کے حملوں کا جو مقابلہ کیا گیا وہ اہل ملک کی طرف سے نہ تھا بلکہ حکومت کی طرف سے تھا، مصر میں خود قبلی کا شتکارون نے یونانیوں کے برخلاف مسلمانوں کو مدد دی، دمشق، اور حمص میں، عیسائی باشندوں نے ہرقل کی فوج کے مقابلے میں شہر بپاہ کے دروازے بند کر دیے اور مسلمانوں سے کہہ دیا کہ ہم تمہاری حکومت کو بمقابلہ بے رحم رومیوں کے بہت زیادہ پسند کرتے ہیں۔

یہ نہیں خیال کرنا چاہئے کہ حضرت عمرؓ نے غیر قوموں کے ساتھ انصاف کرنے میں اپنی قوم کی حق تلفی کی، یعنی انکو زراعت اور فلاح سے روک دیا، و حقیقت اس سے حضرت عمرؓ کی بڑی انجام دہنی کا ثبوت ملتا ہے۔ عرب کے اصلی جوہر یعنی دلیری، بہادری، جفاکشی، ہمت، غم، اسی وقت تک قائم رہے جب تک وہ کاشتکاری اور زمینداری سے الگ رہے جس نے انہوں نے زمین کو ہاتھ لگایا، اسی دن یہ تمام اوصاف بھی ان سے خست ہو گئے، اس معاملے میں ایک اور نہایت انصافانہ اصول جو حضرت عمرؓ نے بتایا تھا

کہ بندوبست اور اسکے متعلق تمام امور میں قومی رعایا سے جو پارسی یا عیسائی تھے ہمیشہ اسے طلب کرتے تھے اور ان کی معروضات پر لحاظ فرماتے تھے۔ عراق کا جب بندوبست کرنا چاہا تو پہلے عمال کو لکھا کہ عراق کے دور رسوں کو ہمارے پاس بھیج دو جس کے ساتھ مترجم بھی ہوں۔ پیمائش کا کام باری ہو چکا تو پھر دس بڑے بڑے

بندوبست  
مظاہرین  
دنیوں سے  
اسے لینا



زمیندار عراق سے بلوائے اور انکے اظہار کئے۔ اسی طرح مصر کے انتظام کے وقت وہاں کے گورنر کو لکھا کہ مقومتس سے (جو پہلے مصر کا حاکم تھا) خراج کے معاملے میں اسے لو، اسپر نہ تسلی ہوئی تو ایک واقعہ کا قبطی کو مدینے میں طلب کیا اور اسکا اظہار لیا، یہ طریقہ جس طرح عدل و انصاف کا نہایت اعلیٰ نمونہ تھا اسی طرح انتظام کی حیثیت سے بھی مفید تھا۔

ان باتوں کے ساتھ ان اصلاحات کو بھی شامل کرنا چاہیے جسکا بیان ہم بندوبست کے شروع میں کر آئے ہیں۔

بندوبست کے ساتھ حضرت عمرؓ نے زمین کی آبادی اور زراعت کی ترقی کی طرف توجہ کی، عام حکم دیدیا کہ تمام ملک میں جہاں جہاں اقادہ زمینیں ہیں جو شخص انکو آباد کرے اسکی ملک ہو جائیگی۔ لیکن اگر کوئی شخص اس قسم کی زمین کو آباد کرنے کی عرض سے اپنے قبضے میں لائے اور میں برس کے اندر آباد نہ کر لے تو زمین اسکے قبضے سے بھائیگی۔ اس طریقے سے اقادہ زمینیں نہایت جلد آباد ہو گئیں، محلے کے وقت جہاں جہاں کی رعایا گھر چھوڑ کر نکل گئی تھی انکے لئے اشتہار دیدیا کہ وہاں آجائے اور اپنی زمینوں پر قابض ہو جائے، زراعت کی حفاظت اور ترقی کا حضرت عمرؓ کو جو خیال تھا اسکا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ ایک دفعہ ایک شخص نے ان سے اگر شکایت کی کہ شام میں میری کچھ زراعت تھی۔ آپ کی فوج ادھر سے گذری اور اسکو برباد کر دیا، حضرت عمرؓ نے اسی وقت اسکو

عکرا آپاشی

دس ل ہزار درہم معاوضے میں دلواتے، تمام ممالک مفتوحہ میں نہرین جاری کیں۔ اور  
 بند باندھنے، تالاب طیار کرانے، پانی کے تقسیم کرنے کے دہانے بنانے، نہروں کے  
 شعبے نکالنے، اس قسم کے کاموں کا ایک بڑا محکمہ قائم کیا، علامہ مقررزی نے لکھا ہے  
 کہ خاص مصرین الاکمہ ۲۰ ہزار مزدور روزانہ سال بھر اس کام میں لگے رہتے تھے اور  
 یہ تمام مصارف بیت المال سے ادا کئے جاتے تھے۔ خوزستان اور ابواز کے اضلاع  
 میں جزیر بن معاویہ نے حضرت عمر کی اجازت سے بہت سی نہرین کھدوائیں جنکی وجہ  
 سے بہت سی اقادہ زمینیں آباد ہو گئیں۔ اسی طرح اور سیکڑوں نہرین طیار ہوئیں جنکا  
 پتہ حبستہ حبستہ تاریخوں میں ملتا ہے۔

خرابی اور  
عشری

نوعیت قبضہ کے لحاظ سے زمین کی ایک اور تقسیم کی یعنی خراجی اور عشری خراجی  
 کا بیان اوپر گذر چکا، عشری اس زمین کا نام تھا جو مسلمانوں کے قبضے میں ہوتی تھیں اور  
 جسکے اقسام حسب ذیل تھے۔

(۱) غب کی زمین جسکے قابضین اوایل اسلام میں مسلمان ہو گئے تھے مثلاً مدینہ منورہ وغیرہ۔  
 (۲) جزیرین کسی ذمتی کے قبضے سے نکل کر مسلمانوں کے قبضے میں آتی تھی مثلاً دہ لاوارث  
 مرکب یا مفرد ہو گیا، یا بغاوت کی، یا استعفا دیر یا،

(۳) جو اقادہ زمین کسی حیثیت سے کسی کی ملک بنیں ہوتی تھی اور اسکو کوئی مسلمان آباد  
 کر لیتا تھا۔

ان اقسام کی تمام زمینیں عشری کہلاتی تھیں اور چونکہ مسلمانوں سے جو کچھ لیا جاتا تھا وہ زکوٰۃ کی زمین داخل تھا اس لئے ان زمینوں پر بجائے خراج کے زکوٰۃ مقرر تھی جسکی مقدار اہل پیداوار کا، دنوان حصہ ہوتا تھا، یہ شرح خود جناب رسول اللہ ﷺ نے مقرر فرمائی تھی اور وہی حضرت عمر کے عہد میں بھی قائم رہی، حضرت عمر نے اتنا کیا کہ ایران وغیرہ کی جو زمینیں مسلمانوں کے قبضے میں آئیں۔ اگر وہ زمینوں کی قدیم ہنرون یا کنوؤں سے سیراب ہوتی تھیں۔ تو ان پر خراج مقرر کر دیا، چنانچہ اس ستم کی زمینیں، عبداللہ بن مسعود و جناب وغیرہ کے قبضے میں تھیں اور ان سے خراج لیا جاتا تھا۔ اور اگر خود مسلمان نئی نہر یا نیا کنواں کھود کر اسکی آبپاشی کرتے تھے تو اس پر رعایہ عشر مقرر کیا جاتا تھا۔

مسلمانوں کے ساتھ عشر کی تخصیص اگرچہ بظاہر ایک ستم کی نا انصافی یا قومی تیج معلوم ہوتی ہے لیکن فی الواقع ایسا نہیں ہے، اولاً تو مسلمانوں کو بمقابلہ ذمیوں کے بہت سی برائمتیں اور کرنی پڑتی تھیں مثلاً موسیٰ پر زکوٰۃ۔ گھوڑوں پر زکوٰۃ۔ رُپے پر زکوٰۃ۔ حالانکہ ذمی ان محصولوں سے بالکل مستثنیٰ تھے۔ اس بنا پر خاص زمین کے معاملے میں جو نہایت اقل قلیل مسلمانوں کے قبضے میں آئی تھی، اس ستم کی رعایت بالکل مقضیٰ انصاف تھی دوسرے یہ کہ عشر کی ایسی رقم تھی جو کسی حالت میں کم یا معاف نہیں ہو سکتی تھی، یہاں تک کہ خود خلیفہ یا بادشاہ معاف کرنا چاہے تو معاف نہیں کر سکتا تھا، بخلاف اسکے خراج میں تخفیف اور معافی دونوں جائز تھی، اور وقتاً فوقتاً اس پر عمل درآمد بھی ہوتا تھا، اسکے علاوہ

خراج سال میں صرف ایک دفعہ لیا جاتا تھا بخلاف اسکے عشر کا یہ حال تھا کہ سال میں جتنی فصلیں ہوتی تھیں سب کی پیداوار سے الگ الگ عشر وصول کیا جاتا تھا۔

### اور قسم کی آمدنیان

خراج و عشر کے سوا آمدنی کے جو اور اقسام تھے وہ حسب ذیل تھے۔ زکوٰۃ عشر جزیرہ، مال غنیمت کا خمس۔ زکوٰۃ مسلمانوں کے ساتھ مخصوص تھی۔ اور مسلمانوں کی کسی قسم کی جائداد یا آمدنی اس سے مستثنیٰ نہ تھی یہاں تک کہ بھیڑ، بکری، اونٹ سبھی پر زکوٰۃ تھی، زکوٰۃ کے متعلق تمام احکام، خود جناب رسول اللہ کے عہد میں مرتب ہو چکے تھے۔ حضرت عمر کے عہد میں جو اضافہ ہوا، یہ تھا کہ تجارت کے گھوڑوں پر زکوٰۃ مقرر ہوئی حالانکہ آنحضرتؐ نے گھوڑوں کو زکوٰۃ سے مستثنیٰ فرمایا تھا۔ لیکن اس سے عیاذ باللہ یہ نہیں خیال کرنا چاہئے کہ حضرت عمرؓ نے جناب رسول اللہ کی مخالفت کی۔ آنحضرتؐ نے جو الفاظ فرمائے تھے، اُس سے بظاہر سواری کے گھوڑے معصوم ہوتے ہیں اور حضرت عمرؓ نے اسی معصوم کو قائم رکھا، آنحضرتؐ کے وقت میں تجارت کے گھوڑے وجود نہیں کھتے تھے۔ اس لئے انکے زکوٰۃ سے مستثنیٰ ہونے کی کوئی وجہ نہیں تھی، بہر حال زکوٰۃ کی مد میں یہ ایک نئی آمدنی تھی اور اول حضرت عمرؓ ہی کے عہد میں شروع ہوئی۔ عشر، خاص حضرت عمرؓ کی ایجاد ہے جسکی ابتدا یوں ہوئی کہ مسلمان جو غیر ملکوں میں تجارت کے لئے جاتے تھے اُن سے وہاں کے دستور کے موافق مال تجارت پر فی صدی ۱۰ روپیہ کس لیا جاتا تھا۔ ابو موسیٰ اشعری نے حضرت عمرؓ کو اس واقعہ سے اطلاع دی

گھوڑوں پر زکوٰۃ

عشر

حضرت عمرؓ نے حکم دیا کہ ان ملکوں کے تاجر جو ہمارے ملک میں آئیں ان سے بھی سقیدہ محصول لیا جائے۔ پہنچ کے عیسائیوں نے جو اُس وقت تک اسلام کے محکوم نہیں ہوئے تھے خود حضرت عمرؓ کے پاس تحریری درخواست بھیجی کہ ہمارے عسکر اور اُن کی شرط پر عرب میں تجارت کرنے کی اجازت دی جائے۔ حضرت عمرؓ نے منظور کر لیا اور ہجر ۱۰ میں اور مسلمانوں پر بھی یہ قاعدہ جاری کر دیا گیا۔ البتہ تعداد میں تفاوت رہا یعنی عربیوں سے فی صدی ۱۰۔ ذمیوں سے ۵۔ مسلمانوں سے ڈھائی۔ لیا جاتا تھا۔ رفتہ رفتہ حضرت عمرؓ نے تمام ممالک مفتوحہ میں یہ قاعدہ جاری کر کے اسکا ایک خاص محکمہ قائم کر دیا جس سے بہت بڑی آمدنی ہو گئی، یہ محصول خاص تجارت کے مال پر لیا جاتا تھا اور اسکی درآمد برآمد کی میعاد سال بھر تھی، یعنی تاجر ایک سال جہان جہان چاہے مال لیجائے اُس سے دوبارہ محصول نہیں لیا جاتا تھا، یہ بھی قاعدہ تھا کہ دو سو درہم سے کم قیمت مال پر کچھ نہیں لیا جاتا تھا، حضرت عمرؓ نے محصلوں کو یہ بھی تاکید کر دی تھی کہ کھلی ہوئی چیزوں سے عشر لیا جائے یعنی کسی کی اسباب تلاشی نہ کی جائے۔ جزیہ کے متعلق پوری تفصیل آگے آئیگی۔

### صیغہ عدالت

یہ صیغہ بھی اسلام میں، حضرت عمرؓ کی بدولت وجود میں آیا۔ ترقی تمدن کا پہلا دیباچہ یہ ہے کہ صیغہ عدالت، انتظامی صیغے سے علیحدہ قائم کیا جائے۔ دنیا میں جہان جہان حکومت و سلطنت کے سلسلے قائم ہوئے مگر ان کے بعد ان دونوں صیغوں میں تفریق ہوئی لیکن حضرت عمرؓ نے خلافت کے چند ہی روز بعد اس صیغے کو الگ کر دیا۔ حضرت ابو بکرؓ

کے زمانے تک خود خلیفہ وقت اور افسران ملکی قضا کا کام بھی کرتے تھے۔ حضرت عمر نے بھی ابتداء میں یہ رواج قائم رکھا اور ایسا کرنا ضرور تھا۔ حکومت کا نظم و نسق جب تک کامل نہیں ہو لیتا۔ ہر صنیعہ کا اجراء رعب و داب کا محتاج رہتا ہے۔ اس لئے فصل قضایا کا کام وہ شخص انجام نہیں دے سکتا جسکو فصل قضایا کے سوا اور کوئی اختیار نہ ہو۔ یہی وجہ تھی کہ حضرت عمر نے ابو موسیٰ اشعری کو لکھا کہ جو شخص با اثر اور صاحب عظمت ہو، قاضی نہ مقرر کیا جائے۔ بلکہ اسی بنا پر عبداللہ بن مسعود کو فصل قضایا سے روک دیا۔

لیکن جب انتظام کا سکہ اچھی طرح جم گیا تو حضرت عمر نے قضا کا صنیعہ بالکل الگ کر دیا۔ و تمام اضلاع میں عدالتیں قائم کیں، اور قاضی مقرر کئے اسکے ساتھ قضا کے اصول و آئین پر ایک فرمان لکھا جو ابو موسیٰ اشعری گورنر کوفہ کے نام تھا اور جس میں صنیعہ عدالت کے تمام اصولی احکام درج تھے۔ ہم اسکو بعینہ اس مقام پر نقل کرتے ہیں۔ رومن امپائر کے دوازدہ گانہ قواعد جو رومیوں کے بڑے مفاخر خیال کی جاتے ہیں

۱۔ جہاد و قتالہ محمد بن خلف الکعبی

۲۔ اس فرمان و ملامت البرامق شیرازی نے جقات الفقہاء میں اور علیہ ربیعہ و ماوردی و جاحظ، و ابن مہدی، و ابن جریر سے محمد بن و محمد بن بن نقل کیا ہے۔

۳۔ قبل مسیح۔ رومن امپائر نے یونان میں سفر بھیجے کہ وہاں قانون کی تعلیم حاصل کر کے آئین اور عدالت کے لئے ایک شخص کا قانون بنائیں۔ یہ سفر یونان گئے اور وہاں سے واپس آکر ایک دستور العمل تیار کیا جس میں بارہ امور انتظامیہ بارہ امور عدالتی تھے۔ یہ تمام قواعد سیدہ کی غنمی پر کندہ کئے گئے۔ اور مدت تک۔ رومن امپائر کا وہی شاہی قانون رہا۔

اوجہ کی نسبت سید سرور و رم کا مشہور لکچرار لکھتا ہے کہ یہ قوانین، تمام فلاسفوں کی تصنیفات سے بڑھکر مین وہ بھی ہمارے سامنے ہیں، ان دونوں کا موازنہ کر کے ہر شخص فیصلہ کر سکتا ہے کہ دونوں میں سے تمدن کے وسیع اصول کا کس میں زیادہ پتہ لگتا ہے۔

بقیتہ حاشیہ صفحہ (۶۵) امین عینہ قضا کے متعلق جو احکام تھے وہ حسب ذیل ہیں۔

(۱) جب تم عدالت میں طلب گئے جاؤ تو فوراً فریق مقدم کے ساتھ حاضر ہو۔

(۲) اگر مدعا علیہ انکار کرے تو تم کو اپنا پیش کردار وہ جبراً حاضر کیا جائے۔

(۳) مدعا علیہ جھٹکا یا بے تو تم اسکو پکڑ سکتے ہو۔

(۴) مدعی کو ڈیوڑھا ہو تو تم اسکو سواری دو ورنہ سپر مافری ٹیکہ جبر نہیں کیا جاسکتا۔

(۵) مدعا علیہ منان پیش کرے تو تم اسکو جھوڑو۔

(۶) دو تہ کا منان، دو تہ نہ ہونا چاہئے۔

(۷) بی بی کو خفیہ کے اتفاق سے فیصلہ کرنا چاہئے۔

(۸) بی بی سے دو تہ تک مقدمہ نہ لے گا۔

(۹) فیصلہ دوپہر کے بعد فریقین کی مافری میں ہوگا۔

(۱۰) مغرب کے بعد عدالت بند رہے گی۔

(۱۱) فریقین اگر ثالث پیش کرنا چاہیں تو انکو منان دینا چاہئے۔

(۱۲) جو شخص کو زمین پیش کر سکتا۔ مدعا علیہ کے دروازہ پر دعوت کو پکار کر گئے۔

یہ قواعد مین جب کو یاد کر کے یورپ۔ رومن اپنا پرنا زکرتا ہے۔

رومن سپار  
کے عیسے  
عدالت

## حضرت عمر کا فرمان بعبار تھا ذیل میں درج ہے۔

تو عدالت  
کے متعلق  
حضرت عمر  
فرماتے

اما بعد فان القضاء فريضة محكمة وسنة متبعة اس بين الناس في وجهك و مجلسك وعدلك حتى لا يails الضيف من عدلك ولا يطمع الشريف في حيفك البنية على من ادعى واليمين على من انكر والصلح جائز الاصلح الحل حراما وحرما حلالا ولا يمنعك قضاء قضية بلاهس فراجعت فيه نفسك ان ترجع الى الحق الفهم الفهم فيما يختلف في صدره مما لم يبلغك في الكتاب السنة واعرف الامثال ولا تشبهه شرف لا امور عند ذلك و اجعل من ادعى بنية امدان ينهي اليه فان احضر بنية اخذت له بحقه والا وجهت القضاء عليه والمسلمون عدول بعضهم على بعض الا عجلوا في حيا وحقا في شهادة ذورا وطنينا في ولاء او وراثة

مذاکی تعریف کے بعد۔ قطعاً ایک ضروری فرض ہے۔ لوگوں کو اپنے حضور میں، اپنے مجلس میں، اپنے انصاف میں برابر رکھو تاکہ کم نہ ہو، انصاف سے یا اس نہ ہو، اور دوا کو مقاری رُدرمایت کی اُمید نہ پیدا ہو، جو شخص دعوے کرے اُس پر بارِ ثبوت ہے۔ اور جو شخص مُنکر ہو اُس پر قسم۔ صلح جائز ہے بشرطیکہ اُس سے حرام، حلال۔ اور حلال حرام نہ بنے۔ کل اگر تم نے کوئی فیصلہ کیا تو آج غور کے بعد اُس سے رجوع کر سکتے ہو۔ جس مسئلے میں شبہ ہو اور قرآن و حدیث میں اس کا ذکر نہ ہو تو اُس پر غور کرو اور پھر غور کرو۔ اور اُس کی مثالوں اور تغیروں پر خیال کرو، پھر قیاس لگاؤ۔ جو شخص ثبوت پیش کرنا چاہے اُس کے لئے ایک میعاد مقرر کرو۔ اگر وہ ثبوت دے تو اُس کا حق دلاؤ۔ ورنہ مقدمہ خارج۔ مسلمان سب ثقہ ہیں باستثنای اُن اشخاص کے جن کو مد کی سزا میں دے لگائے گئے ہوں۔ یا جنہوں نے مہجوری گواہی دی ہو۔ یا ولا اور وراثت میں شکوک ہوں۔



اس فرمان میں قضا کے متعلق جو قانونی احکام مذکور ہیں حسب ذیل ہیں۔

(۱) قاضی کو عدالتانہ حیثیت سے تمام لوگوں کے ساتھ یکساں برتاؤ کرنا چاہئے۔

(۲) بارِ ثبوت عموماً مدعی پر ہے۔

(۳) مدعا علیہ اگر کسی قسم کا ثبوت یا شہادت نہیں رکھتا تو اس سے قسم لی جائیگی۔

(۴) فریقین ہر حالت میں صلح کر سکتے ہیں لیکن جو امر خلاف قانون ہے اس میں صلح نہیں ہو سکتی ہے۔

(۵) قاضی خود اپنی مرضی سے مقدمہ کے فیصلہ کرنیکے بعد اس میں نظر ثانی کر سکتا ہے۔

(۶) مقدمہ کی پیشی کی ایک تاریخ معین ہونی چاہئے۔

(۷) تاریخ معینہ پر اگر مدعا علیہ نہ حاضر ہو تو مقدمہ کی طرف فیصلہ کیا جائیگا۔

(۸) ہر مسلمان قابل ادائی شہادت ہے لیکن جو شخص سزا یافتہ ہو یا جس کا جھوٹی گواہی

دینا ثابت ہو وہ قابل شہادت نہیں۔

صیغہ قضا کی عمدگی یعنی فصل خصومات میں پورا عدل و انصاف تین باتوں پر

موقوف ہے۔

(۱) عمدہ اور مکمل قانون جسکے مطابق فیصلے عمل میں آئیں۔

(۲) قابل اور مستعد حکام کا انتخاب۔

(۳) وہ اصول اور آئین جنکی وجہ سے حکام رشوت اور دیگر ناجائز وسائل کے سبب

سے فصل خصومات میں رد و رعایت نہ کرنے پائیں۔

(۴) آبادی کے لحاظ سے قضا کی تعداد کا کافی ہونا تاکہ مقدمات کے انفصال میں

ہج نہ ہونے پائے۔

حضرت عمرؓ نے ان تمام امور کا اس خوبی سے انتظام کیا کہ اس سے بڑھکر نہیں ہو سکتا تھا۔ قانون کے بنانے کی تو کوئی ضرورت نہ تھی، اسلام کا اہلی قانون قرآن مجید موجود تھا، البتہ چونکہ امین جزئیات کا احاطہ نہیں اس لئے حدیث و آجماع و قیاس سے مدد لینے کی ضرورت تھی۔ حضرت عمرؓ نے قضاۃ کو خاص طور پر اسکی ہدایت لکھی قاضی شریح کو ایک فرمان میں لکھا کہ مقدمات میں اول قرآن مجید کے مطابق فیصلہ کرو۔ قرآن میں وہ صورت مذکور نہ ہو تو حدیث اور حدیث نہ ہو تو آجماع (کثرت رائے) کے مطابق اور کہیں پتہ نہ لگے تو خود اجتہاد کرو۔

حضرت عمرؓ نے اسی پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ ہمیشہ وقتاً فوقتاً حکام عدالت کو مشغل و مہم مسائل کے متعلق فتاویٰ لکھ لکھ کر بھیجتے رہتے تھے۔ آج اگر انکو ترتیب دیا جائے

۱۔ اہمال مغنیہ ۲۔ جلد ۳۔ سند درمی میں بھی یہ فرمان تھا جس سے اختلافات کے ساتھ مذکور ہے

جاء فی السیاق اسی عبارت یہ ہے عن شرح ان عمر بن الخطاب کتب الیہ ان جاءک شیء یر

کتاب اللہ فاقض بہ فان جاءک مالیس فی کتاب اللہ فانظر سنۃ رسول اللہ

فاقض بہا فان جاءک مالیس فی کتاب اللہ ولم یکن فی سنۃ رسول اللہ ولم

یکلم فیہ احد قبلك فاخترای الامرین شیئت۔ ان شیئت ان یتخذ

برایک ثم تقدم مقدم وان شیئت تتاخر فتاخر ولا یرى التاخر

الاخیر الک۔

تو ایک مختصر مجموعہ قانون بن سکتا ہے لیکن ہم اس موقع پر ان کا استقصا نہیں کر سکتے، اگر کوئی چاہے تو کثر العمال اور الزلہ الخفا وغیرہ سے کر سکتا ہے۔ اخبار القضاۃ میں بھی تعدد قضاوی مذکور ہیں۔

قضاۃ کا  
انتخاب

قضاۃ کے انتخاب میں جو احتیاط اور نکتہ سنجی کی گئی اسکا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ جو لوگ انتخاب کئے گئے وہ اس حیثیت سے تمام عرب میں انتخاب تھے۔ پای تخت یعنی مدینہ منورہ کے قاضی زید بن ثابتؓ تھے جو رسول اللہ کے زمانے میں کاتب وحی رہے تھے۔ وہ سریانی اور عبرانی زبان کے ماہر تھے اور علوم فقہیہ میں سے فرائض کے فن میں تمام عرب میں ان کا جواب نہ تھا۔ کعب بن سور الازدی جو بصرہ کے قاضی تھے بہت بڑے معاملہ فہم اور نکتہ شناس تھے۔ امام بن سیرین نے ان کے بہت سے فیصلے اور احکام نقل کئے ہیں۔ فلسطین کے قاضی عبادہ بن الصامت تھے جو منجملہ اُن پانچ شخصوں کے ہیں جنہوں نے رسول اللہ کے عہد میں تمام قرآن حفظ کیا تھا اور اسی وجہ سے آنحضرتؐ نے انکو اہل صفہ کی تعلیم سپرد کی تھی۔ حضرت عمرؓ کا اس قدر احترام کرتے تھے کہ جب امیر معاویہ نے ان کے ساتھ ایک موقع پر مخالفت کی تو حضرت عمرؓ نے انکو امیر معاویہ کی ماتحتی سے الگ کر لیا۔

۱۰ اخبار القضاۃ میں ہے ان عمر استقل زید اعلیٰ القضاۃ و فرض له رزقا۔

۱۱ دیکھو اسد النجاۃ فی احوال الصلاۃ۔ و استیعاب قاضی بن عبد البر تذکرہ کعب بن سور الازدی

۱۲ استیعاب قاضی بن عبد البر

حضرت عمر  
کے زمانے کے  
کلام عدالت

کوفہ کے قاضی عبداللہ بن مسعود تھے جبکہ فضل و کمال محتاج بیان نہیں۔ فقہ حنفی کے مورث اول وہی ہیں۔ عبداللہ بن مسعود کے بعد سلسلہ میں قاضی شریح مقرر ہوئے وہ اگرچہ صحابہ میں سے نہ تھے لیکن اس قدر فہم اور معاملہ منہم تھے کہ تمام عرب میں انکا جواب نہ تھا، چنانچہ انکا نام آج تک مثال کے طور پر لیا جاتا ہے۔ حضرت علی انار اقضی العرب کہا کرتے تھے، ان بزرگوں کے سوا۔ جمیل بن عمر الجبلی۔ ابوہریرہ الحنفی۔ سلمان بن ربیعہ الباہلی۔ عبدالرحمن بن ربیعہ۔ ابو قرة الکندی۔ عثمان بن حصین جو حضرت عمر کے زمانے کے قضاۃ بین۔ انکی عظمت و جلال شان رجال کی کتابوں سے معلوم ہو سکتی ہے۔

قاضی۔ اگرچہ حاکم صوبہ یا عالم ضلع کا ماتحت ہوتا تھا اور ان لوگوں کو قضاۃ کے تقریر کا پورا اختیار حاصل تھا تاہم حضرت عمرؓ زیادہ احتیاط کے لحاظ سے اکثر خود لوگوں کو انتخاب کر کے بھیجتے تھے۔ انتخاب کے لئے اگرچہ خود امیدواروں کی شہرت کافی تھی لیکن حضرت عمرؓ سپر اکتفا نہیں کرتے تھے بلکہ اکثر عملی امتحان اور ذاتی تجربہ کے بعد لوگوں کو انتخاب کرتے تھے۔

قضاۃ کا امتحان  
کے بعد تقریر  
ہونا

قاضی شریح کی تقریری کا یہ واقعہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے ایک شخص سے پسند کی شرط پر ایک گھوڑا خریدا اور امتحان کے لئے ایک سوار کو دیا۔ گھوڑا سواری میں چوٹ کھا کر داعی ہو گیا۔ حضرت عمرؓ نے اسکو واپس کرنا چاہا۔ گھوڑے کے مالک نے انکا کیا، اسپر نزاع ہوئی اور شریح ثالث مقرر کئے گئے۔ انھوں نے یہ فیصلہ کیا کہ اگر گھوڑے

کے مالک سے اجازت لیکر سواری لی گئی تھی تو گھوڑا واپس کیا جاسکتا ہے۔ درہنہ میں حضرت عمرؓ نے کہا کہ حق یہی ہے اور اسی وقت شریح کو کوفہ کا قاضی مقرر کر دیا۔ کعب بن سور لازمی کے ساتھ بھی اسی قسم کا واقعہ گذرا۔

ناجایز وسائل آمدنی کے روکنے کے لئے بہت سی بندشیں لگیں۔

رشتہ سے  
معتدلاً رکھنے  
کے وسائل

(۱) تنخواہیں ہمیشہ قرار مقرر کیں کہ بالائی رقم کی ضرورت نہ ہو۔ مثلاً سلمان ربیعہ اور قاضی شریح کی تنخواہ پان پان سو درہم ماہوار تھی۔ اور یہ تعداد اس زمانے کے حالات کے لحاظ سے بالکل کافی تھی۔

(۲) قاعدہ مقرر کیا کہ جو شخص دولتمند اور معزز ہو قاضی مقرر نہ ہونے پائے۔ ابو موسیٰ اشعری گورنر کوفہ کو جو فرمان لکھا اس میں اس قاعدے کی وجہ یہ لکھی کہ دولتمند رشتہ کی طرف راغب نہ ہوگا اور معزز آدمی پر فیصلہ کرنے میں کسی کے رعب و داب کا اثر نہ ہوگا۔

ان باتوں کے ساتھ کسی قاضی کو تجارت اور خرید و فروخت کرنے کی اجازت نہ تھی اور یہ وہ اصول ہے جو مدتوں کے تجربے کے بعد برقی یافتہ مالک میں اختیار کیا گیا ہے۔

انصاف  
میں مساوات

عدالت و انصاف کا ایک بڑا لازمہ عام مساوات کا لحاظ ہے یعنی ایوان عدالت میں شاہ و گدا، امیر و غریب، شریف و ذلیل، سب ہم رتبہ سمجھے جائیں۔ حضرت عمرؓ کو اس کا اس قدر اہتمام تھا کہ اسکے تجربہ اور امتحان کے لئے متعدد دفعہ خود عدالت

۱۷۰ تا ۱۷۱ لایا اور ۱۷۲ لایا۔ ۱۷۳ نفع القدر ماشیہ ہادیہ صنف ۲۲، ۱۷۴ اخبار القضاۃ لعمد بن خلف الکلیج۔

میں فریقِ مقدمہ بن کر گئے۔ ایک دفعہ ان میں اور ابّی بن کعب میں لچھڑا عھتی۔ ابّی نے زید بن ثابت کے ہاں مقدمہ دایر کیا۔ حضرت عمر مدعا علیہ کی حیثیت سے حاضر ہوئے۔ زید نے تعظیمِ دی۔ حضرت عمر نے فرمایا یہ تمہارا پہلا ظلم ہے۔ یہ کھکرا ابّی کے برابر بیٹھ گئے۔ زید کے پاس کوئی ثبوت نہ تھا اور حضرت عمر کو دعویٰ سے انکار تھا۔ ابّی نے قاعدے کے موافق حضرت عمر سے قسم لینی چاہی۔ لیکن زید نے اُنکے رتبے کا پاس کر کے ابّی سے درخواست کی کہ امیر المؤمنین کو قسم سے معاف رکھو، حضرت عمر اس طرفداری پر نہایت رنجیدہ ہوئے۔ زید کی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ جب تک تمہارے نزدیک ایک عام آدمی اور عمر دونوں برابر نہ ہوں تم منصبِ قضا کے قابل نہیں سمجھے جاسکتے۔“

قضاۃ اور رائی کار روایتوں کے متعلق حضرت عمر نے جس قسم کے اصول اختیار کئے اُسکا یہ نتیجہ ہوا کہ اُنکے عہدِ خلافت میں بلکہ بنو امیہ کے دور تک عموماً قضاۃ ظلم و نا انصافی کے الزام سے پاک رہے۔ علامہ ابو ہلال عسکری نے کتاب الادا اہل میں لکھا ہے کہ اگر اسلام میں سب سے پہلے جس قاضی نے خلاف انصاف عمل کیا وہ ہلال بن ابی بڑ تھے (یہ بنو امیہ کے زمانے میں تھے)۔

آبادی کے لحاظ سے قضاۃ کی تعداد کافی تھی کیونکہ کوئی ضلع، قاضی سے حالی نہیں تھا اور چونکہ غیر مذہب والوں کو اجازت تھی کہ آپس کے مقدمات بطور خود فیصلہ کر لیا کریں اس لئے اسلامی عدالتوں میں اُن کے مقدمات کم آتے تھے اور اس

آبادی کے  
لحاظ سے قضا  
کی تعداد کا  
کافی ہونا

بنیاد پر ہر ضلع میں ایک قاضی کا ہونا بہر حال کافی تھا۔

ماہرین فن  
کی شہادت

صیغہ قضا اور خصوصاً اصول شہادت کے متعلق حضرت عمرؓ نے جو نادر باتیں ایجاد کیں اور جن کا بیان اُنکے اجتہادات کے ذکر میں آئیگا، ان میں ایک ماہرین فن کی شہادت تھی یعنی جو امر کسی خاص فن سے تعلق رکھتا تھا اس میں خاص اُس فن کے ماہر کا اظہار لیا جاتا تھا۔ مثلاً خطیبہ نے زبیر قان بن بدر کی ہجو میں ایک شعر لکھا جس سے صاف طور پر ہجو بنین ظاہر ہوتی تھی، زبیر قان نے حضرت عمرؓ کے ہاں مقدمہ رجوع کیا چونکہ یہ شعر و شاعری کا معاملہ تھا اور شاعرانہ اصطلاحیں اور طرزِ ادا عام بول چال سے الگ ہیں۔ حضرت عمرؓ نے حسان بن ثابت کو جو بہت بڑے شاعر تھے بلا کر پوچھا اور اُنکی رائے کے مطابق فیصلہ کیا۔ یہ طبع اشتباہ نسب کی صورت میں عینہ ناسون کے اظہار لئے۔ چنانچہ کنز العمال باب القذف میں اس قسم کے بہت سے مقدمات مذکور ہیں۔

فصل خصومات کے متعلق اگرچہ حضرت عمرؓ نے بہت سے آئین و اصول مقرر کئے لیکن یہ سب وہیں تک تھا جہاں تک انصاف کی ارزانی اور آسانی میں کوئی غلغلہ نہیں پڑ سکتا تھا، ورنہ سب سے مقدم انکو جس چیز کا لحاظ تھا وہ انصاف کا ارزان اور آسان ہونا تھا۔ آج کل مہذب ملکوں نے انصاف اور داری کو ایسی قیود میں جکڑ دیا ہے کہ دادخواہوں کو دعوے سے باز آنا اسکی بہ نسبت زیادہ آسان ہے۔ لیکن حضرت عمرؓ کے اصول اور آئین اس قدر سہل اور آسان تھے کہ انصاف کے حاصل کرنے میں ذرا بھی دقت

عدالت کا  
محاکمہ

انہیں ہو سکتی تھی۔ اور حضرت عمر کو خاص اس بات کا ہمیشہ لحاظ رہتا تھا۔ یہی مصلحت تھی کہ عدالت کے لئے خاص عمارتیں بنائیں بلکہ مسجدوں پر اکٹھا کیا کیونکہ مسجد کے مضموم میں جو تعلیم اور اجازت عام تھی وہ اور کسی عمارت میں پیدا نہیں ہو سکتی تھی۔ مقدمات کے رجوع کرنے میں کوئی صرف برداشت کرنا نہیں پڑتا تھا، عدالت کے دروازے پر کسی قسم کے روک ٹوک نہ تھی۔ تمام قضاۃ کو تاکید تھی کہ جب کوئی غریب اور مبتذل شخص مقدمہ کا فریق بن کر آئے تو اس سے نرمی اور کشادہ روائی سے پیش آئیں تاکہ اظہارِ مدعا میں اسپر مطلق خوف کا اثر نہ ہو۔

## انشا

عدالت کے تعلق یہ ایک نہایت ضروری صیغہ ہے جو آغاز اسلام میں قائم ہوا اور جسکی مثال، اسلام کے سوا اور کسین پائی نہیں جاتی۔ قانون کے جو مقدم اصول ہیں ان میں ایک یہ بھی ہے کہ ہر شخص کی نسبت یہ فرض کرنا چاہئے کہ قانون سے واقف ہے، یعنی مثلاً اگر کوئی شخص کوئی جرم کرے تو اسکا یہ عذر کام نہیں آسکتا کہ وہ اس فعل کا جرم ہو مانہیں جانتا تھا۔ یہ قاعدہ تمام دنیا میں مسلم ہے اور حال کے ترقی یافتہ ملکوں نے اسپر زیادہ زور دیا ہے۔ بے شبہ یہ قاعدہ صحیح ہے لیکن تعجب یہ ہے کہ اور قوموں نے اسکے لئے کسی قسم کی تدبیر اختیار نہیں کی، یورپ میں تعلیم اس قدر عام ہو چکی ہے لیکن اس درجے کو نہیں پہنچ سکی اور نہ پہنچ سکتی ہے کہ ہر شخص قانون دان بن جائے۔ کوئی جاہل شخص قانون کا کوئی مسئلہ جانتا چاہے تو اسکے لئے کوئی تدبیر نہیں۔ لیکن اسلام میں اسکا



ایک خاص محکمہ تھا جس کا نام محکمہ اِقتا تھا۔ اس کا یہ طریقہ تھا کہ نہایت لایت قانون دان یعنی فقہاء ہر حکم پر موجود تھے اور شخص کو فی مسئلہ دریافت کرنا چاہتا تھا ان سے دریافت کر سکتا تھا، ان پر فرض تھا کہ نہایت تحقیق کے ساتھ ان مسائل کو بتائیں۔ اس صورت میں گویا ہر شخص جب چاہے قانون کے مسائل سے واقف ہو سکتا تھا اور اس لئے کوئی شخص یہ عذر نہیں کر سکتا تھا کہ وہ قانون کے مسئلے سے ناواقف تھا۔ یہ طریقہ آغاز اسلام میں خود بخود پیدا ہوا اور اب تک قائم ہے۔ لیکن حضرت عمر کے عہد میں جس پابندی کے ساتھ اسپر عمل رہا زمانہ مابعد بلکہ ان سے پہلے حضرت ابو بکر کے عہد میں بھی نہیں ہوا۔ اس طریقے کے لئے سب سے ضروری امر یہ ہے کہ عام اجازت نہ ہو بلکہ خاص خاص قابل لوگ اِقتا کے لئے نامزد کرنے جائیں تاکہ ہر کس و نا کس غلط مسائل کی ترویج نہ کر سکے۔ حضرت عمر نے اس تخصیص کو ہمیشہ ملحوظ رکھا جن لوگوں کو انھوں نے اِقتا کی اجازت دی مثلاً حضرت علی - حضرت عثمان - معاویہ بن جبل - عبدالرحمن بن عوف - ابی بن کعب - زید بن ثابت - ابو ہریرہ - ابو دردادہ - وغیرہ وغیرہ ان کے سوا اور لوگ فتوے دینے کے مجاز نہ تھے، شاہ ولی اللہ صاحب اِزالۃ الخفاء میں لکھتے ہیں ”سابق و عطا و فتوے موقوف بود بر اسے خلیفہ۔ بدون امر خلیفہ و عظمیٰ گفتند و فتوے نمی دادند و آخر بغیر توقف بر اسے خلیفہ و عظمیٰ گفتند و فتوے نمی دادند، تا یہ بخون میں اسکی بہت سی مثالیں موجود ہیں کہ جن لوگوں کو فتوے کی اجازت نہ تھی انھوں نے فتوے دئے تو حضرت عمر نے انکو منع کر دیا چنانچہ

حضرت عمر  
کے زمانے  
کے منہج

ایک دفعہ عبداللہ بن سعود کے ساتھ بھی یہ واقعہ گذرا۔ بلکہ انکو میان تک احتیاط تھی کہ مقرر شدہ مفتیوں کی بھی جانچ کرتے رہتے تھے۔ حضرت ابوہریرہ سے بار بار پوچھا کہ تم نے اس مسئلے میں کیا فتوے دیا؟ اور جب انھوں نے اپنا جواب بیان کیا تو فرمایا کہ اگر تم اس مسئلے کا اور کچھ جواب دیتے تو آئندہ تم کبھی فتوے کے مجاز نہ ہوتے۔“

دوسرا امر جو اس طریقے کے لئے ضرور ہے یہ ہے کہ مفتیوں کے نام کا اعلان کر دیا جائے اس وقت گزٹ اور اخبار تو نہ تھے لیکن مجالس عامہ میں جن سے بڑھکر اعلان عام کا کوئی ذریعہ نہ تھا حضرت عمرؓ نے بار بار اسکا اعلان کیا شام کے سفر میں بقیام جا بیہ۔ بے شمار آدمیوں کے سامنے جو مشہور خطبہ پڑھا اُس میں یہ الفاظ بھی فرمائے۔

من اراد القرآن فلیأت ابیاً ومن اراد ان یسال الفرائض فلیأت زیداً ومن اراد ان یسال عن الفقه فلیأت معاذ	یعنی جو شخص قرآن سیکھنا چاہے تو ابی بن کعب کے پاس اور فرائض کے متعلق کچھ پوچھنا چاہے تو زید کے پاس۔ اور فقہ کے متعلق پوچھنا چاہے تو معاذ کے پاس جائے۔
--	---

### فوجداری اور پولیس

جہاں تک ہم تحقیق کر سکے، مقدمات فوجداری، کے لئے حضرت عمرؓ نے کوئی جدا محکمہ نہیں قائم کیا، بعض قسم کے مقدمات مثلاً زنا، اور سرقت۔ قضاۃ کے ہاں فیصلہ ہوتے تھے، اور ابتدائی قسم کی تمام کارروائیاں پولیس سے متعلق تھیں، پولیس کا صیغہ نے مستقل طور پر قائم ہو گیا تھا اور اس وقت اسکا نام **أجوش** تھا چنانچہ افسر پولیس کو صاحب الامد **أجوش** کہا جاتا تھا۔

کہتے تھے، بحرین پر حضرت عمرؓ نے قدامت بن مطعون اور حضرت ابو ہریرہؓ کو مقرر کیا تو قدامت کو تحصیل مالکذاری کی خدمت دی اور حضرت ابو ہریرہؓ کو تصریح کے ساتھ پولیس کے افسار بنائے، احتساب کے متعلق جو کام ہیں مثلاً دکاندار ترازو میں دھوکا نہ دینے پائین، کوئی شخص سڑک پر مکان نہ بنائے، جانوروں پر زیادہ بوجھ نہ لاداجائے، شراب علانیہ نہ کھنے پائے وغیرہ ان تمام امور کا کافی انتظام تھا اور اسکے لئے ہر جگہ اہلکار اور افسر مقرر تھے لیکن یہ پتہ نہیں چلتا کہ احتساب کا مستقل صیغہ قائم ہو گیا تھا یا یہ خدمتیں بھی صاحب الاحداث سے متعلق تھیں، کثر العمال میں جہان ابن سعد کی یہ روایت نقل کی ہے کہ حضرت عمرؓ نے بازار کی نگرانی کے لئے عبداللہ بن عتبہؓ کو مقرر کیا تھا وہاں لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ کا فیصل عمدہ احتساب کا ماخذ ہے۔

جیلخانہ کی  
ایجاد

اس صیغہ میں حضرت عمرؓ کی ایک ایجاد یہ ہے کہ جیلخانہ بنوائے ورنہ ان سے پہلے عرب میں جیلخانہ کا نام و نشان نہ تھا اور یہی وجہ تھی کہ سزائیں سخت دی جاتی تھیں حضرت عمرؓ نے اول مکہ معظمہ میں صفوان بن امیہ کا مکان چار ہزار درہم پر خریدا اور اسکو جیلخانہ بنایا۔ پھر اور اضلاع میں بھی جیلخانہ بنوائے علامہ بلاذریؒ کی تصحیح سے معلوم ہوتا ہے کہ کوفہ کا جیلخانہ نزل سے بناتھا، اسوقت تک صرف مجرم قید خانے میں رکھے جاتے تھے لیکن دور خلافت کے بعد قاضی شریح مدیونون کو بھی قید کی سزا دیتے تھے اور جیلخانہ میں بھجواتے تھے۔

جیلخانہ تعمیر ہونے کے بعد بعض بعض سزاؤں میں بھی تبدیلی ہوئی مثلاً ابو محجن ثقفی بار بار شراب پینے کے جرم میں ماخوذ ہوئے تو اخیر دفعہ حضرت عمرؓ نے اُن کو حد کی بجائے قید کی سزا دی۔

جلا وطنی کی سزا بھی حضرت عمرؓ کی ایجاد ہے چنانچہ ابو محجن کو حضرت عمرؓ نے یہ سزا بھی دی تھی اور ایک جزیرہ میں بھیج دیا تھا۔

جلا وطنی کی  
سزا

## بیت المال (یا) خزانہ

یہ ضیعغہ بھی حضرت عمرؓ کی ذات سے وجود میں آیا۔ اُن حضرت کے زمانے میں سب سے اخیر جو رقم وصول ہوئی وہ بحرین کا خراج تھا جسکی تعداد آٹھ لاکھ درہم تھی لیکن اُن حضرت نے یہ کل رقم ایک ہی جلسہ میں تقسیم کر دی حضرت ابو بکرؓ نے بھی اپنی خلافت میں کوئی خزانہ نہیں قائم کیا بلکہ جو کچھ غنیمت کا مال آیا اسی وقت لوگوں کو بانٹ دیا چنانچہ پہلی سال ۱۰-۱۰ درہم اور دوسری سال ۲۰-۲۰ درہم ایک ایک شخص کے حصے میں آئے۔ یہ کتاب الاوائل اور ابن سعد کی روایت ہے۔ ابن سعد کی ایک دوسری روایت ہے کہ حضرت ابو بکرؓ نے ایک مکان بیت المال کے لئے خاص کر لیا تھا لیکن وہ ہمیشہ بند پڑا رہتا تھا کیونکہ جو کچھ آتا اسی وقت تقسیم کر دیا جاتا تھا اور اسکی نوبت نہیں پہنچتی تھی کہ خزانے میں کچھ داخل کیا جائے۔ وفات کے وقت بیت المال کا جائزہ لیا گیا تو صرف ایک درہم نکلا۔

بیت المال  
پہلے نہ تھا

تقریباً ۱۰ سال میں حضرت ابو ہریرہؓ کو حضرت عمرؓ نے بحرین کا عامل مقرر کیا وہ تمام

۱۰ سالہ مال کا ذکر ابو محجن ثقفی۔

بیت المال  
کس نے  
قائم ہوا

میں پانچ لاکھ کی رقم اپنے ساتھ لائے، حضرت عمرؓ نے مجلس شوریٰ کا اجلاس عام کر کے کہا کہ ایک رقم تشریف بھرتی سے آئی ہے، آپ لوگوں کی کیا مرضی ہے، حضرت علیؓ نے اسے دی کہ جو رقم آئے وہ سال کی سال تقسیم کر دیجائے اور خزانے میں جمع نہ رکھی جائے۔ حضرت عثمانؓ نے اس کے خلاف اسے دی، ولید بن ہشام نے کہا میں نے سلاطین شام کو ان دیکھا ہے کہ خزانہ اور دفتر کا جدا جدا محکمہ قائم ہے۔

آج کل کا زمانہ ہوتا تو غیر مذہب والوں کی نام سے اجتناب کیا جاتا لیکن حضرت عمرؓ نے اسے کو پسند کیا اور بیت المال کی بنیاد ڈالی۔ سب سے پہلے دار الخلافہ یعنی مدینہ منورہ میں بہت بڑا خزانہ قائم کیا اور چونکہ اسکی نگرانی اور حساب کتاب کے لئے نہایت قابل اور دیانت دار آدمی کی ضرورت تھی عبداللہ بن ارقم کو جو نہایت معزز صحابی تھے اور لکھنے پڑھنے میں کمال رکھتے تھے، خزانہ کا افسر مقرر کیا۔ اس کے ساتھ اور اہل حق لوگ ان کے ماتحت مقرر کئے جن میں سے عبدالرحمان بن عبید القاری اور معیت بھی تھے۔ معیت کو یہ شرف حاصل تھا کہ وہ رسول اللہ کے انگشتی بردار تھے اور اس وجہ سے ان کی دیانت اور امانت ہر طرح پر قطعی اور مسلم الثبوت تھی۔

دار الخلافہ کے علاوہ تمام صوبجات اور صدر مقامات میں بیت المال قائم کئے اور اگرچہ وہاں کے اعلیٰ حکام کو ان کے متعلق ہر قسم کے اختیارات حاصل تھے لیکن بیت المال کا محکمہ بالکل الگ ہوتا تھا اور اس کے افسر جدا گانہ ہوتے تھے، مثلاً اصفہان میں خالد بن خرش

بیت المال  
کی عمارتیں

اور کوفہ میں عبد اللہ بن مسعود خاص خزانہ کے افسر تھے۔ حضرت عمرؓ اگرچہ تعمیر کے باب میں نہایت کفایت شناسی کرتے تھے لیکن بیت المال کی عمارتیں مستحکم اور شاندار بنوائیں، کوفہ میں بیت المال کے لئے اول ایک محل تعمیر ہوا جسکو روز بہ ایک مشہور مجوسی مہمار نے بنایا تھا اور جب کا معمار لمحہ خسرو ان فارس کی عمارت سے آیا تھا۔ لیکن جب اسین نقب کے ذریعے سے چوری ہوئی تو حضرت عمرؓ نے سعد وقاص کو لکھا کہ مسجد کی عمارت، بیت المال سے ملا دی جائے کیونکہ مسجد نمازیوں کی وجہ سے ہمیشہ آباد رہے گی اور ہر وقت لوگوں کا مجمع رہے گا۔ چنانچہ سعد وقاص کے حکم سے روز بہ نئے بیت المال کی عمارت کو اس قدر وسیع کیا کہ مسجد سے مل گئی۔ اور اس طرح چوری وغیرہ کی طرف سے اطمینان ہو گیا۔

معلوم ہوتا ہے کہ زمانہ مابعد میں زیادہ احتیاط کے لحاظ سے خزانے پر سپاہیوں کا پہرہ بھی رہنے لگا تھا۔ بلاذری نے لکھا ہے کہ جب طلحہ وزہیر حضرت علیؓ سے باغی ہو کر بصرہ میں آئے اور خزانے پر قبضہ کرنا چاہا تو سیاحیہ کے ۴۰ سپاہی خزانہ کے پہرے پر تعین تھے اور انھوں نے طلحہ وزہیر کے ارادے کی مزاحمت کی۔ سیاحیہ کی نسبت اسی موقع نے تصحیح کی ہے کہ وہ سندھ سے گرفتار ہو کر آئے تھے اور ایرانیوں کی فوج میں داخل تھے، حضرت عمرؓ کے زمانے میں جب ایران فتح ہوا تو یہ قوم مسلمان ہو گئی اور ابو موسیٰ نے انکو بصرہ میں آباد کرایا۔

صوبجات اور اضلاع میں جو خزانے تھے انکا یہ انتظام تھا کہ جس قدر رقم وہاں کے ہر قسم کے مصارف کے لئے ضروری ہوتی تھی رقم لی جاتی تھی باقی سال کے ختم ہونیکے بعد

صدر خزانہ یعنی مدینہ منورہ کے بیت المال میں بھیج دی جاتی تھی چنانچہ اسکے متعلق شمال کے نام حضرت عمر کے تاکید کی احکام آتے رہتے تھے۔ یہ دریافت کرنا مشکل ہے کہ ہر جگہ کے خزانے میں کس قدر رقم محفوظ رہتی تھی، مورخ یعقوبی کی تصحیح سے اس قدر معلوم ہے کہ دارالخلافہ کے خزانے سے۔ خاص دارالخلافہ کے باشندوں کو جو تنخواہیں اور وظائف وغیرہ مقرر تھے اسکی تعداد تین کروڑ سالانہ تھی۔

جو رقم دارالخلافہ کے خزانے میں رہتی تھی

بیت المال کی حفاظت اور نگرانی میں حضرت عمر کو جو اہتمام تھا اسکے متعلق تاریخون میں بہت سے دلچسپ واقعات ہیں جنکی تفصیل ہم نظر انداز کرتے ہیں۔

## پبلک ورک یا نظارت نافعہ

یہ صیغہ مستقل حیثیت سے زمانہ حال کی ایجاد ہے اور یہی وجہ ہے کہ عربی زبان میں اسکے لئے کوئی اصطلاحی لفظ نہیں۔ مصر و شام میں اسکا ترجمہ نظارت نافعہ کیا گیا ہے۔ اہل سینے میں مفصلہ ذیل چیزیں داخل ہیں۔ سرکاری عمارات۔ نہریں۔ سڑکیں۔ پبل شفاخانے۔ حضرت عمر کے زمانے میں اسکے لئے کوئی مستقل صیغہ نہیں قائم ہوا تھا۔ لیکن شفاخانوں کے سوا اس صیغے کے متعلق اور عینی چیزیں ہیں سب موجود تھیں اور نہایت منظم اور وسیع طور پر تھیں۔

زراعت کی ترقی کے لئے۔ حضرت عمر نے جس قدر نہریں طیار کرائیں انکا مختصر حال

عمر بن العاص گورنر مصر کو فرمان لکھا تھا میں یہ افادہ حقے فاؤ حاصل ایک وجہ اخراجت عمارتیں و مایحتاج الیہ

ما لابز ثم انظر فیا فضل بیدلک فاعلم انی دکتر المال بوالدین سعد۔ جلد سوم صفحہ ۱۴۳۔

ہم صیفہ رحمہماصل کے بیان میں لکھ آئے ہیں۔ یہاں ان نرون کا ذکر کرتے ہیں جو راعت کے صیفہ سے مخصوص نہ تھیں۔

نہربانی موسیٰ۔ یہ نہرہ میل کی لمبی تھی جسکی طیاری کی تاریخ یہ ہے کہ ایک دفعہ بصرہ کے لوگ ڈپوٹیشن کے طور پر حضرت عمر کے پاس حاضر ہوئے، حضرت عمر نے معمول کے موافق ایک ایک سے حالات پوچھے۔ انہیں حنیف بن قیس بھی تھے۔ انہوں نے نہایت پراثر تقریر میں جو کتابوں میں بالفاظہا منقول ہے اس بات کی شکایت کی کہ بصرہ بالکل

شورستان ہے اور پانی ۶ میل سے لانا پڑتا ہے۔ حضرت عمر نے اسی وقت ابو موسیٰ اشعری کے نام اس ضمن میں حکم بھیجا کہ بصرہ کے لوگوں کے لئے نہر کھدوا دی جائے چنانچہ دو جگہ سے ۵ میل لمبی نہر کاٹ کر بصرہ میں لائی گئی جسکے ذریعے سے گھر گھریابی کی افراط ہوئی۔ نہر مقل یہ ایک مشہور نہر ہے جسکی نسبت عربی میں یہ مثل مشہور ہے اذا جاء نهر الله

بطل نهر مقل۔ یہ نہر بھی دو جگہ سے کاٹ کر لائی گئی تھی اور چونکہ اسکی طیاری کا اہتمام مقل بن یسار کو سپرد کیا گیا تھا جو ایک مقدس صحابی تھے اس لئے انھنی کے نام سے مشہور ہو گئی۔

نہر سعد۔ اس نہر کے لئے انبار والوں نے پہلے شہنشاہ فارس سے درخواست کی تھی۔ اسلام کا زمانہ آیا تو ان لوگوں نے سعد وقاص (گورنر کوفہ) سے خواہش ظاہر کی کہ سعد نے سعد بن عمر کو مامور کیا، انھوں نے بڑے اہتمام سے کام لگایا لیکن کچھ دور تک نہ بچکر ایک پہاڑیچ میں آگیا اور وہیں چھوڑ دی گئی۔ پھر حجاج نے اپنے زمانے میں پہاڑ کاٹ کر

حضرت عمر  
نے جو نہر  
مقل بن یسار

نہر مقل

نہر سعد



بقیہ کام پورا کیا تاہم نرسعد ہی کے نام سے مشہور ہوئی۔

سب سے بڑی اور فائدہ رسان نرجو حضرت عمر کے خاص علم سے بنی وہ نہر تھی جو نہر امیر المومنین کے نام سے مشہور ہے اور جس کے ذریعے سے دریائے نیل کو بحر قلم سے ملا دیا گیا تھا۔ اسکی مختصر تاریخ یہ ہے کہ سنہ ۱۱۰ میں جب تمام عرب میں قحط پڑا تو حضرت عمر نے تمام ضلعا کے حکام کو لکھا کہ ہر جگہ سے کثرت کے ساتھ غلہ اور ناج روانہ کیا جائے۔ اگرچہ اس حکم کی فوراً تعمیل ہوئی لیکن شام اور مصر سے خشکی کا جو راستہ تھا بہت دور دراز تھا۔ اس لئے غلہ کے بھیجنے میں پھر بھی دیر لگی۔ حضرت عمر نے ان قوتوں پر خیال کر کے، عمرو بن العاص دگورز مصر کو لکھا کہ مصر کے باشندوں کی ایک جماعت ساتھ لیکر دار الخلافہ میں حاضر ہو جب وہ آئے تو فرمایا کہ دریائے نیل اگر سمندر سے ملا دیا جائے تو عرب میں قحط و گرائی کا کبھی اندیشہ نہ ہوگا۔ ورنہ خشکی کی راہ غلہ کا آنا وقت سے خالی نہیں۔ عمرو نے واپس جا کر کام شروع کر دیا اور فسطاط سے (جو قہارہ سے دس بارہ میل ہے) بحر قلم تک نہر طیار کرانی۔ اس ذریعے سے دریائے نیل جو فسطاط کے نیچے بہتا ہے بحر قلم میں مل گیا۔ جہازات، نیل سے چلکر قلم میں آتے تھے اور بیان سے جا رہے پتھر لنگر کرتے تھے جو مدینہ منورہ کا بندر گاہ تھا۔ یہ نہر تقریباً ۶۹ میل لمبی تھی اور تعجب یہ ہے کہ چھ مہینے میں بنکر طیار ہو گئی، چنانچہ پہلی ہی سال ۲۰ بڑے بڑے جہاز جن میں ساٹھ ہزار اردب غلہ بھرا ہوا تھا اس نہر کے ذریعے سے مدینہ منورہ کے بندر گاہ میں آئے، یہ نہر تون تک جاری رہی اور اسکے ذریعے سے مصر کی تجارت کو نہایت ترقی ہوئی، عمر بن عبدالعزیز کے بعد عمالوں نے بے پروائی کی اور وہ

نہر امیر المومنین

جایا سے اٹ گئی یہاں تک کہ مقام ذنب المتسلح تک اگر بالکل بند ہو گئی۔ ششامین منصوبہ سی نے ایک ذاتی مصلحت سے اسکو بند کر دیا لیکن بعد کو پھر جاری ہو گئی اور مدتوں تک جاری رہی۔ ایک عجیب و غریب بات یہ ہے کہ عمرو بن العاص نے بحر روم و بحر قلزم کو براہ راست ملادینے کا ارادہ کیا تھا چنانچہ اسکے لئے موقع اور جگہ کی تجویز بھی کر لی تھی اور چاہا تھا کہ فرما کے پاس سے جہان سے بحر روم و بحر قلزم میں صرف ۱۰ میل کا فاصلہ رہ جاتا ہے نہ نکال کر دو نو دریاؤں کو ملا دیا جائے، لیکن حضرت عمر کو جب انکے ارادے سے اطلاع ہوئی تو ناراضا مندی ظاہر کی اور لکھ بھیجا کہ اگر ایسا ہوا تو یونانی، جہازوں میں اگر جیونکوٹرایا بیٹھیں، اگر عمرو بن العاص کو اجازت ملی ہوتی تو نہر سوزی کی ایجاد کا فخر حقیقت عرب کے حصے میں آتا۔

عمارات جو حضرت عمر نے تعمیر کرائیں تین قسم کی تھیں

- (۱) مذہبی۔ جیسے مساجد وغیرہ۔ انکا بیان تفصیل کے ساتھ مذہبی صیغے میں آئیگا۔ یہاں اسقدر کہنا کافی ہے کہ بقول صاحب روضۃ الاحباب چار ہزار مسجدیں، تعمیر ہوئیں۔
- (۲) فوجی۔ جیسے قلعے، چھاؤنیاں۔ بارکین، انکا بیان فوجی انتظامات کے بیان میں آئیگا۔
- (۳) ملکی۔ مثلاً دارالامارۃ وغیرہ۔ اس قسم کی عمارتوں کے تفصیلی حالات معلوم نہیں لیکن انکی اقسام کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

(۱) دارالامارۃ یعنی صوبکات اور اضلاع کے حکام جہاں قیام رکھتے تھے اور جہاں انکا دفتر

حضرت عمر نے  
جو عمارتیں بنائیں  
کرائیں

۱۔ تفصیل حسن الحاضرة سیوطی صفحہ ۹۳ و ۹۴ و مغربی جلد اول صفحہ ۱۷۔ و جلد دوم صفحہ ۲۹ تا ۳۱ میں ہے۔

۲۔ تقویم البلدان ابو الفدا صفحہ ۱۰۹۔

دارالامارہ رہتا تھا، کوفہ و بصرہ کے دارالامارۃ کا حال طبری و بلاذری نے کسی قدر تفصیل کے ساتھ لکھا ہے۔

(۲) ویوان - یعنی جہان و فتر کے کاغذات رہتے تھے۔ فوج کا دفتر بھی اسی مکان میں رہتا تھا۔

(۳) بیت المال یعنی خزانے کا مکان۔ یہ عمارت مضبوط اور مستحکم ہوتی تھی۔ کوفہ کے بیت المال کا ذکر بیت المال کے حال میں گزر چکا۔

(۴) قید خانے - مدینہ منورہ کے قید خانے کا حال - صیغہ پولیس کے بیان میں گزر چکا۔ بصرہ میں جو قید خانہ تھا وہ دارالامارۃ کی عمارت میں شامل تھا۔

(۵) مہمان خانے - یہ مکانات اس لئے تعمیر کئے گئے تھے کہ باہر والے جو دو چار روز کے لئے شہر میں آجاتے تھے وہ ان مکانات میں ٹھہرائے جاتے تھے۔ کوفہ میں جو مہمان خانہ بنا اسکی نسبت علامہ بلاذری نے لکھا ہے اعر عثمان بنیخذلن میں دمن الافاق داسراً نکانوا یزولونہا مدینہ منورہ کا مہمان خانہ سلمہ حنین تعمیر ہوا چنانچہ ابن حبان نے کتاب التقات میں اسکا تذکرہ کیا ہے۔

اس موقع پر یہ بتا دینا ضرور ہے کہ عمارتوں کی نسبت یہ نہیں خیال کرنا چاہئے کہ بڑی شان و شوکت کی ہوتی تھیں اسلام - فضول تکلفات کی اجازت نہیں دیتا۔ زمانہ مابعد میں جو کچھ ہوا ہوا لیکن اس وقت تک اسلام بالکل اپنی سادہ اور اصلی صورت میں تھا اور حضرت

عمر کو نہایت اہتمام تھا کہ یہ سادگی جانے نہ پائے۔ اسکے علاوہ اس وقت تک بیت المال پر حاکم وقت کو آزادانہ اختیارات حاصل نہ تھے۔ بیت المال تمام قوم کا سرمایہ سمجھا جاتا تھا اور لوگ اُسکا اصلی مصرف یہ سمجھتے تھے کہ چونہ پتھر کے بجائے زیادہ تر آدمیوں کے کام تھے یہ خیال بدتون تک رہا اور اسی کا اثر تھا کہ جب ولید بن عبد الملک نے دمشق کی جامع مسجد پر ایک رقم کثیر صرف کر دی تو عام ناراضی پھیل گئی اور لوگوں نے علانیہ کہا کہ بیت المال کے روپیہ کا یہ مصرف نہیں ہے۔ بہر حال حضرت عمر کے زمانے میں جو عمارتیں بنیں وہ عموماً اینٹ اور گارے کی تھیں۔ بصرہ کا ایوان حکومت بھی اسی حیثیت کا تھا، البتہ فوجی عمارتیں نہایت مضبوط اور مستحکم ہوتی تھیں۔

سڑکوں کا انتظام

سڑکوں اور پلوں کا انتظام اگرچہ نہایت عمدہ تھا لیکن براہ راست حکومت کے اہتمام میں نہیں تھا۔ مفتوحہ قوموں سے جو معاہدہ ہوتا تھا اس میں یہ شرط بھی ہوتی تھی کہ وہ سڑک اور پل وغیرہ اپنے اہتمام اور اپنے صرف سے بنوائیگی۔ حضرت ابو عبیدہ نے شام فتح کیا تو شرائط صلح میں یہ امر بھی داخل تھا۔

مکہ معظمہ اگرچہ بدتون سے قبلہ گاہ خلائق تھا لیکن اسکے راستے بالکل ویران اور بے آب تھے۔ حضرت عمرؓ مدینہ میں جب مکہ معظمہ گئے تو انکی اجازت سے مدینہ سے لیکر مکہ تک ہر ہر منزل پر چوکیاں اور سرزمین اور چشمے طیار ہوئے۔ شاہ ولی اللہ صاحب

ابو عبیدہ سے  
مدینہ منورہ  
تک چوکیاں  
اور سرزمین

۱۔ فتح البلدان صفحہ ۲۲۰۔ ۲۔ کتاب الخراج صفحہ ۱۰۰ میں ہے و علی ان علیہم ارشاد اتصال و بناء القناطر علی الانہا

من موالہم تاریخ طبری واقعات صفحہ ۲۴۰ میں سڑکوں اور پلوں کا ذکر ہے ۳۔ طبری صفحہ ۲۵۲ و بلاذری صفحہ ۵۳۔

ازالہ الفخار میں لکھتے ہیں مد ازان جلہ آنکہ سائے بقصد عمرہ بہ مکہ محترمہ توجہ فرمود و نزدیک حرمات  
امر فرمود تا در منازلے کہ مابین حرمین واقع اند سایا و پناہما سازند و ہر چاہیکہ انباشتہ شدہ باشد  
آن را پاک کنند و صاف نمایند و در منازل کم آب چاہما را کنند تا بر حجاج با ستراحت تمام  
قطع مراحل میسر شود۔

## شہرون کا آباد کرنا

حضرت عمر کے زمانے میں جو جو شہر آباد ہوئے وہ جن ضرورتوں سے آباد ہوئے اور جو  
خصوصیتیں ان میں پیدا کی گئیں انکے لحاظ سے ہر شہر تاریخ اسلام کا ایک صفحہ کہا جاسکتا ہے  
انہیں سے بصرہ و کوفہ ایک مدت تک اسلامی آثار کے منظر رہے۔ عربی بخو کی بنیاد یسین پڑی  
بخو کے اصلی دارالعلوم ہی دو شہر تھے۔ جنفی فقہ جو آج تمام دنیا میں پھیلی ہوئی ہے اس کا  
شگ بنیاد کوفہ ہی میں رکھا گیا۔ ان اسباب سے ان شہرون کی بنیاد اور آبادی کا حال تفصیل  
سے لکھنا ناموزون نہوگا۔

اس کتاب کے پہلے حصے میں ہم لکھ آئے ہیں کہ فارس اور ہند کے بحری حملوں سے  
مطمئن رہنے کے لئے حضرت عمر نے سلمہ میں عبید بن غزو ان کو متعین کیا کہ بندر گاہ ابلہ  
کے قریب جہان بحر فارس کے خلیج کے ذریعے سے ہندوستان و فارس کے جہازات لنگر  
کرتے تھے ایک شہر بسائیں، زمین کا موقع اور منظر خود حضرت عمر نے بتا دیا تھا، عبیدہ اٹھ ستو  
آدیسون کے ساتھ روانہ ہوئے اور خریبہ میں آئے جہاں اب بصرہ آباد ہے۔ یہاں پہلے  
کھدست میدان پڑا ہوا تھا اور چونکہ زمین کنکریلی تھی اور اس پائس پانی اور چارہ کا سامان

تھا، عرب کے مذاق کے بالکل موافق تھی۔ غرض عقبہ نے بنیاد کی دنا میل ڈالی، اور مختلف قبایل کے لئے الگ الگ احاطہ کھینچ کر گھاس اور پھونس کے مختصر مکانات بنوائے۔ عاصم بن دلف کو مقرر کیا کہ جہان جہان جس قبیلے کو آنا مناسب ہو آتا رہیں۔ خاص سرکاری عمارتیں جو تعمیر ہوئیں انہیں سے مسجد جامع اور ایوان حکومت جسکے ساتھ دفتر اور قید خانہ کی عمارت بھی شامل تھی زیادہ ممتاز تھا۔ سلاطین آگ لگی اور بہت سے مکانات جل گئے۔ سعد بن وقاص نے جو اس وقت کوفہ کے گورنر تھے حضرت عمر کے پاس سفارت بھیجی اور اجازت طلب کی کہ نچتہ عمارتیں بنائی جائیں۔ حضرت عمر نے منظور کیا لیکن تاکید کی کہ کوئی شخص ایک مکان میں تین کمروں سے زیادہ نہ بنائے۔

بصرہ سے دریاے دجلہ دتل میل پر ہے اس لئے حضرت عمر نے حکم دیا کہ دجلہ سے بصرہ تک نہر کاٹ کر لائی جائے چنانچہ اسکا حال کسی قدر تفصیل کے ساتھ پبلک ورک کے بیان میں گذر چکا۔ بصرہ کی آبادی نہایت جلد ترقی کر گئی یہاں تک کہ زیاد بن ابی سفیان کو زبان حکومت

ملہ بھوک دھتیر عمو اہل منت یہ لکھتے ہیں کہ بصرہ عربی میں نرم پھری زمین کو کہتے ہیں اور یہاں کی زمین اسی قسم کی تھی لیکن بمجم البلدان میں ایک جوسی فاضل کا جو قول نقل کیا ہے وہ زیادہ قرین قیاس ہے۔ اسکے نزدیک اہل میں یہ لفظ بس راہ تھا جسکے معنی فارسی میں در بہت سے راستوں کے ہیں چونکہ یہاں بہت سی راہیں ہر طرف کو تھیں اس لئے اہل علم اسکو اس نام سے موسوم کرتے تھے۔ اسکی تصدیق زیادہ تر اس سے ہوتی ہے کہ اسکے آس پاس۔ شاہان عرب نے جو عمارتیں طبع کرکرا ہیں تھیں ان کے نام بھی دراصل فارسی رکھے تھے مثلاً خورنق جو دراصل غورنگاہ ہے اور سدر جو دراصل

مین، صرف اُن لوگوں کی تعداد جنکے نام فوجی رجسٹر میں درج تھے ۸۰ ہزار اور انکی آل اولاد ایک لاکھ ۲۰ ہزار تھی۔

یہاں کی خاک کو علم و فضل سے جو مناسبت تھی، اسکا اندازہ اس سے کرنا چاہئے کہ علوم عربیت کی بنیاد یہیں پڑی، دنیا میں سب سے پہلی کتاب جو عربی علم لغت میں لکھی گئی یہیں لکھی گئی جسکا نام کتاب العین ہے اور جو خلیل بصری کی تصنیف ہے۔ عربی علم عروض اور موسیقی کی بھی یہیں سے ابتدا ہوئی۔ علم نحو کا سب سے پہلا مصنف سیبویہ یہیں کا تعلیم یافتہ تھا۔ ایہ مجتہدین میں سے حسن بصری یہیں کی خاک سے پیدا ہوئے۔

دوسرا شہر جو بصرہ سے زیادہ مشہور ہوا کوفہ تھا۔ داین وغیرہ جب فتح ہو چکے تو سعد وقاص نے حضرت عمر کو خط لکھا کہ یہاں رہ کر اہل عرب کا رنگ روپ بالکل بدل گیا۔ حضرت عمر نے جواب میں لکھا کہ اہل عرب کو وہاں کی آب و ہوا اس نہیں آسکتی۔ ایسی جگہ تلاش کرنی چاہئے جو بڑی و بھری دونوں حیثیت رکھتی ہو چنانچہ سلمان و خدیفہ نے جو خاص اسی قسم کے کاموں پر مامور تھے۔ کوفہ کی زمین انتخاب کی، یہاں کی زمین ریتی اور کنکریلی تھی اور اسی وجہ سے اسکا نام کوفہ رکھا گیا۔ اسلام سے پہلے نعمان بن منذر کا خاندان جو عراق عرب کا فرمان روا تھا انکا پاس تخت یہی مقام تھا اور انکی مشہور عمارتیں خورنق اور سیدر وغیرہ اسی کے آس پاس واقع تھیں، منظر نہایت خوشنما اور دریاے فرات سے صرف ڈیڑھ دو میل کا فاصلہ تھا۔ اہل عرب اس مقام کو خُذْ اَلْعَدْر یعنی عارض محبوب کہتے تھے۔ کیونکہ وہ مختلف عمدہ مٹم کے عربی پھولوں مثلاً اُفْحَان - شَقَائِق - قِصُوم - خَزَامی - کاچن زار تھا۔

غرض سلسلہ عین اسکی بنیاد شروع ہوئی اور جیسا کہ حضرت عمرؓ نے قیصر کے ساتھ لکھا تھا ۴۰ ہزار آدمیوں کی آبادی کے قابل مکانات بنائے گئے۔ ہیلج بن مالک کے اہتمام سے عرب کے جداجدا قبیلے جداجدا محلوں میں آباد ہوئے۔ شہر کی وضع اور ساخت کے متعلق خود حضرت عمرؓ کا تحریری حکم آیا تھا کہ شارع ہاے عام ۴۰۔۴۰ بات اور اس سے گھٹ کر ۳۰۔۳۰ بات اور ۲۰۔۲۰ بات چوڑی رکھی جائیں اور گلیاں ۴۔۴ بات چوڑی ہوں، جامع مسجد کی عمارت جو ایک مربع بلند چوبترہ دے کر بنائی گئی تھی۔ اس قدر وسیع تھی کہ اس میں ۴۰ ہزار آدمی آسکتے تھے۔ اسکے ہر چہار طرف دور دور تک زمین کھلی چھوڑ دی گئی تھی۔

عمار تین اول گھانس پھونس کی بنیں لیکن جب آگ لگنے کا واقعہ پیش آیا تو حضرت عمرؓ نے اجازت دی اور اینٹ گارے کی عمارتیں طیار ہوئیں۔ جامع مسجد کے آگے ایک وسیع سائبان بنایا گیا جو دو سو بات لمبا تھا اور سنگ رخام کے ستونوں پر قائم کیا گیا تھا جو نوشیروانی عمارات سے نکال کر لائے گئے تھے۔ اس موقع پر یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ باوجود اس کے کہ دراصل نوشیروانی عمارت کا کوئی وارث نہ تھا اور اصول سلطنت کے لحاظ سے اگر کوئی وارث ہو سکتا تھا تو خلیفہ وقت ہوتا۔ لیکن حضرت عمرؓ کا یہ عدل و انصاف تھا کہ مجوسی رعایا کو ان ستونوں کی قیمت ادا کی گئی یعنی انکی تخمینہ قیمت پٹھری دہ آنکے جزیہ میں مجرا دی گئی۔ مسجد سے دو سو بات کے فاصلے پر ایوان حکومت تعمیر ہوا جس میں بیت المال یعنی خزانے کا مکان بھی شامل تھا۔ ایک مہمان خانہ عام بھی تعمیر کیا گیا جس میں باہر کے آئے ہوئے مسافر قیام کرتے تھے اور انکو بیت المال سے کھانا ملتا تھا۔



چند روز کے بعد بیت المال میں چوری ہو گئی اور چونکہ حضرت عمر کو ہر ہرزئی واقعہ کی خبر پہنچتی تھی انھوں نے سعد کو لکھا کہ ایوانِ حکومت مسجد سے ملا دیا جائے چنانچہ روزیہ نام ایک پارسی معمار نے جو مشہور استاد تھا اور تعمیرات کے کام پر مامور تھا نہایت خوبی اور موزونی سے ایوانِ حکومت کی عمارت کو بڑھا کر مسجد سے ملا دیا۔ سعد نے روزیہ کو مع اور کار گیروں کے اس صلے میں دربارِ خلافت کو روانہ کیا، حضرت عمر نے اسکی بڑی قدر دانی کی اور ہیشیہ کے لئے روزیہ مقرر کر دیا، جامع مسجد کے سوا ہر قبیلے کے لئے جدا جدا مسجدیں تعمیر ہوئیں۔ جو قبیلے آباد کئے گئے انہیں یمن کے بارہ ہزار اور نزار کے آٹھ ہزار آدمی تھے۔ اور قبائل جو آباد کئے گئے انکے نام حسب ذیل ہیں۔ سلیم۔ ثقیف۔ ہمدان۔ بحیلہ۔ نیم اللات۔ تغلب۔ بنو اسد۔ مخغ و کنذہ۔ ازد۔ فرزیہ۔ تیم و محارب۔ اسد و عامر۔ بجالہ۔ جدلیہ و اخلاط۔ جہینہ۔ بنج۔ ہوزن وغیرہ وغیرہ۔

یہ شہر حضرت عمر ہی کے زمانے میں اس عظمت و شان کو پہنچا کہ حضرت عمر اسکو اس سلام فرماتے تھے اور درحقیقت وہ عرب کی طاقت کا اصلی مرکز بن گیا تھا۔ زمانہ مابعد میں اسکی آبادی برابر ترقی کرتی گئی لیکن یہ خصوصیت قائم رہی کہ آباد ہونے والے عموماً عرب کی نسل سے ہوتے تھے مثلاً ۱۰۰۰۰۰ ہزار گھر خاص قبیلہ ربیعہ و مضر کے اور ۲۰۰۰۰ ہزار اور قبائل کے تھے۔ اہل یمن کے ۶ ہزار گھرانے علاوہ تھے۔

زمانہ مابعد کی تغیرات اور ترقیوں نے اگرچہ قدیم آثار کو قائم نہیں رکھا تاہم یہ کچھ کم متعجب کی بات نہیں کہ بعض بعض عمارات کے نشانات زمانہ دراز تک قائم رہے۔ ابن بطوطہ

جسے آٹھویں صدی میں اس مقدس مقام کو دیکھا تھا اپنے سفر نامہ میں لکھتا ہے کہ سعد بن وقاص نے جو ایوانِ حکومت بنایا تھا اسکی بنیاد اب بھی قائم ہے۔

اس شہر کی علمی حیثیت یہ ہے کہ فنِ نحو کی ابتدا یہیں ہوئی۔ یعنی ابوالاسود دؤلی نے اول اول نحو کے قواعد یہیں بیٹھ کر منضبط کئے۔ فقہ حنفی کی بنیاد یہیں پڑی۔ امام ابوحنیفہ صاحب نے قاضی ابویوسف وغیرہ کی شرکت سے فقہ کی جو مجلس قائم کی وہ یہیں قائم کی۔ حدیث و فقہ۔ اور علوم عربیت کے بڑے بڑے ائمہ فن جو بیان پیدا ہوئے ان میں ابراہیم نخعی۔ حماد۔ امام ابوحنیفہ۔ امام شعبی یا دگار زمانہ تھے۔

منظاط

منظاط۔ عمرو بن العاص نے جب اسکندریہ فتح کر لیا تو یونانی جو کثرت سے وہاں آباد تھے عموماً شہر چھوڑ کر نکل گئے، انکے مکانات خالی دیکھ کر عمرو بن العاص نے ارادہ کیا کہ اسی کو مستقر حکومت بنائیں۔ چنانچہ دربارِ خلافت سے اجازت طلب کی، حضرت عمر، دریا کے حائل ہونے سے بہت ڈرتے تھے۔ بصرہ و کوفہ کی آبادی کے وقت بھی افسردہ کو لکھا تھا کہ شہر جہاں بسایا جائے وہاں سے مدینہ تک کوئی دریا راہ میں نہ آئے، چونکہ اسکندریہ کی راہ میں دریا کے نیل پڑتا تھا اس لئے اسکو مستقر ریاست بنانا حضرت عمر نے ناپسند کیا۔ عمرو بن العاص۔ اسکندریہ سے چل کر مصر الشیمین آئے، یہاں انکا وہ خیمہ اب تک اسی حالت سے کھڑا تھا جسکو وہ اسکندریہ کے حملے کے وقت خالی چھوڑ گئے تھے، چنانچہ اسی خیمے میں اترے اور وہیں نئی آبادی کی بنیاد ڈالی۔ ہر ہر قبیلے کے لئے

۱۔ کوفہ و بصرہ کے حالات طبری۔ بلاذری۔ اور معجم البلدان سے لئے گئے ہیں۔

الگ الگ احاطے کھینچے اور معاویہ بن خنیج - شریک بن سمی - عمرو بن مخزوم - جویل بن ناشرة کو متعین کیا کہ جس قبیلے کو جہان مناسب سمجھیں آباد کریں - جس قدر محلے اس وقت تھے اور جو قبائل ان میں آباد ہوئے ان کے نام علامہ مقریزی نے تفصیل سے لکھے ہیں - جامع مسجد خاص اہتمام سے بنی - عام روایت ہو کہ ۸۰ صحابہ نے جمع ہو کر اسکے قبلہ کی سمت متعین کی ، ان صحابہ میں زبیر - مقداد - عبادہ - ابو دردار - اور بڑے بڑے اکابر صحابہ شریک تھے ، یہ مسجد ۵ گز لمبی اور ۳ گز چوڑی تھی ، تین طرف دروازے تھے جن میں سے ایک دار الحکومت کے مقابل تھا اور دونوں عمارتوں میں سات گز کا فاصلہ تھا -

عمرو بن العاص نے ایک مکان ، خاص حضرت عمر کے لئے تعمیر کرایا تھا لیکن جب حضرت عمر نے لکھ بھجا کہ میرے کس کام کا ہے تو وہاں بازار آباد کرایا گیا - چونکہ اس شہر کی آبادی خیمہ گاہ سے شروع ہوئی تھی اس لئے اس کا نام فسطاط پڑا جس کے معنی عربی میں خیمہ کے ہیں - آبادی کا سن ۲۱ ہجری ہے -

فسطاط کی  
دست آبادی

فسطاط نے نہایت جلد ترقی کی اور اسکندریہ کے بجائے مصر کا صدر مقام بن گیا - امیر معاویہ کے زمانے میں ۴۰ ہزار اہل عرب کے نام و فترین قلعہ بند تھے - موثق قضاعی کا بیان ہے کہ ایک زمانے میں یہاں ۳۶ مسجدیں ۸ ہزار ٹرکین ۱۰۰۰۰ اتھام تھے - اس کی وسعت اور ہر قسم کے سہولتوں کی کثرت کو مقریزی نے کئی صفحہ میں تفصیل سے لکھا ہے - مدت تک یہ شہر سلاطین مصر کا پای تخت اور تمدن و ترقی کا مرکز رہا - علامہ شباری جس نے چوتھی صدی میں دنیا کا سفر کیا تھا اس شہر کی نسبت اپنے جغرافیہ میں لکھا ہے تا سنج بغداد مفرحہ الاسلام - خزائن المغرب -

لیس فی الاسلام اکبر مجالس من جامعہ ولا احسن تجملاً من اہلہ ولا اکثر مرکب من ساحلہ یعنی یہ شہر بغداد کا ناسخ، مغرب کا خزانہ، اور اسلام کا فخر ہے تمام اسلام میں بیان سے زیادہ کسی جامع مسجد میں علمی مجلسیں نہیں ہوتیں۔ نہ یہاں سے زیادہ کسی شہر کے ساحل پر جہازات لنگر ڈالتے،

موسل

موصول یہ مقام اسلام سے پہلے بھی موجود تھا لیکن اس وقت اسکی حالت یہ تھی کہ ایک قلعہ اور اسکے پاس عیسائیوں کے چند معبد تھے، حضرت عمر کے عہد میں شہر کی حیثیت سے آباد ہوا، ہرثمہ بن عوف نے اسکی بنیاد رکھی اور قبائل عرب کے متعدد محلے آباد کئے، ایک خاص جامع مسجد بھی تعمیر کرائی۔ ملکی حیثیت سے یہ شہر ایک خاص حیثیت رکھتا ہے یعنی اسکے ذریعے سے مشرق اور مغرب کا ڈانڈا ملتا ہے اور شاید اسی مناسبت سے اسکا نام موصول رکھا گیا۔ یا قوت حموی نے لکھا ہے کہ یہ مشہور ہے کہ دنیا کے بڑے شہر تین ہیں، نیشاپور جو مشرق کا دروازہ ہے، اور دمشق جو مغرب کا دروازہ ہے، اور موصول جو مشرق و مغرب کا گذرگاہ ہے، یعنی آدمی کسی طرف جانا چاہے تو اسکو یہاں سے ضرور گزرنا پڑتا ہے۔

اس شہر نے بھی رفتہ رفتہ نہایت ترقی کی چنانچہ اسکی وسعت اور عظمت کے حالات بمعجم البلدان اور جغرافیہ بشاری وغیرہ میں تفصیل سے ملتے ہیں۔

جینرہ یہ ایک چھوٹا سا شہر ہے جو دریائے نیل کے غربی جانب فسطاط کے مقابل واقع ہے۔ عمرو بن العاص۔ اسکندریہ کی فتح کے بعد جب فسطاط میں آئے تو اس غرض کے لئے

جینرہ

کہ رومی، دریا کے طرف سے نہ چڑھ آئیں، تھوڑی سی فوج اس مقام میں متعین کر دی۔  
 حسین حمیر اور ازد و ہمدان کے قبیلے کے لوگ تھے۔ فسطاط کی آبادی کے بعد عمر  
 بن العاص نے ان لوگوں کو بلالینا چاہا لیکن انکو دریا کا منظر ایسا پسند آیا تھا کہ وہ یہاں  
 سے ہٹنا نہیں چاہتے تھے اور حجت یہ پیش کی کہ ہم جہاد کے لئے یہاں آئے تھے اور ایسے  
 عمدہ مقصد کو چھوڑ کر اور کمین نہیں جاسکتے۔ عمرو بن العاص نے ان حالات کی اطلاع حضرت  
 عمر کو دی، وہ اگرچہ دریا کے نام سے گھبراتے تھے لیکن مصلحت دیکھ کر اجازت دی اور ساتھ ہی  
 یہ حکم بھیجا کہ انکی حفاظت کے لئے ایک قلعہ تعمیر کیا جائے چنانچہ سلمہ میں قلعہ کی بنیاد پڑی  
 اور سلمہ میں بنکر طیار ہوا۔ یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ جب قلعہ بنا شروع ہوا تو قبیلہ  
 ہمدان نے کہا کہ ہم نامردوں کی طرح قلعہ کی بنیاد میں نہیں رہنا چاہتے، ہمارا قلعہ ہماری  
 تلوار ہے، چنانچہ یہ قبیلہ اور انکے ساتھ بعض اور قبیلوں نے قلعہ سے باہر کھلے میدان  
 میں دیرے ڈالے اور ہمیشہ وہیں رہے۔

حضرت عمر کی برکت سے یہ چھوٹا سا مقام بھی علمی حیثیت سے خالی نہیں رہا چنانچہ  
 بڑے بڑے محدث یہاں پیدا ہوئے انہیں سے بعض کے نام معجم البلدان میں مذکور ہیں۔

### صیغہ فوج

اسلام سے پہلے دنیا میں اگرچہ بڑی بڑی عظیم الشان سلطنتیں گزر چکی تھیں جنکی بعیتہ  
 یادگارین خود اسلام کے عہد میں بھی موجود تھیں۔ لیکن فوجی سسٹم جہاں جہاں تھا غیر منظم اور

۱۔ جنیرہ کے متعلق مقریزی نے نہایت تفصیل سے کام لیا ہے ۱۱

اصول سیاست کے خلاف تھا۔ روم کبیر میں جبکی سلطنت کسی زمانے میں تمام دنیا پر چھا گئی تھی فوج کے انتظام کا یہ طریقہ تھا کہ ملک میں جو لوگ نام و نمود کے ہوتے تھے اور سپہ گری و سپہ سالاری کا جو ہر رکھتے تھے انکو بڑی بڑی جاگیریں دی جاتی تھیں اور یہ عہد لیا جاتا تھا کہ جنگی مہمات کے وقت۔ اس قدر فوج لیکر حاضر ہونگے، یہ لوگ تمام ملک میں بھیلے ہوئے ہوتے تھے اور خاص خاص تعداد کی فوجیں رکھتے تھے، لیکن ان فوجوں کا تعلق براہ راست سلطنت سے نہیں ہوتا تھا۔ اور اس وجہ سے اگر یہ لوگ کبھی علم بغاوت بلند کرتے تھے تو انکی فوج انکے ساتھ ہو کر خود سلطنت کا مقابلہ کرتی تھی۔ اس طریقے کا نام فیوڈل سسٹم تھا اور یہ فوجی افسر بیرن کہلاتے تھے، اس طریقے نے یہ وسعت حاصل کی کہ بیرن لوگ بھی اپنے نیچے اس قسم کے جاگیردار اور علاقہ دار رکھتے تھے اور سلسلہ سلسلہ بہت سے طبقے قائم ہو گئے تھے، ایران میں بھی قریب قریب یہی دستور تھا، فارسی میں جنگو مزبان اور دہقان کہتے ہیں وہ اسی قسم کے جاگیردار اور زمیندار تھے، اس طریقے نے روم کی سلطنت کو دراصل برباد کر دیا تھا اور آج تو عام طور پر تسلیم ہے کہ یہ نہایت بُرا طریقہ تھا۔

فوجی نظام  
رومن اسپاہ  
میں

فوجی نظام  
فارسی میں

فوجی نظام  
فرانسیس میں

فرانس میں سولہ صدی تک فوج کی تنخواہ یا روزیہ کچھ نہیں ہوتا تھا۔ فتح کی لوٹ میں جو مل جاتا تھا وہی قریب ڈال کر تقسیم کر دیا جاتا تھا، اس زمانے کے بعد کچھ ترقی ہوئی تو وہی روم کا فیوڈل سسٹم قائم ہو گیا چنانچہ اسلام کے بعد سولہ صدی تک یہی طریقہ جاری رہا۔

عرب میں شاہان میں وغیرہ کے ہاں فوج کا کوئی منظم بندوبست نہیں تھا۔ اسلام کے آغاز تک اسکی ضرورت ہی نہیں پیش آئی، حضرت ابو بکر کے عہد میں صرف اس قدر ہوا

کہ خلافت کے پہلے سال غنیمت سے جس قدر بچا وہ سب لوگوں پر ۱۰-۱۰ روپے کے حساب سے تقسیم کر دیا گیا، دوسرے سال آمدنی زیادہ ہوئی تو یہ قلعہ اور نسل سے بنیں تک پہنچ گئی، لیکن نہ فوج کی کچھ تنخواہ مقرر ہوئی، نہ اہل فوج کا کوئی رجسٹر بنا، نہ کوئی محکمہ جنگ قائم ہوا، حضرت عمر کی اوائل خلافت تک بھی یہی حال رہا لیکن سلسلہ ہی میں حضرت عمر نے اس صیغے کو اس قدر منظم اور باقاعدہ کر دیا کہ اس وقت کے لحاظ سے تعجب ہوتا ہے۔

حضرت عمر  
فوجی نظام

حضرت عمر کے توجہ کرنے کے مختلف اسباب بیان کئے گئے ہیں۔ عام روایت یہ ہے کہ حضرت ابوہریرہ جو بحرین کے حاکم مقرر کئے گئے تھے پانچ لاکھ درہم لیکر مدینہ میں آئے اور حضرت عمر کو اسکی اطلاع دی، پانچ لاکھ کی رقم اس وقت اس قدر عجوبہ چیز تھی کہ حضرت عمر نے فرمایا: خیر ہے! کہتے کیا ہو؟ انھوں نے پھر پانچ لاکھ کہا، حضرت عمر نے فرمایا تم کو کتنی بھی آتی ہے؟ ابوہریرہ نے کہا ہاں، یہ ہلکے پانچ دفعہ لاکھ لاکھ کہا۔ حضرت عمر کو یقین آیا تو مجلس شروع کرے منعقد کی اور راسے پوچھی کہ اس قدر زر کثیر کیونکر صرف کیا جائے؟ حضرت علی، حضرت عثمان اور دیگر صحابہ نے مختلف تجویزیں پیش کیں، ولید بن ہشام نے کہا کہ میں نے شام کے دالیان ملک کو دیکھا ہے کہ انکے ہاں فوج کا دفتر اور رجسٹر مرتب رہتا ہے، حضرت عمر کو یہ راسے پسند آئی اور فوج کی اسم نویسی اور ترتیب دفتر کا خیال پیدا ہوا۔ ایک اور روایت میں ہے کہ راسے دہندہ نے سلاطین عجم کا حوالہ دیا اور یہی روایت قرین قیاس ہے کیونکہ جب دفتر مرتب ہوا تو اسکا نام دیوان رکھا گیا اور یہ فارسی لفظ ہے، - دبستان - دبیر

دفتر۔ دیوان۔ سب ایک مادہ کے الفاظ ہیں جنکا مشترک مادہ وب ایک پہلوی لفظ ہے جسکے معنی لگا رہنے کے ہیں۔

بہر حال سلسلہ میں حضرت عمرؓ نے فوج کا ایک مستقل محکمہ قائم کرنا چاہا، اس باب میں ان کی سب سے زیادہ قابل لحاظ جو تجویز تھی وہ تمام ملک کا فوج بنانا تھا۔ انھوں نے اس مسئلے کو کہ ہر مسلمان، فوج اسلام کا ایک سپاہی ہے، باقاعدہ طور سے عمل میں لانا چاہا لیکن چونکہ ابتدائے میں ایسی تقسیم ممکن نہ تھی اول قریش اور انصار سے شروع کیا۔ مدینہ منورہ میں اسوقت تین شخص بہت بڑے نساب اور حساب کتاب کے فن میں استاد تھے۔ مخزومہ بن نوفل، جیسیر بن مطعم، عقیل بن ابی طالب۔ علم الانساب عرب کا موروثی فن تھا۔ اور خاص کر یہ تینوں بزرگ اس فن کے لحاظ سے تمام عرب میں ممتاز تھے، حضرت عمرؓ نے انکو بلا کر یہ خدمت سپرد کی کہ تمام قریش اور انصار کا ایک دفتر تیار کریں جس میں ہر شخص کا نام و نسب مفصلاً درج ہو، ان لوگوں نے ایک نقشہ بنا کر پیش کیا جس میں سب سے پہلے بنو ہاشم پھر حضرت ابو بکر کا خاندان پھر حضرت عمر کا قبیلہ تھا، یہ ترتیب ان لوگوں نے خلافت و حکومت کے لحاظ سے قرار دی تھی لیکن اگر وہ قائم رہتی تو خلافت خود غرضی کا آلہ بن جاتی۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ دیون نہیں بلکہ آنحضرت کے قرابت داروں سے شروع کرو اور درجہ بدرجہ جو لوگ جس قدر آنحضرت سے

تمام ملک کا  
بنی بنا

۱۔ جافظ نے کتاب البیان والائین (جلد دوم صفحہ ۳۳ مطبوعہ معصومین لکھا ہے کہ تمام قریش میں چار شخص اشعار عرب اور

انساب و اخبار کے حافظ تھے مخزومہ بن نوفل، ابوالجهم، حویلیب بن عبد العزی، عقیل بن ابی طالب ۱۱



دور ہوتے گئے ہیں اسی ترتیب سے انکے نام آخرین لکھتے جاؤ یہاں تک کہ جب میرے قبیلے تک نوبت آئے تو میرا نام بھی لکھو۔ اس موقع پر یہ یاد رکھنا چاہئے کہ خلفائے اربعہ میں سے حضرت عمر کا نسب سب سے اخیر میں جا کر آنحضرت سے ملتا ہے، غرض اس ہدایت کے موافق رجسٹر تیار ہوا اور حسب ذیل تنخواہیں مقرر ہوئیں۔

تقسیم مراتب	تعداد و تنخواہ سالانہ
جو لوگ جنگ بدر میں شریک تھے۔	۵ ہزار درہم
مہاجرین حبش اور شرکاء جنگ احد۔	۴ ہزار درہم
فتح مکہ کے پہلے جن لوگوں نے ہجرت کی۔	۳ ہزار درہم
جو لوگ فتح مکہ میں ایمان لائے۔	۲ ہزار درہم
جو لوگ جنگ قادسیہ اور یرموک میں شریک تھے۔	۲ ہزار درہم
اہل یمن۔	۴۰۰ درہم
قادسیہ اور یرموک کے بعد کے مجاہدین۔	۳۰۰ درہم
بلا امتیاز مراتب۔	۲۰۰ درہم

جن لوگوں کے نام درج دفتر ہوئے انہی بیوی بچوں کی تنخواہیں بھی مقرر ہوئیں چنانچہ مہاجرین اور انصار کی بیویوں کی تنخواہ ۲۰۰ سے ۴۰۰ درہم تک اور اہل بدر کی

۱۰ تنخواہوں کی تفصیل جین مختلف روایتیں ہیں میں نے کتاب الخزانہ صفحہ ۲۴ و تقریری جلد اول صفحہ ۹۲ و جلد دوم صفحہ ۴۴ و بیوقوفی صفحہ

اولا و ذکر کی دو دو ہزار درہم مقرر ہوئی۔ اس موقع پر یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ جن لوگوں کی جو تنخواہ مقرر ہوئی اُنکے غلاموں کی بھی وہی تنخواہ مقرر ہوئی اور اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ اسلام کے نزدیک غلاموں کا کیا پایہ تھا؟

جس قدر آدمی و بیچ رہیڑہ ہوئے اگرچہ سب در حقیقت فوج کی حیثیت رکھتے تھے لیکن اُن کی دو تین قرار دی گئیں۔

اس موقع پر ایک امر نہایت توجہ کے قابل ہے وہ یہ ہے کہ سب سے ظاہر بینوں کا خیال ہے کہ حضرت عمرؓ نے تمام عرب کی جو تنخواہیں مقرر کیں اُسکو فوجی صیف سے چند ان تعلق نہیں بلکہ یہ رفاہ عام کی غرض سے تھا، لیکن یہ نہایت غلط خیال ہے، اور اُن تہماں موزنوں نے اس واقعہ کا نشانِ نزول بیان کیا ہے لکھا ہے کہ ولید بن شہام نے حضرت عمرؓ سے کہا کہ جیت الشام فرست ملو کھا قد دونوادیوانا و چندا جنداً قد دونوادیوانا و چندا جنداً بقولہ یعنی بنی نے شام کے بادشاہوں کو دیکھا ہے کہ وہ دفتر اور فوج رکھتے ہیں آپ بھی فتر بنائیے اور فوج مرتب کیجیے چنانچہ حضرت عمرؓ نے ولید کے قول پر عمل کیا،

دوسرے یہ کہ جن لوگوں سے جنگی خدمت نہیں لیجائی تھی اور قدیم جنگی خدمتوں کا استحقاق بھی نہیں رکھتے تھے حضرت عمرؓ کی تنخواہیں نہیں مقرر کرتے تھے اسی بنا پر کہ ان کے لوگوں کو تنخواہ نہیں ملتی تھی۔ خروج البلدان میں ہے ان عسکراں کا لا یعطی اہل مکہ عطاءً ولا یضرب علیہم عتاکہ یہی وجہ تھی کہ جب موانشین بدون نے حضرت ابو عبیدہؓ سے تنخواہ کی تقرری کی درخواست کی تو انھوں نے فرمایا کہ مہ تک آبادی میں رہنے والوں کی تنخواہیں مقرر نہ ہو جائیں موانشینوں کا روزیہ نہیں مقرر ہو سکتا،

البتہ اس میں شک نہیں کہ اول اول فوج کے رجسٹریں اور بھی بہت سی قسم کے لوگ شامل تھے مثلاً جو لوگ قرآن مجید حفظ کر لیتے تھے یا کسی فن میں صاحبِ کمال تھے، لیکن استقراء سے معلوم ہوتا ہے کہ رفتہ رفتہ یہ غلط محبت جو بغیر ضرورت اختیار کیا گیا تھا مٹا گیا چنانچہ اسی معنوں میں آگے اسکی بحث آتی ہے ۱۲

(۱) جو ہر وقت جنگی مہمات میں مصروف رہتے تھے۔ گویا یہ فوج نظام یعنی باقاعدہ فوج تھی۔  
 (۲) جو معمولاً اپنے گھروں پر رہتے تھے لیکن ضرورت کے وقت طلب کئے جاسکتے تھے، انکو عربی میں مطوعہ کہتے ہیں اور آج کل کی اصطلاح میں اس قسم کی فوج کو والنٹیر کہا جاتا ہے  
 القبتہ آنا فرق ہے کہ آج کل، والنٹیر تنخواہ نہیں پاتے۔

فوجی نظم و نسق کا یہ پہلا دیباچہ تھا اور اس وجہ سے اس میں بعض بے ترتیبیاں بھی تھیں۔  
 سب سے بڑا غلط بحث یہ تھا کہ فوجی تنخواہوں کے ساتھ پولیٹیکل تنخواہیں بھی شامل تھیں اور دونوں کا ایک ہی جسٹر تھا لیکن رفتہ رفتہ یعنی سلسلہ میں حضرت عمرؓ نے اس صیغے کو اس قدر مرتب اور منظم کر دیا کہ غالباً اس عہد تک کمین اور کسبی نہیں ہوا تھا۔ چنانچہ ہم ایک ایک جزئی انتظام کو اس موقع پر نہایت تفصیل سے لکھتے ہیں جس سے معلوم ہوگا کہ عرب کے ابتدائے تمدن میں انتظامات فوجی کی اس قدر شاخیں قائم کرنی اور ایک ایک شاخ کا اس حد تک مرتب اور باقاعدہ کرنا اسی شخص کا کام تھا جو فاروق اعظم کا لقب رکھتا تھا۔

اس صیغے میں سب سے مقدم اور اصولی انتظام ملک کا جنگی حیثیت سے مختلف حصوں میں تقسیم کرنا تھا، حضرت عمرؓ نے سلسلہ میں فوجی اور ملکی حیثیت سے ملک کی دو قسمیں کین ملکی اور فوجی ملکی کا حال دیوانی انتظامات کے ذکر میں گزر چکا۔ فوجی حیثیت سے چند بڑے بڑے فوجی مرکز قرار دئے جنکا نام جند رکھا اور یہی اصطلاح آج تک قائم ہے، انکی تفصیل یہ ہے۔

سلاہ بند کی تحقیق کیلئے دیکھو فتح البلدان صفحہ ۱۳۲۔ تاریخ معقربہ نے واقعات سلسلہ میں لکھا ہے کہ اس سال حضرت عمرؓ نے فوجی صدر مقامات قائم

کئے لیکن تاریخ مذکور نے صرف فلسطین۔ جزیرہ۔ موصل۔ اور قنسرين کا نام لکھا ہے یہ صحیح غلطی ہے۔

مدینہ - کوفہ - بصرہ - موصل - فسطاط مصر - دمشق - حمص - اردن - فلسطین - حضرت عمر کے زمانے میں فتوحات کی حد، اگرچہ بلوچستان کے ڈانڈے سے بل گئی تھی لیکن جو ممالک آئینی ممالک کہے جاسکتے تھے وہ صرف عراق مصر جزیرہ اور شام تھے، چنانچہ اسی اصول پر فوجی صدقات بھی انہی ممالک میں قائم کئے گئے۔ موصل جزیرہ کا صدر مقام تھا۔ شام کی وسعت کے لحاظ سے وہاں متعدد صدر مقام کرنے ضرور تھے اس لئے دمشق - فلسطین - حمص - اردن - چار صدر مقام قرار دئے۔ فسطاط کی وجہ سے جواب قاہرہ سے بدلیا ہے۔ تمام مصر پر اثر پڑتا تھا۔ بصرہ کوفہ - یہ دو شہر فارس اور خوزستان اور تمام مشرق کی فتوحات کے دروازے تھے۔

ان صدر مقامات میں جو انتظامات فوج کے لئے تھے حسب ذیل تھے۔

(۱) فوجوں کے رہنے کے لئے بارکین تھیں۔ کوفہ - بصرہ - فسطاط - یہ تینوں شہر تو دراصل فوج کے قیام اور بدو و باش کے لئے آباد ہی کئے گئے تھے۔ موصل میں عجمیوں کے زمانے کا ایک قلعہ اور چند گرجے اور معمولی مکانات تھے۔ ہرثمہ بن عوف نے ازدی (گور زموصل) نے حضرت عمر کی ہدایت کے بموجب داغ بیل ڈال کر اسکو شہر کی صورت میں آباد کیا اور عرب کے مختلف قبیلوں کے لئے جدا جدا محلے بسائے۔

فوجی بارکین

گھوڑوں کی پرورش

(۲) ہر جگہ بڑے بڑے مطبل خانے تھے جن میں چار چار ہزار گھوڑے ہر وقت ساز و سامان کے ساتھ طیار رہتے تھے۔ یہ صرف اس غرض سے مہیا رکھے جاتے تھے کہ دفعۃً ضرورت پیش آجائے تو ۳۲ ہزار سواروں کا رسالہ فوراً طیار ہو جائے۔ علامہ ابن

سہیل تاریخ طبری ص ۲۵۰ میں لکھا کہ اربعۃ الاف فرس محمد لکون ان کا ان شیتھا فی قبلة قصر الکوفۃ + والصلح نحو منھا اربعۃ مائۃ بن معاویۃ و فی کل صحن کلام صا لہ الثانیۃ علی قدر ما کان یحتاج الیہ لکون و لکن والان لیستعد الناس ۱۲

جزیرہ والون نے دفعۃً بغاوت کی تو یہی تدبیر کلیہ ظفر ٹھیری۔ ان گھوڑوں کی پرداخت اور تربیت میں بہت اہتمام کیا جاتا تھا۔ مدینہ منورہ کا انتظام حضرت عمرؓ نے خود اپنے اہتمام میں رکھا تھا۔ شہر سے چار منزل پر ایک چراگاہ طیار کرائی تھی اور خود اپنے غلام کو جس کا نام مہنی تھا اس کی حفاظت اور نگرانی کے لئے مقرر کیا تھا۔ ان گھوڑوں کی رانوں پر دافع کے ذریعے سے یہ الفاظ لکھے جاتے تھے جیس فی سبیل اللہ۔ کوفہ میں اس کا اہتمام سلمان بن ربیعہ الباہلی کے متعلق تھا جو گھوڑوں کی شناخت اور پرداخت میں کمال رکھتے تھے یہاں تک کہ ان کے نام میں یہ خصوصیت دخل ہو گئی تھی اور سلمان الجمل کے نام سے پکارے جاتے تھے۔ جاڑوں میں یہ گھوڑے صطبل خانے میں رکھے جاتے تھے۔ چنانچہ چوتھی صدی تک یہ جگہ آرمی کے نام سے مشہور تھی جس کے معنی صطبل خانہ کے ہیں اور اسی لحاظ سے عجمی اس کو آخر شاہ جہان کہتے تھے۔ بہار میں یہ گھوڑے ساحل فرات پر عاقول کے قریب شاداب چراگا ہوں میں چرائے جاتے تھے۔ سلمان ہمیشہ گھوڑوں کی تربیت میں نہایت کوشش کرتے تھے، اور ہمیشہ سال میں ایک دفعہ گھوڑ دڑ بھی کراتے تھے۔

خاص کر عمدہ نسل کے گھوڑوں کو انھوں نے نہایت ترقی دی، اس سے پہلے اہل عرب، نسل میں ان کی پرورش نہیں کرتے تھے، سب سے پہلے سلمان نے یہ امتیاز قائم کیا چنانچہ جس گھوڑے کی مان عربی نہیں ہوتی تھی اس کو دو غلا قرار دیکر تقسیم غنیمت میں سوار کو حصے سے محروم کر دیتے تھے۔

۱۵ حضرت عمرؓ گھوڑوں اور اونٹوں کی پرورش و پرداخت کے لیے عرب میں متعدد چراگا ہوں طیار کر لائے تھیں۔ سب سے بڑی چراگاہ مہامہ بڑہ میں تھی جو مدینہ منورہ سے چار منزل کے فاصلے پر نجد کے ضلع میں واقع ہے۔ یہ چراگاہ۔۔۔ اہل حبش اور حبشی قدر چڑی تھی۔ دوسری مقام ضریم میں تھی جو مکہ منورہ سے سات منزل پر ہے۔ اس کی سمت ہر طرف سے چھ مہینے پہلے تھی۔ تیسری قربا جالینس نذر اوطط پرورش پالتے تھے۔ ان چراگا ہوں کی پوری تفصیل خلاصۃ الوفا بخارہ دار المعطفۃ مطبوعہ مصر صفحہ ۲۵۰ ۲۵۱ میں ہے۔ ۱۶ کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۳۳۳۔ ۱۷ کتب جال میں سلمان بن ربیعہ کا تذکرہ دیکھو۔

بصرہ کا اہتمام جز بن معاویہ کے متعلق تھا جو صوبہ اہواز کے گورنر رہ چکے تھے۔

(۳) فوج کے متعلق ہر قسم کے کاغذات اور دفتری انہی مقامات میں رہتا تھا۔

فوج کا دفتر

(۴) رسد کے لئے جو غلہ اور اجناس مہیا کی جاتی تھیں وہ انہی مقامات میں رکھی جاتی

رسد کا غلہ

تھیں اور یہیں سے اور مقامات کو بھیجی جاتی تھیں۔

ان صدر مقامات کے علاوہ حضرت عمرؓ نے بڑے بڑے شہروں اور مناسب مقامات

فوجی جہاز دینا

میں نہایت کثرت سے فوجی چھاؤنیاں قائم کیں۔ اور عرب کو تمام ممالک مفتوحہ میں پھیلا دیا۔

اگرچہ یہ انعام اصول تھا کہ جو شہر فتح ہوتا تھا اسی وقت ایک مناسب تعداد کی فوج وہاں

متعین کر دی جاتی تھی جو وہاں سے ملتی نہ تھی۔ چنانچہ حضرت ابو عبیدہؓ نے جب شام فتح کیا

تو ہر ضلع میں ایک عامل مقرر کیا جس کے ساتھ ایک معتد بہ فوج رہتی تھی، لیکن اسن و امان قائم

ہونے پر بھی کوئی بڑا ضلع یا شہر ایسا نہ تھا جہاں فوجی سلسلہ قائم نہیں کیا گیا۔

سلسلہ میں حضرت عمرؓ نے جب شام کا سفر کیا تو ان مقامات میں جہاں ملک کی عسکری

دشمن کے ملک سے ملتی تھی یعنی دلوک، مینج، رعیان، قورس، تیزین، انطاکیہ وغیرہ۔

دعربی میں انکو فوج یا ثغور کہتے ہیں، ایک ایک شہر کا دورہ کیا اور ہر قسم کا فوجی نظم و نسق اور

مناسب انتظامات کئے۔ جو مقامات دریا کے کنارے پر واقع تھے اور بلاد ساحلیہ کہلاتے تھے

۱۱ فتح البلدان صفحہ ۱۲ میں ہے وکان المسلمون کما افتخروا مدینۃ ظاہرۃ او عند ساحل یرتو ایہا قد

من یحتاج لہا الیہ من المسلمین فان حدث فی شئ منها حدث من قبل الحد و سہو الیہا الامداد اور صفحہ ۱۱

میں ہے وولی ابو عبیدہ کل کورۃ فتحہا عملا و ضم الیہا جماعۃ من المسلمین و شجن النواحی المحفوفۃ ۱۲

یعنی عسقلان، یا فافا، قیساریہ، ارسوف، عکا، صور، بیروت، طرسوس، صیدا، ایاس، لاؤقیہ چونکہ رومیوں کی بحری طاقت کی زد پر تھے اس لئے اسکا مستقل جداگانہ انتظام کیا اور اسکا افسر کل عبد اللہ بن قیس کو مقرر کیا۔ بالاس چونکہ غبی فرات کے ساحل پر تھا اور عراق سے ہم سرحد تھا، وہاں فوجی انتظام کے ساتھ اس قدر اور اضافہ کیا کہ شامی عرب جو اسلام قبول کر چکے تھے آباد کئے۔ ۱۱۷ء میں جب یزید بن ابی سفیان کا انتقال ہوا تو انکے بھائی معاویہ نے حضرت عمر کو اطلاع دی کہ سواحل شام پر زیادہ تیاری کی ضرورت ہے حضرت عمر نے اسی وقت حکم بھیجا کہ تمام قلعوں کی نئے سرے مرمت کرائی جائے اور ان میں فوجیں مرتب کی جائیں اسکے ساتھ تمام دریائی منظر گاہوں پر پہرہ والے تعینات کئے جائیں اور آگ روشن رہنے کا انتظام کیا جائے۔

اسکندر یہ میں یہ انتظام تھا کہ عمرو بن العاص کی افسری میں جس قدر فوجیں تھیں اسکی

۱۱۷ء تاریخ طبری صفحہ ۲۵۲-۲۵۳ میں عبارت یہ ہے قسمو عملاً لارتاق و سبی الشواق والصوابیت وسد فرج الشام و

مساکمھا واخذید و دبھا و سخی ذلک فی کل کورة و استقل عبد اللہ بن قیس علی السواحل من کل کورة - ۱۲

۱۱۷ء فتوح البلدان صفحہ ۱۵۰ میں ہے ورتب ابو عبیدۃ ببالس جماعة من المقاتلة واسکنھا قوما من

العرب الذین کانوا بالشام فاسلموا بعد قدوم المسلمین الشام ۱۲

۱۱۷ء فتوح البلدان صفحہ ۱۲۸ میں ہے ان معویۃ کتب الی عمر بن الخطاب بعد موت اخیه یزید

یصف لہ حال السواحل فکتب الیہ فی مرۃ حصونھا وترتیب المقاتلة فیھا واقامة الحرس

علی مناظرھا واتخاذ المواقید لھا ۱۲

ایک چوتھائی اسکندریہ کے لئے مخصوص تھی۔ ایک چوتھائی ساحل کے مقامات میں رہتی تھی باقی آدمی فوج خود عمرو بن العاص کے ساتھ فسطاط میں اقامت رکھتی تھی۔ یہ فوجیں بڑے بڑے وسیع ایوانوں میں رہتی تھیں۔ اور ہر ایوان میں ان کے ساتھ ایک عرلیت رہتا تھا جو ان کے قبیلہ کا سردار ہوتا تھا اور جسکی معرفت ان کو تنخواہیں تقسیم ہوتی تھیں۔ ایوانوں کے آگے صحن کے طور پر وسیع افتادہ زمین ہوتی تھی۔

سالہ میں جب ہر قتل نے دریائی راہ سے مصر چل کرنا چاہا تو حضرت عمرؓ نے تمام سوال پر فوجی چھاؤنیاں قائم کر دین بیان تک کہ عمرو بن العاص کی ماتحتی میں جس قدر فوج تھی اسکی ایک چوتھائی انہی مقامات کے لئے مخصوص کر دی۔ عسراق میں بصرہ و کوفہ اگرچہ خود محفوظ مقام تھے۔ چنانچہ خاص کوفہ میں چالیس ہزار سپاہی ہمیشہ موجود رہتے تھے اور انتظام یہ تھا کہ ان میں سے ۱۰ ہزار بیرونی تمات میں مصروف رکھے جائیں۔ تاہم ان اضلاع میں عمون کی جو فوجی چھاؤنیاں پہلے سے موجود تھیں از سر نو تعمیر کر کے فوجی قوت سے مضبوط کر دی گئیں۔ خزیبہ اور زبوتہ میں سات چھوٹی چھوٹی چھاؤنیاں تھیں وہ سب سے تعمیر کر دی گئیں۔ صوبہ خوزستان میں نہایت کثرت سے فوجی چھاؤنیاں قائم کی گئیں چنانچہ ہزیرہ، مناذرہ

۱۱۱ مرقزی بلاد مل مرقہ ۱۶۷ میں ہے وکان کل عرلیت ففہ یبذل فیہ بمن معہ من اصحابہ و اتخذوا

فیہ الخاکیۃ ۱۱۳ دیکھو طبری صفحہ ۲۵۹۴ و مرقزی صفحہ ۱۶۷۔ ۱۱۴ تاریخ طبری صفحہ ۲۸۰۰ میں ہے وکان بالکوفۃ اذ

ذاک اربعون الف مقاتل وکان یغزو وھذین التغین (ای الری واذ یحیان) ہر عشرۃ الاف فی کل سنۃ کماکان

الجل یصیبہ فی کل اربع سنین غرقۃ ۱۱۲ مرقہ البلدان صفحہ ۳۵۰۔



سوق الاہواز۔ سرق، ہرمزان، سوس، بنیان، جندی ساہور۔ مہرجا نقدق، یہ تمام مقامات فوجوں سے معمور ہو گئے۔ رے اور آذربائیجان کی چھادنیوں میں ہمیشہ ۱۰ ہزار فوجیں موجود رہتی تھیں۔

اسی طرح اور سیکڑوں چھاؤنیوں کا بجا قائم کی گئیں جنکی تفصیل کی چند ان ضرورت نہیں البتہ اس موقع پر یہ بات لحاظ کے قابل ہے کہ اس سلسلے کو اس قدر وسعت کیون دی گئی تھی اور فوجی مقامات کے انتخاب میں کیا اصول ملحوظ تھے؟ اصل یہ ہے کہ اس وقت تک اسلام کی فوجی قوت نے اگرچہ بہت زور اور وسعت حاصل کر لی تھی لیکن بحری طاقت کا کچھ سامان نہ تھا، اُدھر لونیائی مدت سے اس فن میں مشاق ہوتے آتے تھے اس وجہ سے شام و مصر میں اگرچہ کسی اندرونی بغاوت کا کچھ اندیشہ نہ تھا کیونکہ اہل ملک باوجود اختلاف مذہب کے مسلمانوں کو عیسائیوں سے زیادہ پسند کرتے تھے۔ لیکن رومیوں کے بحری حملوں کا ہمیشہ کھٹکا لگا رہتا تھا، اسکے ساتھ ایشیائے کوچک ابھی تک رومیوں کے قبضے میں تھا اور وہ ان کی قوت کو کوئی صدر نہیں پہنچا تھا۔ ان وجوہ سے ضرور تھا کہ سرحدی مقامات اور بندرگاہوں کو نہایت مستحکم رکھا جائے۔ یہی وجہ تھی کہ حضرت عمرؓ نے جس قدر فوجی چھاؤنیوں قائم کیں انہی مقامات میں کمین جو یا ساحل پر واقع تھے یا ایشیائے کوچک کے ناکے پر تھے۔ عراق کی حالت اس سے مختلف تھی کیونکہ وہاں سلطنت کے سوا، ملک کے بڑے بڑے رئیس جو مرزبان کہلاتے تھے اپنی بقائے ریاست کے لئے لڑتے رہتے تھے

اور دُوب کر مطیع بھی ہو جاتے تھے تو انکی اطاعت پر اطمینان نہیں ہو سکتا تھا، اس لئے ان ممالک میں ہر جگہ، فوجی سلسلہ کا قائم رکھنا ضرور تھا کہ مدعیان ریاست بغاوت کا خواب نہ دیکھنے پائیں۔

حضرت عمرؓ نے اس سلسلے کے ساتھ انتظامات کے اور صیغوں پر بھی توجہ کی اور ایک ایک صیغے کو اس قدر منظم کر دیا کہ اُس وقت کے تمدن کے لحاظ سے ایک معجزہ سا معلوم ہوتا ہے، فوجوں کی بھرتی کا دفتر جسکی ابتداء مہاجرین اور انصار سے ہوئی تھی وسیع ہوتے ہوتے قریباً تمام عرب کو محیط ہو گیا۔ مدینہ سے عسفان تک جو مکہ معظمہ سے دو منزل ادھر ہے جس قدر قبائل آباد تھے ایک ایک کی مردم شماری ہو کر رجسٹر بنے۔ بحرین جو عرب کا انتہائی صوبہ ہے بلکہ عرب کے جغرافیہ نویس اسکو عراق کے اضلاع میں شمار کرتے ہیں وہاں کے تمام قبائل کا دفتر لپٹا رکھا گیا۔ کوفہ، بصرہ، موصل، فسطاط، حیرہ، وغیرہ میں جس قدر عرب آباد ہو گئے تھے سب کے رجسٹر مرتب ہوئے۔ اس پیشمار کردہ کی علی قدر مراتب تنخواہیں مقرر کی گئیں اور اگرچہ ان سب کا مجموعی شمار تاریخوں سے معلوم نہیں ہوتا تاہم قراین سے معلوم ہوتا ہے کہ کم سے کم آٹھ لاکھ ہتیار بند آدمی تھے۔ ابن سعد کی روایت ہے کہ ہر سال تیس ہزار نئی فوج فتوحات پر بھیجی جاتی تھی۔ کوفہ کی نسبت علامہ طبری نے تصریح کی ہے کہ وہاں ایک لاکھ آدمی لڑنے کے قابل ہوتے گئے، جن میں سے ۴۰ ہزار باقاعدہ فوج تھی یعنی انکو باری باری سے ہمیشہ لڑے اور آذربائیجان کے مہمات میں حاضر رہنا ضرور تھا۔

فوجی دفتری  
رسمت

ہر سال ہتیار  
نئی فوج تیار  
ہوتی تھی

یہی نظام تھا جسکی بدولت ایک مدت تک تمام دنیا پر عرب کا عرب و داب قائم رہا اور فتوحات کا سیلاب برابر بڑھتا گیا، جس قدر اس نظام میں کمی ہوتی گئی عرب کی طاقت میں ضعف آتا گیا۔ سب سے پہلے امیر معاویہ نے اس میں تبدیلی کی یعنی شیر خوار بچوں کی تنخواہ بند کر دی۔ عبد الملک بن مروان نے اور بھی اسکو گھٹایا اور عتصم باللہ نے سرے سے فوجی دفتر میں سے عرب کے نام کال دئے۔ اور اسی دن درحقیقت حکومت بھی مسلمانوں کے ہاتھ سے نکل گئی۔

یہ ایک اتفاقیہ جملہ بیچ میں آگیا تھا، ہم پھر حضرت عمر کے فوجی نظام کی طرف واپس آتے ہیں۔ حضرت عمر نے فوجی دفتر کو یہاں تک وسعت دی کہ اہل عمر بھی اس میں داخل کئے گئے۔ یزدگرد شاہنشاہ فارس نے دلم کی قوم سے ایک منتخب دستہ تیار کیا تھا جسکی تعداد چار ہزار تھی اور جند شاہنشاہ یعنی فوج خاصہ کہلاتا تھا۔ یہ فوج فادسیہ میں کئی معرکوں کے بعد ایرانیوں سے علیحدہ ہو کر اسلام کے حلقے میں آگئی، سعد بن ابی وقاص گورنر کوفہ نے ان کو فوج میں داخل کر لیا اور کوفہ میں آباد کر کے انکی تنخواہ میں تقرر کر دیں۔ چنانچہ اسلامی فتوحات میں انکا نام بھی جا بجا تاریخوں میں آتا ہے۔ یزدگرد کی فوج ہراول کا سردار ایک بڑا نامی افسر تھا جو سیاہ کے لقب سے پکارا جاتا تھا۔ شاہ میں یزدگرد اصفہان کو روانہ ہوا تو سیاہ کو تین سو سواروں کے ساتھ جن میں ستر بڑے بڑے نامی پہلوان تھے اصطخر کی طرف بھیجا کہ ہر ہر شہر سے چیدہ بہادری منتخب کر کے ایک دستہ تیار کرے۔

فوج میں عجی  
رومی ہشتاف  
اور یہودی  
بھی داخل  
ہوئے

ابوموسیٰ اشعری نے جب مسلمین سوس کا محاصرہ کیا تو یزدگرد نے سیاہ کو علم دیا کہ اس  
 جمیدہ رسالے کے ساتھ ابوموسیٰ کے مقابلے کو جائے، سوس کی فتح کے بعد سیاہ  
 نے مع تمام سرداروں کے ابوموسیٰ سے چند شرائط کے ساتھ امن کی درخواست  
 کی۔ ابوموسیٰ کو ان شرائط پر راضی نہ تھے۔ لیکن کیفیت واقعہ سے حضرت عمر کو اطلاع  
 دی۔ حضرت عمر نے لکھ بھیجا کہ تمام شرائط منظور کر لئے جائیں چنانچہ وہ سب کے سب  
 بصرہ میں آباد کئے گئے اور فوجی دفتر میں نام لکھا جا کر انکی نتواہین مقرر ہو گئیں۔ انہیں  
 سے چھ افسروں کی (جسکے یہ نام تھے سیاہ، خسرو، شہریار، شیرویہ، شہودیہ، افرو دین)  
 ڈھائی ڈھائی ہزار اور ستو بہادروں کی دو دو ہزار نتواہ مقرر ہوئی۔ تتر کے معرکہ میں  
 سیاہ ہی کی تدبیر سے فتح حاصل ہوئی۔

بادان۔ نوشیروان کی طرف سے یمن کا گورنر تھا، اسکی رکاب میں جو ایرانی فوج تھی  
 انہیں سے اکثر مسلمان ہو گئے تھے۔ انکا نام بھی دفتر فوج میں لکھا گیا۔ تعجب ہے کہ فاروقی  
 لشکر، ہندوستان کے بہادر یوں سے بھی خالی نہ تھا۔ سندھ کے جاٹ جنگو اہل عرب  
 زرا کہتے تھے، یزدگرد کے لشکر میں شامل تھے۔ سوس کے معرکہ کے بعد وہ اسلام کے  
 حلقہ بگوش ہوئے اور فوج میں بھرتی ہو کر بصرہ میں آباد کئے گئے۔

یونانی اور رومی بہادر بھی فوج میں شامل تھے۔ چنانچہ فتح مصر میں انہیں سے پانچو  
 آدمی شریک جنگ تھے۔ اور حبش عمرو بن العاص نے فسطاط آباد کیا تو یہ جداگانہ محلے میں

آباد کئے گئے۔ یہودیوں سے بھی یہ سلسلہ خالی نہ تھا، چنانچہ مصر کی فتح میں انہیں سے ایک ہزار آدمی اسلامی فوج میں شریک تھے۔

غرض حضرت عمر نے صیغہ جنگ کو جو وسعت دی تھی اُسکے لئے کسی قوم اور کسی ملک کی تخصیص نہ تھی۔ یہاں تک کہ مذہب و ملت کی بھی کچھ قید نہ تھی، والینٹر فوج میں تو ہزاروں مجوسی شامل تھے جنکو مسلمانوں کے برابر مشاہرے ملتے تھے۔ فوج نظام میں بھی مجوسیوں کا پتہ ملتا ہے چنانچہ اسکی تفصیل غیر قوموں کے حقوق کے ذکر میں آئیگی۔ لیکن یہ یاد رکھنا چاہئے کہ صیغہ جنگ کی یہ وسعت جس میں تمام قوموں کو داخل کر لیا گیا تھا۔ صرف اسلام کی ایک فیاضی تھی ورنہ فتوحات ملکی کے لئے عرب کو اپنی تلوار کے سوا اور کیا کبھی ممنون ہونا نہیں پڑا۔ البتہ اس سے بھی انکار نہیں ہو سکتا کہ جن قوموں سے مقابلہ تھا انہی کے ہم قوموں کو ان سے لڑنا فن جنگ کا بڑا اصول تھا۔

کہ خرگوش ہر مرز را بے شکفت      سگ آن ولایت تواند گرفت  
جیسا کہ ہم اوپر لکھ آئے ہیں۔ ابتدا سے انتظام میں فوجی صیغہ صاف صاف جداگانہ حیثیت نہیں رکھتا تھا یعنی جو لوگ اور اور حیثیت سے تنخواہیں پاتے تھے انکے نام بھی فوجی رجسٹر میں درج تھے اور اسوقت یہی مصلحت تھی۔ حضرت عمر نے اب یہ پردہ بھی اٹھا دیا چاہا۔ شروع شروع میں تنخواہ کی کمی بیشی میں قرآن خوانی کے وصف کا بھی لحاظ ہوتا تھا لیکن چونکہ اسکو فوجی امور سے کچھ تعلق نہ تھا۔ حضرت عمر نے اسکو صیغہ تعلیم سے متعلق کر کے

۱۰ مقرری مندرجہ ۲۹۰ میں ان کے حالات کسی قدر تفصیل سے لکھے ہیں۔

اس دفتر سے الگ کر دیا۔ چنانچہ سعد بن وقاص کو یہ الفاظ لکھ بھیجے کہ لا لفظ علی القرآن احداً

تنخواہوں میں  
ترقی

اسکے بعد تنخواہوں کی ترقی کی طرف توجہ کی، چونکہ وہ فوج کو زراعت، تجارت، اور اس قسم کے تمام اشغال سے بزور بازو رکھتے تھے اس لئے ضرور تھا کہ انکی تمام ضروریات کی کفالت کی جائے، اس لحاظ سے تنخواہوں میں کافی اضافہ کیا۔ ادنیٰ سے ادنیٰ شرح جو ۲۰۰ سالانہ تھی۔ ۳۰۰ کر دی۔ افسروں کی تنخواہ سات ہزار سے لیکر دس ہزار تک بڑھا دی، بچوں کی تنخواہ دودھ چھوڑنے کے دن سے مقرر ہوتی تھی اب حکم دیدیا کہ پیدا ہونے کے دن سے مقرر کر دی جائے۔

رسد کا انتظام

رسد کا بند و بست پہلے صرف اس قدر تھا کہ فوجین مثلاً قادیسیہ میں پونہ بیس تو اس پاس کے دیہات پر حملہ کر کے جنس اور غلہ لوٹ لائیں، البتہ گوشت کا بند و بست دار الخلافہ سے تھا یعنی حضرت عمر مہینہ منورہ سے بھیجا کرتے تھے۔ پھر یہ انتظام ہوا کہ مفتوحہ قوموں سے جزیہ کے ساتھ فی کس ۲۵- آٹا وغلہ لیا جاتا تھا اور وہ رسد کے کام میں آتا تھا۔ مصرین غلہ کو ساتھ روغن بیون، شہد، اور سرکہ، بھی وصول کیا جاتا تھا جو سپاہیوں کے لئے سالن کا کام دیتا تھا۔ جزیرہ میں بھی یہی انتظام تھا لیکن اس میں رعایا کو حرمت ہوتی تھی چنانچہ حضرت عمر نے آخر اسکے بجائے نقدی مقرر کر دی جبکہ رعایا نے

لے فتح البلدان صفحہ ۲۵۶ میل باریہ فاذا احتاجوا الى العلف والطعام اخذوا من خولان البس فاغارت

على اسفل الفرات وكان عمر يبعث اليهم من المدينة الغنم والخير ۱۲ فتح البلدان صفحہ ۱۶۸ و ۲۱۶-

رسد ہستقل  
محکمہ

نہایت خوشی سے قبول کیا۔ رفتہ رفتہ حضرت عمرؓ نے راسد کا ایک مستقل محکمہ قائم کیا جس کا نام اہرار تھا چنانچہ شام میں عمرو بن عبد اللہؓ اس محکمہ کے افسر مقرر ہوئے۔ اہرار ہری کی جمع ہے۔ ہری ایک یونانی لفظ ہے جس کے معنی گودام کے ہیں، چونکہ راسد کے یکجا جمع ہونے اور وہاں سے تقسیم ہونے کا یہ طریقہ یونانیوں سے لیا گیا تھا اس لئے نام میں بھی وہی یونانی لفظ قائم رہا، تمام جنس اور غلہ ایک وسیع گودام میں جمع ہوتا تھا اور زمین کی پہلی آبیخ فی سپاہی اس ۱۰ اشار کے حساب سے تقسیم ہوتا تھا، اسکے ساتھ فی کس ۲ اشار روغن زیتون اور ۲ اشار سرکہ بھی ملتا تھا۔ اسکے بعد اور بھی ترقی ہوئی یعنی خشک جنس کے بجائے پکا پکایا کھانا ملتا تھا چنانچہ مورخ یعقوبی نے حضرت عمرؓ کے سفر شام کے ذکر میں اسکی تصریح کی ہے۔ تنخواہ اور خوراک کے علاوہ کپڑا بھی دربار خلافت سے ملتا تھا جسکی تفصیل۔ وردی کے ذکر میں آئیگی۔ ان تمام باتوں کے ساتھ بھتہ بھی مقرر تھا جسکو عربی میں منوۃ کہتے ہیں، سواری کا گھوڑا سواروں کو اپنے اہتمام سے مہیا کرنا ہوتا تھا لیکن جو شخص کم مایہ ہوتا تھا اور اسکی تنخواہ بھی نا کافی ہوتی تھی اسکو حکومت کی طرف سے گھوڑا ملتا تھا چنانچہ خاص اس عوض کے لئے حضرت عمرؓ کے حکم سے خود دار الخلاقہ میں چار ہزار گھوڑے ہر وقت موجود رہتے تھے۔

خوراک و کپڑا  
اور بھتہ

۱۰ آبیخ طبری صفحہ ۲۵۲۶۔ اہرار کے معنی اور مفہوم کے لئے دیکھو لسان العرب اور فتح البلدان صفحہ ۲۰۰۔ ۱۱ کتاب الخراج

صفحہ ۲۰۲۔ اصل عبارت یہ ہے کان لعمریں الخطاب اربعۃ الاف فرس + فاذا کان فی عطاء الرجل خفة

اوکان محتاجا اعطاء الفرس ۱۲

تنخواہ کی تقسیم  
کا طریقہ

بھٹہ و تنخواہ وغیرہ کی تقسیم کے اوقات مختلف تھے۔ شروع محترم میں تنخواہ، فصل بہار میں،  
 بھٹہ اور فصل کٹنے کے وقت خاص خاص جاگیروں کی آمدنی تقسیم ہوتی تھی۔ تنخواہ کی تقسیم کا یہ  
 طریقہ تھا کہ ہر قبیلے کے ساتھ ایک عریف یعنی مقدم یا رئیس ہوتا تھا، فوجی افسر جو کم سے  
 کم ۱۰-۱۰۰ سپاہیوں پر افسر ہوتے تھے اور جو اُمراء الاعشار کہلاتے تھے تنخواہ انکو دی جاتی  
 تھی، وہ عریف کو حوالہ کرتے تھے اور عریف اپنے اپنے قبیلے کے سپاہیوں کو حوالہ کرتے  
 تھے۔ ایک ایک عریف کے متعلق ایک ایک لاکھ درہم کی تقسیم تھی چنانچہ کوہ و بصرہ میں تسو عریف  
 تھے۔ جنکے ذریعہ سے ایک کروڑ کی رقم تقسیم ہوتی تھی۔ اس انتظام میں نہایت احتیاط اور  
 خبرگیری سے کام لیا جاتا تھا، عراق میں اُمراء اعشار نے تنخواہوں کی تقسیم میں باقاعدگی  
 کی تو حضرت عمرؓ نے عرب کے بڑے بڑے نساب اور اہل الراے مثلاً سعید بن عمران،  
 مشعل بن نعيم، وغیرہ کو بلا کر اسکی جلیخ پر مقرر کیا چنانچہ ان لوگوں نے دوبارہ نہایت  
 تحقیق اور صحت کے ساتھ لوگوں کے عمدے اور روزینے مقرر کئے اور دس دس  
 کے بجائے سات سات سپاہی پر ایک ایک افسر مقرر کیا۔ عریف کا تقرر بھی فاروقی  
 ایجادات سے تھا جسکی تقلید مدتوں تک کی گئی۔ کنز العمال باب الجہاد میں یہی کی ریت  
 ہے اول من دون الدواہین وعرف العرقاء عمر بن الخطاب -

تنخواہ کی ترقی

تنخواہوں میں قدامت اور کارکردگی کے لحاظ سے وقتاً فوقتاً اضافہ ہوتا رہتا تھا۔

۱۔ طبری صفحہ ۲۲۰ جل عبارت یہ ہے و اہلہم معاً و نفہم فی الدبیح من کل سنۃ و باعطیائہم فی المحرم من کل  
 سنۃ و بقیۃہم عند طلوع الشعری فی کل سنۃ و ذلک عند ادراک الغلات ۱۲-۱۳۔ اوقات نہایت تفسیل  
 کے ساتھ طبری صفحہ ۲۳۹ و ۲۴۰ و تقریری صفحہ ۹۳ میں ہیں ۱۲



فادیسیمین زہرہ، عصمتہ، ضبتی، وغیرہ نے بڑے مردانہ کام کئے تھے اس لئے انکی جوہن دو دو ہزار سے ڈھائی ڈھائی ہزار ہو گئیں۔ مقررہ رقموں کے علاوہ غنیمت سے وقتاً فوقتاً جوہات آتا تھا اور علی قدر مراتب فوج پر تقسیم ہوتا تھا اسکی کچھ انتہاء تھی چنانچہ جلو لارمین نو نو ہزار نہاد و ندمین چھ چھ ہزار درہم ایک ایک سوار کے حصے میں آئے تھے۔

صحت اور تندرستی قائم رکھنے کے لئے حسب ذیل قاعدے مقرر تھے۔

اخلاق و عزم  
کے لحاظ سے  
فوج کی تقسیم

(۱) جاڑے اور گرمی کے لحاظ سے لڑائی کی جہتیں بتعین کر دی تھیں، یعنی جو سرد ملک تھے ان پر گرمیوں میں اور گرم ملکوں پر جاڑوں میں فوجیں بھیجی جاتی تھیں۔ اس تقسیم کا نام شاتیہ اور صافیتہ رکھا اور یہی اصطلاح آج تک قائم ہے، یہاں تک کہ ہمارے توفیقین مغربی مہمات اور فتوحات کو صرف صوایف کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں۔ یہ انتظام حضرت عمر نے شام میں کیا تھا علامہ طبری لکھتے ہیں وسمی الشوائق والصوائف وسمی ذلک فی کل کورۃ۔

(۲) فصل بہار میں فوجیں ان مقامات میں بھیج دی جاتی تھیں جہاں کی آب و ہوا عمدہ اور سبزہ و مرغزار ہوتا تھا۔ یہ قاعدہ اول اول شام میں جاری کیا گیا جبکہ مدائن کی فتح کے بعد وہاں کی خراب آب و ہوا نے فوج کی تندرستی کو نقصان پہنچایا چنانچہ عقبہ بن جراح کے حکم پر کو لکھا کہ ہمیشہ جب بہار کا موسم آئے تو فوجیں شاداب اور سرسبز مقامات میں چلی جائیں۔

بہار کے زمانے  
میں فوجوں  
کا قیام

۱۰ تاریخ طبری میں ہے وکتب عمالی سعد بن مالک والی عقبہ بن غزوہ ان ان یتن بعبالاناس فی

عمر دین العامس گورنر مصر، موسم بہار کے آنے کے ساتھ فوج کو باہر بھیجتے تھے اور حکم دیتے تھے کہ سیر و شکار میں بسر کریں اور گھوڑوں کو چرا کر اور فربہ بنا کر لائیں۔

آب و ہوا کا  
لحاظ

(۳) بارکون کی تعمیر اور چھاؤنیوں کے بنانے میں ہمیشہ عمدہ آب و ہوا کا لحاظ کیا جاتا تھا اور مکانات کے آگے کھلے ہوئے خوش فضا صحن چھوڑے جاتے تھے۔ فوجوں کے لئے جو شہر آباد کئے گئے مثلاً کوذہ۔ بصرہ۔ فسطاط وغیرہ ان میں اصول صحت کے لحاظ سے ٹکسین

اور کوچے اور گلیاں نہایت وسیع ہوتی تھیں حضرت عمر کو اس میں اس قدر اہتمام تھا کہ مساحت اور وسعت کی یقینیں بھی خود لکھ کر بھیجتی چنانچہ اسکی تفصیل ان شہروں کے ذکر میں گزر چکی۔

(۴) فوج جب کوچ پر ہوتی تھی تو حکم تھا کہ ہمیشہ جمعہ کے دن مقام کرے اور پورے ایک شب و روز قیام رکھے تاکہ لوگ دم لے لیں اور ہتھیاروں اور کپڑوں کو درست کر لیں۔

یہ بھی تاکید تھی کہ ہر روز اسی قدر مسافت طے کریں جس سے تھکنے نہ پائیں اور پڑاؤ وہیں

بنا جائے جہاں ہر قسم کی ضروریات مہیا ہوں چنانچہ سعد بن وقاص کو جو فرمان، فوجی ہدایتوں کے متعلق لکھا اس میں اور اہم باتوں کے ساتھ ان تمام جزئیات کی تفصیل بھی لکھی۔

رخصت کا بھی باقاعدہ انتظام تھا۔ جو فوجیں دو دروازہ مقامات پر مامور تھیں انکو سال میں ایک دفعہ ورنہ دو دفعہ رخصت ملتی بلکہ ایک موقع پر جب انھوں نے ایک عورت کو اپنے شوہر کی جدائی میں دردناک اشعار پڑھتے سنا تو افسر و فکوا احکام

رخصت کے  
قاعدے

بھیج دئے کہ کوئی شخص چار مہینے سے زیادہ باہر رہنے پر مجبور نہ کیا جائے۔

لیکن یہ تمام آسانیاں اُسی حد تک تھیں جہاں تک ضرورت کا تقاضا تھا، ورنہ آرام طلبی، کاہلی، عیش پرستی، سے بچنے کے لئے سخت بندشیں کی تھیں۔ نہایت تاکید تھی کہ اہل فوج رکاب کے سہارے سے سوار نہ ہوں، نرم کپڑے نہ پہنیں، دھوپ کھانا نہ چھوڑیں، خاموں میں نہ نہایتیں،۔

تاریخوں سے یہ پتہ نہیں چلتا کہ حضرت عمرؓ نے فوج کے لئے کوئی خاص لباس جسکو دردی کہتے ہیں قرار دیا تھا۔ فوج کے نام اُنکے جوا حکام منقول ہیں اُنہیں صرف اس قدر ہے کہ لوگ عجمی لباس نہ پہنیں لیکن معلوم ہوتا ہے کہ اس حکم کی تعمیل پر چند ان زور نہیں دیا گیا کیونکہ سلاطین میں جب مصر میں ذبیحوں پر جزیہ مقرر ہوا تو فوج کے کپڑے بھی اسی میں شامل تھے اور وہ یہ تھے۔ اُون کا حبیہ۔ لمبی ٹوپی یا عامہ۔ پا جامہ۔۔ موزہ۔ حالانکہ اول اول پا جامہ اور موزہ کو حضرت عمرؓ نے بتصریح منع کیا تھا۔

فوج کے متعلق حضرت عمرؓ کی اور بہت سی ایجادیں ہیں جن کا عرب میں کبھی وجود نہ تھا۔ مثلاً ہر فوج کے ساتھ ایک افسر خزانہ، ایک محاسب، ایک قاضی، اور متعدد مترجم ہوتے تھے۔ اُنکے علاوہ متعدد طبیب اور جراح ہوتے تھے، چنانچہ جنگ قادسیہ میں عبدالرحمن بن ربیعہ قاضی، زیاد بن ابی سفیان محاسب، ہلال مجری مترجم تھے۔ فوج میں محکمہ عدالت، سررشتہ حساب، مترجمی، اور ڈاکٹری کی ابتدا بھی اسی زمانے سے ہے۔

فوج جنگ  
ترقی

فوجی قواعد کی نسبت ہلکے صرف اس قدر معلوم ہے کہ حضرت عمر فوجی افسروں کو جو احکام سمجھتے تھے ان میں چار چیزوں کے یکٹھنے کی تاکید ہوتی تھی۔ تیزنا، گھوڑے دوڑانا، تیر لگانا، ننگے پاؤں چلنا۔ اسکے سوا ہلکے معلوم نہیں کہ فوج کو کسی قسم کی قواعد سکھلائی جاتی تھی۔ تاہم اس میں شبہ نہیں کہ حضرت عمر کے عہد میں سابق کی نسبت فوج جنگ نے بہت ترقی کی۔ عرب میں جنگ کا پہلے یہ طریقہ تھا کہ دونوں طرف کے غول بے ترتیب کھڑے ہو جاتے تھے۔ پھر دونوں طرف سے ایک ایک سپاہی نکل کر لڑتا تھا اور باقی تمام فوج چپ کھڑی رہتی تھی۔ اخیر میں عام حملہ ہوتا تھا۔ اسلام کے آغاز میں نبی کا طریقہ جاری ہوا، اور فوج کے مختلف حصے قرار پائے۔ مثلاً یمینہ، میسرہ، وغیرہ لیکن ہر حصہ بطور خود لڑتا تھا۔ یعنی تمام فوج کسی ایک سپہ سالار کے نیچے رہ کر نہیں لڑتی تھی۔ سب سے پہلے شاہ میں یرموک کے مورک میں حضرت خالد کی بدولت تعبیه کی طرز پر جنگ ہوئی یعنی کل فوج جسکی تعداد ۴۰ ہزار کے قریب تھی ۳۶ صفوں میں تقسیم ہو کر حضرت خالد کی ماتحتی میں کام کرتی تھی اور وہ تمام فوج کو تنہا لڑاتے تھے۔

حضرت عمر کے زمانے میں فوج کے جس قدر حصے اور شعبے تھے حسب ذیل ہیں۔

قلب سپہ سالار اسی حصے میں رہتا تھا۔

مقدمہ قلب کے آگے کچھ فاصلے پر ہوتا تھا۔

یمینہ قلب کے دائیں بات پر رہتا تھا۔

فوج کے حصے

۱۔ علامہ ابن عساکر نے مقدمہ تاریخ میں فضلؓ کی المصوب کے عنوان سے عرب اور فارس و روم کے طریقہ جنگ پر ایک مفصل مضمون لکھا ہے اس میں لکھا ہے کہ تعبیه کا طریقہ اول اول مردان بن الحکم نے قائم کیا، لیکن یہ غلط ہے۔ بطری اور دیگر مورخین نے تبیع لکھا ہے کہ یرموک کے مورک میں اول اول خالد نے تعبیه کی طرز پر صحت آرائی کی۔

فوج کے مختلف  
حصے

میسرو بائیں ہات پر۔

ساقہ سب سے پیچھے۔

طلیعہ گشت کی فوج جو دشمن کی دیکھ بھال رکھتی تھی

برودہ جو ساقہ سے پیچھے رہتی تھی تاکہ دشمن عقب سے حملہ نہ کر سکے۔

رائدہ جو فوج کے چارہ اور پانی کی تلاش کرتی تھی۔

رکبان شتر سوار۔

فرسان سوار

راہل پیادہ۔

رماۃ تیر انداز۔

ہر سیاہی کو جو  
ضروری چیزیں  
ساتھ کھینچتی  
تھیں

ہر سیاہی کو جنگ کی ضرورت کی تمام چیزیں اپنے ساتھ رکھنی پڑتی تھیں، فتوح البلدان  
میں لکھا ہے کہ شیرین شہاب (حضرت عمر کے ایک فوجی انسر تھے) کی فوج کا ہر سیاہی  
اشیا کے ذیل ضرور اپنے ساتھ رکھتا تھا۔ سونیاں، سوا، ڈورا، تینچی، ستوالی، تور، اچلینی،

قلعہ شکن  
آلات

قلعون پر حملہ کرنے کے لئے بمخینق کا استعمال اگرچہ خود انحضرتؓ کے زمانے میں شروع  
ہو چکا تھا، چنانچہ سب سے پہلے شہ میں طالیف کے محاصرے میں اس سے کام  
لیا گیا لیکن حضرت عمر کے زمانے میں اسکو بہت ترقی ہوئی اور بڑے بڑے قلعے اسکے  
ذریعے سے فتح ہوئے، مثلاً سلمہ میں بہر سیر کے محاصرے میں ۲۰ بمخینقین استعمال

کی گئیں۔ محاصرے کے لئے ایک اور آلہ تھا جسکو دُبابہ کہتے تھے۔ یہ ایک لکڑی کا بُرج ہوتا تھا جس میں اوپر تلے کئی درجے ہوتے تھے اور نیچے پتے لگے ہوتے تھے۔ سنگ اندازوں اور نقب زنوں اور تیر اندازوں کو اسکے اندر بٹھا دیا جاتا تھا، اور اُسکورہ لیتے ہوئے آگے بڑھاتے چلتے تھے، اسطرح قلعہ کی جڑیں پہنچ جاتے تھے اور قلعہ کی دیواروں کو آلت کے ذریعے سے توڑ دیتے تھے۔ بھر سیر کے محاصرہ میں یہ آلہ بھی استعمال کیا گیا تھا۔

سفرِ مینا

راستہ صاف کرنا، سڑک بنانا، پل باندھنا، یعنی جو کام آج کل سفرِ مینا کی فوج سے لیا جاتا ہے اسکا انتظام بھی نہایت معقول تھا اور یہ کام خاصکر مفتوحہ قوموں سے لیا جاتا تھا۔ عمرو بن العاص نے جب منطا فتح کیا تو مقوقس والی مصر نے یہ شرط منظور کی کہ فوج اسلام جدھر رُخ کرے گی سفرِ مینا کی خدمتوں کو مصری انجام دینگے۔ چنانچہ عمرو بن العاص جب ردیون کے مقابلے کے لئے اسکندریہ کی طرف بڑھے تو خود مصری منزل بمنزل پل باندھتے، سڑک بناتے اور بازار لگاتے گئے، علامہ مقریزی نے لکھا ہے کہ چونکہ مسلمانوں کے سلوک نے تمام ملک کو گردیدہ کر لیا تھا اسواسطے قطبی خود بڑی خوشی سے ان خدمتوں کو انجام دیتے تھے۔

جاسوسی اور خبر رسانی کا انتظام نہایت خوبی سے کیا گیا تھا اور اسکے لئے قدرتی سامان بات آگئے تھے، شام و عراق میں کثرت سے عرب آباد تھے اور انہیں سے

۱۔ مقریزی صفحہ ۱۶۳ میں ہے فخر جہ عمر و بالمسلمین ۳ و خرج معہ جماعة من روساء القبط وقد اصلحو

لہم الطرق واقاموا لہم بالحسن والاسواق ۱۲

ایک گروہ کثیر نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ یہ لوگ چونکہ مدت سے ان ممالک میں رہتے آئے تھے اس لئے کوئی واقعہ ان سے چھپ نہیں سکتا تھا۔ ان لوگوں کو اجازت تھی کہ اپنا اسلام لوگوں پر ظاہر نہ کریں اور چونکہ یہ لوگ ظاہر وضع قطع سے پارسی یا عیسائی معلوم ہوتے تھے اس لئے دشمن کی فوجوں میں جہان چاہتے تھے چلے جاتے تھے۔ یہ موک، قادسیہ، تکریت، مین انخی جاسوسوں کی بدولت بڑے بڑے کام نکلتے۔

شام میں ہر شہر کے رمیوں نے خود اپنی طرف سے اور اپنی خوشی سے جاسوس لگا رکھے تھے جو مقصر کی فوجی طریقاریوں اور نقل و حرکت کی خبریں پہنچاتے تھے تاہی

ابو یوسف صاحب کتاب الخراج میں لکھتے ہیں فلما سرائ اهل الذمة وفاء المسلمين لهم وحسن السيرة فيهم صاروا اشداء على عدو المسلمين وعونا للمسلمين على اعدائهم فبعث اهل كل مدينة ممن جرى الصلح بينهم وبين المسلمين رجلا من قبلهم يتجسسوا الاخبار عن الروم وعن ملكهم وما يبدون ان يصنعوا اردن اور فلسطين کے اضلاع میں یہودیوں کا ایک فرقہ رہتا تھا جو سامرہ کہلاتا تھا، یہ لوگ خاص جاسوسی اور خبر رسانی کے کام کے لئے مقرر کئے گئے اور اسکے صلے میں انکی مقبوضہ زمینیں انکو معافی میں دیدی گئیں۔ اسی طرح جراثمہ کی قوم اس خدمت پر مامور ہوئی اور

۱ تاریخ شام لازدی صفحہ ۱۵۲ و طبری صفحہ ۲۲۴ و ۲۲۵ و ۲۲۶ و ۲۲۷ و ۲۲۸ و ۲۲۹ و ۲۳۰ و ۲۳۱ و ۲۳۲ و ۲۳۳ و ۲۳۴ و ۲۳۵ و ۲۳۶ و ۲۳۷ و ۲۳۸ و ۲۳۹ و ۲۴۰ و ۲۴۱ و ۲۴۲ و ۲۴۳ و ۲۴۴ و ۲۴۵ و ۲۴۶ و ۲۴۷ و ۲۴۸ و ۲۴۹ و ۲۵۰ و ۲۵۱ و ۲۵۲ و ۲۵۳ و ۲۵۴ و ۲۵۵ و ۲۵۶ و ۲۵۷ و ۲۵۸ و ۲۵۹ و ۲۶۰ و ۲۶۱ و ۲۶۲ و ۲۶۳ و ۲۶۴ و ۲۶۵ و ۲۶۶ و ۲۶۷ و ۲۶۸ و ۲۶۹ و ۲۷۰ و ۲۷۱ و ۲۷۲ و ۲۷۳ و ۲۷۴ و ۲۷۵ و ۲۷۶ و ۲۷۷ و ۲۷۸ و ۲۷۹ و ۲۸۰ و ۲۸۱ و ۲۸۲ و ۲۸۳ و ۲۸۴ و ۲۸۵ و ۲۸۶ و ۲۸۷ و ۲۸۸ و ۲۸۹ و ۲۹۰ و ۲۹۱ و ۲۹۲ و ۲۹۳ و ۲۹۴ و ۲۹۵ و ۲۹۶ و ۲۹۷ و ۲۹۸ و ۲۹۹ و ۳۰۰ و ۳۰۱ و ۳۰۲ و ۳۰۳ و ۳۰۴ و ۳۰۵ و ۳۰۶ و ۳۰۷ و ۳۰۸ و ۳۰۹ و ۳۱۰ و ۳۱۱ و ۳۱۲ و ۳۱۳ و ۳۱۴ و ۳۱۵ و ۳۱۶ و ۳۱۷ و ۳۱۸ و ۳۱۹ و ۳۲۰ و ۳۲۱ و ۳۲۲ و ۳۲۳ و ۳۲۴ و ۳۲۵ و ۳۲۶ و ۳۲۷ و ۳۲۸ و ۳۲۹ و ۳۳۰ و ۳۳۱ و ۳۳۲ و ۳۳۳ و ۳۳۴ و ۳۳۵ و ۳۳۶ و ۳۳۷ و ۳۳۸ و ۳۳۹ و ۳۴۰ و ۳۴۱ و ۳۴۲ و ۳۴۳ و ۳۴۴ و ۳۴۵ و ۳۴۶ و ۳۴۷ و ۳۴۸ و ۳۴۹ و ۳۵۰ و ۳۵۱ و ۳۵۲ و ۳۵۳ و ۳۵۴ و ۳۵۵ و ۳۵۶ و ۳۵۷ و ۳۵۸ و ۳۵۹ و ۳۶۰ و ۳۶۱ و ۳۶۲ و ۳۶۳ و ۳۶۴ و ۳۶۵ و ۳۶۶ و ۳۶۷ و ۳۶۸ و ۳۶۹ و ۳۷۰ و ۳۷۱ و ۳۷۲ و ۳۷۳ و ۳۷۴ و ۳۷۵ و ۳۷۶ و ۳۷۷ و ۳۷۸ و ۳۷۹ و ۳۸۰ و ۳۸۱ و ۳۸۲ و ۳۸۳ و ۳۸۴ و ۳۸۵ و ۳۸۶ و ۳۸۷ و ۳۸۸ و ۳۸۹ و ۳۹۰ و ۳۹۱ و ۳۹۲ و ۳۹۳ و ۳۹۴ و ۳۹۵ و ۳۹۶ و ۳۹۷ و ۳۹۸ و ۳۹۹ و ۴۰۰ و ۴۰۱ و ۴۰۲ و ۴۰۳ و ۴۰۴ و ۴۰۵ و ۴۰۶ و ۴۰۷ و ۴۰۸ و ۴۰۹ و ۴۱۰ و ۴۱۱ و ۴۱۲ و ۴۱۳ و ۴۱۴ و ۴۱۵ و ۴۱۶ و ۴۱۷ و ۴۱۸ و ۴۱۹ و ۴۲۰ و ۴۲۱ و ۴۲۲ و ۴۲۳ و ۴۲۴ و ۴۲۵ و ۴۲۶ و ۴۲۷ و ۴۲۸ و ۴۲۹ و ۴۳۰ و ۴۳۱ و ۴۳۲ و ۴۳۳ و ۴۳۴ و ۴۳۵ و ۴۳۶ و ۴۳۷ و ۴۳۸ و ۴۳۹ و ۴۴۰ و ۴۴۱ و ۴۴۲ و ۴۴۳ و ۴۴۴ و ۴۴۵ و ۴۴۶ و ۴۴۷ و ۴۴۸ و ۴۴۹ و ۴۵۰ و ۴۵۱ و ۴۵۲ و ۴۵۳ و ۴۵۴ و ۴۵۵ و ۴۵۶ و ۴۵۷ و ۴۵۸ و ۴۵۹ و ۴۶۰ و ۴۶۱ و ۴۶۲ و ۴۶۳ و ۴۶۴ و ۴۶۵ و ۴۶۶ و ۴۶۷ و ۴۶۸ و ۴۶۹ و ۴۷۰ و ۴۷۱ و ۴۷۲ و ۴۷۳ و ۴۷۴ و ۴۷۵ و ۴۷۶ و ۴۷۷ و ۴۷۸ و ۴۷۹ و ۴۸۰ و ۴۸۱ و ۴۸۲ و ۴۸۳ و ۴۸۴ و ۴۸۵ و ۴۸۶ و ۴۸۷ و ۴۸۸ و ۴۸۹ و ۴۹۰ و ۴۹۱ و ۴۹۲ و ۴۹۳ و ۴۹۴ و ۴۹۵ و ۴۹۶ و ۴۹۷ و ۴۹۸ و ۴۹۹ و ۵۰۰ و ۵۰۱ و ۵۰۲ و ۵۰۳ و ۵۰۴ و ۵۰۵ و ۵۰۶ و ۵۰۷ و ۵۰۸ و ۵۰۹ و ۵۱۰ و ۵۱۱ و ۵۱۲ و ۵۱۳ و ۵۱۴ و ۵۱۵ و ۵۱۶ و ۵۱۷ و ۵۱۸ و ۵۱۹ و ۵۲۰ و ۵۲۱ و ۵۲۲ و ۵۲۳ و ۵۲۴ و ۵۲۵ و ۵۲۶ و ۵۲۷ و ۵۲۸ و ۵۲۹ و ۵۳۰ و ۵۳۱ و ۵۳۲ و ۵۳۳ و ۵۳۴ و ۵۳۵ و ۵۳۶ و ۵۳۷ و ۵۳۸ و ۵۳۹ و ۵۴۰ و ۵۴۱ و ۵۴۲ و ۵۴۳ و ۵۴۴ و ۵۴۵ و ۵۴۶ و ۵۴۷ و ۵۴۸ و ۵۴۹ و ۵۵۰ و ۵۵۱ و ۵۵۲ و ۵۵۳ و ۵۵۴ و ۵۵۵ و ۵۵۶ و ۵۵۷ و ۵۵۸ و ۵۵۹ و ۵۶۰ و ۵۶۱ و ۵۶۲ و ۵۶۳ و ۵۶۴ و ۵۶۵ و ۵۶۶ و ۵۶۷ و ۵۶۸ و ۵۶۹ و ۵۷۰ و ۵۷۱ و ۵۷۲ و ۵۷۳ و ۵۷۴ و ۵۷۵ و ۵۷۶ و ۵۷۷ و ۵۷۸ و ۵۷۹ و ۵۸۰ و ۵۸۱ و ۵۸۲ و ۵۸۳ و ۵۸۴ و ۵۸۵ و ۵۸۶ و ۵۸۷ و ۵۸۸ و ۵۸۹ و ۵۹۰ و ۵۹۱ و ۵۹۲ و ۵۹۳ و ۵۹۴ و ۵۹۵ و ۵۹۶ و ۵۹۷ و ۵۹۸ و ۵۹۹ و ۶۰۰ و ۶۰۱ و ۶۰۲ و ۶۰۳ و ۶۰۴ و ۶۰۵ و ۶۰۶ و ۶۰۷ و ۶۰۸ و ۶۰۹ و ۶۱۰ و ۶۱۱ و ۶۱۲ و ۶۱۳ و ۶۱۴ و ۶۱۵ و ۶۱۶ و ۶۱۷ و ۶۱۸ و ۶۱۹ و ۶۲۰ و ۶۲۱ و ۶۲۲ و ۶۲۳ و ۶۲۴ و ۶۲۵ و ۶۲۶ و ۶۲۷ و ۶۲۸ و ۶۲۹ و ۶۳۰ و ۶۳۱ و ۶۳۲ و ۶۳۳ و ۶۳۴ و ۶۳۵ و ۶۳۶ و ۶۳۷ و ۶۳۸ و ۶۳۹ و ۶۴۰ و ۶۴۱ و ۶۴۲ و ۶۴۳ و ۶۴۴ و ۶۴۵ و ۶۴۶ و ۶۴۷ و ۶۴۸ و ۶۴۹ و ۶۵۰ و ۶۵۱ و ۶۵۲ و ۶۵۳ و ۶۵۴ و ۶۵۵ و ۶۵۶ و ۶۵۷ و ۶۵۸ و ۶۵۹ و ۶۶۰ و ۶۶۱ و ۶۶۲ و ۶۶۳ و ۶۶۴ و ۶۶۵ و ۶۶۶ و ۶۶۷ و ۶۶۸ و ۶۶۹ و ۶۷۰ و ۶۷۱ و ۶۷۲ و ۶۷۳ و ۶۷۴ و ۶۷۵ و ۶۷۶ و ۶۷۷ و ۶۷۸ و ۶۷۹ و ۶۸۰ و ۶۸۱ و ۶۸۲ و ۶۸۳ و ۶۸۴ و ۶۸۵ و ۶۸۶ و ۶۸۷ و ۶۸۸ و ۶۸۹ و ۶۹۰ و ۶۹۱ و ۶۹۲ و ۶۹۳ و ۶۹۴ و ۶۹۵ و ۶۹۶ و ۶۹۷ و ۶۹۸ و ۶۹۹ و ۷۰۰ و ۷۰۱ و ۷۰۲ و ۷۰۳ و ۷۰۴ و ۷۰۵ و ۷۰۶ و ۷۰۷ و ۷۰۸ و ۷۰۹ و ۷۱۰ و ۷۱۱ و ۷۱۲ و ۷۱۳ و ۷۱۴ و ۷۱۵ و ۷۱۶ و ۷۱۷ و ۷۱۸ و ۷۱۹ و ۷۲۰ و ۷۲۱ و ۷۲۲ و ۷۲۳ و ۷۲۴ و ۷۲۵ و ۷۲۶ و ۷۲۷ و ۷۲۸ و ۷۲۹ و ۷۳۰ و ۷۳۱ و ۷۳۲ و ۷۳۳ و ۷۳۴ و ۷۳۵ و ۷۳۶ و ۷۳۷ و ۷۳۸ و ۷۳۹ و ۷۴۰ و ۷۴۱ و ۷۴۲ و ۷۴۳ و ۷۴۴ و ۷۴۵ و ۷۴۶ و ۷۴۷ و ۷۴۸ و ۷۴۹ و ۷۵۰ و ۷۵۱ و ۷۵۲ و ۷۵۳ و ۷۵۴ و ۷۵۵ و ۷۵۶ و ۷۵۷ و ۷۵۸ و ۷۵۹ و ۷۶۰ و ۷۶۱ و ۷۶۲ و ۷۶۳ و ۷۶۴ و ۷۶۵ و ۷۶۶ و ۷۶۷ و ۷۶۸ و ۷۶۹ و ۷۷۰ و ۷۷۱ و ۷۷۲ و ۷۷۳ و ۷۷۴ و ۷۷۵ و ۷۷۶ و ۷۷۷ و ۷۷۸ و ۷۷۹ و ۷۸۰ و ۷۸۱ و ۷۸۲ و ۷۸۳ و ۷۸۴ و ۷۸۵ و ۷۸۶ و ۷۸۷ و ۷۸۸ و ۷۸۹ و ۷۹۰ و ۷۹۱ و ۷۹۲ و ۷۹۳ و ۷۹۴ و ۷۹۵ و ۷۹۶ و ۷۹۷ و ۷۹۸ و ۷۹۹ و ۸۰۰ و ۸۰۱ و ۸۰۲ و ۸۰۳ و ۸۰۴ و ۸۰۵ و ۸۰۶ و ۸۰۷ و ۸۰۸ و ۸۰۹ و ۸۱۰ و ۸۱۱ و ۸۱۲ و ۸۱۳ و ۸۱۴ و ۸۱۵ و ۸۱۶ و ۸۱۷ و ۸۱۸ و ۸۱۹ و ۸۲۰ و ۸۲۱ و ۸۲۲ و ۸۲۳ و ۸۲۴ و ۸۲۵ و ۸۲۶ و ۸۲۷ و ۸۲۸ و ۸۲۹ و ۸۳۰ و ۸۳۱ و ۸۳۲ و ۸۳۳ و ۸۳۴ و ۸۳۵ و ۸۳۶ و ۸۳۷ و ۸۳۸ و ۸۳۹ و ۸۴۰ و ۸۴۱ و ۸۴۲ و ۸۴۳ و ۸۴۴ و ۸۴۵ و ۸۴۶ و ۸۴۷ و ۸۴۸ و ۸۴۹ و ۸۵۰ و ۸۵۱ و ۸۵۲ و ۸۵۳ و ۸۵۴ و ۸۵۵ و ۸۵۶ و ۸۵۷ و ۸۵۸ و ۸۵۹ و ۸۶۰ و ۸۶۱ و ۸۶۲ و ۸۶۳ و ۸۶۴ و ۸۶۵ و ۸۶۶ و ۸۶۷ و ۸۶۸ و ۸۶۹ و ۸۷۰ و ۸۷۱ و ۸۷۲ و ۸۷۳ و ۸۷۴ و ۸۷۵ و ۸۷۶ و ۸۷۷ و ۸۷۸ و ۸۷۹ و ۸۸۰ و ۸۸۱ و ۸۸۲ و ۸۸۳ و ۸۸۴ و ۸۸۵ و ۸۸۶ و ۸۸۷ و ۸۸۸ و ۸۸۹ و ۸۹۰ و ۸۹۱ و ۸۹۲ و ۸۹۳ و ۸۹۴ و ۸۹۵ و ۸۹۶ و ۸۹۷ و ۸۹۸ و ۸۹۹ و ۹۰۰ و ۹۰۱ و ۹۰۲ و ۹۰۳ و ۹۰۴ و ۹۰۵ و ۹۰۶ و ۹۰۷ و ۹۰۸ و ۹۰۹ و ۹۱۰ و ۹۱۱ و ۹۱۲ و ۹۱۳ و ۹۱۴ و ۹۱۵ و ۹۱۶ و ۹۱۷ و ۹۱۸ و ۹۱۹ و ۹۲۰ و ۹۲۱ و ۹۲۲ و ۹۲۳ و ۹۲۴ و ۹۲۵ و ۹۲۶ و ۹۲۷ و ۹۲۸ و ۹۲۹ و ۹۳۰ و ۹۳۱ و ۹۳۲ و ۹۳۳ و ۹۳۴ و ۹۳۵ و ۹۳۶ و ۹۳۷ و ۹۳۸ و ۹۳۹ و ۹۴۰ و ۹۴۱ و ۹۴۲ و ۹۴۳ و ۹۴۴ و ۹۴۵ و ۹۴۶ و ۹۴۷ و ۹۴۸ و ۹۴۹ و ۹۵۰ و ۹۵۱ و ۹۵۲ و ۹۵۳ و ۹۵۴ و ۹۵۵ و ۹۵۶ و ۹۵۷ و ۹۵۸ و ۹۵۹ و ۹۶۰ و ۹۶۱ و ۹۶۲ و ۹۶۳ و ۹۶۴ و ۹۶۵ و ۹۶۶ و ۹۶۷ و ۹۶۸ و ۹۶۹ و ۹۷۰ و ۹۷۱ و ۹۷۲ و ۹۷۳ و ۹۷۴ و ۹۷۵ و ۹۷۶ و ۹۷۷ و ۹۷۸ و ۹۷۹ و ۹۸۰ و ۹۸۱ و ۹۸۲ و ۹۸۳ و ۹۸۴ و ۹۸۵ و ۹۸۶ و ۹۸۷ و ۹۸۸ و ۹۸۹ و ۹۹۰ و ۹۹۱ و ۹۹۲ و ۹۹۳ و ۹۹۴ و ۹۹۵ و ۹۹۶ و ۹۹۷ و ۹۹۸ و ۹۹۹ و ۱۰۰۰

بہ دسنا الیہم رجلا من اهل البلد كانوا نصارى وحسن اسلامهم و امرناهم ان يدرخلو عسكرهم

و یکتوا اسلامهم و یاتوا باخبارهم ۱۲۔ کتاب مذکور صفحہ ۸۰۔ فتح البلدان صفحہ ۱۵۔

انکو بھی خراج معاف کر دیا گیا۔

فوجی انتظام کے سلسلے میں جو چیز سب سے بڑھکر حیرت انگیز ہے یہ ہے کہ باوجودیکہ اس قدر بشمار فوجیں تھیں اور مختلف ملک، مختلف قبائل، مختلف طبائع، کے لوگ اس سلسلے میں داخل تھے، اسکے ساتھ وہ نہایت دور دراز مقامات تک پھیلی ہوئی تھیں جہاں سے دار الخلافہ تک سیکڑوں ہزاروں کوس کا فاصلہ تھا تاہم تمام فوج اس طرح حضرت عمر کے قبضہ قدرت میں تھی کہ گویا وہ خود ہر جگہ فوج کے ساتھ موجود ہیں۔ اس کا عام سبب تو حضرت عمر کی سطوت اور ان کا رعب و داب تھا لیکن ایک بڑا سبب یہ تھا کہ حضرت عمر نے ہر فوج کے ساتھ پرچہ نویس لگا رکھے تھے اور فوج کی ایک ایک بات کی انکو خبر پہنچتی رہتی تھی۔ علامہ طبری ایک صغنی موقع پر لکھتے ہیں وکانت تکون لعمر العیون فی کل حبش فکنت الی عمر بما کان فی تلك الغزاة وبلغه الذي قال عتبةؓ۔ ایک اور موقع پر لکھتے ہیں وکان عمر لا یخفی علیہ شیء فی علمہ۔

پرچہ نویس  
کا انتظام

اس انتظام سے حضرت عمر یہ کام لیتے تھے کہ جہاں فوج میں کسی شخص سے کسی قسم کی بداعتدالی ہو جاتی تھی فوراً اسکا تذکرہ کر دیتے تھے جس سے اوروں کو بھی عبرت ہو جاتی تھی۔ ایران کی فتوحات میں عمرو معدیکرب نے ایک دفعہ اپنے افسر کی شان میں گستاخانہ کلمہ کہ دیا تھا، فوراً حضرت عمر کو خبر ہوئی اور اسی وقت انھوں نے عمرو معدیکرب کو تحریر کے ذریعے سے ایسی چشم نمائی کی کہ پھر انکو کبھی ایسی جرأت نہیں ہوئی، اس قسم کی سیکڑوں



مثالین ہیں جنکا استقصاء نہیں ہو سکتا۔

### صیغہ تعلیم

حضرت عمرؓ نے اگرچہ تعلیم کو نہایت ترقی دی تھی۔ تمام ممالک مفتوحہ میں ابتدائی مکاتب قائم کئے تھے جن میں قرآن مجید۔ اخلاقی اشعار، اور امثال عرب کی تعلیم ہوتی تھی۔ بڑے بڑے علمائے صحابہ، اصلااح میں حدیث و فقہ کی تعلیم کے لئے مامور کئے تھے۔ مدرسین اور معلمین کی تنخواہیں بھی مقرر کی تھیں۔ لیکن چونکہ تعلیم زیادہ تر مذہبی تھی اس لئے اسکا ذکر تفصیل کے ساتھ ”صیغہ مذہبی“ کے بیان میں آئیگا۔

### صیغہ مذہبی

خلافت کی حیثیت سے حضرت عمرؓ کا جو اصلی کام تھا وہ مذہب کی تعلیم و تلقین تھی اور درحقیقت حضرت عمرؓ کے کارناموں کا طغرایہی ہے۔ لیکن مذہب کی روحانی تعلیم یعنی توجہ الی اللہ۔ استغراق فی العبادۃ۔ صفائے قلب، قطع علانق، خضوع و خشوع، یہ چیزیں کسی محسوس اور مادی سرشتہ نظام کے تحت میں نہیں آسکتیں۔ اسلیے نظام حکومت کی تفصیل میں ہم اسکا ذکر نہیں کر سکتے اسکا ذکر حضرت عمرؓ کے ذاتی حالات میں آئیگا البتہ اشاعت اسلام، تعلیم قرآن و حدیث، احکام مذہبی کا اجرا اس قسم کے کام نظام کی تحت میں آسکتے ہیں حضرت عمرؓ نے انکے متعلق جو کچھ کیا اسکی تفصیل ہم اس موقع پر لکھتے ہیں۔

اشاعت اسلام  
کا طریقہ

اس صیغہ کا سب سے بڑا کام اشاعت اسلام تھا۔ اشاعت اسلام کے یہ  
معنی نہیں کہ لوگوں کو تلوار کے زور سے مسلمان بنایا جائے۔ حضرت عمر اس طریقے  
کے بالکل خلاف تھے اور جو شخص قرآن مجید کی اس آیت پر لاکھ لاکھ فی الدین بتاویل  
عمل کرنا چاہتا ہے وہ ضرور اسکے خلاف ہوگا، حضرت عمر نے خود ایک موقع پر یعنی جب  
انکا غلام باوجود ہدایت و ترغیب کے اسلام نہ لایا تو فرمایا کہ لاکھ لاکھ فی الدین  
اشاعت اسلام کے یہ معنی ہیں کہ تمام دنیا کو اسلام کی دعوت دی جائے اور  
لوگوں کو اسلام کے اصول اور مسائل سمجھا کر اسلام کی طرف راغب کیا جائے۔

حضرت عمر جس ملک پر فوجیں بھیجتے تھے تاکید کرتے تھے کہ پہلے اُن لوگوں کو  
اسلام کی ترغیب دلائی جائے اور اسلام کے اصول و عقائد سمجھائے جائیں چنانچہ  
فتح ایران، سعد و قاص کو جو خط لکھا اُس میں یہ الفاظ تھے وقد كنت امرتك ان  
تدعو من لقيت الى الاسلام قبل القتال۔ قاضی ابو یوسف صاحب نے لکھا ہے  
کہ حضرت عمر کا معمول تھا کہ جب اُنکے پاس کوئی فوج مہیا ہوتی تھی تو انہیں ایسا افسر  
مقرر کرتے تھے جو صاحب علم اور صاحب فقہ ہوتا تھا۔ یہ ظاہر ہے کہ فوجی افسروں  
کے لئے علم و فقہ کی ضرورت اسی تبلیغ اسلام کی ضرورت سے تھی، شام و عراق  
کی فتوحات میں تم نے پڑھا ہوگا کہ ایرانیوں اور عیسائیوں کے پاس جو اسلامی

۱۔ روایت طبقات بن سعد میں موجود ہے جو نہایت معتبر کتاب ہے، دیکھو کنز العمال جلد پنجم صفحہ ۴۹۔ مطبوعہ

میدرآباد۔ ۲۔ کتاب الخراج صفحہ ۱۲۰۔

سفارتیں گئیں اُنھوں نے کس خوبی اور صفائی سے اسلام کے اصول و عقائد اُنکے سامنے بیان کئے۔

اشاعت اسلام کی سب سے بڑی تدبیر یہ ہے کہ غیر قوموں کو اسلام کا جو نمونہ دکھلایا جائے وہ ایسا ہو کہ خود بخود لوگوں کے دل اسلام کی طرف کھینچ آئیں۔ حضرت عمر کے عہد میں نہایت کثرت سے اسلام پھیلا اور اسکی بڑی وجہ یہی تھی کہ اُنھوں نے اپنی تربیت اور ارشاد سے تمام مسلمانوں کو اسلام کا اصلی نمونہ بنا دیا تھا۔ اسلامی فوجیں جس ملک میں جاتی تھیں لوگوں کو خواہ مخواہ اُنکے دیکھنے کا شوق پیدا ہوتا تھا، کیونکہ چند بادیہ نشینوں کا دنیا کی تسخیر کو اٹھنا حیرت اور استعجاب سے خالی نہ تھا۔ اس طرح جب لوگوں کو اُنکے دیکھنے اور اُن سے ملنے جلنے کا اتفاق ہوتا تھا تو ایک مسلمان۔ سچائی۔ سادگی۔ پاکیزگی، جوش اور اخلاص، کی تصویر نظر آتا تھا۔ یہ چیزیں خود بخود لوگوں کے دل کو کھینچتی تھیں اور اسلام انہیں گھرتا جاتا تھا۔ شام کے واقعات میں تم نے پڑھا ہوگا کہ رومیوں کا سفیر حاجب، ابو عبیدہ کی فوج میں جا کر کس اثر سے متاثر ہوا اور کس طرح دفعۃً قوم اور خاندان سے الگ ہو کر مسلمان ہو گیا۔ شطا جو مصر کی حکومت کا ایک بڑا رئیس تھا۔ مسلمانوں کے حالات ہی سُن کر اسلام کا گرویدہ ہوا اور آخر دو ہزار آدمیوں کے ساتھ مسلمان ہو گیا۔

۱۷ تاریخ مقرری مفر ۲۲۶ میں ہے فخر شطاف الفین من اصحابہ ولحق بالمسلمین وقد کان قبل ذلک

یحییٰ الخفین و میل الی ما یسمعه من سیرۃ اہل الاسلام ۱۲

اسلامی فتوحات کی بولمبھی نے بھی اس خیال کو قوت دی، یہ واقعہ کہ چیندر  
صحرائشیون کے آگے بڑی بڑی قدیم اور پُر زور قوموں کا قدم اکھڑتا جاتا ہے۔ خوش اعتقاد  
قوموں کے دل میں خود بخود یہ خیال پیدا کرتا تھا کہ اس گروہ کے ساتھ تائید آسمانی  
شامل ہے۔ یزدگرد شہنشاہ فارس نے جب خاقان چین کے پاس استمداد کی  
غرض سے سفارت بھیجی، تو خاقان نے اسلامی فوج کے حالات دریافت کئے  
اور حالات سن کر یہ کہا کہ ایسی قوم سے مقابلہ کرنا بیفائدہ ہے، ”فارس کے معرکین  
جب پارسیوں کا ایک مشہور بہادر بھاگ نکلا اور سردار فوج نے اسکو گرفتار کر کے  
بھاگنے کی سزا دینی چاہی، تو اُس نے ایک بڑے پتھر کو تیر سے توڑ کر کہا کہ یہ تیر بھی جن  
لوگوں پر اثر نہیں کرتے خدا اُنکے ساتھ ہے اور اُن سے لڑنا بیکار ہے۔ ابورجا فارسی  
کے دادا کا بیان ہے، کہ ”قداد سیہ کی لڑائی میں یمن حاضر تھا اور اسوقت تک  
میں مجبوس تھا۔ عرب نے جب تیر اندازی شروع کی تو ہم نے تیر دن کو دیکھ کر کہا کہ  
”تکلی ہیں“، لیکن انہی تکلوں نے ہماری سلطنت برباد کر دی،“ مصر پر جب حملہ ہوا  
تو اسکندریہ کے بشپ نے قبطیوں کو لکھا کہ رومیوں کی سلطنت ہو چکی اب تم مسلمانوں  
سے مل جاؤ۔

انشاء اللہ  
کے اسباب

ان باتوں کے ساتھ اور اسباب بھی اسلام کے پھیلنے کا سبب ہوئے۔ عرب  
کے قبائل جو عراق اور شام میں آباد تھے اور عیسائی ہو گئے تھے فطرۃً جس قدر انکا

میلان ایک نبی عربی کی طرف ہو سکتا تھا غیر قوم کی طرف نہیں ہو سکتا تھا، چنانچہ جس قدر زمانہ گزرتا گیا وہ اسلام کے حلقے میں آتے گئے، یہی بات ہے کہ اس عہد کے نو مسلم، جس قدر عرب تھے اور قومیں نہ تھیں۔ ایک وجہ یہ بھی تھی کہ بعض بڑے بڑے پیشوا ہی مذہبی مسلمان ہو گئے تھے مثلاً دمشق جب فتح ہوا تو وہاں کا بیشپ جسکا نام اور کون تھا حضرت خالدؓ کے ہات پر اسلام لایا۔ ایک پیشوا ہی مذہب کے مسلمان ہونے سے اُسکے پیروؤں کو خواہ مخواہ اسلام کی طرف رغبت ہوتی ہوگی۔ ان مختلف اسباب سے نہایت کثرت کے ساتھ لوگ اسلام لائے۔ افسوس ہے کہ ہمارے مؤرخین نے کسی موقع پر اس واقعہ کو مستقل عنوان سے نہیں لکھا جسکی وجہ سے ہم تعداد کا اندازہ نہیں بنا سکتے۔ تاہم صمنی تذکرہ میں سے کسی قدر تپہ لگ سکتا ہے چنانچہ ہم انکو اس موقع پر بیان کرتے ہیں۔

سلسلہ کے اخیر میں جب جلو لار فتح ہوا تو بڑے بڑے رؤسا اور نواب اپنی خوشی سے مسلمان ہو گئے۔ ان میں سے جو زیادہ صاحب اختیار اور نامور تھے اُنکے یہ نام ہیں۔ جمیل بن جبہری، بسطام بن زری۔ رفیل۔ فیروز۔ ان رئیسوں کے مسلمان ہو جانے سے اُنکی رعایا میں خود بخود اسلام کو شیع ہو ا۔

قادسیہ کے معرکہ کے بعد چار ہزار دیلم کی فوج، جو خسرو پر وزیر کی تربیت یافتہ تھی اور اپیسیریل گارڈ یعنی شاہی رسالہ کہلاتی تھی کل کی کل مسلمان ہو گئی۔

حضرت عمر  
کے زمانے  
میں جو لوگ  
اسلام لائے

یزدگرد کے مقدمہ الجیش کا افسر ایک مشہور بہادر تھا جس کا نام سیاہ تھا۔ یزدگرد وحید  
 اصفہان کو روانہ ہوا تو اُس نے سیاہ کو بلا کر تین سو بڑے بڑے رئیس اور پہلوان ساتھ  
 کئے اور اصرار کیا کہ یہ بھی حکم دیا کہ راہ میں ہر ہر شہر سے عمدہ سپاہی انتخاب کر کے  
 ساتھ لیتا جائے، اسلامی فوجیں جب تشریف لیں، تو سیاہ اپنے سرداروں کے  
 ساتھ ان اطراف میں مقیم تھا، ایک دن اُس نے تمام ہمراہیوں کو جمع کر کے کہا کہ ہلوگ  
 جو پہلے کہا کرتے تھے کہ یہ لوگ (عرب) ہمارے ملک پر غالب آجائیں گے، اسکی بددعا  
 تصدیق ہوتی جاتی ہے، اس لئے بہتر یہ ہے کہ ہلوگ خود اسلام قبول کر لیں، چنانچہ  
 اسی وقت سب کے سب مسلمان ہو گئے، یہ لوگ اسادۃ کلمات تھے۔ کوفہ میں ان کے  
 نام سے نہر اسادۃ مشہور ہے۔ ان کے اسلام لانے پر سیاحۃ زہا۔ اند غار بھی مسلمان  
 ہو گئے۔ یہ تینوں قومیں اہل میں سندھ کی رہنے والی تھیں جو خسرو پر دیز کے عہد میں گرفتار  
 ہو کر آئی تھیں اور فوج میں داخل کی گئی تھیں۔

مصر میں بھی اسلام، کثرت سے پھیلا، عمرو بن العاص نے جب مصر کے بعض  
 قصبات کے لوگوں کو اس بنا پر کہ وہ مسلمانوں سے لڑے تھے گرفتار کر کے نوٹدی  
 غلام بنایا، اور وہ فروخت ہو کر تمام عرب میں پھیل گئے، تو حضرت عمر نے بڑی قہقہہ  
 کے ساتھ ہر جگہ سے انکو واپس لے کر مصر بھیجا اور لکھ بھیجا کہ انکو اختیار ہے خواہ  
 اسلام لائیں خواہ اپنے مذہب پر قائم رہیں۔ چنانچہ ان میں سے قصبہ بلسیب کے

رہنے والے کل کے کل اپنی خواہش سے مسلمان ہو گئے۔ دمیاط کی فتح کے بعد جب اسلامی فوجیں آگے بڑھیں تو بقرۃ اور ورادۃ سے میکر عسقلان تک جو شام میں داخل ہے ہر جگہ اسلام پھیل گیا۔

شطا مصر کا ایک مشہور شہر ہے جہاں کے کپڑے مشہور ہیں۔ بیان کا رئیس مسلمانوں کے حالات سن کر پہلے ہی سے اسلام کی طرف مائل تھا چنانچہ جب اسلامی فوجیں دمیاط میں پہنچیں تو دو ہزار آدمیوں کے ساتھ شطا سے نکل کر مسلمانوں سے آ ملا اور مسلمان ہو گیا۔

فسطاط جسکو عمرو بن العاص نے آباد کیا تھا اور حبلی جگہ اب قاہرہ دار السلطنت ہے۔ بیان میں بڑے بڑے محلے تھے، جہاں زیادہ تر نو مسلم آباد کر لئے گئے تھے۔ ایک محلہ بنو بنہ کے نام سے آباد تھا جو ایک یونانی خاندان تھا اور مسلمان ہو گیا تھا، مصر کے معرکہ میں اس خاندان کے نو آدمی اسلامی فوج کے ساتھ شامل تھے۔ دوسرا محلہ بنو الارزق کے نام پر تھا۔ یہ بھی ایک یونانی خاندان تھا اور اس قدر کثیر النسل تھا کہ مصر کی جنگ میں اس خاندان کے ۴۰۰ بہادر شریک تھے۔ تیسرا محلہ ربویل کے نام سے آباد تھا، یہ لوگ پہلے یرموک و قیساریہ میں سکونت

۱ تاریخ مقریزی صفحہ ۱۶۶ جلد اول۔ ۲ مقریزی صفحہ ۱۸۴ میں ہے و لما افتخ المسلمون الفرس بعد ما

افتتحو دمیاط و تنیس و سائر الی بقرۃ فاسلمو بہا و سائر امنہا الی الورادۃ فدخل

اہلہا فی الاسلام و ما حولہا الی عسقلان ۱۲ مقریزی جلد اول صفحہ ۲۲۶۔

رکھتے تھے، پھر مسلمان ہو کر عمرو بن العاص کے ساتھ مصر چلے آئے تھے، یہ ایک بہت بڑا یہودی خاندان تھا، مصر کی فتح میں ہزار آدمی اس خاندان کے شامل تھے۔<sup>۱۵</sup>

فسطاط میں ایک اور محلہ تھا جہاں صرف نو مسلم مجوسی آباد کرائے گئے تھے چنانچہ یہ محلہ انہی کے نام پر پارسیوں کا محلہ کہلاتا تھا۔ یہ لوگ اصل میں باذان کی فتح کے آدمی تھے جو نوشیروان کی طرف سے سین کا عامل تھا۔ جب اسلام کا قدم، شام میں پہنچا تو یہ لوگ مسلمان ہو گئے اور عمرو بن العاص کے ساتھ مصر آئے۔ اسی طرح اور جتہ جتہ مقامات سے یہ پتہ چلتا ہے کہ ہر جگہ کثرت سے اسلام

پھیل گیا تھا، موثرخ بلاذری نے باس کے ذکر میں لکھا ہے کہ حضرت ابو عبیدہ نے یہاں وہ عرب آباد کرائے جو شام میں سکونت رکھتے تھے اور مسلمان ہو گئے تھے۔<sup>۱۶</sup> موثرخ اردی جنگ یرموک کے حالات میں لکھتا ہے کہ ”جب رومیوں کی فوجیں یرموک میں اتریں تو وہ لوگ جاسوس بنا کر بھیجے جاتے تھے جو وہیں کے رہنے والے تھے، اور مسلمان ہو گئے تھے۔ ان لوگوں کو تاکید تھی کہ اپنا اسلام ظاہر نہ کریں تاکہ رومی ان سے بدگمان نہ ہونے پائیں۔“ موثرخ طبری نے مسلمہ کے واقعات میں لکھا ہے کہ اس لڑائی میں بہت سے اہل عجم نے مسلمانوں کو مدد دی جن میں سے کچھ لڑائی سے پہلے ہی مسلمان ہو گئے تھے اور کچھ لڑائی کے بعد



اسلام لائے۔

ان واقعات سے صاف اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ کے مبارک عہد میں اسلام کثرت سے پھیلا اور تلو اسے نہیں بلکہ اپنے فیض و برکت سے۔

اشاعت اسلام کے بعد اصول مذہب اور اعمال مذہبی کی ترویج بھی یعنی جن چیزوں پر اسلام کا مدار ہے انکا محفوظ رکھنا اور انکی اشاعت اور ترویج کرنی، اس سلسلے میں سب سے مقدم، قرآن مجید کی حفاظت، اور اسکی تعلیم و ترویج تھی۔

حضرت عمرؓ نے اسکے متعلق جو کوششیں کیں انکی نسبت شاہ ولی اللہ صاحب نے نہایت صحیح لکھا کہ ”امروز ہر قرآن می خواند از طوایف مسلمین، بہت فاروقِ عظم در گردن اوست۔“

یہ مسلم ہے کہ اسلام کا اصل الاصول قرآن مجید ہے اور اس سے بھی انکار نہیں ہو سکتا کہ قرآن مجید کا جمع کرنا۔ ترتیب دینا، صحیح نسخہ لکھوا کر محفوظ رکھنا، تمام ممالک میں اسکی تعلیم کو رواج دینا، جو کچھ ہوا حضرت عمرؓ کے اہتمام اور توجہ سے ہوا، تفصیل اسکی یہ ہے کہ جناب رسول اللہ کے عہد تک قرآن مجید مرتب نہیں ہوا تھا، متفرق اجزاء متعدد صحابہ کے پاس تھے وہ بھی کچھ پڑیوں پر کچھ کھجور کے پتوں پر کچھ بیتھری کی تختیوں پر، لوگوں کو پورا حفظ یاد بھی نہ تھا۔ کسی کو کوئی سورہ یاد تھی کسی کو کوئی۔ حضرت ابو بکرؓ کے عہد میں جب میلہ کذاب سے لڑائی ہوئی تو سیکڑوں صحابہ شہید ہو

حضرت عمرؓ نے  
قرآن مجید  
کی جمع و ترتیب  
میں جو کوشش  
کی

جن میں بہت سے حفاظ قرآن تھے۔ لڑائی کے بعد حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکرؓ کے پاس جا کر کہا کہ ”اگر اسی طرح حفاظ قرآن اُٹھتے گئے تو قرآن جا مارے گا“ اس لئے ابھی سے اُسکی جمع و ترتیب کی فکر کرنی چاہئے“ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا جو ”کام رسول اللہؐ نے نہیں کیا میں کیونکر کروں“ حضرت عمرؓ نے بار بار اُسکی مصلحت اور ضرورت بیان کی یہاں تک کہ حضرت ابوبکرؓ انکی رائے سے متفق ہو گئے۔ صحابہؓ میں سے وحی کے لکھنے کا کام سب سے زیادہ زید بن ثابتؓ نے کیا تھا چنانچہ وہ طلب کئے گئے اور اس خدمت پر مامور ہوئے کہ جہاں جہاں سے قرآن کی سورتیں یا آیتیں بات آئیں یکجا کی جائیں۔ حضرت عمرؓ نے مجمع عام میں اعلان کیا کہ جسے قرآن کا کوئی حصہ رسول اللہؐ سے سیکھا ہو میرے پاس لیکر آئے۔ اس بات کا التزام کیا گیا کہ جو شخص کوئی آیت پیش کرتا تھا اُسپر دو شخصوں کی اور شہادت لی جاتی تھی کہ ہم نے اسکو آنحضرتؐ کے عہد میں قلمبند دیکھا تھا۔ غرض اس طرح جب تمام سورتیں جمع ہو گئیں تو چند آدمی مامور ہوئے کہ انکی نگرانی میں پورا قرآن ایک مجموعہ میں لکھا جائے، سید بن العاص بتاتے جاتے تھے اور زید بن ثابتؓ لکھتے جاتے تھے، مگر ان لوگوں کو علم تھا کہ کسی لفظ کے تلفظ و لہجہ میں اختلاف پیدا ہو تو قبیلہ مضر کے لہجہ کے مطابق لکھا جائے۔ کیونکہ قرآن مجید مضر ہی کی خاص زبان میں اُتارا ہے۔

اُس وقت قرآن مجید کی حفاظت اور صحت کے لئے چند امور نہایت ضروری تھے۔

قرآن مجید کی  
حفاظت اور  
صحت الفاظ  
واعراب کی  
تدبیریں

اول یہ کہ نہایت وسعت کے ساتھ اسکی تعلیم شائع کی جائے اور سیکڑوں ہزاروں آدمی حافظ قرآن بنادئے جائیں تاکہ تحریف و تغیر کا احتمال نہ رہے۔ دوسرے یہ کہ اعراب اور الفاظ کی صحت نہایت اہتمام کے ساتھ محفوظ رکھی جائے۔ تیسرے یہ کہ قرآن مجید کی بہت سی نقلیں ہو کر ملک میں کثرت سے شائع ہو جائیں۔ حضرت عمرؓ نے ان تینوں امور کو اس کمال کے ساتھ انجام دیا کہ اس سے بڑھکر ممکن نہ تھا۔

قرآن مجید کی تعلیم کا انتظام

تمام ممالک مفتوحہ میں ہر جگہ قرآن مجید کا درس جاری کیا اور معلم و قاری مقرر کر کے انکی تنخواہیں مقرر کیں، چنانچہ یہ امر بھی حضرت عمرؓ کے اولیات میں شمار کیا جاتا ہے کہ انھوں نے معلموں کی تنخواہیں مقرر کیں۔ تنخواہیں اسوقت کے حالات کے لحاظ سے کم نہ تھیں مثلاً خاص مدینہ منورہ میں چھوٹے چھوٹے بچوں کی تعلیم کے لئے جو مکتب تھے انکے معلموں کی تنخواہیں ۱۵-۱۵ درہم ماہوار تھیں۔ خانہ بدوش بدوؤں کے لئے قرآن مجید کی تعلیم جبری طور پر قائم کی، چنانچہ ایک شخص کو جبکانام ابوسفیان تھا چند آدمیوں کے ساتھ مامور کیا کہ قبائل میں پھر پھر ہر شخص کا امتحان لے اور جسکو قرآن مجید کا کوئی حصہ یاد نہ ہو اسکو سزا دئے۔

بڑوں کو بڑی تعلیم

مکتب میں لکھنا بھی سکھایا جاتا تھا۔ عام طور پر تمام اضلاع میں احکام بھیجئے تھے کہ بچوں کو شہسواری اور کتابت کی تعلیم دی جائے۔ ابو عامر سلیم جو رواۃ حدیث میں ہیں انکی

کتابت کی تعلیم

۱۵ سیرۃ النبی لابن الجوزی میں ہے ان عمر بن الخطاب و عثمان بن عفان کان من فاضل المدین و الامامة و العلمین ۱۵

انانی جز ۱ صفحہ ۵۰۰ - اصابت فی احوال الصحابین بھی یہ واقعہ منقول ہے ۱۷

زبانی روایت ہے کہ میں بچپن میں گرفتار ہو کر مدینہ میں آیا۔ یہاں مجھ کو مکتب میں بٹھایا گیا۔ معلم مجھ سے جب میم لکھواتا تھا اور میں اچھی طرح نہیں لکھ سکتا تھا تو کہتا تھا کہ گول لکھو جس طرح گائے کی آنکھیں ہوتی ہیں۔

صحابہ میں سے وہ بزرگ تھے جنھوں نے قرآن مجید کو آنحضرت کے زمانہ میں ہی حفظ کر لیا تھا، معاذ بن جبل، عبادہ بن الصامت، ابی بن کعب، ابویوب، ابوالدرداء، انہیں خاص کر ابی بن کعب سید القراء تھے اور خود آنحضرت نے اس باب میں انکی مرچ کی تھی۔ حضرت عمرؓ نے ان سب کو بلا کر کما گز شام کے مسلمانوں کو ضرورت ہے آپ لوگ جا کر قرآن کی تعلیم دیجئے، ابویوب ضعیف اور ابی بن کعب بیمار تھے، اس لئے جائز سکے۔ باقی تین صاحبوں نے خوشی سے منظور کیا۔ حضرت عمرؓ نے ہدایت کی کہ پہلے حصہ کو جائیں۔ وہاں کچھ دنوں قیام کر کے جب تعلیم پمیل جائے تو ایک شخص کو وہیں چھوڑیں باقی دواؤں میں سے ایک صاحب دمشق اور ایک صاحب فلسطین جائیں۔ چنانچہ یہ سب لوگ پہلے حصہ گئے۔ وہاں جب اچھی طرح بندوبست ہو گیا تو عبادہ نے وہیں قیام کیا اور ابودرداء، دمشق۔ اور معاذ بن جبل، فلسطین کو روانہ ہوئے۔ معاذ بن جبل نے طاعون عمواس میں وفات پائی۔ لیکن ابودرداء حضرت عثمان کی اخیر خلافت تک زندہ اور دمشق میں مقیم رہے۔

۱۵ ہم البلدان۔ لغت حاضر ہم میں اس روایت کو حضرت ابوبکر کے عہد کی نسبت لکھا ہے لیکن خود صاحب ہم نے اس پر اعتراض کیا ہے کہ اس وقت تک یہ مقامات فتح نہیں ہوئے تھے۔ ۱۶ یہ تمام تفصیل کثیر المال عبداد صغیرہ ۲

قرآن صحابہ کا  
تعلیم قرآن  
کے آئیے دو  
دراز تھا  
پر بھیجا۔

ابو درداءؓ کی تعلیم کا طریقہ جیسا کہ علامہ ذہبی نے طبقات القراء میں لکھا ہے یہ تھا کہ صبح کی نماز پڑھ کر جامع مسجد میں بیٹھ جاتے تھے گردِ قرآن پڑھنے والوں کا ہجوم ہوتا تھا۔ ابو درداءؓ دن دن آدیون کی الگ الگ جماعت کر دیتے تھے اور ہر جماعت پر ایک قاری کو مقرر کرتے تھے کہ انکو قرآن پڑھائے، خود ٹہلتے جاتے تھے اور پڑھنے والوں پر کان لگائے رہتے تھے جب کوئی طالبِ علم پورا قرآن یاد کر لیتا تھا تو ابو درداءؓ اس کو اپنی شاگردی میں لیتے تھے۔ ایک دن ابو درداءؓ نے شمار کرایا تو سولہ سوطا لب العلم اُن کے حلقہ درس میں موجود تھے۔

تعلیم قرآن کا  
نمطدانش کی مسجد  
میں طلبہ قرآن  
کی تعداد

حضرت عمرؓ نے قرآن مجید کی زیادہ اشاعت کے لئے ان تدریسوں کے ساتھ اور بہت سے وسائل اختیار کئے۔ ضروری سورتوں یعنی بقرہ۔ نساء۔ مائدہ۔ حج۔ نور۔ کی نسبت یہ حکم دیا کہ سب لوگ اس قدر قرآن ضرور سیکھیں کیونکہ ان میں احکام اور غرایض مذکور ہیں۔ عمال کو لکھ بھیجا کہ جو لوگ قرآن مجید سیکھیں ان کی تنخواہ میں مقرر کردہ میسرے بعد کو جب ضرورت نہ رہی تو یہ حکم منسوخ کر دیا، اہل فوج کو جو ضروری ہدایتیں لکھ کر بھیجا کرتے تھے ان میں یہ بھی ہوتا تھا کہ قرآن مجید پڑھنا سیکھیں۔ وقتاً فوقتاً عمال سے قرآن خوانوں کا رجسٹرنگواتے رہتے تھے۔ ان تدریسوں کا یہ نتیجہ ہوا کہ بیشمار آدمی قرآن پڑھ گئے۔ ناظرہ خوانوں کا تو شمار نہ تھا لیکن حافظوں کی تعداد بھی سیکڑوں ہزاروں تک پہنچ گئی۔ فوجی امیروں کو جب اس مضمون کا خط لکھا کہ ”حفاظ قرآن کو میرے پاس بھیج دو تاکہ

اشاعت قرآن  
کے وسائل

مانفون کی  
تعداد

میں انکو قرآن کی تعلیم کے لئے جا بجا بھیجوں، تو سعد وقاص نے جواب میں لکھا کہ صرف میری فوج میں تین سو حافظ موجود ہیں۔

صحتِ اعراب  
کی تدبیریں

تیسرا امر یعنی صحتِ اعراب و صحتِ تلفظ، اسکے لئے بھی نہایت اہتمام کیا اور درحقیقت یہ سب سے مقدم تھا۔ قرآن مجید جب مرتب و مدون ہوا تھا تو اعراب کے ساتھ نہیں ہوا تھا۔ اس لئے صرف قرآن مجید کا شائع ہونا کچھ مفید نہ تھا اگر صحتِ اعراب و تلفظ کا اہتمام نہ کیا جاتا۔ حضرت عمرؓ نے اس کے لئے مختلف تدبیریں اختیار کیں۔

سب سے اول یہ کہ ہر جگہ تاکیدِ احکام بھیجے کہ قرآن مجید کے ساتھ صحتِ الفاظ و صحتِ اعراب کی بھی تعلیم دی جائے۔ انکے خاص الفاظ حسب روایت بن الانباری یہ ہیں تَعْلَمُوا اَعْرَابَ الْقُرْآنِ كَمَا تَعْلَمُونَ حِفْظُهُ وَرِسْدَ دَارِ مِیْنِیْہِ الْفَاطِیْنِ تَعْلَمُوا الْقُرْآنَ بِاللَّحْنِ وَالشَّئْنِ كَمَا تَعْلَمُوا الْقُرْآنَ

ادب اور  
عربیت کی  
تسلیم

دوسرے یہ کہ قرآن کی تعلیم کے ساتھ۔ ادب اور عربیت کی تعلیم بھی لازمی کر دی تاکہ لوگ خود اعراب کی صحت و غلطی کی تیز کر سکیں۔

تیسرے یہ حکم دیا کہ کوئی شخص جو لغت کا عالم نہ ہو قرآن نہ پڑھانے پائے۔

قرآن مجید کے بعد، حدیث کا درجہ ہے۔ حضرت عمرؓ نے اگرچہ حدیث کی ترویج میں نہایت کوشش کی لیکن احتیاط کو ملحوظ رکھا، اور یہ انکی دقیقہ سنجی کی سبب سے بڑی دلیل ہے، وہ بجز مخصوص صحابہ کے عام طور پر لوگوں کو روایتِ حدیث کی اجازت نہیں دیتے تھے۔

حدیث کی  
تسلیم

شاہ ولی اللہ صاحب تحریر فرماتے ہیں: چنانکہ فاروق اعظم عبد اللہ بن مسعود را جامعہ بکوفہ فرستاد و مقل بن یسار و عبد اللہ بن مفضل و عمران بن حصین را بہ بصرہ و عبادہ بن صامت و ابو دردار را بشام و بہ معادیہ بن ابی سفیان کہ امیر شام بود قد عن بلخ نوشت کہ از حدیث ایشان تجاویز نکند۔ حقیقت یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے روایت حدیث کے متعلق جو اصول قائم کئے تھے وہ انکی نکتہ سنجی کا بہت بڑا کا زنامہ ہے لیکن انکی تفصیل کا یہ موقع نہیں۔ آنکھے ذاتی حالات میں، انکے فضل و کمال کا جہان ذکر آئیگا ہم اسکے متعلق نہایت تفصیل سے کام لیں گے۔

نفت

حدیث کے بعد فقہ کا رتبہ ہے اور چونکہ مسائل فقہیہ سے ہر شخص کو ہر روز کام پڑتا ہے اس لئے حضرت عمرؓ نے انکو اس قدر اشاعت دی کہ آج باوجود بہت سے نئے وسائل پیدا ہو جانے کے، یہ نشر و اشاعت ممکن نہیں، مسائل فقہیہ کی ترویج کے لئے جو تدبیریں اختیار کیں حسب ذیل ہیں۔

مسائل فقہ  
کی اشاعت

(۱) جہان تک وقت اور فرصت مساعدت کر سکتی تھی، خود بالمشافہ احکام مذہبی کی تعلیم کرتے تھے، جمعہ کے دن جو خطبہ پڑھتے تھے اسی میں تمام ضروری احکام اور مسائل بیان کرتے تھے۔ حج کے خطبہ میں حج کے مناسک اور احکام بیان فرماتے تھے۔ موطا امام محمد میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے عرفات میں خطبہ پڑھا اور حج کے تمام مسائل تعلیم کئے۔ سیطیح شام و بیت المقدس وغیرہ کے سفر میں وقتاً فوقتاً جو مشہور اور پراثر خطبے پڑھے انہیں سلام

کے تمام تہات اصول اور ارکان بیان کئے اور چونکہ ان موقعوں پر بے انتہا مجمع ہوا تھا اس لئے ان مسائل کا اس قدر اعلان ہو جاتا تھا کہ اور کسی تدبیر سے ممکن نہ تھا۔ دمشق میں بمقام جابیہ جو مشہور خطبہ پڑھا فقہانے اسکو بہت سے مسائل فقہیہ کے حوالے میں جابجا نقل کیا ہے۔

(۲) وقتاً فوقتاً عمال اور افسرون کو مذہبی احکام اور مسائل لکھ کر بھیجا کرتے تھے، مثلاً نماز پنجگانہ کی اوقات کے متعلق جسکی تفسیر میں مجتہدین آج تک مختلف ہیں تمام عمال کو ایک مفصل ہدایت نامہ بھیجا، چنانچہ امام مالک نے اپنی کتاب موطا میں بعینہ اسکی عبارت نقل کی ہے۔ اسی مسئلے کے متعلق ابو موسیٰ اشعری کو جو تحریر بھیجی اسکو بھی امام مالک نے بالفاظہ نقل کیا ہے، دو نمازون کے جمع کرنے کی نسبت تمام مالک مفتوحہ میں تحریری اطلاع بھیجی کہ ناجائز ہے۔ مسلمہ میں جب نماز تراویح، جماعت کے ساتھ مسجد نبوی میں قائم کی تو تمام اضلاع کے افسرون کو لکھا کہ ہر جگہ اسکے مطابق عمل کیا جائے۔ زکوٰۃ کے متعلق تمام احکام مفصل لکھ کر ابو موسیٰ اشعری اور دیگر افسران ملکی کے پاس بھیجے۔ اس تحریر کا عنوان جیسا کہ شاہ ولی اللہ صاحب نے امام مالک کے حوالہ سے نقل کیا ہے یہ تھا۔ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ هَذَا كِتَابُ الصَّدَقَةِ الْقَضَا اور شہادت کے متعلق ابو موسیٰ اشعری کو جو تحریر بھیجی تھی اسکو ہم اوپر لکھ آئے ہیں۔ مہات مسائل کے علاوہ فقہ کے مسائل جزئیہ بھی عمال کو لکھ کر بھیجا کرتے تھے،



حضرت ابو عبیدہ کو ایک دفعہ لکھا کہ دین نے سنا ہے کہ مسلمان عورتیں خاموش مین جا کر عیسائی عورتوں کے سامنے بے پردہ نہاتی ہیں، لیکن مسلمان عورت کو کسی غیر مذہب کی عورت کے سامنے بے پردہ ہونا جائز نہیں، روزہ کے متعلق تمام اعمال کو تحریری حکم بھیجا کہ لَا تَكُونُوا مِنَ الْمُسُوفِينَ لِيفْطَرَكُمْ زَيْرٌ بَنٌ وَهَبٌ كَا بَيَانِ هِيَ کہ حضرت عسکرا فرمان ہم لوگوں کے پاس آیا کہ اِنَّ الْمَرْءَةَ لَا تَصُومُ تَطَوُّعًا اِلَّا بِاِذْنِ زَوْجِهَا۔ ابو داؤد کے روایت ہے کہ حضرت عمرؓ نے ہم لوگوں کو لکھا کہ اِنَّ الْاَهْلَةَ بَعْضُهَا الْكَبَرُ مِنْ بَعْضِ اس طرح کی اور بہت سی بے شمار مثالیں ہیں۔

یہ بات بھی لحاظ کے قابل ہے کہ جو فقہی احکام، حضرت عمرؓ فرامین کے ذریعہ سے شایع کرتے تھے چونکہ شاہی دستورِ عمل کی حیثیت رکھتے تھے، اس لئے یہ احتیاط ہمیشہ ملحوظ رہتی تھی کہ وہ مسائل، اجماعی اور متفق علیہ ہوں، چنانچہ بہت سے مسائل جنہیں صحابہ کا اختلاف تھا انکو جمع صحابہ میں پیش کر کے پہلے طے کر لیا، مثلاً چور کی سزا جسکی نسبت قاضی ابو یوسف کتاب الخراج میں لکھتے ہیں اِنَّ عُمَرَ اسْتَشَارَ فِي السَّارِقِ قَا جَمْعُوْا اِلَيْهِ غَسْلُ جَنَابَتِ كِي نَسَبَتْ جِبْ اَخْتِلَافٌ هُوَ اَوْ تَمَامٌ مَّحَابِرِ اَوْ اِنْصَارُ كُو جَمْعٌ كِيَا اَوْ رِي سَلَهٌ مِّشْ كَرُ كِي سَبُّ سَبُّ رَا عِ طَلَبُ كِي، لوگوں نے مختلف رائیں دین، اُس وقت منہ رایا اِنْ تَرَا اَصْحَابُ بَدَا سِرَا وَقَدْ اَخْتَلَفُوْا مِنْ بَعْدِ كَمْ اَشْدُّ اَخْتِلَافًا یعنی جب آپ لوگ اصحاب بدر میں جو کراہیں

مختلف الراے ہیں تو آئندہ آنے والی نسلوں میں اور سخت اختلاف ہوگا، چنانچہ ازواجِ مطہرات سے یہ مسئلہ دریافت کیا گیا اور انکی راے قطعی قرار پائیں گی یعنی جنازہ کی تکبیر میں نہایت اختلاف تھا، حضرت عمرؓ نے صحابہ کو جمع کیا اور ایک منع بات طے ہو گئی یعنی چار تکبیر پر اتفاق ہو گیا۔

مسائل فقہیہ  
میں اجماع

(۳) اضلاع کے عمال اور افسر جو مقرر کرتے تھے ان میں یہ حیثیت بھی ملحوظ رکھتے تھے کہ عالم اور فقیہ ہوں چنانچہ بہت سے مختلف موقعوں پر اسکا اعلان کر دیا تھا، ایک دفعہ مجمع عام میں خطبہ دیا جس میں یہ الفاظ تھے اِنَّا شَهِدُكُمْ عَلَىٰ اَهْلِ الْاِمْتِصَارِ اِنِّي لَوَ اَبْعَثُكُمْ اِلَّا لِيَقْفُوْا لِنَاسٍ فِیْ دِیْنِهِمْ۔ یعنی میں تم لوگوں کو گواہ کرتا ہوں کہ میں نے افسروں کو اس لئے بھیجا ہے کہ لوگوں کو مسائل اور احکام بتائیں، یہ التزام ملکی افسروں تک محدود نہ تھا بلکہ فوجی افسروں میں بھی اسکا لحاظ کیا جاتا تھا، قاضی ابو یوسف صاحب لکھتے ہیں اِنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ كَانَ اِذَا اجْتَمَعَ الْبَيْتُ جَبَّيْنًا مِنْ اَهْلِ الْاِيْمَانِ بَعَثَ عَلَيْهِمْ رَجُلًا مِنْ اَهْلِ الْفَقْهَةِ وَالْعِلْمِ سِیْئَلَهُمْ عَنْ شَيْءٍ مِنْ شَاْئِهِمْ۔ حضرت عمرؓ کے عہد کے فوجی اور ملکی افسروں میں ہم حضرت ابو عبیدہؓ۔ سلمان فارسیؓ۔ ابو موسیٰ اشعریؓ، معاذ بن جبلؓ، وغیرہ کا نام پاتے ہیں جو ملکی اور فوجی قابلیت کے ساتھ علم و فضل میں بھی ممتاز تھے اور حدیث و فقہ میں اکثر ان کا نام آتا ہے۔

(۴) تمام مالک محمد و سہیل فقہاء اور معلم متعین کئے کہ لوگوں کو مذہبی احکام کی

فقہ کی تعلیم کا  
اعتماد

تعلیم دین، موزعین نے اگرچہ اس امر کو کسی خاص عنوان کے نیچے نہیں لکھا اور اس وجہ سے ان معلقوں کی صحیح تعداد معلوم نہیں ہو سکتی تاہم۔ یہ تصریحات سے اندازہ ہوتا ہے کہ ہر ہر شہر میں متعدد فقہاء اس کام پر مامور تھے۔ مثلاً عبداللہ مغفل کے حال میں صاحب اسد الغابہ نے لکھا ہے کہ یہ منجملہ ان دس بزرگوں کے ہیں جنکو حضرت عمرؓ نے بصرہ میں بھیجا تھا کہ فقہ کی تعلیم دیں، عمران بن حصین جو بہت بڑے رتبہ کے صحابی تھے انکی نسبت علامہ ذہبی طبقات الحفاظ میں لکھتے ہیں وَكَانَ مِنْهُمْ بَعْثُهُمْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ إِلَى أَهْلِ الْبَصْرَةِ لِيُفَقَّهُهُمْ یعنی یہ ان لوگوں میں ہیں جنکو حضرت عمرؓ نے بصرہ میں فقہ کی تعلیم دینے کے لئے بھیجا تھا۔ عبدالرحمن بن نعم کے حال میں طبقات لکھتا ہے کہ لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ نے انکو تعلیم فقہ کے لئے شام بھیجا تھا، اور صاحب البدایہ نے انہی کے حالات میں لکھا ہے کہ یہی وہ شخص ہیں جنہوں نے شام میں تمام تابعین کو فقہ سکھائی، عبادہ بن الصامت کے حال میں لکھا ہے کہ جب شام فتح ہوا تو حضرت عمرؓ نے انکو اور معاذ بن جبل اور ابو دردار کو شام میں بھیجا تاکہ لوگوں کو قرآن مجید پڑھائیں اور فقہ سکھائیں۔ جلال الدین سیوطی نے حسن المحاضرۃ فی اخبار مصر و القاہرۃ میں حبان بن ابی جبلة کی نسبت لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ نے انکو مصر میں فقہ کی تعلیم پر مامور کیا تھا۔

ان فقہاء کے درس کا یہ طریقہ تھا کہ مساجد کے صحن میں ایک طرف بیٹھ جاتے تھے

لَا يَلْبَسُ مِثْلَ مَا كَانَ أَحَدُ الْعَشْرَةِ الَّذِينَ بَعَثَهُمْ إِلَى الْبَصْرَةِ لِيُفَقَّهُوْنَ النَّاسَ ۝

اور شایقین علم نہایت کثرت سے اُنکے گرد حلقہ کی صورت میں جمع ہو کر فقہی مسائل پوچھتے جاتے تھے اور وہ جواب دیتے جاتے تھے، ابو مسلم خولانی کا بیان ہے کہ میں حمص کی مسجد میں داخل ہوا تو دیکھا کہ ۳۰ بڑے بڑے صحابہ وہاں تشریف رکھتے تھے اور مسائل پر گفتگو کرتے تھے، لیکن جب اُنکو کسی مسئلے میں شک پڑتا تھا تو ایک نوجوان شخص طے ہوئی طرف رجوع کرتے تھے، میں نے لوگوں سے اُس نوجوان کا نام پوچھا، تو معلوم ہوا کہ معاذ بن جبلؓ ہیں۔ لیکن لیث بن سعد کا بیان ہے کہ ابو دردار جب مسجد میں آتے تھے تو اُنکے ساتھ لوگوں کا اس قدر ہجوم ہوتا تھا جیسے بادِ ساہل کے کھینچنے پر تھلے پر تھلے لگتا ہے۔ یہ سب لوگ اُن سے مسائل دریافت کرتے تھے۔

فقہاء کی تہذیب

ابن جوزی کی تصریح سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے ان فقہاء کی تنخواہیں بھی مقرر کی تھیں اور حقیقت تعلیم کا مرتب اور منظم سلسلہ بغیر اسکے قائم نہیں ہو سکتا تھا۔ یہ بات خاص طور پر ذکر کے قابل ہے کہ حضرت عمرؓ نے جن لوگوں کو تعلیم فقہ کے لئے

مستلین فقہ کی تہذیب

انتخاب کیا تھا مثلاً معاذ بن جبلؓ۔ ابو دردارؓ۔ عبادہ بن الصامتؓ۔ عبد الرحمن بن غنمؓ۔ عمران بن حصینؓ۔ عبد اللہ بن مغفلؓ۔ تمام جماعت اسلام میں انتخاب تھے، اسکی تصدیق کے لئے اسد الغابہ اور اصابہ وغیرہ میں ان لوگوں کے حالات دیکھنے چاہئیں۔ ایک بات اور بھی لحاظ کے قابل ہے کہ حضرت عمرؓ نے اس بات کی بڑی احتیاط کی کہ عموماً ہر شخص تعلیم مسائل کا مجاز نہ ہو مسائل بھی خاص کردہ تعلیم دیے جاتے تھے جنہیں صحابہ کا اتفاق رہے

مختص فقہاء کا مجاز نہ تھا

ہو چکا تھا یا جو مجمع صحابہ میں پیش ہو کر طے کر لئے جاتے تھے، چنانچہ اسکی پوری تفصیل شاہ ولی اللہ صاحب نے نہایت خوبی سے لکھی ہے۔ ہم اُسکے جستہ جستہ فقرے جو ہماری بحث سے متعلق ہیں اس مقام پر نقل کرتے ہیں۔

”معتمد بعد غم خلیفہ بر حنیفے مجال مخالفت نبود۔ در جمیع این امور شد و نذر بنیقتند و بدون استطلاع راسے خلیفہ کارے را صمم نمی ساختند۔ لہذا درین عصر اختلاف مذہب و تشتت آراء واقع نشد۔ ہمہ بر یک مذہب متفق و بر یک راہ مجتمع، چون ایام خلافت خاصہ بالکلیہ منقرض شد و خلافت عامہ ظہور نمود، علماء در ہر بلدے مشغول با فادہ شدند ابن عباس در مکہ فتوے می دہد و عایشہ صدیقہ و عبد اللہ بن عمر در مدینہ حدیث را روایت می نمایند و ابو ہریرہ اوقات خود را بر اکثر روایت حدیث مصروف می سازد، بالجلہ درین ایام اختلاف فتاوی پیدا شد۔ یکے را بر راسے دیگرے اطلاع نہ و اگر اطلاع شدہ مذاکرہ واقع نہ و اگر مذاکرہ بمیان آمد از احتشہبہ و خروج از مضیق اختلاف بفضائے اتفاق میسر نہ، اگر تتبع کنی روایت علماء صحابہ کہ پیش از انقراض خلافت خاصہ از عالم گذشتہ اند بغایت کم یابی، و جمعی کہ بعد ایام خلافت ماندہ اند ہر چہ روایت کردہ اند بعد ایام خلافت خاصہ روایت کردہ اند۔ ہر چند جمیع صحابہ عدول اند در روایت ایشان مقبول و عمل بموجب اپنچہ روایت صدوق از ایشان ثابت شود لازم۔ اما در میان اپنچہ از حدیث و فقہ در زمین فاروق اعظم بود و اپنچہ بعد و سے حادث شدہ فرق باین السموات و الارض ست۔“

عملی انتظام

اماموں اور  
مؤذنون کا  
مقررحاجیوں کی  
تلافی ساری

ساجد کی تعمیر

یہ تمام امور جبکا اوپر ذکر ہوا علمی سلسلے سے تعلق رکھتے تھے۔ عملی صیغہ پر بھی حضرت عمرؓ نے نہایت توجہ کی اور ہر قسم کے ضروری انتظامات قائم کئے، ہر شہر و قصبہ میں امام و مؤذن مقرر کئے اور بیت المال سے انکی تنخواہیں مقرر کیں، علامہ بن الجوزی سیرۃ العمرین میں لکھتے ہیں اِنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ عُمَانَ بْنَ عَفَّانَ كَانَا يَنْفِقَانِ الْمَوْذِنِينَ وَالْإِمَامَةَ مَوْطَا اِمَامِ مُحَمَّدٍ سَے معلوم ہوتا ہے کہ مسجد نبوی میں صفوں کے درست کرنے کے لئے خاص اشخاص مقرر تھے۔ حج کے زمانے میں اس کام پر لوگ مامور ہوتے تھے کہ حاجیوں کو مقام منامین عقبہ کے پار پہنچا آئیں۔ یہ اس غرض سے کہ اکثر لوگ نادقت سے عقبہ کے اسی طرف ٹھیر جاتے تھے حالانکہ وہاں ٹھیرنا مناسب حج میں محسوب نہ تھا چونکہ عہد خلافت میں متصل حج کئے اس لئے میر طبع، ہمیشہ خود ہوتے تھے اور حجاج کی خبر گیری کی خدمت خود انجام دیتے تھے۔

تمام ممالک مفتوحہ میں نہایت کثرت سے مسجدیں بنائیں۔ ابوموسیٰ اشعری کو جو کوفہ کے حاکم تھے تمام ممالک مفتوحہ میں نہایت کثرت سے مسجدیں بنائیں۔ ابوموسیٰ اشعری کو جو کوفہ کے حاکم تھے لکھا کہ بصرہ میں ایک جامع مسجد اور باقی ہر قبیلہ کے لئے الگ الگ مسجدیں تعمیر کجائیں۔ یہ عہد تھا اور عمرو بن العاص کو بھی اسی قسم کے احکام بھیجے۔ شام کے تمام غمال کو لکھا کہ ہر شہر میں ایک ایک مسجد تعمیر کجائے۔ چنانچہ یہ مسجدیں حج بھی جوامع عمری کے نام سے مشہور ہیں۔ گو انکی اصلی عمارت اب باقی نہیں رہی ہے۔ ایک جامع عمری میں جو بیروت میں واقع ہے راقم کو بھی نماز ادا کرنے کا شرف حاصل ہوا ہے، محدث جمال الدین نے روضۃ الاحباب میں لکھا ہے

کہ ”حضرت عمر کے عہد میں چار ہزار مسجدیں تعمیر ہوئیں“ یہ خاص تعداد کو قطعی نہو لیکن کچھ شبہ نہیں کہ مساجد فاروقی کا شمار ہزاروں سے کم نہ تھا۔

حرم محترم کی عمارت کو وسعت دی اور اسکی زریب وزینت پر توجہ کی۔ اسکی تفصیل یہ ہے کہ اسلام کو جو روز قرون وسعت ہوتی جاتی تھی اسکی لحاظ سے حرم محترم کی عمارت کافی نہ تھی اس لئے سلسلہ میں گرد و پیش کے مکانات مول لیکر ڈھادئے اور انکی زمین حرم کے صحن میں شامل کر دی، اس زمانے تک حرم کے گرد کوئی دیوار نہ تھی اور اس لئے اسکی حد، عام مکانات سے ممتاز نہ تھی۔ حضرت عمر نے احاطہ کی دیوار کھنچوائی اور اس سے یہ بھی کام لیا کہ اسپر رات کو چراغ جلائے جاتے تھے۔ کعبہ پر غلاف اگرچہ ہمیشہ سے چڑھایا جاتا تھا چنانچہ جاہلیت میں بھی قطع کا غلاف چڑھاتے تھے۔ لیکن حضرت عمر نے قبایلی کا بنوایا جو نہایت عمدہ قسم کا کپڑا ہوتا ہے اور مصر میں بنا جاتا ہے حرم کی حدود سے (جو کسی طرف سے تین میل اور کسی طرف سے ۹ میل ہیں) چونکہ بہت سے شرعی احکام متعلق ہیں۔ چنانچہ اسی غرض سے ہر طرف پتھر کھڑے کر دئے گئے تھے جو انصاب حرم کھلاتے تھے اس لئے حضرت عمر نے سلسلہ میں نہایت اہتمام اور احتیاط سے اسکی تجدید کی۔ صحابہ میں سے جو لوگ حدود حرم کے پورے واقفکار تھے۔ یعنی مخزومہ بن نوفل، ازہرن بن عبد عوف، حو لیط بن عبد العزیٰ۔ سعید بن ربیعہ لو اس کام پر مامور کیا اور نہایت جانچ کے ساتھ پتھر نصب کئے گئے۔

مسجد نبوی  
کی تربیت  
اور وسعت

مسجد نبوی کو بھی نہایت وسعت اور رونق دی، آنحضرت کے عہد میں جو عمارت  
پتیار ہوئی تھی وہ اُس عہد کے لئے کافی تھی لیکن مدینہ کی آبادی روز بروز ترقی کرتی جاتی  
تھی اور اس وجہ سے نمازیوں کی تعداد بڑھتی جاتی تھی، سلسلہ میں حضرت عمر نے  
اسکو وسیع کرنا چاہا۔ گرد و پیش کے تمام مکانات قیمت دے کر لئے لیکن حضرت عباس نے  
اپنے مکان کے بیچنے سے انکار کیا۔ حضرت عمر کافی معاوضہ دیتے تھے اور حضرت عباس  
کسی طرح راضی نہ ہوتے تھے، آخر مقدمہ ابی بن کعب کے پاس گیا۔ انھوں نے فیصلہ  
کیا کہ حضرت عمر کو بجز خریدنے کا کوئی حق نہیں۔ حضرت عباس نے فرمایا کہ ”اب میں بلا قیمت  
عامہ مسلمین کے لئے دیدیتا ہوں“، عرض ازواج مطہرات کے مکانات کو چھوڑ کر، باقی  
جس قدر عمارتیں تھیں ڈھا کر مسجد کو وسعت دی گئی۔ پہلے طول ۱۰۰ گز تھا انھوں نے ۲۰۰ گز  
کر دیا اسی طرح عرض میں بھی ۲۰ گز کا اضافہ ہوا لیکن عمارت میں کچھ تکلف نہیں کیا گیا، آنحضرت  
کے عہد میں جس طرح ستون وغیرہ لکڑی کے تھے۔ اب بھی لکڑی کے رہے، حضرت عمر  
نے مسجد کی تجدید کے ساتھ ایک گوشہ میں ایک چوڑا بھی بنوایا اور لوگوں سے کہا کہ جبکو  
بات چیت کرنی، یا شعر پڑھنا ہو اس کے لئے یہ جگہ ہے۔

مسجد میں  
قریش اور  
روشنی کا  
انتظام

حضرت عمر سے پہلے مسجد میں روشنی کا کچھ سامان نہیں تھا، اسکی ابتدا بھی حضرت  
عمر کے عہد میں ہوئی، یعنی انکی اجازت سے میتم داری نے مسجد میں چراغ جلائے۔  
حضرت عمر نے مسجد میں خوشبو اور بخور کا انتظام بھی کیا، جبکی ابتدا یوں ہوئی کہ ایک دفعہ



مال غنیمت میں عود کا ایک بندل آیا حضرت عمرؓ نے مسلمانوں کو تقسیم کرنا چاہا لیکن وہ کافی نہ تھا۔ حکم دیا کہ مسجد میں صرف کیا جائے کہ تمام مسلمانوں کے کام آئے چنانچہ مؤذن کو حوالہ کیا، وہ ہمیشہ جمعہ کے دن انگلیٹھی میں جلا کر نمازیوں کے سامنے پھرتا تھا اور اُنکے کپڑے بساتا تھا۔ فرش کا انتظام بھی اول حضرت عمرؓ ہی نے کیا لیکن یہ کوئی پُر تکلف قالمین اور شرط خجی کا فرش نہ تھا بلکہ اسلام کے سادگی یہاں بھی قائم تھی یعنی چٹائی کا فرش تھا جس سے مقصود یہ تھا کہ نمازیوں کے کپڑے گرد و خاک میں نہ آلودہ ہوں۔

### متفرق انتظامات

حکومت کے متعلق، بڑے بڑے انتظامی صیغوں کا حال، اوپر گزر چکا، لیکن اُنکے علاوہ، اور بہت سے جزئیات ہیں جنکے لئے جدا جدا عنوان نہیں قائم کیے جاسکتے اس لئے اُنکو یکجا لکھنا زیادہ موزون ہوگا۔

انہیں سے ایک دفتر اور کاغذات کی ترتیب، اور اُسکی ضرورت سے سن اور سال کا قیام کرنا ہے۔ حضرت عمرؓ سے پہلے ان چیزوں کا وجود نہ تھا، عام واقعات کے یاد رکھنے کے لئے جاہلیت میں بعض بعض واقعات سے سن کا حساب کرتے تھے، مثلاً ایک زمانے تک کعب بن لوی کی وفات سے سال کا شمار ہوتا تھا، پھر عام لفیل قائم ہو مینی جس سال ابرہہ الاشرم نے کعبہ پر حملہ کیا تھا۔ پھر عام الفجار اور اُسکے بعد اور مختلف سن قائم ہوئے۔ حضرت عمرؓ نے ایک مستقل سن قائم کیا جو آج تک جاری ہے۔

سنہ ہجری  
مقرر کرنا

اسکی ابتداء یوں ہوئی کہ سلسلہ میں حضرت عمر کے سامنے ایک چک پیش ہوئی جسپر  
صرف شعبان کا لفظ لکھا تھا، حضرت عمر نے کہا یہ کیونکر معلوم ہو کہ گذشتہ شعبان کا مہینہ  
مراد ہے یا موجودہ۔ اسی وقت مجلس شورے منعقد کی، تمام بڑے بڑے صحابہ جمع ہوئے  
اور یہ مسئلہ پیش کیا گیا۔ اکثر وں نے اسے دی کہ فارسیوں کی تقلید کی جائے۔ چنانچہ  
ہرمزان جو غزستان کا بادشاہ تھا اور اسلام لاکر مدینہ منورہ میں مقیم تھا طلب کیا گیا،  
اسنے کہا کہ ہمارے ہاں جو حساب ہے اسکو ماہ روز کہتے ہیں اور آسمین مہینہ اور باغ و دہان  
کا ذکر ہوتا ہے، اسے بعد یہ بحث پیدا ہوئی کہ سنہ **۱** سے قرار دی جائے،  
علی نے ہجرت نبوی کی اسے دی، اور اسی پر سب کا اتفاق ہو گیا۔ آنحضرت نے  
بیع الاول میں ہجرت فرمائی تھی یعنی سال میں دو مہینے آٹھ دن گزر چکے تھے، اس لحاظ  
سے پہلے الاول سے آغاز ہونا چاہئے تھا لیکن چونکہ عرب میں سال، محرم سے شروع  
ہوتا ہے۔ اس لئے دو مہینے آٹھ دن قیچی ہٹ کر شروع سال سے سنہ قائم کیا۔

عربین اگرچہ قدیم سے لکھنے پڑھنے کا فی الجملہ رواج تھا، چنانچہ جب اسلام کا زمانہ آیا  
تو صرف ایک قریش کے قبیلہ میں، اشخص لکھنا پڑھنا جانتے تھے، **۱۰**۔ **۱۱**۔ **۱۲**۔ **۱۳**۔ **۱۴**۔ **۱۵**۔ **۱۶**۔ **۱۷**۔ **۱۸**۔ **۱۹**۔ **۲۰**۔ **۲۱**۔ **۲۲**۔ **۲۳**۔ **۲۴**۔ **۲۵**۔ **۲۶**۔ **۲۷**۔ **۲۸**۔ **۲۹**۔ **۳۰**۔ **۳۱**۔ **۳۲**۔ **۳۳**۔ **۳۴**۔ **۳۵**۔ **۳۶**۔ **۳۷**۔ **۳۸**۔ **۳۹**۔ **۴۰**۔ **۴۱**۔ **۴۲**۔ **۴۳**۔ **۴۴**۔ **۴۵**۔ **۴۶**۔ **۴۷**۔ **۴۸**۔ **۴۹**۔ **۵۰**۔ **۵۱**۔ **۵۲**۔ **۵۳**۔ **۵۴**۔ **۵۵**۔ **۵۶**۔ **۵۷**۔ **۵۸**۔ **۵۹**۔ **۶۰**۔ **۶۱**۔ **۶۲**۔ **۶۳**۔ **۶۴**۔ **۶۵**۔ **۶۶**۔ **۶۷**۔ **۶۸**۔ **۶۹**۔ **۷۰**۔ **۷۱**۔ **۷۲**۔ **۷۳**۔ **۷۴**۔ **۷۵**۔ **۷۶**۔ **۷۷**۔ **۷۸**۔ **۷۹**۔ **۸۰**۔ **۸۱**۔ **۸۲**۔ **۸۳**۔ **۸۴**۔ **۸۵**۔ **۸۶**۔ **۸۷**۔ **۸۸**۔ **۸۹**۔ **۹۰**۔ **۹۱**۔ **۹۲**۔ **۹۳**۔ **۹۴**۔ **۹۵**۔ **۹۶**۔ **۹۷**۔ **۹۸**۔ **۹۹**۔ **۱۰۰**۔ **۱۰۱**۔ **۱۰۲**۔ **۱۰۳**۔ **۱۰۴**۔ **۱۰۵**۔ **۱۰۶**۔ **۱۰۷**۔ **۱۰۸**۔ **۱۰۹**۔ **۱۱۰**۔ **۱۱۱**۔ **۱۱۲**۔ **۱۱۳**۔ **۱۱۴**۔ **۱۱۵**۔ **۱۱۶**۔ **۱۱۷**۔ **۱۱۸**۔ **۱۱۹**۔ **۱۲۰**۔ **۱۲۱**۔ **۱۲۲**۔ **۱۲۳**۔ **۱۲۴**۔ **۱۲۵**۔ **۱۲۶**۔ **۱۲۷**۔ **۱۲۸**۔ **۱۲۹**۔ **۱۳۰**۔ **۱۳۱**۔ **۱۳۲**۔ **۱۳۳**۔ **۱۳۴**۔ **۱۳۵**۔ **۱۳۶**۔ **۱۳۷**۔ **۱۳۸**۔ **۱۳۹**۔ **۱۴۰**۔ **۱۴۱**۔ **۱۴۲**۔ **۱۴۳**۔ **۱۴۴**۔ **۱۴۵**۔ **۱۴۶**۔ **۱۴۷**۔ **۱۴۸**۔ **۱۴۹**۔ **۱۵۰**۔ **۱۵۱**۔ **۱۵۲**۔ **۱۵۳**۔ **۱۵۴**۔ **۱۵۵**۔ **۱۵۶**۔ **۱۵۷**۔ **۱۵۸**۔ **۱۵۹**۔ **۱۶۰**۔ **۱۶۱**۔ **۱۶۲**۔ **۱۶۳**۔ **۱۶۴**۔ **۱۶۵**۔ **۱۶۶**۔ **۱۶۷**۔ **۱۶۸**۔ **۱۶۹**۔ **۱۷۰**۔ **۱۷۱**۔ **۱۷۲**۔ **۱۷۳**۔ **۱۷۴**۔ **۱۷۵**۔ **۱۷۶**۔ **۱۷۷**۔ **۱۷۸**۔ **۱۷۹**۔ **۱۸۰**۔ **۱۸۱**۔ **۱۸۲**۔ **۱۸۳**۔ **۱۸۴**۔ **۱۸۵**۔ **۱۸۶**۔ **۱۸۷**۔ **۱۸۸**۔ **۱۸۹**۔ **۱۹۰**۔ **۱۹۱**۔ **۱۹۲**۔ **۱۹۳**۔ **۱۹۴**۔ **۱۹۵**۔ **۱۹۶**۔ **۱۹۷**۔ **۱۹۸**۔ **۱۹۹**۔ **۲۰۰**۔ **۲۰۱**۔ **۲۰۲**۔ **۲۰۳**۔ **۲۰۴**۔ **۲۰۵**۔ **۲۰۶**۔ **۲۰۷**۔ **۲۰۸**۔ **۲۰۹**۔ **۲۱۰**۔ **۲۱۱**۔ **۲۱۲**۔ **۲۱۳**۔ **۲۱۴**۔ **۲۱۵**۔ **۲۱۶**۔ **۲۱۷**۔ **۲۱۸**۔ **۲۱۹**۔ **۲۲۰**۔ **۲۲۱**۔ **۲۲۲**۔ **۲۲۳**۔ **۲۲۴**۔ **۲۲۵**۔ **۲۲۶**۔ **۲۲۷**۔ **۲۲۸**۔ **۲۲۹**۔ **۲۳۰**۔ **۲۳۱**۔ **۲۳۲**۔ **۲۳۳**۔ **۲۳۴**۔ **۲۳۵**۔ **۲۳۶**۔ **۲۳۷**۔ **۲۳۸**۔ **۲۳۹**۔ **۲۴۰**۔ **۲۴۱**۔ **۲۴۲**۔ **۲۴۳**۔ **۲۴۴**۔ **۲۴۵**۔ **۲۴۶**۔ **۲۴۷**۔ **۲۴۸**۔ **۲۴۹**۔ **۲۵۰**۔ **۲۵۱**۔ **۲۵۲**۔ **۲۵۳**۔ **۲۵۴**۔ **۲۵۵**۔ **۲۵۶**۔ **۲۵۷**۔ **۲۵۸**۔ **۲۵۹**۔ **۲۶۰**۔ **۲۶۱**۔ **۲۶۲**۔ **۲۶۳**۔ **۲۶۴**۔ **۲۶۵**۔ **۲۶۶**۔ **۲۶۷**۔ **۲۶۸**۔ **۲۶۹**۔ **۲۷۰**۔ **۲۷۱**۔ **۲۷۲**۔ **۲۷۳**۔ **۲۷۴**۔ **۲۷۵**۔ **۲۷۶**۔ **۲۷۷**۔ **۲۷۸**۔ **۲۷۹**۔ **۲۸۰**۔ **۲۸۱**۔ **۲۸۲**۔ **۲۸۳**۔ **۲۸۴**۔ **۲۸۵**۔ **۲۸۶**۔ **۲۸۷**۔ **۲۸۸**۔ **۲۸۹**۔ **۲۹۰**۔ **۲۹۱**۔ **۲۹۲**۔ **۲۹۳**۔ **۲۹۴**۔ **۲۹۵**۔ **۲۹۶**۔ **۲۹۷**۔ **۲۹۸**۔ **۲۹۹**۔ **۳۰۰**۔ **۳۰۱**۔ **۳۰۲**۔ **۳۰۳**۔ **۳۰۴**۔ **۳۰۵**۔ **۳۰۶**۔ **۳۰۷**۔ **۳۰۸**۔ **۳۰۹**۔ **۳۱۰**۔ **۳۱۱**۔ **۳۱۲**۔ **۳۱۳**۔ **۳۱۴**۔ **۳۱۵**۔ **۳۱۶**۔ **۳۱۷**۔ **۳۱۸**۔ **۳۱۹**۔ **۳۲۰**۔ **۳۲۱**۔ **۳۲۲**۔ **۳۲۳**۔ **۳۲۴**۔ **۳۲۵**۔ **۳۲۶**۔ **۳۲۷**۔ **۳۲۸**۔ **۳۲۹**۔ **۳۳۰**۔ **۳۳۱**۔ **۳۳۲**۔ **۳۳۳**۔ **۳۳۴**۔ **۳۳۵**۔ **۳۳۶**۔ **۳۳۷**۔ **۳۳۸**۔ **۳۳۹**۔ **۳۴۰**۔ **۳۴۱**۔ **۳۴۲**۔ **۳۴۳**۔ **۳۴۴**۔ **۳۴۵**۔ **۳۴۶**۔ **۳۴۷**۔ **۳۴۸**۔ **۳۴۹**۔ **۳۵۰**۔ **۳۵۱**۔ **۳۵۲**۔ **۳۵۳**۔ **۳۵۴**۔ **۳۵۵**۔ **۳۵۶**۔ **۳۵۷**۔ **۳۵۸**۔ **۳۵۹**۔ **۳۶۰**۔ **۳۶۱**۔ **۳۶۲**۔ **۳۶۳**۔ **۳۶۴**۔ **۳۶۵**۔ **۳۶۶**۔ **۳۶۷**۔ **۳۶۸**۔ **۳۶۹**۔ **۳۷۰**۔ **۳۷۱**۔ **۳۷۲**۔ **۳۷۳**۔ **۳۷۴**۔ **۳۷۵**۔ **۳۷۶**۔ **۳۷۷**۔ **۳۷۸**۔ **۳۷۹**۔ **۳۸۰**۔ **۳۸۱**۔ **۳۸۲**۔ **۳۸۳**۔ **۳۸۴**۔ **۳۸۵**۔ **۳۸۶**۔ **۳۸۷**۔ **۳۸۸**۔ **۳۸۹**۔ **۳۹۰**۔ **۳۹۱**۔ **۳۹۲**۔ **۳۹۳**۔ **۳۹۴**۔ **۳۹۵**۔ **۳۹۶**۔ **۳۹۷**۔ **۳۹۸**۔ **۳۹۹**۔ **۴۰۰**۔ **۴۰۱**۔ **۴۰۲**۔ **۴۰۳**۔ **۴۰۴**۔ **۴۰۵**۔ **۴۰۶**۔ **۴۰۷**۔ **۴۰۸**۔ **۴۰۹**۔ **۴۱۰**۔ **۴۱۱**۔ **۴۱۲**۔ **۴۱۳**۔ **۴۱۴**۔ **۴۱۵**۔ **۴۱۶**۔ **۴۱۷**۔ **۴۱۸**۔ **۴۱۹**۔ **۴۲۰**۔ **۴۲۱**۔ **۴۲۲**۔ **۴۲۳**۔ **۴۲۴**۔ **۴۲۵**۔ **۴۲۶**۔ **۴۲۷**۔ **۴۲۸**۔ **۴۲۹**۔ **۴۳۰**۔ **۴۳۱**۔ **۴۳۲**۔ **۴۳۳**۔ **۴۳۴**۔ **۴۳۵**۔ **۴۳۶**۔ **۴۳۷**۔ **۴۳۸**۔ **۴۳۹**۔ **۴۴۰**۔ **۴۴۱**۔ **۴۴۲**۔ **۴۴۳**۔ **۴۴۴**۔ **۴۴۵**۔ **۴۴۶**۔ **۴۴۷**۔ **۴۴۸**۔ **۴۴۹**۔ **۴۵۰**۔ **۴۵۱**۔ **۴۵۲**۔ **۴۵۳**۔ **۴۵۴**۔ **۴۵۵**۔ **۴۵۶**۔ **۴۵۷**۔ **۴۵۸**۔ **۴۵۹**۔ **۴۶۰**۔ **۴۶۱**۔ **۴۶۲**۔ **۴۶۳**۔ **۴۶۴**۔ **۴۶۵**۔ **۴۶۶**۔ **۴۶۷**۔ **۴۶۸**۔ **۴۶۹**۔ **۴۷۰**۔ **۴۷۱**۔ **۴۷۲**۔ **۴۷۳**۔ **۴۷۴**۔ **۴۷۵**۔ **۴۷۶**۔ **۴۷۷**۔ **۴۷۸**۔ **۴۷۹**۔ **۴۸۰**۔ **۴۸۱**۔ **۴۸۲**۔ **۴۸۳**۔ **۴۸۴**۔ **۴۸۵**۔ **۴۸۶**۔ **۴۸۷**۔ **۴۸۸**۔ **۴۸۹**۔ **۴۹۰**۔ **۴۹۱**۔ **۴۹۲**۔ **۴۹۳**۔ **۴۹۴**۔ **۴۹۵**۔ **۴۹۶**۔ **۴۹۷**۔ **۴۹۸**۔ **۴۹۹**۔ **۵۰۰**۔ **۵۰۱**۔ **۵۰۲**۔ **۵۰۳**۔ **۵۰۴**۔ **۵۰۵**۔ **۵۰۶**۔ **۵۰۷**۔ **۵۰۸**۔ **۵۰۹**۔ **۵۱۰**۔ **۵۱۱**۔ **۵۱۲**۔ **۵۱۳**۔ **۵۱۴**۔ **۵۱۵**۔ **۵۱۶**۔ **۵۱۷**۔ **۵۱۸**۔ **۵۱۹**۔ **۵۲۰**۔ **۵۲۱**۔ **۵۲۲**۔ **۵۲۳**۔ **۵۲۴**۔ **۵۲۵**۔ **۵۲۶**۔ **۵۲۷**۔ **۵۲۸**۔ **۵۲۹**۔ **۵۳۰**۔ **۵۳۱**۔ **۵۳۲**۔ **۵۳۳**۔ **۵۳۴**۔ **۵۳۵**۔ **۵۳۶**۔ **۵۳۷**۔ **۵۳۸**۔ **۵۳۹**۔ **۵۴۰**۔ **۵۴۱**۔ **۵۴۲**۔ **۵۴۳**۔ **۵۴۴**۔ **۵۴۵**۔ **۵۴۶**۔ **۵۴۷**۔ **۵۴۸**۔ **۵۴۹**۔ **۵۵۰**۔ **۵۵۱**۔ **۵۵۲**۔ **۵۵۳**۔ **۵۵۴**۔ **۵۵۵**۔ **۵۵۶**۔ **۵۵۷**۔ **۵۵۸**۔ **۵۵۹**۔ **۵۶۰**۔ **۵۶۱**۔ **۵۶۲**۔ **۵۶۳**۔ **۵۶۴**۔ **۵۶۵**۔ **۵۶۶**۔ **۵۶۷**۔ **۵۶۸**۔ **۵۶۹**۔ **۵۷۰**۔ **۵۷۱**۔ **۵۷۲**۔ **۵۷۳**۔ **۵۷۴**۔ **۵۷۵**۔ **۵۷۶**۔ **۵۷۷**۔ **۵۷۸**۔ **۵۷۹**۔ **۵۸۰**۔ **۵۸۱**۔ **۵۸۲**۔ **۵۸۳**۔ **۵۸۴**۔ **۵۸۵**۔ **۵۸۶**۔ **۵۸۷**۔ **۵۸۸**۔ **۵۸۹**۔ **۵۹۰**۔ **۵۹۱**۔ **۵۹۲**۔ **۵۹۳**۔ **۵۹۴**۔ **۵۹۵**۔ **۵۹۶**۔ **۵۹۷**۔ **۵۹۸**۔ **۵۹۹**۔ **۶۰۰**۔ **۶۰۱**۔ **۶۰۲**۔ **۶۰۳**۔ **۶۰۴**۔ **۶۰۵**۔ **۶۰۶**۔ **۶۰۷**۔ **۶۰۸**۔ **۶۰۹**۔ **۶۱۰**۔ **۶۱۱**۔ **۶۱۲**۔ **۶۱۳**۔ **۶۱۴**۔ **۶۱۵**۔ **۶۱۶**۔ **۶۱۷**۔ **۶۱۸**۔ **۶۱۹**۔ **۶۲۰**۔ **۶۲۱**۔ **۶۲۲**۔ **۶۲۳**۔ **۶۲۴**۔ **۶۲۵**۔ **۶۲۶**۔ **۶۲۷**۔ **۶۲۸**۔ **۶۲۹**۔ **۶۳۰**۔ **۶۳۱**۔ **۶۳۲**۔ **۶۳۳**۔ **۶۳۴**۔ **۶۳۵**۔ **۶۳۶**۔ **۶۳۷**۔ **۶۳۸**۔ **۶۳۹**۔ **۶۴۰**۔ **۶۴۱**۔ **۶۴۲**۔ **۶۴۳**۔ **۶۴۴**۔ **۶۴۵**۔ **۶۴۶**۔ **۶۴۷**۔ **۶۴۸**۔ **۶۴۹**۔ **۶۵۰**۔ **۶۵۱**۔ **۶۵۲**۔ **۶۵۳**۔ **۶۵۴**۔ **۶۵۵**۔ **۶۵۶**۔ **۶۵۷**۔ **۶۵۸**۔ **۶۵۹**۔ **۶۶۰**۔ **۶۶۱**۔ **۶۶۲**۔ **۶۶۳**۔ **۶۶۴**۔ **۶۶۵**۔ **۶۶۶**۔ **۶۶۷**۔ **۶۶۸**۔ **۶۶۹**۔ **۶۷۰**۔ **۶۷۱**۔ **۶۷۲**۔ **۶۷۳**۔ **۶۷۴**۔ **۶۷۵**۔ **۶۷۶**۔ **۶۷۷**۔ **۶۷۸**۔ **۶۷۹**۔ **۶۸۰**۔ **۶۸۱**۔ **۶۸۲**۔ **۶۸۳**۔ **۶۸۴**۔ **۶۸۵**۔ **۶۸۶**۔ **۶۸۷**۔ **۶۸۸**۔ **۶۸۹**۔ **۶۹۰**۔ **۶۹۱**۔ **۶۹۲**۔ **۶۹۳**۔ **۶۹۴**۔ **۶۹۵**۔ **۶۹۶**۔ **۶۹۷**۔ **۶۹۸**۔ **۶۹۹**۔ **۷۰۰**۔ **۷۰۱**۔ **۷۰۲**۔ **۷۰۳**۔ **۷۰۴**۔ **۷۰۵**۔ **۷۰۶**۔ **۷۰۷**۔ **۷۰۸**۔ **۷۰۹**۔ **۷۱۰**۔ **۷۱۱**۔ **۷۱۲**۔ **۷۱۳**۔ **۷۱۴**۔ **۷۱۵**۔ **۷۱۶**۔ **۷۱۷**۔ **۷۱۸**۔ **۷۱۹**۔ **۷۲۰**۔ **۷۲۱**۔ **۷۲۲**۔ **۷۲۳**۔ **۷۲۴**۔ **۷۲۵**۔ **۷۲۶**۔ **۷۲۷**۔ **۷۲۸**۔ **۷۲۹**۔ **۷۳۰**۔ **۷۳۱**۔ **۷۳۲**۔ **۷۳۳**۔ **۷۳۴**۔ **۷۳۵**۔ **۷۳۶**۔ **۷۳۷**۔ **۷۳۸**۔ **۷۳۹**۔ **۷۴۰**۔ **۷۴۱**۔ **۷۴۲**۔ **۷۴۳**۔ **۷۴۴**۔ **۷۴۵**۔ **۷۴۶**۔ **۷۴۷**۔ **۷۴۸**۔ **۷۴۹**۔ **۷۵۰**۔ **۷۵۱**۔ **۷۵۲**۔ **۷۵۳**۔ **۷۵۴**۔ **۷۵۵**۔ **۷۵۶**۔ **۷۵۷**۔ **۷۵۸**۔ **۷۵۹**۔ **۷۶۰**۔ **۷۶۱**۔ **۷۶۲**۔ **۷۶۳**۔ **۷۶۴**۔ **۷۶۵**۔ **۷۶۶**۔ **۷۶۷**۔ **۷۶۸**۔ **۷۶۹**۔ **۷۷۰**۔ **۷۷۱**۔ **۷۷۲**۔ **۷۷۳**۔ **۷۷۴**۔ **۷۷۵**۔ **۷۷۶**۔ **۷۷۷**۔ **۷۷۸**۔ **۷۷۹**۔ **۷۸۰**۔ **۷۸۱**۔ **۷۸۲**۔ **۷۸۳**۔ **۷۸۴**۔ **۷۸۵**۔ **۷۸۶**۔ **۷۸۷**۔ **۷۸۸**۔ **۷۸۹**۔ **۷۹۰**۔ **۷۹۱**۔ **۷۹۲**۔ **۷۹۳**۔ **۷۹۴**۔ **۷۹۵**۔ **۷۹۶**۔ **۷۹۷**۔ **۷۹۸**۔ **۷۹۹**۔ **۸۰۰**۔ **۸۰۱**۔ **۸۰۲**۔ **۸۰۳**۔ **۸۰۴**۔ **۸۰۵**۔ **۸۰۶**۔ **۸۰۷**۔ **۸۰۸**۔ **۸۰۹**۔ **۸۱۰**۔ **۸۱۱**۔ **۸۱۲**۔ **۸۱۳**۔ **۸۱۴**۔ **۸۱۵**۔ **۸۱۶**۔ **۸۱۷**۔ **۸۱۸**۔ **۸۱۹**۔ **۸۲۰**۔ **۸۲۱**۔ **۸۲۲**۔ **۸۲۳**۔ **۸۲۴**۔ **۸۲۵**۔ **۸۲۶**۔ **۸۲۷**۔ **۸۲۸**۔ **۸۲۹**۔ **۸۳۰**۔ **۸۳۱**۔ **۸۳۲**۔ **۸۳۳**۔ **۸۳۴**۔ **۸۳۵**۔ **۸۳۶**۔ **۸۳۷**۔ **۸۳۸**۔ **۸۳۹**۔ **۸۴۰**۔ **۸۴۱**۔ **۸۴۲**۔ **۸۴۳**۔ **۸۴۴**۔ **۸۴۵**۔ **۸۴۶**۔ **۸۴۷**۔ **۸۴۸**۔ **۸۴۹**۔ **۸۵۰**۔ **۸۵۱**۔ **۸۵۲**۔ **۸۵۳**۔ **۸۵۴**۔ **۸۵۵**۔ **۸۵۶**۔ **۸۵۷**۔ **۸۵۸**۔ **۸۵۹**۔ **۸۶۰**۔ **۸۶۱**۔ **۸۶۲**۔ **۸۶۳**۔ **۸۶۴**۔ **۸۶۵**۔ **۸۶۶**۔ **۸۶۷**۔ **۸۶۸**۔ **۸۶۹**۔ **۸۷۰**۔ **۸۷۱**۔ **۸۷۲**۔ **۸۷۳**۔ **۸۷۴**۔ **۸۷۵**۔ **۸۷۶**۔ **۸۷۷**۔ **۸۷۸**۔ **۸۷۹**۔ **۸۸۰**۔ **۸۸۱**۔ **۸۸۲**۔ **۸۸۳**۔ **۸۸۴**۔ **۸۸۵**۔ **۸۸۶**۔ **۸۸۷**۔ **۸۸۸**۔ **۸۸۹**۔ **۸۹۰**۔ **۸۹۱**۔ **۸۹۲**۔ **۸۹۳**۔ **۸۹۴**۔ **۸۹۵**۔ **۸۹۶**۔ **۸۹۷**۔ **۸۹۸**۔ **۸۹۹**۔ **۹۰۰**۔ **۹۰۱**۔ **۹۰۲**۔ **۹۰۳**۔ **۹۰۴**۔ **۹۰۵**۔ **۹۰۶**۔ **۹۰۷**۔ **۹۰۸**۔ **۹۰۹**۔ **۹۱۰**۔ **۹۱۱**۔ **۹۱۲**۔ **۹۱۳**۔ **۹۱۴**۔ **۹۱۵**۔ **۹۱۶**۔ **۹۱۷**۔ **۹۱۸**۔ **۹۱۹**۔ **۹۲۰**۔ **۹۲۱**۔ **۹۲۲**۔ **۹۲۳**۔ **۹۲۴**۔ **۹۲۵**۔ **۹۲۶**۔ **۹**

مین اسکی تنخواہ دو درہم یومیہ مقرر کی۔ یا تو یہ حالت تھی یا حضرت عمر کی بدولت نہایت مخفی  
سے ہر قسم کے مفصل کاغذات اور نقشے طیار ہوئے۔

سب سے مشکل اور پیچیدہ، روزینہ داروں کا حساب تھا جو اہل عطا کھلاتے تھے  
اور جنہیں ہر قسم کی فوجیں بھی شامل تھیں، انکی تعداد لاکھوں سے تجاوز تھی اور مختلف  
گروہوں کو مختلف حیثیتوں سے تنخواہ ملتی تھی، مثلاً بہادری کے لحاظ سے، شرافت کے  
لحاظ سے، پھیلی کارگزاروں کے لحاظ سے، اسکے ساتھ قبائل کی تفریق بھی ملحوظ تھی یعنی  
ہر قبیلہ کا جدا جدا رجسٹر تھا، اور ان میں بھی مختلف درجہ کے لحاظ سے ترتیب قائم رکھی  
جاتی تھی، اس صیفے کے حساب و کتاب کی درستی کے لئے حضرت عمر نے بڑے بڑے،

مختلف قسم  
کے رجسٹر

قابل لوگوں کو مامور کیا مثلاً دار الخلافہ میں عقیل بن ابی طالب، مخزومہ بن نوفل، حبیر بن  
مطعم، کو، بصرہ میں مغیرہ بن شعبہ کو، کوفہ میں عبداللہ بن خلف کو،۔

دفتر خراج

خراج کا تمام دفتر جیسا کہ ہم اوپر لکھ آئے ہیں، فارسی، شامی، قبطی زبان میں رہا  
کیونکہ عرب میں اس فن کو اس قدر ترقی نہیں ہوئی تھی کہ یہ دفتر عربی زبان میں مقل ہو سکتا۔

بیت المال کے  
کاغذات کی کتنی

بیت المال کا حساب نہایت صحت سے مرتب رہتا تھا، زکوٰۃ و صدقہ میں جو مویشی  
آتے تھے بیت المال سے متعلق تھے چنانچہ انکے رجسٹر تک نہایت تفصیل سے مرتب تھے  
جانوروں کا حلیہ، رنگ اور عمر تک لکھی جاتی تھی اور بعض وقت خود حضرت عمر اپنے ہاتھ سے  
لکھتے تھے۔

مصارفِ جنگ  
کے کاغذات

مصارفِ جنگ اور مالِ غنیمت کا حساب، ہمیشہ افسردہوں سے طلب کیا جاتا تھا، چنانچہ حضرت خالد کی پہلے مغزولی اسی بنا پر ہوئی تھی کہ وہ کاغذاتِ حساب کے بھیجنے کی ذمہ داری نہیں قبول کرتے تھے۔ جلولاہ کی فتح میں جو سلسلہ میں واقع ہوئی تھی زیاد بن ابی سفیان حساب کے کاغذات لے کر مدینہ میں آئے تھے اور حضرت عمر کو ملاحظہ کرایا تھا۔

مردم شماری  
کے کاغذات

زکوٰۃ اور جزیہ کی تشخیص کی ضرورت سے ہر مقام کی مردم شماری کرائی گئی تھی اور اسکے کاغذات نہایت اہتمام سے محفوظ تھے، چنانچہ مصر و عراق کی مردم شماری کا حال، مقریزی اور طبری نے تفصیل سے لکھا ہے۔

خاص خاص صفتوں کے لحاظ سے بھی نقتے طیار کرائے گئے تھے، مثلاً سعد و قاص کو حکم بھیجا تھا کہ جس قدر آدمی قرآن پڑھ سکتے ہیں انکی فہرست طیار کی جائے شاعرون کی فہرست بھی طلب کی تھی چنانچہ اسکا ذکر کسی اور موقع پر آئیگا۔

کاغذاتِ مناسبات  
کے لکھنے کا  
طریقہ

مفتوحہ ممالک کی قوموں یا اور لوگوں سے جس قدر تحریری معاہدے ہوتے تھے۔ وہ نہایت حفاظت سے ایک صندوق میں رکھے جاتے تھے جو خاص حضرت عمر کے اہتمام میں تھا تھا اس موقع پر یہ بتا دینا بھی ضرور ہے کہ اُس وقت تک حساب کتاب کے لکھنے کا یہ طریقہ تھا کہ مستطیل کاغذ پر لکھتے تھے اور اسکو لپیٹ کر رکھتے تھے، بعینہ اس طرح جس طرح ہمارے ملک میں مہاجنون کی بیان ہوتی ہیں۔ کتاب اور رجسٹر کا طریقہ، خلیفہ سفاح کے زمانے میں اسکے وزیر خالد برمکی نے ایجاد کیا۔

سکہ کی نسبت اگرچہ عام مورخون نے لکھا ہے کہ عرب میں سب سے پہلے جس نے سکہ جاری کیا وہ عبد الملک بن مروان ہے، لیکن علامہ مقریزی کی تحریر سے ثابت ہوتا ہے کہ اسکے موجد بھی عمر فاروق ہی ہیں، چنانچہ اس موقع پر ہم علامہ موصوف کی عبارت کا لفظی ترجمہ کرتے ہیں۔

”جب امیر المومنین عمر خلیفہ ہوئے اور خدا نے ان کے ہات پر مصر و شام و عراق فتح کیا، تو انھوں نے سکہ کے معاملہ میں کچھ دخل نہیں دیا، بلکہ پرانے سکے جو جاری تھے بحال رہنے دئے۔ شام میں جب مختلف مقامات سے سفارتیں آئیں تو بصرہ سے بھی سفراء آئے جن میں اخف بن قیس بھی شامل تھے، اخف نے باشندگان بصرہ کی ضروریات اور حاجتیں بیان کیں، حضرت عمر نے انکی درخواست پر قتل بن یسار کو بھیجا، جنھوں نے بصرہ میں ایک نہر طیار کرائی، جس کا نام نہر قتل ہے، اور جسکی نسبت یہ فقرہ مشہور ہے اِذَا جَاءَ نَهْرُ اللَّهِ بَطَلَ نَهْرُ مَعْقِلٍ، حضرت عمر نے اسی زمانے میں یہ انتظام کیا کہ ہر شخص کے لئے ایک جریب غلہ اور دو درہم ماہوار مقرر کئے۔ اسی زمانے میں حضرت عمر نے نپے سکہ کے درہم جاری کئے، جو نوشیروانی سکہ کے مشابہ تھے، البتہ آنا فرق تھا کہ حضرت عمر کے سکون پر الحمد للہ اور بعض سکون پر محمد رسول اللہ اور بعض پر لا الہ الا اللہ و محمد لکھا ہوتا تھا، حضرت عمر کے اخیر زمانے میں دس درہم کا مجموعی وزن چھہ مثقال کے برابر ہوتا تھا۔“

یہ مقررہ کی خاص روایت ہے لیکن اس قدر عموماً مسلم ہے کہ حضرت عمرؓ نے سکے میں ترمیم و اصلاح کی علامہ ماوردی نے الاحکام السلطانیۃ میں لکھا کہ ایران میں تین قسم کے سکہ تھے، بغلی آٹھ دانگ کا۔ طبری چار دانگ کا۔ مغربی تین دانگ کا۔ حضرت عمرؓ نے حکم دیا کہ بغلی اور طبری چونکہ زیادہ چلتے ہیں اس لئے دونوں کو ملا کر انکا نصف، اسلامی درہم قرار دیا جائے، چنانچہ اسلامی درہم چھ دانگ کا قرار پایا۔

## ذمی رعایا کے حقوق

حضرت عمرؓ نے ذمی رعایا کو جو حقوق دئے، اُسکا مقابلہ اگر اُس زمانے کی اور سلطنتوں سے کیا جائے تو کسی طرح کا مناسب نہ ہوگا۔ حضرت عمرؓ کے ہمسایہ میں بطلمنی تھیں وہ روم اور فارس تھیں، ان میں سلطنتوں میں غیر قوموں کے حقوق، غلاموں سے بھی بدتر تھے، شام کے عیسائی باوجود کہ رومیوں کے ہم مذہب تھے۔ تاہم اُنکو اپنی مقبوضہ زمینوں پر کسی قسم کا مالکانہ حق حاصل نہیں تھا، بلکہ وہ خود ایک قسم کی جائیداد خیال کئے جاتے تھے، چنانچہ زمین کے انتقال کے ساتھ وہ بھی منتقل ہو جاتے تھے، اور مالک سابق کو اُن پر جو مالکانہ اختیارات حاصل تھے وہی بغیر حال کو حاصل ہو جاتے تھے، یہودیوں کا حال اور بدتر تھا بلکہ اس قابل نہ تھا کہ کسی حیثیت سے اُن پر رعایا کا اطلاق ہو سکتا، کیونکہ رعایا آخر کچھ نہ کچھ حق رکھتی ہے، اور وہ حق کے نام سے بھی محروم تھے۔ فارس میں جو عیسائی تھے اُنکی حالت اور بھی رحم کے قابل تھی۔

پارسیوں اور  
عیسائیوں کا  
بڑا دُشمن  
کے ساتھ

۱۵ الاحکام السلطانیۃ للماوردی صفحہ ۱۴۷-۱۴۸ ذمی سے وہ تو میں مراد ہیں جو مسلمان نہ تھے لیکن مالک

اسلام میں سکونت رکھتی تھیں ۱۲

حضرت عمرؓ نے جب ان ممالک کو زیرِ نگین کیا تو دفعۃً وہ حالت بدل گئی، جو حقوق انکو دئے گئے اُسکے لحاظ سے گویا وہ رعایا نہیں رہے، بلکہ اس قسم کا تعلق رہ گیا جیسا دو برابر کے معاہدہ کرنے والوں میں ہوتا ہے۔ مختلف ممالک کی فتح کے وقت جو معاہدے لکھے گئے، ہم انکو اس مقام پر بعینہ نقل کرتے ہیں، جس سے اس دعوے کی تصدیق ہوگی اور ساتھ ہی اس بات کے موازنہ کا موقع ملے گا کہ یورپ نے بائیمہ دعویٰ تہذیب، اس قسم کے حقوق کبھی غیر قوم کو کسین دئے ہیں؟

یہ یاد رکھنا چاہئے کہ تاریخوں میں جو معاہدے منقول ہیں انہیں بعض مفصل اور باقی مجمل ہیں، کیونکہ مفصل شرائط کا بار بار اعادہ کرنا تطویلِ قلم کا باعث تھا اس لئے اکثر معاہدوں میں کسی مفصل معاہدے کا حوالہ دیدیا گیا ہے، بیت المقدس کا معاہدہ جو خود حضرت عمرؓ کی موجودگی میں اور انکے الفاظ میں لکھا گیا حسب ذیل ہے۔

بیت المقدس  
کا معاہدہ

هَذَا مَا اعطى عبدُ اللهِ عمرُ اميرُ المؤمنينَ  
اهلَ ايليا من الامان اعطاهم اماناً  
لا نفسهم وَاَمْوَالَهُمْ وَلَكِنَّا يَسْهُمُ وَصَلْبُهُمْ  
وَسَقِيمُهَا وَبَرِيَّتُهَا وَسَائِرُ مَلَّتْهَا اِنَّهَ لَا  
يُسْكُنُ كِنَا يَسْهُمُ وَلَا هَدَمَ وَلَا يَنْتَقِضُ  
مِنْهَا وَلَا مِنْ خَيْرِهَا وَلَا مِنْ صَلْبِهِمْ وَ  
لَا مِنْ شَيْءٍ مِنْ اَمْوَالِهِمْ وَلَا يَكْهُونُ عَلٰى بَعْضِهِمْ

یہ وہ امان ہے جو خدا کے قلام امیر المؤمنین عمرؓ نے ایلیا کے لوگوں کو دی، یہ امان انکی جان، مال، گرجا، صلیب، تندرست، بیمار، اور انکے تمام مذہب والوں کے لیے ہے، اس طرح ہرگز انکے گرجاؤں میں نہ سکونت کی جائے گی، نہ وہ ڈھائے جائیں گے، نہ انکو یا انکے احاطے کو کچھ نقصان پہنچایا جائے گا۔ نہ ان کی صلیبوں اور ان کے مال میں کچھ کمی کی جائے گی، مذہب کے بارے میں ان پر

وَلَا يَضَارُّ أَحَدٌ مِنْهُمْ وَلَا يَسْكَنُ بِلَدِيَاءٍ  
 مَعَهُمْ أَحَدٌ مِنَ الْيَهُودِ - وَعَلَى أَهْلِ الْبِلَدِ  
 أَنْ يُعْطُوا الْجِزْيَةَ كَمَا يُعْطَى أَهْلُ الْمَدَائِنِ وَ  
 عَلَيْهِمْ أَنْ يَخْرِجُوا مِنْهَا الرِّمَاحَ وَاللِّصَوَاتِ  
 مَنْ خَرَجَ مِنْهُمْ فَهُوَ أَمِينٌ عَلَى نَفْسِهِ وَمَالِهِ حَتَّى  
 يَبْلُغُوا مَا مِنْهُمْ وَمَنْ أَقَامَ مِنْهُمْ فَهُوَ أَمِينٌ  
 عَلَيْهِمْ مِثْلُ أَهْلِ بِلَدِيَاءٍ مِنَ الْجَنْبِيتِ وَمَنْ جَبَ مِنْ  
 أَهْلِ الْبِلَدِ أَنْ يَسْرِبَ نَفْسَهُ وَمَالَهُ مَعَ الرِّمَاحِ  
 بَيْعُهُمْ وَصَلْبُهُمْ فَإِنَّهُمْ أَمِينُونَ عَلَى نَفْسِهِمْ وَعَلَى  
 بَيْعِهِمْ وَصَلْبِهِمْ حَتَّى يَبْلُغُوا مَا مِنْهُمْ وَعَلَى  
 مَا فِي هَذَا الْكِتَابِ عَهْدُ اللَّهِ وَرِثَةُ رَسُولِهِ وَ  
 ذِمَّةُ الْخُلَفَاءِ وَرِثَةُ الْمُؤْمِنِينَ إِذَا عَظُمَ الذِّمَّةُ  
 عَلَيْهِمْ مِنَ الْجِزْيَةِ شَهِدَ عَلَى ذَلِكَ خَالِدُ  
 بْنُ الْوَلِيدِ وَعُمَرُ بْنُ الْعَاصِ وَعَبْدُ اللَّهِ بْنُ  
 عَوْفٍ وَمَعَاوِيَةُ بْنُ أَبِي سَفْيَانَ كَتَبَ خُصْرُ

جزیرہ کیا جائیگا نہ اُنہیں سے کسی کو نقصان پہنچایا جائیگا،  
 ایلیاء میں اُنکے ساتھ یہودی نہ رہنے پائینگے، ایلیاء والوں  
 پر یہ فرض ہے کہ اور شہروں کی طرح جزیرہ دین اور یونانیوں کو  
 نکال دین ان یونانیوں میں سے جو شہر سے نکلیگا اُنکی جان اڈال  
 کو امن ہے تا آنکہ وہ جاے پناہ دین پہنچ جائے۔ اور جو  
 ایلیاء ہی میں رہنا اختیار کرے تو اُسکو بھی امن ہے اور اُسکو جزیرہ  
 دینا ہوگا۔ اور ایلیاء والوں میں سے جو شخص اپنی جان اور  
 مال لیکر یونانیوں کے ساتھ چلا جانا چاہے تو اُن کو اور  
 اُنکے گرمادوں کو اور صلیبون کو امن ہے یہاں تک  
 کہ وہ اپنی جاے پناہ تک پہنچ جائیں۔ اور جو کچھ اس تحریر  
 میں ہے اس پر خدا کا، رسول خدا کا، خلفا کا، مسلمانوں کا  
 ذمہ ہے بشرطیکہ یہ لوگ جزیرہ مقررہ ادا کرتے رہیں۔  
 اس تحریر پر گواہ ہیں خالد بن الولید اور عمر بن العاص  
 اور عبد الرحمن بن عوف اور معاویہ بن ابی سفیان  
 اور شاہد میں لکھا گیا۔

اس فرمان میں صاف تصریح ہے کہ عیسائیوں کے جان، مال، اور مذہب، ہر طرح سے

لے دیکھنا تاریخ ابو جعفر مریر طبری، فتح بیت المقدس،



محفوظ رہیگا اور یہ ظاہر ہے کہ کسی قوم کو جس قدر حقوق حاصل ہو سکتے ہیں انہی تین چیزوں سے تعلق رکھتے ہیں۔ گرجے اور چرچ کی نسبت یہ تفصیل ہے کہ نہ وہ توڑی جائینگے۔ نہ انکی عمارت کو کسی طرح کا نقصان پہنچایا جائیگا، نہ انکے احاطوں میں دست اندازی کی جائیگی، نہ یہی آزادی کی نسبت دوبارہ تصریح ہے کہ کالیکڈھون علی بنہیم۔ عیسائیوں کے خیال میں چونکہ حضرت عیسیٰ کو یہودیوں نے صلیب دے کر قتل کیا تھا اور یہ واقعہ خاص بیت المقدس میں پیش آیا تھا اسلئے انکی خاطر سے یہ شرط منظور کی کہ یہودی بیت المقدس میں نہ رہنے پائیں گے۔ یونانی۔ باوجود اسکے کہ مسلمانوں سے لڑے تھے اور درحقیقت وہی مسلمانوں کے اصلی عدد تھے، تاہم انکے لئے یہ رعایتیں ملحوظ رکھیں، کہ بیت المقدس میں رہنا چاہیں تو رہ سکتے ہیں، اور نکل جانا چاہیں تو نکل جاسکتے ہیں، دونوں حالتوں میں انکو امن حاصل ہوگا اور انکے گرجاؤں اور معبدوں سے کچھ تعرض نہ کیا جائیگا، سب سے بڑھکر یہ کہ بیت المقدس کے عیسائی اگر یہ چاہیں کہ وطن سے نکل کر روسیوں سے جا ملیں تو اسپر بھی ان سے کچھ تعرض نہ کیا جائیگا۔ بلکہ انکے گرجے وغیرہ جو بیت المقدس میں ہیں سب محفوظ رہینگے۔ کیا کوئی قوم، مفتوح ملک کے ساتھ اس سے بڑھکر انصاف نہ برتاؤ کر سکتی ہے؟

سب سے مقدم امر یہ ہے کہ ذمیوں کی جان و مال کو، مسلمانوں کی جان و مال کے برابر قرار دیا، کوئی مسلمان اگر کسی ذمی کو قتل کر ڈالتا تھا تو حضرت عمرؓ فوراً اسکے بدلے، مسلمان کو قتل کر دیتے تھے، امام شافعی نے روایت کی ہے کہ قبیلہ بکر بن وائل کے ایک شخص نے حیرہ کے ایک عیسائی کو مار ڈالا، حضرت عمرؓ نے لکھ بھیجا کہ قاتل، مقتول کے وارثوں کو دیا جائیگا

چنانچہ وہ شخص مقتول وارث ہجرت نام حنین تھا حوالہ کیا گیا اور اس نے اس کو قتل کر ڈالا مال اور جائیداد کے متعلق اُنکے حقوق کی حفاظت اس سے بڑھ کر کیا ہو سکتی ہے؟ اگر جس قدر زمینیں اُنکے قبضے میں تھیں اُسی حیثیت سے بحال رکھی گئیں جس حیثیت سے فتح سے پہلے اُنکے قبضے میں تھیں، بیان تک کہ مسلمانوں کو اُن زمینوں کا خریدنا بھی ناجائز قرار دیا گیا، چنانچہ اس بحث کو ہم تفصیل کے ساتھ محاصل ملکی کے بیان میں لکھ آئے ہیں۔

بند و بست  
مالگذاری میں  
ذمیوں کا  
خیال

مالگذاری جو شخص کی گئی وہ نہایت نرم اور ملکی تھی اس پر بھی حضرت عمر کو ہمیشہ یہ خیال رہا تھا کہ کمین ان پر سختی تو نہیں کی گئی چنانچہ مرتے مرتے بھی یہ خیال نہ گیا۔ ہر سال یہ معمول تھا کہ جب عراق کا خراج آتا تھا تو اس شخص کو ذرا اور اس شخص بھرہ سے طلب کئے جاتے تھے اور حضرت عمر، اُن سے چار دفعہ تاکید مسم لیتے تھے کہ مالگذاری کے وصول کرنے میں کچھ سختی تو نہیں کی گئی ہے۔ وفات سے دو تین دن پہلے کا واقعہ ہے کہ افسرانِ بند و بست کو بلایا اور شخص جمع کے متعلق ان سے گفتگو کی اور بار بار پوچھتے رہے کہ جمع سخت تو نہیں مقرر کی گئی۔

ذمیوں سے ملکی  
انتظامات میں  
مشورہ

ایک بڑا حق جو رعایا کو حاصل ہو سکتا ہے، یہ ہے کہ انتظاماتِ ملکی میں اُنکو حصہ دیا جائے، حضرت عمر ہمیشہ اُن انتظامات میں جن کا تعلق ذمیوں سے ہوتا تھا ذمیوں کے مشورہ اور استصواب کے بغیر کام نہیں کرتے تھے۔ عراق کا بند و بست جب پیش تھا تو عجمی رئیسوں کو

۱۔ الدراری فی تاریخ المدائن مطبوعہ دہلی، صفحہ ۳۶۰۔ ۲۔ کتاب الخراج صفحہ ۶۷۔ ۳۔ کتاب الخراج صفحہ ۱۸۱ میں ہے قال شہنشاہ

عمر بن الخطاب قبل ان یصاب بثلاث او اسبع واقفا علی حدیفة بن الیمان و عثمان بن حنیف و هو

یقول لہما لعلکم احملتا الاھض ملاہ تطبیق ۱۲

مدینہ میں بلا کر مالگنداری کی حالات دریافت کئے مصر میں جو انتظام کیا آئین مقوقس سے اکثر راے لی۔

جان و مال و جائداد کے متعلق جو حقوق ذمیوں کو دئے گئے تھے وہ صرف زبانی تھے بلکہ نہایت مضبوطی کے ساتھ انکی پابندی کی جاتی تھی، شام کے ایک کاشتکار نے شکایت کی کہ اہل فوج نے اسکی زراعت کو پامال کر دیا، حضرت عمر نے بیت المال سے ۱۰ ہزار درہم اسکو معاوضہ میں دلوائے۔ اصلاح کے حکام کو تاکید فرماں بھیجتے تھے کہ ذمیوں پر کسی طرح کی زیادتی نہ ہونے پائے، خود بالمشافہ لوگوں کو اسکی تاکید کرتے رہتے تھے۔ قاضی ابو یوسف نے کتاب الخراج باب الجزیہ میں روایت کی ہے کہ حضرت عمر جب شام سے واپس آ رہے تھے تو چند آدمیوں کو دیکھا کہ دھوپ میں کھڑے ہیں اور انکے سر پر تیل ڈالا جا رہا ہے، لوگوں سے پوچھا کہ کیا ماجرا ہے؟ معلوم ہوا کہ ان لوگوں نے جزیہ نہیں ادا کیا ہے اس لئے انکو سزا دی جاتی ہے، حضرت عمر نے دریافت کیا کہ آخر انکا عذر کیا ہے؟ لوگوں نے کہا کہ دنا داری، فرمایا کہ درجھوڑ دو اور انکو تکلیف نہ دو۔ میں نے رسول اللہ صلم سے سنا ہے کہ لا تُعْذِرُوا النَّاسَ فَإِنَّ الَّذِينَ يَعْذِرُونَ النَّاسَ فِي الدُّنْيَا يُعْذِرُهُمُ اللَّهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ یعنی انحضرت نے فرمایا ہے کہ لوگوں کو تکلیف نہ دو، جو لوگ دنیا میں لوگوں کو عذاب پہنچاتے ہیں خدا قیامت میں ان کو عذاب پہنچائیگا، حضرت ابو عبیدہ کو شام کے فتح کے بعد جو فرمان لکھا اُس میں یہ الفاظ تھے۔

ذمیوں کی  
شرائط کا ایسا

وَامْنَعِ الْمُسْلِمِينَ مِنْ ظُلْمِهِمْ وَلَا ضَرْبِهِمْ أَكْلَ أَمْوَالِهِمْ إِلَّا بِحِلِّهَا وَوَقْتُ لِهَؤُلَاءِ الَّذِي شَرِطْتَ لَهُمْ فِي جَمِيعِ مَا أَعْطَيْتَهُمْ	مسلمانوں کو تنگ کرنا، کڑھائیوں پر ظلم کرنے یا مین نہ انکو نقصان پہنچانے پائین نہ انکا مال برباد کھانے پائین۔ اور جس قدر شرطیں تم نے آئے کی ہیں سب وفا کرو۔
--	--

حضرت عمر نے وفات کے قریب، خلیفہ ہونے والے شخص کے لئے ایک مفصل وصیت فرمائی تھی، اس وصیت نامہ کو امام بخاری، ابوبکر بیہقی، جاحظ، اور بہت سے مؤرخین نے نقل کیا ہے اسکا اخیر فقرہ یہ ہے۔

وَأَوْصِيَهُ بِذِمَّةِ اللَّهِ وَذِمَّةِ رَسُولِهِ يُؤْفَى لَهُمْ مِمَّا رَهْمُوا وَيُقَاتَلُ مِنْ دُونِهِمْ وَأَنْ لَا يُكَلِّفُوا فَوْقَ طَاقَتِهِمْ	یعنی میں ان لوگوں کے حق میں وصیت کرتا ہوں جنکو خدا اور رسول کا ذمہ دیا گیا ہے (یعنی ذمی) انکے لئے جو عہد ہے وہ پورا کیا جائے اور انکی حمایت میں لڑا جائے اور انکو انکی طاقت سے زیادہ تکلیف نہ دی جائے۔
--	--

اس سے زیادہ کیا ہو سکتا ہے کہ حضرت عمر، مرتے وقت بھی ذمیوں کو نہ بھولے۔  
غرفہ ایک صحابی تھے۔ انکے سامنے ایک عیسائی نے جناب رسول اللہ صلعم کو گالی دی، غرقہ نے اسکے ننہ پر تھپڑ کھینچ مارا، عیسائی نے عمرو بن العاص کے پاس جا کر شکایت کی، انھوں نے غرقہ کو بلا بھیجا اور باز پرس کی، غرقہ نے واقعہ بیان کیا، عمرو بن العاص نے کہا ”ذمیوں سے امن کا معاہدہ ہو چکا ہے،“ غرقہ نے کہا ”نہوذا باللہ انکو یہ اجازت ہرگز نہیں دی گئی ہے کہ رسول اللہ کو علانیہ گالیان دیں۔ ان سے یہ معاہدہ ہوا ہے کہ اپنے گردن میں جو کچھ چاہیں کریں، اور اگر ان پر کوئی دشمن چڑھ آئے تو ہم انکی طرف سے سینہ سپر ہو کر لڑیں اور

اُن پر کوئی ایسا بار نہ ڈالا جائے جسکے وہ متحمل نہ ہوں، عمرو بن العاص نے کہا مان سچ ہے۔  
اس واقعہ سے معلوم ہو سکتا ہے کہ ذہبیوں کے حفظ حقوق کا کس قدر خیال رکھا جاتا تھا۔

ذہبی امور میں  
آزادی

ذہبی امور میں ذہبیوں کو پوری آزادی حاصل تھی۔ وہ ہر قسم کے رسوم مذہبی ادا کرتے تھے،  
علامہ ناقوس بجاتے تھے۔ صلیب نکالتے تھے ہر قسم کے میلے ٹھیلے کرتے تھے، انکے پیشہ ایاں مذہبی  
کو جو مذہبی اختیارات حاصل تھے بالکل برقرار رکھے گئے تھے، مصر میں اسکندریہ کا پیٹریارک بنیامین تیرہ  
برس تک رومیوں کے ڈر سے ادھر ادھر مارا پھرا عمرو بن العاص نے جب مصر فتح کیا تو شہر میں اسکو  
تحریری امان لکھ کر بھیجی وہ نہایت ممنون ہو کر آیا اور پیٹریارک کی کرسی دوبارہ اسکو نصیب ہوئی چنانچہ  
علامہ مقریزی نے اپنی کتاب (صفحہ ۴۹۲ جلد اول) میں اس واقعہ کی پوری تفصیل لکھی ہے۔ اور  
معاهدات میں اور امور کے ساتھ مذہبی آزادی کا حق التزام کے ساتھ درج کیا جاتا تھا چنانچہ  
بعض معاهدات کے اصلی الفاظ ہم اس موقع پر نقل کرتے ہیں۔ حذیفہ بن الیمان نے ماہ دینار  
والوں کو جو تحریر لکھی تھی اُسی میں یہ الفاظ تھے۔

لَا يَغْيِرُونَ عَنْ مِلَّةِ وَلَا يَحْلِلُ بَيْتَهُمْ وَلَا يَسْرِقُونَ  
انکا مذہب بدلایا گیا، اور انکے مذہبی امور میں کچھ دست اندازی نہ کی گئی۔

جرجان کی فتح کے وقت یہ معاہدہ لکھا گیا۔

لَهُمْ أَمْوَالُهُمْ وَأَنْفُسُهُمْ وَأَمْوَالُهُمْ وَمِلَّةُهُمْ  
انکے جان اور مال اور مذہب و فریضہ کو امان ہے اور میں سے  
کسی شے میں تغیر نہ کیا جائیگا۔

آذربائیجان کے معاہدہ میں یہ تصریح تھی۔

۱۔ اسلام آباد مذکرہ غزوہ۔ ۲۔ طبری صفحہ ۲۶۳۳۔ ۳۔ طبری صفحہ ۲۶۵۰۔

جان، مال، مذہب اور شریعت کو امان ہے۔

الامان علی انفسہم و اموالہم و ملتہم و دینہم

موتوان کے معاہدہ میں یہ الفاظ تھے۔

جان، مال، مذہب اور شریعت کو امان ہے۔

الامان علی اموالہم و انفسہم و ملتہم و دینہم

حضرت عمرؓ اسلام کی اشاعت کی اگرچہ نہایت کوشش کرتے تھے اور منصب خلافت کے لحاظ سے ان کا یہ فرض تھا، لیکن دین تک جہاں تک وعظا اور پند کے ذریعے سے ممکن تھا، ورنہ یہ خیال ہمیشہ اٹھا ہر کر دیا کرتے تھے، کہ مذہب کے قبول کرنے پر کوئی شخص مجبور نہیں کیا جاسکتا۔ بہت ہی اٹھا ایک عیسائی غلام تھا، اس کو ہمیشہ مذہب اسلام کے قبول کرنے کی ترغیب دلاتے تھے لیکن جب اسے انکار کیا تو فرمایا لا اکل الا فی الدین۔ یعنی مذہب میں زبردستی نہیں ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ واقعات سے جو نتیجہ استنباط کیا جاسکتا ہے، وہ یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے ملکی حقوق کے لحاظ سے ذمیوں اور مسلمانوں میں کوئی تمیز نہیں رکھی تھی، کوئی مسلمان اگر ذمی کو قتل کرتا تھا تو بیدینہ اس کے قصاص میں قتل کر دیا جاتا تھا، مسلمان اگر ذمی سے سخت کلامی کرتے تھے تو پاداش کے مستحق ہوتے تھے، ذمیوں سے جزیہ اور عشور کے سوا کسی قسم کا مصلوب نہیں لیا جاتا تھا۔ اسکے مقابلے میں مسلمانوں سے زکوٰۃ وصول کی جاتی تھی جس کی مقدار دونوں سے زیادہ تھی، اسکے سوا عشور، مسلمانوں سے بھی وصول کیا جاتا تھا البتہ اس کی شرح بتقابلہ ذمیوں کے کم تھی، بیت المال سے والیٹرون کو گھڑیٹھے جو غنواہیں ملتی تھیں ذمی بھی اسیں برابر کے شریک تھے، سب سے بڑھ کر یہ (اور درحقیقت صرف اسی ایک مثال سے اس بحث کا فیصلہ

مسلمانوں اور  
ذمیوں کی ہمہ

ہو سکتا ہے کہ یہ جو قاعدہ تھا کہ جو مسلمان اپنا بیج اور ضعیف ہو جاتا تھا اور محنت و مزدوری سے معاش نہیں پیدا کر سکتا تھا بیت المال سے اسکا وظیفہ مقرر ہو جاتا تھا۔ اسی قسم کی بلکہ اس سے زیادہ فیاضانہ رعایت ذمیوں کے ساتھ بھی مرعی تھی۔ اول اول یہ قاعدہ حضرت ابو بکر کے عہد میں مقرر ہوا چنانچہ خالد بن الولید نے حیرہ کی فتح میں جو معاہدہ لکھا اس میں یہ الفاظ تھے۔

<p>وَجَعَلْتُ لَهُمْ اِيْمًا يَشْفَعُ عَنْ الْعَمَلِ اَوْ اَصَابَهُ اَفْئِدَةٌ مِنْ الْاَفَاتِ اَوْ كَانَتْ غَنِيًّا فَافْقَرُوا صَا رَ اَهْلَ دِيْنِهِ يَتَصَدَّقُوْنَ عَلَيْهِ طَرَحَتْ جَزِيَّتُهُ وَعِيْلٌ مِنْ بَيْتِ مَالِ الْمُسْلِمِيْنَ اَوْ عِيَالُهُمْ اَقَامَ بَدَلًا لِهَجْرَتِهِ وَكَذَا اِسْرَافًا وَسَلَامًا فَاَنْ خَرَجُوا اِلَى غَيْرِ دَارِ الْهَجْرَةِ وَدَارِ اِسْلَامِهِمْ فَلَيْسَ عَلَى الْمُسْلِمِيْنَ النَّفَقَةُ عَلَى عِيَالِهِمْ</p>	<p>اور میں نے انکو یہ حق دیا کہ اگر کوئی بڑھا شخص کام کرنے سے منع نہ ہو جائے یا اس پر کوئی آفت آئے، یا پہلے دو تہہ تھا پھر غریب ہو گیا، اور اس وجہ سے اس کے ہم مذہب اسکو خیرات دینے لگے۔ تو اسکا جزئیہ موتوں کو دیا جائیگا اور اسکو اور اسکی اولاد کو مسلمانوں کے بیت المال سے نفقہ دیا جائیگا جب تک وہ مسلمانوں کے ملک میں رہے۔ لیکن اگر وہ غیر ملک میں چلا جائے تو مسلمانوں پر اسکا نفقہ واجب نہ ہوگا۔</p>
--	--

یہ قاعدہ حضرت عمر کے عہد میں بھی قائم رہا بلکہ حضرت عمر نے اسکو قرآن مجید کی آیت سے مستند کر دیا یعنی بیت المال کے داروغہ کو یہ لکھ بھیجا کہ قرآن مجید کی آیت **إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسْكِينِ** (صدقہ اور خیرات، فقیروں اور مسکینوں کے لئے ہے) (سورہ انفقہ) کے لفظ سے مسلمان اور مسکین کے لفظ سے اہل کتاب یہودی اور عیسائی مراد ہیں۔ اس واقعہ کی تفصیل یہ ہے کہ ایک دفعہ حضرت عمر نے ایک پیر کین سال کو بھیج دیا گئے دیکھا، پوچھا کہ

بھیک کیون مانگتا ہے؟ اُس نے کہا مجھ پر جزیہ لگایا گیا ہے، اور مجھ کو ادا کرنے کا مقدمہ نہیں، حضرت عمرؓ اسکو ساتھ گھر پر لوالائے اور کچھ نقد دیکر بیت المال کے داروغہ کو کمال بھیجا کہ اس قسم کے معذوروں کے لئے بیت المال سے وظیفہ مقرر کر دیا جائے، اسی واقعہ میں آیت مذکورہ بالا کا حوالہ دیا، اور یہ بھی فرمایا کہ واللہ یہ یغنائ کی بات نہیں کہ ان لوگوں کی جوانی سے ہم متمتع ہوں اور بڑھاپے میں ان کو نکال دیں۔

ذقیوں کی عزت کا خیال

ذقیوں کی عزت و اہرود کا اسی قدر استحقاق تھا جس قدر مسلمان کی عزت و ناموس کا۔ انکی نسبت کسی قسم کی تحقیر کا لفظ استعمال کرنا نہایت ناپسندیدہ خیال کیا جاتا تھا۔ عیین بن سعد جو حبش کے حاکم تھے اور زہد و تقدس و ترک دنیا میں تمام عمدہ داران خلافت میں کوئی انکا ہمسر نہ تھا، ایک دفعہ انکے منہ سے ایک ذمی کی شان میں یہ لفظ نکل گیا اخذًا اللہ یعنی خدا بٹھکھو رسوا کرے۔ اسپر انکو اس قدر ندامت اور تاسف ہوا کہ حضرت عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر نوکری سے استعفا دیدیا، اور کہا کہ اس نوکری کی بدولت مجھ سے یہ حرکت صادر ہوئی۔

سازش اور بنات کی حالت میں ذقیوں کے ساتھ سلوک

ایک خاص بات جو سب سے بڑھکر لحاظ کے قابل ہے یہ ہے کہ ذقیوں نے اگر کبھی سازش یا بغاوت کی تب بھی انکے ساتھ مراعات کو ملحوظ رکھا۔ آجکل جن حکومتوں کو تہذیب و ترقی کا دعوے ہے رعایا کے ساتھ انکی تمام عنایت اسی وقت تک ہے جب تک انکی طرف سے کوئی پولیٹیکل شبہ نہ پیدا ہو، ورنہ دفعہ وہ تمام مہربانی غضب اور قہر سے بدل جاتی ہے اور ایسا خونخوار اور پر غیظ انتقام لیا جاتا ہے کہ وحشی قورین بھی اس سے کچھ زیادہ نہیں کر سکتیں۔



برخلاف اسکے حضرت عمر کا قدم کسی حالت میں جادۂ انصاف سے ذرا نہیں ہٹا، شام کے آخری سرحد پر ایک شہر تھا جس کا نام عربسوس تھا اور جسکی دوسری سرحد ایشیائے کوچک سے ملی ہوئی تھی۔ شام جب فتح ہوا تو یہ شہر بھی فتح ہوا اور صلح کا معاہدہ ہو گیا، لیکن یہاں کے لوگ درپردہ رومیوں سے سازش رکھتے تھے اور ادھر کی خبریں انکو پہنچاتے رہتے تھے۔ عمیر بن سعد وہاں کے حاکم نے حضرت عمر کو اطلاع دی، حضرت عمر نے انکی اس کمینہ صلت کا جواب اتمام لیا، وہ یہ تھا کہ عمیر بن سعد کو لکھ بھیجا کہ جس قدر انکی جائیداد زمین، مویشی، اور اسباب سب شمار کر کے ایک ایک چیز کی دو چند قیمت دیدو، اور ان سے کہو کہ اور کمین چلے جائیں، اگر اسپر راضی نہ ہوں تو انکو ایک برس کی ہملت دو، اور اسکے بعد جلا وطن کردو، چنانچہ جب وہ اپنی شرارت سے باز نہ آئے تو اس حکم کی تعمیل کی گئی۔ کیا آج کل کوئی قوم اس درگزر اور عفو و مسامحت کی کوئی نظیر دکھلا سکتی ہے؟

ذمتیوں کے ساتھ جو لطف و مراعات کی گئی تھی اسکا ایک بڑا ثبوت یہ ہے کہ ذمتیوں نے ہر موقع پر خود اپنے ہم مذہب سلطنتوں کے مقابلے میں مسلمانوں کا ساتھ دیا۔ ذمتی ہی تھے جو مسلمانوں کے لیے رسد بہم پہنچاتے تھے، لشکر گاہ میں مینا بازار لگاتے تھے۔ اپنے اہتمام اور صرف سے سڑک اور پل طیارا کرتے تھے، اور سب سے بڑھ کر یہ کہ جاسوسی اور خبر رسانی کرتے تھے۔ یعنی دشمنوں کے ہر قسم کے راز مسلمانوں سے آکر کہتے تھے۔ حالانکہ یہ دشمن انھنی کے ہم مذہب عیسائی یا پارسی تھے۔ ذمتیوں کو مسلمانوں کے حسن سلوک کی وجہ سے جو اخلاص پیدا ہو گیا تھا اسکا اندازہ

اس سے ہو سکتا ہے کہ جنگ یرموک کے پیش آنے کے وقت جب سلمان شہر محص سے نکلے تو یہودیوں نے توریت بات میں لیکر کہا کہ جب تک ہم زندہ ہیں کبھی رومی بیان نہ آنے پائینگے، عیسیٰ مومن نے نہایت حسرت سے کہا کہ ”خدا کی قسم تم رومیوں کے بنسبت کمین بڑھکر مکہ معظمہ“ اخیر میں ہلوآن واقعات کی حقیقت بھی بتانا ضرور ہے خلی وجہ سے لوگوں کو یہ غلط خیال پیدا ہوا ہے یا ہو سکتا ہے، کہ حضرت عمرؓ نے بلکہ خود اسلام نے ذمیوں کے ساتھ نا انصافانہ سلوک کئے۔

مخالفت کی  
طرف سے  
اعتراض کی  
تقریر

اس مسئلے کو مخالف اس طرح بیان کر سکتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے ذمیوں کے حق میں یہ حکم دیا کہ وضع اور لباس وغیرہ میں کسی طرح مسلمانوں کا تشبیہ نہ کرنے پائیں، کمزین زنا راہدہ میں، بستی ٹوپیاں پہنیں، گھوڑوں پر کھڑکیں، نئی عبادت گاہیں نہ بنائیں، شراب اور سورہ بچیں، ناقوس نہ بجائیں، صلیب نہ لگالیں، بتوغلب کو یہ بھی حکم تھا کہ اپنی اولاد کو اصطباغ نہ دینے پائیں، ان سب باتوں پر یہ مسترد کہ حضرت عمرؓ نے عرب کی وسیع آبادی میں ایک یہودی یا عیسائی کو نہ رہنے دیا اور بڑے بڑے قدیم خاندان جو سیکڑوں برس سے عرب میں آباد تھے، جلا وطن کر دئے،۔

بے شبہ، یہ اعتراضات نہایت توجہ کے قابل ہیں، اور ہم انکے جواب دینے میں کسی قدر تفصیل سے کام لیں گے، کیونکہ ایک زمانہ ممتد کے تعصب اور تقلید نے واقعیت کے چہرے پر بہت سے پردے ڈال دئے ہیں۔ یہ سچ ہے کہ حضرت عمرؓ مسلمانوں کو غیر قوموں کی مشابہت اور غیر قوموں کو مسلمانوں کی مشابہت سے روکتے تھے، لیکن اس سے فقط قومی خصوصیتوں کو قائم رکھنا مقصود تھا، لباس کی بحث میں تحقیق طلب یہ امر ہے کہ حضرت عمرؓ نے ذمیوں کو جس

لباس کی پابندی کی تاکید کی تھی، آیا وہی ذمیون کا قدیم لباس تھا۔ یا حضرت عمرؓ نے کوئی نیا لباس بطور علامت تحقیر کے تجویز کیا تھا۔ جس شخص نے عجم کی قدیم تاریخ پڑھی ہے وہ یقیناً جان سکتا ہے، کہ جس لباس کا یہاں ذکر ہے وہ عجم کا قدیم لباس تھا، حضرت عمرؓ کا معاہدہ حبکہ اکثر اہل مال وغیرہ میں نقل کیا ہے اگرچہ راویوں نے اسکو بہت کچھ کم و بیش کر دیا ہے تاہم جہاں ذمیون کی طرف سے یہ اقرار مذکور ہے کہ ہم فلان فلان لباس نہ پہنیں گے وہاں یہ الفاظ بھی ہیں وان تلزم سرتینا حیث ما کنّا یعنی ہم وہی لباس پہنیں گے جو ہمیشہ سے پہنتے آتے تھے۔ اس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ جس لباس کا حضرت عمرؓ نے حکم دیا تھا وہ عجم کا قدیم لباس تھا۔ زنا رجب کا ذکر حضرت عمرؓ کے فرمان میں ہے اسکی نسبت ہمارے فقہانے اکثر غلطیان کی ہیں، انکا خیال ہے کہ وہ انگل برابر ہوتا ایک قسم کا جسیو ہوتا تھا اور اس سے ذمیون کی تحقیر مقصود تھی، لیکن یہ سخت غلطی ہے زنا ر کے معنی پیٹی کے ہیں اور عرب میں یہ لفظ آج کل بھی اسی معنی میں مستعمل ہے، پیٹی کو عربی میں منطقہ بھی کہتے ہیں اور اس لحاظ سے زنا ر اور منطقہ مراد الفاظ ہیں، ان دونوں الفاظ کا مراد ہونا کتب حدیث سے ثابت ہے، اکثر اہل مال میں بیعتی وغیرہ سے روایت منقول ہے، کہ حضرت عمرؓ نے سرداران فوج کو یہ تحریری حکم بھیجا وتلزموا ہر المناطقی یعنی الزنا ر اسی زنا ر کو کہتے تھے چنانچہ جامع صغیر وغیرہ میں بجائے زنا ر کے کہتے ہی لکھا ہے، اور غالب یہ ہے کہ یہ لفظ عجی ہے۔ بہر حال اہل عجم قدیم سے پیٹی لگاتے تھے۔ علامہ مسعودی نے کتاب التنبیہ والاشراف میں لکھا ہے، کہ عجم

کی اس قدیم عادت کی وجہ میں نے کتاب مروج الذهب میں لکھی ہے۔ ایک قطعی دلیل اس بات کی کہ یہ لباس ذمیون کا قدیم لباس تھا، یہ ہے کہ خلیفہ منصور نے اپنے دربار کے لئے جو لباس قرار دیا تھا وہ قریب قریب یہی لباس تھا، لمبی ٹوپیاں جو زسل کی ہوتی تھیں، وہی عجم کی ٹوپیاں تھیں، جسکا نمونہ پارسیوں کے سروں پر آج بھی موجود ہے، اس درباری لباس میں بیٹی بھی داخل تھی، اور یہ وہی زنار یا منطقہ، یا کتیج، ہے جو عجم کی قدیم وضع تھی، منصور کے اس مجوزہ لباس کی نسبت تمام مورخین عرب نے تصریح کی ہے، کہ عجم کی تقلید تھی، اب یہ شخص سمجھ سکتا ہے کہ جو لباس، حضرت عمرؓ نے ذمیون کے لئے قرار دیا تھا، وہ اگر کوئی جدید لباس تھا اور انکی تحقیر کے لئے ایجاد کیا گیا تھا تو خلیفہ منصور اسکو اپنا اور اپنے دربار کا لباس کیونکر قرار دیکتا تھا۔ ذمیون کو نئی عبادت گاہیں بنانے، شراب پینے، صلیب لگانے، ناقوس پھونکنے، صلباغ دینے سے، روکنا بے شبہ مذہبی دست اندازی ہے لیکن میں بیباکانہ اس راز کی پردہ دری کرتا ہوں، کہ یہ احکام جن قیدون کے ساتھ حضرت ابو بکرؓ و حضرت عمرؓ نے جاری کئے تھے وہ بالکل مناسب تھے۔ لیکن زمانہ مابعد کے مورخوں نے ان قیدون کا ذکر چھوڑ دیا، اور اس وجہ سے تمام دنیا میں ایک عالمگیر غلطی پھیل گئی۔

صلیب بناتوں  
کی نسبت

صلیب کی نسبت معاہدے میں جو الفاظ تھے اس میں یہ قید تھی ولا یرفعوا فی نادى اهل الا سیارہ صلیب یعنی مسلمانوں کی مجلس میں صلیب نہ نکالیں،

ناقوس کی نسبت یہ تصریح تھی یضربوا نواقیسہم فی ما ی ساعیہ شاذ من لیل

اونہائے کلا فی اوقات الصلوٰۃ یعنی وقتی رات دن میں جس وقت چاہیں، ناقوس بجائیں  
بجز نماز کے اوقات کے، سور کی نسبت یہ الفاظ تھے ولا یخرجوا خنزیراً من منازلہم لالہ  
آفینۃ للسلیمین۔ یعنی وقتی۔ سور کو مسلمانوں کے احاطہ میں نہ لیجائیں۔

ان تصریحات کے بعد۔ کسکو شبہ رہ سکتا ہے کہ صلیب نکالنا۔ یا ناقوس بجانا، عموماً منع  
نہ تھا بلکہ خاص حالات میں مانعت تھی، اور ان خاص حالات میں آج بھی ایسی ممانعت  
خلاف انصاف نہیں کہی جاسکتی۔ سب سے زیادہ قابل لحاظ امر یہی تغلب عیسائیوں کے  
اولاد کا اصطباغ نہ دینا ہے، عیسائیوں میں دستور ہے کہ وہ اپنی اولاد کو بلوغ سے پہلے اصطباغ  
و دیرتے ہیں، اور یہ گویا اس بات کی حفاظت ہے کہ آئندہ وہ کوئی اور مذہب قبول نہ کرنے پائے  
بعینہ اس طرح جس طرح ہم مسلمانوں میں بچوں کا غتہ کیا جاتا ہے، بے شبہ حضرت عمر کو عام  
طور پر اس رسم کے روکنے کا کچھ حق نہ تھا، لیکن اس زمانے میں ایک نیا سوال پیدا ہوا تھا،  
یعنی یہ کہ اگر کسی عیسائی خاندان میں سے کوئی شخص مسلمان ہو جائے اور نابالغ اولاد چھوڑ کر  
مرے، تو اسکی اولاد کس مذہب کے موافق پرورش پائیگی؟ یعنی وہ مسلمان سمجھی جائے گی  
یا انکے خاندان و انون کو جو عیسائی مذہب رکھتے ہیں یہ حق حاصل ہوگا کہ اسکو اصطباغ  
دیکر عیسائی بنالیں۔ حضرت عمر نے اس صورت خاص کے لئے یہ قرار دیا کہ خاندان والے،  
اسکو اصطباغ نہ دیں اور عیسائی نہ بنائیں، اور یہ حکم بالکل قرین انصاف ہے۔ کیونکہ جب  
اسکا باپ مسلمان ہو گیا تھا تو اسکی نابالغ اولاد بھی بظاہر مسلمان قرار پائیگی۔ علامہ طبری نے

اصطباغ نہ دینا

جہاں بنو تغلب کے واقعہ کا ذکر کیا ہے شرائط صلح میں یہ الفاظ نقل کئے ہیں علی ان لا یستصر و اولاد کو  
ولیداً من اسلام الباء مھر یعنی بنو تغلب کو یہ اختیار نہ ہوگا کہ جنگے باپ مسلمان ہو چکے انکی اولاد کو  
عیسائی بنا سکیں۔ ایک اور موقع پر یہ الفاظ ہیں ان لا یستصر و اولاد کو اھو اذا السلم الباء ہم  
یہاں شاید یہ اعتراض ہو، کہ حضرت عمرؓ نے ایک فرضی صورت قائم کر کے معاہدہ کو کیوں  
سخت کیا۔ لیکن جواب یہ ہے کہ یہ فرضی صورت نہ تھی بلکہ بنو تغلب میں بہت سے لوگ اسلام  
قبول کر چکے تھے، اس لئے انکی خاص حالت کے لحاظ سے اس صورت کا ذکر ضرور تھا، بلکہ  
علامہ طبرسی نے صاف تصریح کی ہے کہ تغلب میں سے جو لوگ اسلام لا چکے تھے خود انھی نے  
معاہدہ کے یہ شرائط پیش کئے تھے۔

اب ہر شخص انصاف کر سکتا ہے کہ امن عام، میں خلل نہ واقع ہونیکے لئے، عیسائیوں کو  
اگر یہ حکم دیا جائے کہ وہ مسلمانوں کی مجلسوں میں صلیب اور سورہ لائین، خاص نماز کے وقت  
ناقوس نہ بجائیں، نہ مسلم عیسائیوں کی اولاد کو مطہر نہ دین، تو کیا کوئی شخص اسکو تعصب ہی  
سے تعبیر کر سکتا ہے۔ لیکن افسوس اور سخت افسوس یہ ہے، کہ ہمارے پچھلے موزخون نے ان احکام  
کی قیدوں اور خصوصیتوں کو اڑا دیا۔ بلکہ قدما میں بھی جو تعصب آمر طبیعت رکھتے تھے، روایت  
میں ان خصوصیتوں کو چھوڑ جاتے تھے، یہ غلطیان اگرچہ نہایت سخت نتائج پیدا کرتی تھیں،  
لیکن چونکہ ظاہر میں خفیف تھیں ابن الاثیر وغیرہ نے اسکا کچھ خیال نہیں کیا، رفتہ رفتہ یہ  
غلطیان اس قدر پھیل گئیں کہ عربی زبان ستر پاپا اس سے مہمو ہو گئی۔ فقہاء چونکہ تاریخ سے

بہت کم وقفیت رکھتے تھے انھوں نے بے تکلف انہی غلط روایتوں کو قبول کر لیا اور ان پر فقہ کے مسائل تفیہ کر لئے۔

عیسائیوں کے  
جلاوطن کرنا  
مسئلہ

عیسائیوں اور یہودیوں کے جلاوطن کرنے کا معاملہ اسکی حقیقت یہ ہے کہ یہودی کسی زمانے میں مسلمانوں کی طرف سے صاف نہیں ہوئے۔ خیمبر جب فتح ہوا تو ان سے کمد یا گیا تھا کہ جس وقت مناسب ہو گا تم کو یہاں سے نکال دیا جائیگا، حضرت عمرؓ کے زمانے میں انکی شرارتیں زیادہ ظاہر ہوئیں۔ عبداللہ بن عمرؓ کو ایک دفعہ بالا خانے سے وکیل دیا جس سے انکے ہات میں زخم آیا، مجبوراً حضرت عمرؓ نے عام مجمع میں کھڑے ہو کر انکی شرارتیں بیان کیں اور پھر انکو عرب سے نکال دیا۔ چنانچہ صحیح بخاری، کتاب الشرط میں یہ واقعہ کسی قدر تفصیل کے ساتھ مذکور ہے۔

بحران کے عیسائی یمن اور اسکی اطراف میں رہتے تھے اور ان سے کچھ تعرض نہیں کیا گیا تھا، لیکن انھوں نے چپکے چپکے جنگی طیاریاں شروع کیں، اور بہت سے گھوڑے اور ہتھیار مہیا کئے۔ حضرت عمرؓ نے صرف اس ضرورت سے انکو حکم دیا کہ یمن چھوڑ کر عراق چلے جائیں۔

غرض یہ امر تمام تاریخی شہادتوں سے قطعاً ثابت ہے، کہ عیسائی اور یہودی پولیسکل ضرورتوں کی وجہ سے جلاوطن کئے گئے اور اس وجہ سے یہ امر کسی طرح اعتراض کے قابل نہیں ہو سکتا، البتہ لحاظ کے قابل یہ ہے کہ اس حالت میں بھی کس قسم کی رعایت انکے ساتھ ملحوظ رکھی گئی۔ قدرک کے یہودی جب نکالے گئے تو حضرت عمرؓ نے ایک واقف کار شخص کو بھیجا کہ انکی زمین اور باغوں کی قیمت کا

تخمینہ کرے، چنانچہ جو قیمت متعین ہوئی حضرت عمرؓ نے انکو بیت المال سے دلوادی۔ اسی طرح حجاز کے یہودیوں کو بھی، انکی زمین کی قیمت دلوائی۔

بحران کے عیسائیوں کو جب عرب کی آبادی سے نکال کر شام و عراق میں آباد کیا، تو انکے ساتھ نہایت نیا ضامنہ رعایتیں کیں، انکو اس کا جو پروانہ دیا، اس میں یہ شرطیں لکھیں۔  
عراق یا شام، جہاں یہ لوگ جائیں، وہاں کے افسران کی آبادی اور زراعت کے لئے انکو زمین دین۔ جس مسلمان کے پاس یہ کوئی فریاد لیجائیں وہ انکی مدد کرے۔ ۴۰ مہینے تک ان سے مطلقاً جزیہ نہ لیا جائے۔

اس معاہدے پر احتیاط اور تاکید کے لحاظ سے بڑے بڑے صحابہ کے دستخط ثبت کرائے۔ چنانچہ قاضی ابو یوسف صاحب نے کتاب الخراج میں اس معاہدہ کو با الفاظ نقل کیا ہے۔  
ایک ایسی فوج، جسکی نسبت بغاوت اور سازش کے ثبوت موجود ہوں۔ اُسکے ساتھ اس سے بڑھکر اور کیا رعایت کی جاسکتی ہے۔

اب صرف جزیہ کا معاملہ رہ جاتا ہے ہم نے اس بحث پر اگرچہ ایک مستقل رسالہ لکھا ہے اور دو تین زبانوں (اردو، انگریزی، عربی) میں چھپکر شائع ہو چکا ہے تاہم مختصر طور پر بیان بھی لکھنا ضرور ہے۔

جزیہ کا موضوع اور مقصد، اگرچہ شرف اسلام ہی میں ظاہر کر دیا گیا تھا کہ وہ حفاظت کا معاوضہ ہے، لیکن حضرت عمرؓ کے عہد میں یہ مسئلہ ایسا صاف ہو گیا کہ احتمال کی بھی گنجائش

جزیہ کی بحث



نہیں رہی، اولاً تو انھوں نے نوشیروان کی طرح جزیرہ کی مختلف شرحیں قائم کیں، اور اس طریقے سے گویا صاف بتا دیا کہ یہ کوئی نئی چیز نہیں بلکہ وہی نوشیروانی محصول ہے، اسکے علاوہ موقع بہ موقع علمی طور سے اس بات کو ظاہر کیا کہ وہ صرف حفاظت کا معاوضہ ہے، اس کتاب کے پہلے حصے میں تم پڑھ آئے ہو کہ جب یرموک کے پرخطر معرکہ کے پیش آنے کی وجہ سے اہلای فوجین شام کے مغربی حصوں سے ہٹ آئیں اور انکو یقین ہو گیا کہ جن شہروں سے وہ جزیرہ وصول کر چکے تھے یعنی حمص، دمشق، وغیرہ وہاں کے باشندوں کی حفاظت کا اب وہ ذمہ نہیں اٹھا سکتے، تو جزیرہ سے جس قدر رقم وصول ہوئی تھی، سب واپس کر دی، اوصاف اکمد یا کہ اس وقت ہم تمھارے جان و مال کی حفاظت کے ذمہ دار نہیں ہو سکتے، اس لئے جزیرہ لینے کا بھی ہلکو کوئی حق نہیں ہے، اس سے بھی زیادہ قطعی شہادت یہ ہے کہ جن لوگوں سے کبھی کسی قسم کی فوجی خدمت لی گئی ان کو باوجود ان کے مذہب پر قائم رہنے کے جزیرہ معاف کر دیا، حضرت عمرؓ نے خود شام میں عراق کے افسروں کو لکھ بھیجا کہ۔

يَسْتَعِينُوا مِنِّ احْتِاجِ الْاَلِيَّةِ مِنْ كَلَامِ سَاوَرَةَ  
وَيَرْفَعُوا عَنْهُمْ الْحِجْنَ اَلَا  
یعنی فوجی سواروں میں سے جس سے مدد لینے کی ضرورت ہو اس سے  
مردوں اور انھیں جزیرہ چھوڑ دو،

یہاں تک کہ اگر کسی قوم نے مرن ایک دفعہ مسلمانوں کے ساتھ شرکت کی تو اس سال کا جزیرہ اسکے لئے معاف کر دیا گیا۔ ۲۲ھ میں جب آذربایجان فتح ہوا تو اہل شہر کو یہ فرمان لکھ دیا گیا۔

ومن حشر منہم فی سنة وضع عنة جناء  
نلك السنة -  
یعنی مولد کسی سال جن کے ساتھ کام دینگے اُس سال جزیرہ  
اُن سے نہیں لیا جائیگا۔

اسی سال آرمینیہ کے رئیس شہر براز سے جو معاہدہ ہوا اُسین یہ الفاظ تھے۔  
وَعَلَى أَهْلِ أَرْمِينِيَةِ أَنْ يَنْفَرُوا بِالْكَلِّ غَارَةً وَيَنْفِذُوا الْكُلَّ حُرَّ نَابٍ أَوْ لَهَيْ نَبِ الْهَالِكِ  
صَلَحًا عَلَى أَنْ تَوْضِعَ الْجَزَاءُ  
اسی سنہ میں جرجان فتح ہوا اور فرمان میں یہ عبارت لکھی گئی۔

أَنْ لَكُمْ الزَّمَةُ وَعَلَيْنَا الْمَنَعَةُ عَلَى أَنْ عَلَيْكُمْ  
مِنْ الْجَزَاءِ فِي كُلِّ سَنَةٍ حَتَّى قَدَّرَ طَاقَتَكُمْ  
وَمَنْ اسْتَعْنَاهُ مِنْكُمْ فَلَهُ جَنَاءٌ لَا فِي  
مَعُونَةٍ حَوْضًا عَنْ جَزَائِهِ  
یعنی ہم پر بھاری حفاظت ہے اس شرط پر کہ تم کو ہر سال  
بقدر طاقت جزیرہ ادا کرنا ہوگا۔ اور اگر تم سے اعانت  
لین گے تو اس اعانت کے بدلے جزیرہ معاف  
ہو جائے گا۔

غرض حضرت عمرؓ کے اقوال سے، معاہدوں سے، طرز عمل سے، روز روشن کی طرح  
ظاہر ہو گیا تھا کہ جزیرہ کا موصل کیا ہے اور وہ کس غرض سے مقرر کیا گیا،۔

جزیرہ کا مصرف، فوجی مصارف پر محدود تھا، یعنی اُس رقم سے صرف اہل فوج کے  
لئے خوراک، لباس، اور دیگر ضروریات مہیا کی جاتی تھیں، چنانچہ حضرت عمرؓ نے جہان  
جہان جزیرہ مقرر کیا اس کے ساتھ منس اور غلہ بھی شامل کیا، مصر میں فی کس جزیرہ کی تعداد دراصل  
چار دینار تھی لیکن دو نقد اور باقی کے عوض گھوڑوں، روغن زیتون، شہد، سرکہ، لیا جاتا تھا

اور یہی اہل فوج کی خوراک تھی البتہ آگے چل کر جب رسد کا انتظام مستقل طور پر ہو گیا تو کل جزیہ کی مقدار نقدی کر دی گئی اور دو دینار کے بجائے چار دینار لئے جانے لگے۔

## غلامی کا رواج کم کرنا

حضرت عمرؓ نے اگرچہ غلامی کو معدوم نہیں کیا، اور شاید اگر کرنا بھی چاہتے، تو نہیں کر سکتے تھے۔ لیکن اسمین شہہ نہیں کہ انھوں نے مختلف طریقوں سے اس کے رواج کو کم کر دیا، اور جس قدر قائم رکھا اس خوبی سے رکھا کہ غلامی غلامی نہیں، بلکہ برادری اور بھائی رہ گئی۔ عرب میں تو انھوں نے سرے سے اس کا استیصال کر دیا اور اسمین انکو اس قدر اہتمام تھا کہ عنان خلافت بات میں لینے کے ساتھ پہلا کام جو کیا وہ یہ تھا کہ حضرت ابو بکر کے زمانے میں قبائل مرتدہ میں سے جو لوگ لونڈی غلام بنائے گئے تھے سب آزاد کر دیئے گئے۔ اس کے ساتھ یہ اصول قائم کر دیا کہ اہل عرب کبھی کسی غلام نہیں ہو سکتے، ان کا قول ہے کہ لا یشترق عربی یعنی عرب کا کوئی آدمی غلام نہیں ہو سکتا۔ اگرچہ بہت سے مجتہدین اور ائمہ فہم نے اپنے اس اصول کو تسلیم نہیں کیا، امام احمد مجمل کا قول ہے کہ لا اذہب الی قول عمرؓ لیس علی عربی ملکؓ یعنی بن عمرؓ کی رائے نہیں مانتا کہ اہل عرب غلام نہیں ہو سکتے، یہ موقع اس مسئلہ پر بحث کرنا نہیں بیان صرف یہ بیان کرنا ہے کہ عرب کے متعلق حضرت عمرؓ کا فیصلہ یہ تھا۔

غیر قوموں کی نسبت وہ کوئی قاعدہ عام نہیں قائم کر سکے، جب کوئی ملک فتح ہوتا تھا تو

۱۔ فتوح البلدان صفحہ ۲۱۶۔ ۲۔ کثر التآل میں امام شافعیؒ کی روایت سے یہ قول منقول ہے دیکھو کتاب مذکور

صفحہ ۳۱۲ جلد دوم۔ ۳۔ ختمی الاخبار لابن تیمیہ۔

عرب کا غلام نہ ہو سکتا

اہل فوج ہمیشہ اصرار کرتے تھے کہ ملک کے ساتھ تمام رعایا انکی غلامی میں دیدیجائے۔ ملک کی تقسیم میں تو جیسا کہ ہم اوپر لکھ آئے ہیں، حضرت عمرؓ نے قرآن مجید کے استدلال سے لوگوں کی زبان بند کی۔ لیکن غلامی کے لئے کوئی ایسا استدلال موجود نہ تھا، اس لئے وہ تمام اہل فوج کے خلاف نہیں کر سکتے تھے، تاہم اتنا کیا کہ غلامی کو نہایت کم کر دیا، جس قدر ممالک انکے زمانے میں فتح ہوئے اسکی وسعت کئی ہزار میل تھی جس میں کرد و روم آدمی بستے تھے۔ لیکن غلامی کا جہان جہان پتہ چلتا ہے وہ نہایت محدود اور گنتی کے مقامات تھے، اور وہاں بھی صرف وہ لوگ غلام بنائے گئے جو مہر کہ جنگ میں شریک تھے، عراق اور مصر میں جو بے خود مستقل ملک تین باوجود فوج کے اصرار کے ایک شخص بھی غلام نہیں بنایا گیا، یہاں تک کہ جب مصر کے بعض دہات کے آدمی جو مسلمانوں سے لڑے تھے غلام بنا کر عرب میں بھیج دئے گئے۔ تو حضرت عمرؓ نے سب کو جا بجا سے جمع کر کے مصر کو واپس بھیج دیا کہ انکو غلام بنانا جائز نہ تھا، چنانچہ مورخ مقریزی نے ان دہات کے نام اور اس واقعہ کو تفصیل سے لکھا ہے۔

شام کے شہروں میں سے بصری، فحل، طبرہ، دمشق، حمص، حماہ، عسقلان، انطاکیہ وغیرہ جہاں عیسائی بڑے زور شور سے لڑے، غلامی کا بہت کم پتہ چلتا ہے۔ شاید شام میں صرف قیساریہ ایک جگہ ہے، جہاں اسیران جنگ غلام بنائے گئے، فارس، خوزستان، کرمان، جزیرہ، وغیرہ میں خود معاہدہ صلح میں یہ الفاظ لکھ دئے گئے تھے کہ لوگوں کے جان و مال سے تعرض نہ ہوگا، صامغان، جندی سابور، شیراز وغیرہ میں اس سے زیادہ صاف الفاظ تھے

کہ کلاسیکوں کا یہی وہ لوگ گرفتار ہو کر نوٹڈی غلام نہ بنائے جائیں گے۔

مناذریں باوجود اسکے کہ فوج نے اسیران جنگ کو غلام بنا کر ان پر قبضہ کر لیا تھا، لیکن حضرت عمر کا حکم پہنچا کہ انکو چھوڑ دو اور خراج و جزیہ مقرر کرو۔ ابو موسیٰ اشعری کو یہ حکم بھیجا کہ کوئی کاشتکار یا پیشہ ور غلام نہ بنایا جائے۔

حضرت عمر نے ایک اور طریقہ سے اس رواج کو گھٹایا یعنی یہ قاعدہ قرار دیا کہ جس نوٹڈی سے اولاد ہو جائے، وہ خریدی اور بیچی نہیں جاسکتی۔ جسکا حاصل یہ ہے کہ وہ نوٹڈی نہیں رہتی، یہ قاعدہ خاص حضرت عمر کی ایجاد ہے، ان سے پہلے اس قسم کی نوٹڈیوں کی بھی برابر خرید و فروخت ہوتی تھی، چنانچہ تورغین اور محمد ثن نے جہان حضرت عمر کے اولیات لکھے ہیں اس قاعدے کو بھی لکھا ہے۔ غلاموں کی آزادی کا ایک اور طریقہ تھا جسکو مکاتبہ کہتے ہیں یعنی غلام ایک معاہدہ لکھدے کہ میں اتنی مدت میں اس قدر روپے ادا کروں گا، جب وہ زر معینہ ادا کر دیتا ہے تو بالکل آزاد ہو جاتا ہے، یہ قاعدہ خود قرآن مجید میں موجود ہے اَلْحَابِطُ اِهْوَانُ عَلِمَتْ فِیْہِمْ خَیْرًا لِّیْکُنْ فُتُحًا اس حکم کو وجوبی نہیں قرار دیتے یعنی آقا کو اختیار ہے معاہدہ کو قبول کرے یا نہ کرے لیکن حضرت عمر نے اس حکم کو وجوبی قرار دیا صحیح بخاری کتاب المکاتب میں ہے کہ حضرت انس کے غلام، سیرین نے مکاتبہ کی درخواست کی، انس نے انکار کیا۔ سیرین حضرت عمر کے پاس حاضر ہوا حضرت عمر نے انس کو درتے لگائے اور مذکورہ بالا آیت سندین میش کی، آخر انس کو مجبوراً ماننا پڑا۔

حضرت شہزادہ  
کا قصہ

اس موقع پر حضرت شہزادہ کا قصہ جو غلط طور پر مشہور ہو گیا ہے اس کا ذکر کرنا ضروری ہے۔ عام طور پر یہ مشہور ہے کہ جب فارس فتح ہوا تو یزدگرد شہنشاہ فارس کی بیٹیاں گرفتار ہو کر مدینہ من آئیں، حضرت عمرؓ نے عام لونڈیوں کی طرح بازار میں انکے بیچنے کا حکم دیا، لیکن حضرت علیؓ نے منع کیا کہ خاندان شاہی کے ساتھ ایسا سلوک جائز نہیں، ان لڑکیوں کی قیمت کا اندازہ کرایا جائے پھر یہ لڑکیاں کسی کے ہتھام اور سپردگی میں دی جائیں اور اُس سے انکی قیمت اعلیٰ سے اعلیٰ شرح پر لی جائے۔ چنانچہ حضرت علیؓ نے خود انکو اپنے اہتمام میں لیا، اور ایک امام حسینؓ کو ایک محمد بن ابی بکر کو ایک عبداللہ بن عمر کو عنایت کی۔ اس غلط قصہ کی حقیقت یہ ہے کہ زرخشری نے جسکو فن تاریخ سے کچھ واسطہ نہیں، بروج الابراہیم اسکو لکھا اور ابن خلکان نے امام زین العابدینؓ کے حال میں یہ روایت اُسکے حوالے سے نقل کر دی، لیکن یہ محض غلط ہے، اولاً تو زرخشری کے سوا طبری، ابن الاثیر، یعقوبی، بلاذری، ابن قتیبہ، وغیرہ کسی نے اس واقعہ کو نہیں لکھا، اور زرخشری کا فن تاریخ میں جو پایہ ہے وہ ظاہر ہے، اسکے علاوہ تاریخی قراین اسکے بالکل خلاف ہیں، حضرت عمرؓ کے عہد میں یزدگرد اور خاندان شاہی پر مسلمانوں کو مطلق قابو نہیں حاصل ہوا، مدائن کے مو کے میں یزدگرد مع تمام اہل و عیال کے واسطہ سے نکلا اور حلوان پہنچا، جب مسلمان حلوان پر بڑھے تو وہ اصفہان بھاگ گیا اور پھر کرمان وغیرہ میں لڑتا پھرا، مرو میں پہنچ کر شہر میں جو حضرت عثمانؓ کی خلافت کا زمانہ ہے مارا گیا، اسکی آل اولاد، اگر گرفتار ہوئے ہونگے تو اسی وقت گرفتار ہوئے ہونگے، مجھ کو شبہ ہے کہ زرخشری کو یہ بھی معلوم تھا یا نہیں کہ یزدگرد کا قتل کس عہد میں واقع ہوا۔

اسکے علاوہ جس وقت کا یہ واقعہ بیان کیا جاتا ہے اسوقت حضرت امام حسین علیہ السلام کی عمر

۱۲ برس کی تھی۔ کیونکہ جناب مہدوح ہجرت کے پانچویں سال پیدا ہوئے اور فارس شام میں فتح ہوا، اس لئے یہ امر بھی کسی قدر مستبعد ہے کہ حضرت علیؑ نے انکی نابالغی میں انہیں اس قسم کی عنایت کی ہوگی، اسکے علاوہ ایک شہنشاہ کی اولاد کی قیمت نہایت گران قرار پائی ہوگی، اور حضرت علیؑ نہایت زاہدانہ اور فقیرانہ زندگی بسر کرتے تھے۔ غرض کسی حیثیت سے اس واقعہ کی صحت پر گمان نہیں ہو سکتا، حضرت عمرؓ کی تاریخ میں اس قسم کا واقعہ جو مسلم طور پر ثابت ہے اُس میں وہی بتا دیا گیا جو تہذیب انسانیت کا مقصدا تھا اور جو آج بھی تمام مذاہب ملکوں میں جاری ہے، عربین العاص نے جب مصر پر چڑھائی کی تو اوّل ملیس پر حملہ ہوا۔ سخت لڑائی کے بعد مسلمانوں کو فتح ہوئی اور تین ہزار عیسائی گرفتار ہوئے، اتفاق سے مقوقس بادشاہ مصر کی بیٹی جس کا نام ارماتھ تھا یہیں مقیم تھی، وہ بھی گرفتار ہوئی، عمرو بن العاص نے اُسکو نہایت عزت و حرمت سے مقوقس کے پاس بھیج دیا، اور مزید احتیاط کے لئے اپنے ایک سردار کو جس کا نام قیس بن ابی العاص سمی تھا ساتھ کر دیا کہ حفاظت کے ساتھ پہنچا آئے۔

شاہی خاندان  
کے اس طرح  
کے ساتھ برتاؤ

یہ تو وہ کارنامے تھے جو حضرت عمرؓ نے غلامی کے روکنے کے لئے کئے، لیکن جو لوگ غلام بنائے گئے تھے انکے حق میں وہ مراعات میں قائم کیں کہ غلامی مہسری کے درجے تک پہنچ گئی، فوجی انتظامات کے بیان میں تم نے پڑھا ہوگا، کہ حضرت عمرؓ نے بدروغیرہ کے مجاہدین کی جب تنخواہیں مقرر کیں تو انکے غلاموں کی بھی انہی کے برابر تنخواہ مقرر کی، بعد کی تمام کارروائیوں میں بھی انہوں نے یہ اصول ملحوظ رکھا، اضلاع کے جو عمال تھے انکی نسبت وہ اور اور باتوں کے ساتھ ہمیشہ یہ بھی دریافت کرتے رہتے تھے کہ غلاموں کے ساتھ اُسکا برتاؤ کیسا ہے، چنانچہ اگر یہ معلوم ہوتا تھا کہ وہ غلاموں کی

عام غلاموں  
کے ساتھ مراعات

عیادت کو نہیں جاتا، تو صرف اسی جرم پر اسکو معزول و موقوف کر دیتے تھے۔ اکثر غلاموں کو بلال کر ساتھ کھانا کھلایا کرتے تھے اور حاضرین کو سنا کر کہتے تھے کہ ”خدا اُن لوگوں پر لعنت کرے جنکو غلاموں کے ساتھ کھانے سے عار ہے“ سردارانِ فوج کو لکھ بھیا کہ تمہارا کوئی غلام کسی قوم کو امان دے، تو وہ امان تمام مسلمانوں کی طرف سے سمجھی جائے گی، اور فوج کو اسکا پابند ہونا ہوگا، چنانچہ ایک سردار کو یہ الفاظ لکھے اَنَّا عِبْدُ الْمُسْلِمِيْنَ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ وَ ذَمَّ مِنْ ذِمَّتِهِمْ يَجُوزُ اَمَانُهُ

غلاموں کے لئے جو برائی تکلیف کی بات تھی، یہ تھی کہ وہ اپنے عزیز و اقارب سے جدا ہو جاتے تھے۔ بیٹا باپ سے چھٹ جاتا تھا، بیٹی ماں سے بچھڑ جاتی تھی، آج جو لوگ غلامی کی برائیوں پر مضامین لکھتے ہیں، وہ اسی واقعہ کو درد انگیز صورت میں دکھاتے ہیں، حضرت عمرؓ نے یہ قاعدہ مقرر کیا، کہ کوئی غلام اپنے عزیز و اقارب سے جدا نہ ہونے پائے، یعنی یہ نہیں ہو سکتا تھا، کہ بیٹا کسی کے ہاتھ آئے اور باپ کسی اور کی غلامی میں رہے، باپ بیٹے، بھائی بہن، ماں بیٹیاں، بہتی بھتیں تو ساتھ مکتی تھیں، اور خلی غلامی میں رہتی تھیں، ساتھ رہتی تھیں۔ اس باب میں ان کے جو احکام ہیں انکو کثر التمال میں مستدرک حاکم، بیہقی، مصنف بن ابی شیبہ وغیرہ کے حوالہ سے نقل کیا ہے اور وہ یہ ہیں۔

غلاموں کا اپنے عزیز و اقارب سے جدا نہ کیا جانا

یعنی جب د بھائی بیچے جائیں تو ایک دوسرے سے جدا نہ بچا جائے۔

لَا يَفْرَقُ بَيْنَ اخَوَيْنِ اِذَا بَاعَا۔

یعنی بچہ ان سے الگ نہ کیا جائے۔

لَا تَفْرُقُوا بَيْنَ الْاُمِّ وَالْوَلَدِ

یعنی لونڈی غلام جو گرفتار ہو کر آئین تو بچے ان سے علیحدہ نہ کئے جائیں

لَا يَفْرَقُ بَيْنَ السَّبَا وَالْاَوْدَاقِ

حضرت عمرؓ نے اس باب میں تمام مباحرین اور انصار کو جمع کر کے قرآن مجید کی اس آیت پر



سد لال کیا ولا تقطعوا رجا ککو اور کہا کہ اس سے بڑھ کر قطع رحم کیا ہو سکتا ہے، چنانچہ اس واقعہ کو تفصیل کے ساتھ حاکم اور ہیثمی نے نقل کیا ہے۔

حضرت عمرؓ نے جب سمسط ابن اسود ایک امیر کو شام کی مہمات پر بھیجا، اور انکے بیٹے قنبر جیل کو فہ میں کسی کام پر مامور کیا، تو آنکھوں نے حضرت عمرؓ سے شکایت کی کہ آپ جب غلام کو مقہ نے عزیزوں سے جدا نہیں ہونے دیتے، تو مجھ کو کیوں بیٹے سے دور پھینک دیا ہے۔

حضرت عمرؓ نے غلام کو جاوڑ تہہ قائم کیا اور تمام عرب کو جو نمونے دکھلائے اسکا یہ اثر ہوا کہ غلامین کے گردہ میں بڑے بڑے صاحب کمال پیدا ہو گئے جبکی تمام ملک عرت و توقیر کرتا تھا عکرمہ جو ائمہ حدیث میں شمار کئے جاتے ہیں، اور جنکو حضرت عبداللہ بن عباس نے فتوے کی اجازت دی تھی، نافع جو امام مالک کے استاد تھے اور جبکی روایت کے سلسلے کو تہمیں سلسلہ الذہب یعنی سونے کی زنجیر سے تعبیر کرتے ہیں، یہ دونوں بزرگ غلام تھے اور اسی عہد کے تربیت یافتہ تھے، علامہ ابن خلکان نے حضرت امام زین العابدینؓ کے حال میں لکھا ہے کہ ”مدینہ منورہ میں لوگ کنیزوں اور کنیز زادوں کو حقیر سمجھتے تھے، لیکن جب قاسم (حضرت ابوبکر کے پوتے) اور سالم (حضرت عمر کے پوتے) اور امام زین العابدینؓ بن رشد کو سنے اور علم و فضل میں تمام مدینہ والوں سے بڑھ گئے تو خیالات بدل گئے اور نوٹ غلاموں کی قدر بڑھ گئی لیکن ہمارے نزدیک اس قبل اور عت کا اصلی سبب حضرت عمرؓ کا طریق عمل تھا بے شبہ قاسم و سالم (امام زین العابدینؓ کا نام اس سلسلے میں لینا میں بے ادبی خیال

غلاموں میں  
بدل کمال

کرتا ہوں) کے فضل و کمال نے اس مسئلے پر اثر کیا، لیکن اگر حضرت عمرؓ نے اہماتِ اولاد کا وہ رتبہ نہ قائم کیا ہوتا تو ان بزرگوں کو فضل و کمال حاصل کرنے کا موقع کیونکر ملتا۔

ان سب باتوں کے ساتھ اس موقع پر یہ بتا دینا ضرور ہے کہ حضرت عمرؓ نے یہ کوئی نیا سہ نہیں ایجاد کیا تھا اور نہ خدا نخواستہ اُنکو یہ حق تھا، غلامی کا گھٹانا اور غلاموں کے ساتھ مساوی برتاؤ کرنا خود بانی اسلام کا مقصد تھا اور حضرت عمرؓ نے جو کچھ کیا، وہ اسی مقصد کی تعمیل تھی، امام بخاری نے کتاب المفسر دین غلاموں کے متعلق، آنحضرتؐ کے جو افعال و اقوال لکھے ہیں اُن سے اس دعوے کی کافی تصدیق ہوتی ہے۔

### سیاست و تدبیر، عدل و انصاف،

خلافت فاروقی، بسیط عالم میں کمان سے کمان تک پھیلی ہے، اور کس قدر مختلف ملک، مختلف مذہب، مختلف قومیں، اُسکے دائرے میں داخل ہیں، لیکن اس سرے سے اُس سرگت مہر طرف امن و امان اور سکوت و اطمینان چھایا ہوا ہے۔ دنیا میں اور بھی ایسے صاحبِ جاہ و جلال گذرے ہیں، جنکی حکومت میں کوئی شخص سر نہیں اٹھا سکتا تھا۔ لیکن اُنکو یہ بات اس سیاست کی بدولت حاصل ہوئی تھی جبکہ اصول یہ تھے کہ بغاوت کے ذرا سے احتمال پر وقتہ انصاف کا قانون بالکل الٹ دیا جائے، ایک شخص کے جرم میں تمام خاندان پکڑا جائے، واقعات کے ثبوت میں یقین کے بجائے۔ صرف قیاس سے کام لیا جائے، وحشیانہ مزاج میں دی جائیں، آبادیاں جلا کر برباد کر دی جائیں، یہ اصول قدیم زمانے تک محدود نہ تھے اب بھی یورپ کو باوجود اس قدر تمدن و تہذیب کے انھنی قاعدوں سے کام لینا پڑتا ہے۔

عام سلاطین  
اور حضرت عمر  
کے دینی سیاست  
میں تشریف

لیکن خلافت فلدوقی میں کبھی بال برابر انصاف سے تجا و زمینیں ہو سکتا تھا، عربوس والوں نے برابر عمد شکنی کی تو انکو حبل وطن کیا لیکن، اسطرح کہ انکی جائداد، مان اسباب، کی مفصل فہرست طیار کر کر کر ایک چیز کی دو گنی قیمت ادا کر دی۔ بخران کے عیسائیوں نے خود غمخاری اور سرکشی کی طیاران کو ۴۴ ہزار آدمی ہم پہنچائے تو انکو عرب سے نکال کر دوسرے ممالک میں آباد کرایا مگر اس عایت کے ساتھ کہ انکی جائداد وغیرہ کی قیمت دیدی اور عاملوں کو لکھ بھیجا کہ راہ میں جدھر انکا گذر ہونے آرام کے سامان ہم پہنچائے جائیں، اور جب یہ کمین مستقل قیام اختیار کر لیں تو جو بیس مہینے تک ان سے جزیہ نہ لیا جائے۔

شاید تم کو خیال ہو کہ حضرت عمر کو رعایا ایسی بات آئی تھی جس میں زیادہ تر اطاعت و انقیاد کا مادہ تھا اور اس لئے انکو جابرانہ سیاست کی ضرورت ہی پیش نہیں آئی۔ لیکن یہ خیال صحیح نہیں۔ حضرت عمر کو سچ پوچھو تو درحقیقت دونوں طرح کی مشکلات کا سامنا تھا، غیر قومین جو حلقہ اطاعت میں آئی تھیں پارسی یا عیسائی تھیں جو مدت تک شاہنشاہی کے لقب سے ممتاز رہی تھیں اور اس لئے انکو رعیت بننا مشکل سے گوارا ہو سکتا تھا، اندرونی حالت یہ تھی کہ عرب میں بہت سے صاحبزادے موجود تھے جو حضرت عمر کی خلافت کو رشک کی نگاہ سے دیکھتے تھے، مثلاً ایک مولفہ القلوب کا گردہ تھا جنکا قول تھا کہ خلافت بنو ہاشم یا بنو اسیہ کا حق ہے اور عمر کسی میں نہیں عمر بن العاص جو ہصر کے گورنر تھے، ایک دفعہ حضرت عمر نے انکو خراج کے معاملے میں تنگ پکڑا، تو انھوں نے نہایت حسرت سے کہا کہ ”خدا کی قدرت ہے!! جاہلیت میں، میرا باپ جب کمخواب کی قبازیب بدن کرتا تھا

حضرت عمر کی  
مشکلات

تو خطاب (حضرت عمر کے والد) سر پر لکڑی کا گٹھ لادے پھرتے تھے، آج اُسی خطاب کا بیٹا مجھے حکومت جبار ہے، بنو ہاشم ہمیشہ استعجاب کی نگاہ سے دیکھتے تھے کہ اُنکے ہوتے تھے میمی اور عدوی غلات پر کیونکر قبضہ کر بیٹھے ہیں، حضرت ابو بکر کے زمانے میں تو علانیہ نقض خلافت کے مشورے ہوتے رہے چنانچہ شاہ ولی اللہ صاحب ازالات الخفایہ میں لکھتے ہیں ”زبیر و جمیعہ از بنو ہاشم در خانہ حضرت فاطمہ جمع شدہ در باب نقض خلافت مشورہ با کار می بردند۔“

حضرت عمر کی سطوت نے بنو ہاشم کے اَدعا کو اگر چہ دبا دیا لیکن بالکل مٹا کیونکر سکتی تھی، اس کے علاوہ عرب کا فطرتی مذاق آزادی اور خود سری تھا، اور یہی وجہ ہے کہ وہ کبھی کسی فرمانروا کی حکومت کے نیچے نہیں آئے۔ حضرت عمر اگر امیر معاویہ کی طرح اس آزادی اور خود سری کو مٹا کر حکومت کا عرب و داب قائم رکھتے تو چند ان نقیب نہ تھا۔ لیکن وہ عرب کے اس جوہر کو کسی طرح مٹا نہیں چاہتے تھے بلکہ اور چمکاتے تھے، بارہا مجمع عام میں لوگ اُن پر نہایت آزادانہ بلکہ گستاخانہ نکتہ چینیان کرتے تھے اور وہ گوارا کرتے تھے، شام کے سفر میں جب آنھوں نے مجمع عام میں، حضرت خالد کی عزوفی کی وجہ اور اپنی برأت بیان کی، تو ایک شخص نے وہیں اُٹھ کر کہا۔

واللہ ما عاکلت یا عمر لقد نزعحت عاملاً استغفل	یعنی اے عمر خدا کی قسم تو نے انصاف نہیں کیا، تو نے رسول اللہ کے عامل کو
رسول اللہ و عذت سبیفاً رسول اللہ	موتوں کر دیا، تو نے رسول اللہ کی کھینچی ہوئی تلوار کو نیام میں ڈال دیا۔
ولقد قطعتم الرحم و حدت ابن العیم	تو نے قطع رحم کیا، تو نے اپنے چچے بھائی پر حسد کیا۔

حضرت عمر نے یہ سب سنکر صرف یہ کہا کہ تم کو اپنے بھائی کی حمایت میں غصہ آگیا۔“

ان حالات کے ساتھ یہ رعب و داب تھا کہ حضرت خالد کو عین اُس وقت جب تمام عراق و شام میں لوگ اُنکا کلمہ پڑھنے لگے تھے معزول کر دیا تو کسی نے دم نہ مارا اور خود حضرت خالد کسی قسم کا خیال دل میں نہ لاسکے، امیر معاویہ و عمرو بن العاص کی شان و شوکت متحلیج بیان نہیں لیکن حضرت عمر کے نام سے اُنکو لرزہ آتا تھا، عمرو بن العاص کے بیٹے عبداللہ نے ایک شخص کو بے وجہ مارا تھا، حضرت عمر نے عمرو بن العاص کے سامنے اُنکو اُسی مضروب کے ہات سے کوڑے پڑوائے اور باپ بیٹے دو نوعیت کا مانسا دیکھا کئے۔ سعد و قاص فاتح ایران کو مسمولی شکایت پر جواب دہی میں طلب کیا تو اُنکو بے عذر حاضر ہونا پڑا۔ ان واقعات سے ہر شخص اندازہ کر سکتا ہے کہ حضرت عمر کو سیاست و تدبیر کے فن میں جو کمال حاصل تھا۔ کسی مدبر اور فرمانروا کے حالات میں اسکی نظیر نہیں مل سکتی۔

انکی حکومت کی سب سے خصوصیت یہ تھی کہ آئین حکومت میں شاہ و گدا، شریف و درذیل، عزیز و بگناہ، سب کا ایک رتبہ تھا۔

جبلہ بن الاسیم غسانی، شام کا مشہور رئیس بلکہ پادشاہ تھا اور مسلمان ہو گیا تھا۔ کعبہ کے طواف میں اُسکی چادر کا گوشہ ایک شخص کے پانوں کے نیچے آگیا۔ جبلہ نے اُسکے منہ پر تھپڑ کھینچ مارا، اُسے بھی برابر کا جواب دیا، جبلہ غصے سے بیتاب ہو گیا، اور حضرت عمر کے پاس آیا، حضرت عمر نے اُسکی شکایت سُکر کہا کہ ”تم نے جو کچھ کیا اُسکی سزا پائی“ اُسکو سخت حیرت ہوئی اور کہا کہ ہم اس رتبہ کے لوگ ہیں کہ کوئی شخص ہمارے ساتھ تاحی سے پیش آئے تو قتل کا مستحق ہوتا ہے“ حضرت عمر نے فرمایا ”جاہلیت میں ایسا ہی تھا لیکن اسلام نے پست و بلند کو ایک کر دیا“۔ اُسے کہا کہ اگر اسلام ایسا مذہب ہے جس میں شریف و ذلیل کی کچھ تمیز نہیں، تو میں اسلام سے باز آتا ہوں“

حضرت عمر  
حکومت کی  
مخصوصیتیں

اصولِ اُلو

غرض وہ چھپ کر قسطنطنیہ چلا گیا۔ لیکن حضرت عمرؓ نے اسکی خاطر سے قانون انصاف کو بدلنا نہیں چاہا۔ ایک دفعہ تمام عہدہ داران ملکی کوچ کے زمانے میں طلب کیا، اور مجمع عام میں کھڑے ہو کر کہا کہ جس کسی کو ان لوگوں سے شکایت ہو پیش کرے۔ اس مجمع میں عمرو بن العاصؓ گورنر مصر اور بڑے بڑے رتبہ کے حکام اور عمال موجود تھے، ایک شخص نے اٹھ کر کہا کہ فلان عامل نے بوجہ مجھ کو تودے مارے ہیں، حضرت عمرؓ نے فرمایا ”اٹھ اور اپنا بدل لے“۔ عمرو بن العاصؓ نے کہا امیر المؤمنین! اس طریق عمل سے تمام عمال بدیل ہو جائیں گے، حضرت عمرؓ نے فرمایا ”تاہم ایسا ضرور ہوگا، یہ کلمہ بچہ ستغیث کی طرف متوجہ ہوئے کہ ”اپنا کام کر،“ آخر عمرو بن العاصؓ نے ستغیث کو اس بات پر راضی کیا کہ وہ دو سو دینار لے اور اپنے دعوے سے باز آئے۔ ایک دفعہ، سرداران قریش انکی ملاقات کو آئے، اتفاق سے صیب، بلال، عمار وغیرہ بھی موجود تھے جنہیں سے اکثر آزاد شدہ غلام تھے، اور دنیاوی حیثیت سے معمولی درجہ کے لوگ سمجھے جاتے تھے۔ حضرت عمرؓ نے اول انہی لوگوں کو بلایا اور سرداران قریش باہر بیٹھے رہے۔ ابو سفیانؓ جو زمانہ جاہلیت میں تمام قریش کے سردار رہے تھے، انکو یہ امر سخت ناگوار گذرا اور ساتھیوں سے خطاب کر کے کہا کہ ”کیا خدا کی قدرت ہے، غلاموں کو دربار میں جانے کی اجازت ملتی ہے اور پہلوگ باہر بیٹھے انتظار کر رہے ہیں،“ ابو سفیانؓ کی یہ حسرت اگرچہ انکے اقران کے مذاق کے مناسب تھی تاہم ان میں کچھ حق شناس بھی تھے ایک نے کہا ”بھائیو! سچ یہ ہے کہ ہکو عمرؓ کی بنین بلکہ اپنی شکایت کرنی چاہئے۔ اسلام نے سب کو ایک آواز سے بلایا۔ لیکن جو اپنی شامت سے پیچھے پہنچے آج بھی وہ پیچھے رہنے کے مستحق ہیں۔“۔

قادسیہ کے بعد جب تمام قبائل عرب اور صحابہ کی تختہ اہلین مقرر کیں تو بڑے رشک و منیت کا موقع پیش آیا، سردارانِ قریش اور معزز قبائل کے لوگ جو ہر موقع پر امتیاز و اعزاز کے خواہ تھے بڑے دعوے کے ساتھ منتظر رہے، کہ تختہ کے تقریرین حفظ مراتب کا خیال کیا جائیگا، اور نہت میں انکے نام، سب سے پہلے نظر آئیں گے، لیکن حضرت عمرؓ نے انکے تمام خیالات غلط کر دئے، انھوں نے دولت و جاہ، زور و قوت، ناموری و شہرت، اعزاز و امتیاز، کی تمام خصوصیتوں کو ہٹا کر، صرف اسلامی خصوصیت قائم کی اور اسی اعتبار سے تختہ اہلین پیش و کم مقرر کیں، جو لوگ اول اسلام لائے تھے، یا جہاد میں کارہائے نمایاں کئے تھے، یا آنحضرتؐ کے ساتھ خصوصیت رکھتے تھے۔ انکو غیر دن پر ترجیح دی، جو ان خصوصیتوں میں برابر درجے پر تھے انکی تختہ اہلین برابر مقرر کیں، یہاں تک کہ غلام اور آقا میں کچھ فرق نہ رکھا، حالانکہ عرب میں غلام سے بڑھکر کوئی گروہ خوار و ذلیل نہ تھا۔ اسی موقع پر اسامہ بن زید کی تختہ اہلین جب اپنے بیٹے عبد اللہ سے زیادہ مقرر کی، تو انھوں نے عذر کیا کہ واللہ اسامہ کسی موقع پر مجھے آگے نہیں رہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ ”ہاں۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ساتھ کو مجھ سے زیادہ عزیز رکھتے تھے۔“

اہل عرب کا شعار تھا کہ لڑائیوں میں فخر اپنے اپنے قبیلہ کی بجائے پکارتے تھے۔ اس فخر کے بٹانے کے لئے تمام فوجی افسروں کو لکھ بھیجا کہ جو لوگ ایسا کرین انکو سخت سزا دی جائے، ایک دفعہ ایک شخص نے جو قبیلہ کے قبیلہ سے تھا، لڑائی میں یا آلِ قبیلہ کا لغو مارا، حضرت عمرؓ کو خبر ہوئی تو سال بھر کے لئے اسکی تختہ اہلین بند کر دی۔ اس قسم کے اور بہت سے واقعات تاریخوں

میں ملتے ہیں۔

اصول مساوات

اسی اصول مساوات کی بنا پر وہ کسی شخص کے لئے کسی قسم کا امتیاز پسند نہیں کرتے تھے عمرو بن عاص نے مصر کی جامع مسجد میں منبر بنایا تو لکھ بھیجا کہ کیا تم یہ پسند کرتے ہو کہ اور مسلمان نیچے بیٹھے ہوں اور تم اوپر بیٹھو، عمال کو ہمیشہ تاکیدی احکام بھیجتے رہتے تھے کہ کسی طرح کی امتیاز اور نمود، اختیار نہ کریں،

ایک دفعہ ابی بن کعب سے کچھ نزاع ہوئی، زید بن ثابت کے ہاں مقدمہ پیش ہوا حضرت عمر انکے پاس گئے تو انھوں نے تعظیم کے لئے جگہ خالی کر دی، حضرت عمر نے کہا ”یہ پہلی انصافی ہے جو تم نے اس مقدمہ میں کی، یہ کمکر اپنے فریق کے برابر بیٹھ گئے۔ یہی بھید تھا کہ طرز معاشرت نہایت سادہ اور غریبانہ رکھا تھا۔ سفر و حضر میں، جلوت و خلوت میں، مکان اور بازار میں کوئی شخص انکو کسی علامت سے پہچان نہیں سکتا تھا کہ یہ خلیفہ وقت ہیں۔ قیصر و کسریٰ کے لمبی سبز بزمی میں آکر ڈھونڈتے تھے کہ شہنشاہ اسلام کہاں ہے، حالانکہ شاہنشاہ، وہیں۔ پیوند لگے کپڑے پہنے کسی گوشے میں بیٹھا ہوتا تھا۔ انکے عمال انکو اسی برابر ہی کے القاب سے خط لکھتے تھے جس طرح وہ عمال کو لکھا کرتے تھے۔

اس اصول انصاف سے اگرچہ خاص خاص آدمی جبلی و دعائی شان کو صدمہ پہنچتا تھا۔ ول میں مکدر ہوتے تھے، لیکن چونکہ یہ عرب کا اصلی مذاق تھا اس لئے عام ملک پر اسکا نہایت عمدہ اثر ہوا اور تھوڑے ہی دنوں میں تمام عرب گرویدہ ہو گیا۔ خواص میں بھی جو حق شناس تھے



روزی روزی مرتب ہوتے گئے۔ اور جو بالکل خود پرست تھے وہ بھی میلانِ عام کے مقابلے میں اپنی خورائی کے اظہار کی جرأت نہ کر سکے۔

اس اصول کے عمل میں لانے سے بہت بڑا فائدہ یہ ہوا کہ قبائل عرب، جو ابھی یہود و منافق کی بنیاد پر، آپس میں لڑتے رہتے تھے اور جبکی وجہ سے عرب کا سارا خطہ، ایک میدانِ کارزار بن گیا تھا، انکی باہمی رقابت اور مفاخرت کا زور بالکل گھٹ گیا۔

اس موقع پر یہ بتادینا ضرور ہے کہ حضرت عمرؓ نے اصول مساوات کے ساتھ اپنے لئے امیر المومنین کا پُر فخر لقب کیون ايجاد کیا۔ اصل یہ ہے کہ اُس زمانے تک یہ لقب کوئی فخر کی بات نہیں سمجھی جاتی تھی بلکہ اس سے صرف عہدہ اور خدمت کا اظہار ہوتا تھا، افسرانِ فوج عموماً امیر کے نام سے پکارے جاتے تھے، کننا عرب، آنحضرت کو امیر مکتہ کہا کرتے تھے، سعد بن وقاص کو عراق میں لوگوں نے امیر المومنین کہنا شروع کر دیا تھا۔

حضرت عمرؓ کو اس لقب کا خیال تک نہ تھا۔ اسکی ابتدا یوں ہوئی کہ ایک دفعہ لبید بن ربیعہ اور عدی بن حاتم مدینہ میں آئے اور حضرت عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہونا چاہا۔ قاعد کے ملوث اطلاع کرائی اور چونکہ کوفہ میں رہ کر امیر المومنین کا لفظ انکی زبان پر چڑھا ہوا تھا اطلاع کرتے وقت یہ کہا کہ امیر المومنین کو ہمارے آنے کی اطلاع کر دو، عمرو بن العاص نے اطلاع کی اور یہی خطاب استعمال کیا، حضرت عمرؓ نے اس خطاب کی وجہ پوچھی، انھوں نے کیفیت و واقعہ بیان کی، حضرت عمرؓ نے بھی اس لقب کو پسند کیا اور اسی تاریخ سے اسکو شہرت عام ہو گئی۔ اس موقع پر ممکن ہے کہ

ایک کوتاہ نظر کو یہ خیال ہو کہ حضرت عمر کو خلافت سے اگر کسی قسم کا جاہ و اغزاز مقصود نہ تھا تو انھوں نے خلافت اختیار ہی کیوں کی؟ بغیر منی کا یہ اقتضا تھا کہ وہ اس خوانِ نعمت کو ہات ہی نہ لگاتے، لیکن یہ خیال محض عامیانہ خیال ہے، حضرت عمر بے شبہ، خلافت سے ہات اٹھا لیتے۔ لیکن دوسرا کون شخص تھا جو اسکو سنبھال لیتا؟ حضرت عمر قطعی طور سے جانتے تھے کہ یہ بارِ گران، اُنکے سوا کسی سے اٹھ نہیں سکتا! کیا ایسے وقت میں انکی راستبازی کا یہ تقاضا تھا کہ وہ دیدہ و دانستہ لوگوں کی برگمانی کے خیال سے، خلافت سے دست بردار ہو جاتے۔ اگر وہ ایسا کرتے تو خدا کو کیا جواب دیتے؟ انھوں نے پہلے ہی دن خطبہ میں کمدیا تھا کہ۔

لَوْ لَا رَجَائِي اَنْ اَكُونَ خَيْرَ كَرِّ لَكُمْ وَاَفْوَ لَكُمْ  
عَلَيْكُمْ وَاَشَدَّكُمْ اضْطِرَاعًا بِمَا يَنْوِبُ مِنْ  
مُهِمَّاتِكُمْ مَا نَقَلْتُمْ ذَلِكُمْ مِنْكُمْ  
یعنی اگر مجھکو یہ امید نہ ہوتی کہ میں تم لوگوں کے لئے سب سے زیادہ  
کا کد سب سے زیادہ قوی اور سہاوت امور کیلئے سب سے زیادہ قوی ہوں  
تو میں تو میں اس منصب کو قبول نہ کرتا۔

اس سے زیادہ صاف وہ الفاظ ہیں جو امام محمد نے موطا میں روایت کئے ہیں۔

لَوْ لَت اَنْ اَحَدًا اَقْوٰی عَلٰی هٰذَا لَهَمَّتْ  
لَكَ اَنْ اَقْدَمَ فَيَضْرِبُ عُنُقِيْ هُوَ عَلٰی  
یعنی اگر میں جانتا کہ کوئی شخص اس کام (خلافت) کیلئے مجھے سے زیادہ قوی تھا  
تو خلافت قبول کر نیکی بہت پرست نزدیک یہ زیادہ آسان تھا کہ میری گردن دی جا۔

حضرت عمر کے ان الفاظ پر غور کرو اور دیکھو کہ اسکا ایک حرف بھی محنت و وقاحت سے ہٹا ہوا ہے  
حضرت عمر سیاست کے اصول سے خوب واقف تھے، اور یہ وہ خصوصیت ہے جس میں وہ تمام  
اور صحابہ سے علانیہ ممتاز ہیں، جو ممالک، دائرہ خلافت میں داخل تھے انکی اہلی تین تقسیم تھیں۔

سیاست

عرب، ایران، شام و مصر، اس لئے ہر ایک کی حالت کے مناسب، الگ الگ تدبیریں اختیار  
 مین، عراق و ایران مین چونکہ یہ تھے مرزبان اور وہاں چلے آتے تھے اور اسلام کی فتح کے بعد  
 ابھی ان کا زور اور اور اقتدار قائم تھا اس لئے انکی پولیسیکل تنخواہیں مقرر کر دیں جس سے وہ بالکل  
 رام ہو گئے۔ چنانچہ رؤساء عراق مین سے ابن النخیر جان، بسطام بن زسی، ریل، خالد حمیل،  
 کے معقول روزینے مقرر کر دئے۔ شام و مصر مین رومیون نے اہلی باشندوں کو صاحبِ بزاز  
 نہیں چھوڑا تھا، اس لئے انکی طرف سے چند انڈیشہ نہ تھا، وہ رومی حکومت کے بجائے  
 ایک عادل اور منصف گورنمنٹ چاہتے تھے، حضرت عسمر نے انکے ساتھ وہ مراعاتیں کیں کہ  
 کہ انھوں نے بارہا کہا کہ ”ہم کو مسلمان، رومیون کی بہ نسبت زیادہ محبوب ہیں“۔ غیر قوموں کے  
 ساتھ، اگرچہ ان کا براؤ عموماً نہایت فیاضانہ تھا چنانچہ اسکی بحث ذمیون کے حقوق مین گزر چکی۔  
 لیکن زیادہ تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ شام و مصر کی رعایا پر خاص توجہ مبذول تھی۔ مصر مین مقبوض  
 مصر کا باشندہ اور رومیون کی طرف سے نائب حکومت تھا، اسکے ساتھ شروع سے  
 ایسے برتاؤ کئے کہ وہ ناخریدہ غلام بن گیا، اور اسکی وجہ سے تمام مصری رعایا دل سے حلقہ بگوش  
 اطاعت ہو گئی۔ ان باتوں پر بھی اکتفا نہیں کیا بلکہ تمام جنگی مقامات پر عرب کے خاندان آباد  
 کر دئے یا فوجی چھاؤنیاں قائم کر دیں جنگی وجہ سے سیکڑوں میل تک نہ پہنچا تھا اور کسی کو بغاوت  
 کی جرأت نہیں ہو سکتی تھی، کوفہ و بصرہ جو عرب کی طاقت کا مرکز بن گیا تھا، خاص اسی غرض سے  
 آباد کرایا گیا تھا، شام اور مصر مین تمام سواحل پر فوجی چھاؤنیاں اسی ضرورت سے قائم  
 کی گئی تھیں۔

خاص عرب میں اُن کو مختلف پولیسک تدبیروں سے کام لینا پڑا، یہودیوں اور عیسائیوں کو جزیرہ عرب سے بالکل نکال دیا، بڑے بڑے ملکی افسروں کو ہمیشہ برتے رہتے تھے، چنانچہ عمرو بن العاص کے سوا کوئی ایسا گورنر مقرر نہیں ہوا جو مختلف صوبجات میں برتاؤ نہ ہو ملکی افسروں میں سے جسکی نسبت زیادہ زور پاجانے کا خیال ہوتا تھا اسکو علیحدہ کر دیتے تھے، جو لوگ زیادہ صاحب اثر تھے انکو اکثر دار الخلافہ سے باہر نہیں جانے دیتے تھے، چنانچہ ایک دفعہ اُن لوگوں نے جماد پر جانے کی اجازت طلب کی تو فرمایا کہ ”اُپ لوگ یہ دولت بہت جمع کر چکے ہیں۔ پھر فرمایا لا تفرحوا فتنسلوا یبینا و شملنا“۔ ایک دفعہ عبدالرحمن بن عوف نے پوچھا کہ اُپ ہلوگوں کو باہر جانے سے کیوں روکتے ہیں، فرمایا ”اس سوال کا جواب نہ دینا جواب دینے سے بہتر ہے“۔ اپنے قبیلہ کے لوگوں کو کبھی ملکی عہدے نہیں دئے، صرف نعمان بن عدی کو ضلع کا حاکم کیا تھا، پھر ایک معقول وجہ سے موقوف کر دیا۔ بنو ہاشم کو کبھی ملکی عہدے نہیں دئے اور اسمین زیادہ تر یہی صلت ملحوظ تھی۔

اسوقت تمام عرب میں تین شخص تھے جو مشہور تدبیر اور صاحبِ ادعا تھے ایمر معاویہ، عمرو بن العاص، مغیرہ بن شعبہ چونکہ نہات ملکی کے انجام دینے کے لئے ان لوگوں سے بڑھکر تمام عرب میں کوئی شخص بات نہیں اُسکتا تھا اس لئے سب کو بڑے بڑے عہدے دئے، لیکن ہمیشہ اس بات کا خیال رکھتے تھے اور اسکی تدبیریں کرتے رہتے تھے کہ وہ قابو سے باہر نہ ہونے پائیں۔ اُن کی وفات کے بعد، کوئی ایسا شخص نہ رہا جو انکو دبا سکتا، چنانچہ حضرت عثمان

اور حضرت علیؑ کے زمانے میں جو ہنگامے برپا ہو گئے۔ سب انہی لوگوں کی بدولت تھے۔  
سیاست اور پالیٹکس، حکومت اور سلطنت کا لازمہ ہے لیکن حضرت عمرؓ کو اس باب میں  
تمام دنیا پر جو امتیاز حاصل ہے، وہ یہ ہے کہ اور بادشاہوں نے پالیٹکس کی ضرورت سے جو  
کام کئے انکا واقعی نام۔ خدع، مکر، فریب، ظاہر داری، اور نفاق، تھا۔ بادشاہوں پر موقوف  
ہئیں، بڑے بڑے رفارمر اس شائبہ سے خالی نہیں ہوتے لیکن حضرت عمرؓ کی کسی کارروائی پر۔  
فریب، اور حرکت عملی کا نقاب نہیں ہوتا تھا وہ جو کچھ کرتے تھے علانیہ کرتے تھے، اور لوگوں کو صاف  
صاف اسکی مصلحت سے واقف کر دیتے تھے، حضرت خالد کو معزول کیا تو تمام اصلااح میں  
فرمان بھیج دیا کہ۔

لَا تَلْعَلْ عَزَلَ خَالِدًا عَنْ سِجْطَةٍ وَلَا خِيَانَةٍ  
وَلَكِنَّ النَّاسَ فَنَتَوَابَهُ فَنَخَفْتُ أَنْ يَكُونُوا إِلَيْهِ  
یہی ہے خالد کو ناراضی یا خیانت کے جرم میں نہیں موقوف کیا بلکہ اس میں سے بڑے لوگ  
انکی طرف زیادہ راہیں تھیں۔ ایسے میں ڈرا کر ان پر عبور نہ کریں۔

مشنی کی معزولی کے وقت بھی ایسے ہی خیالات ظاہر کئے۔ اور فرمایا لَعَلَّ عَزَلَ لَهَا عَزْلُ  
بِیْبَةِ وَلَكِنَّ النَّاسَ عَظُمُوْهَا فَنَخَشِیْتُ أَنْ يَكُونُوا إِلَيْهِمَا  
دین حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے صاف اسکی وجہ بیان کر دی چنانچہ ایک دوسرے مناسب موقع  
پر اسکی تفصیل آئیگی۔

حضرت عمرؓ کی حسن سیاست کا ایک بڑا کارنامہ، اور انکی خلافت کی کامیابی کا بہت بڑا سبب  
یہ ہے کہ انھوں نے حکومت و انتظام کی کل میں نہایت موزون پُرس استعمال کئے تھے۔

یہ عموماً مسلم ہے کہ جو ہر شناسی کی صفت، انہیں سب سے بڑھ کر تھی، اس ذریعہ سے انہوں نے تمام عرب کے قابل آدمیوں اور انکی مختلف قابلیتوں سے واقفیت پیدا کی تھی، اور انکی قابلیتوں کے لحاظ سے انکو مناسب عہدے دئے تھے، سیاست و انتظام کے فن میں تمام عرب میں چار شخص اپنا نظیر نہیں رکھتے تھے، امیر معاویہ، عمرو بن العاص، مغیرہ بن شعبہ، زیاد بن ہبہ، چنانچہ ان سب کو بڑی بڑی ملکی فہمیں سپرد کیں، اور درحقیقت، ان لوگوں کے سوا، شام و مصر و کوفہ پر اور کوئی شخص قابو نہیں رکھ سکتا تھا۔

عہدہ داران  
کا عہدہ انتخاب

جنگی مہمات کے لئے عیاض بن غنم، سعد وقاص، خالد، نمان بن مقرن، وغیرہ کو انتخاب کیا، عمر معد کرب، اور طلحہ بن خالد، اگرچہ پہلوانی اور سپہ گری میں اپنا جواب نہیں رکھتے تھے لیکن فوج کو لڑائیں سکھاتے تھے اس لئے ان دونوں کی نسبت حکم دید یا کہ انکو کسی حصہ فوج کی افسری دیا جائے، زید بن ثابت، و عبد اللہ بن ارقم، انشا و تحریر میں مستثنیٰ تھے، انکو میر منشی مقرر کیا، قاضی شریح کعب بن سور، سلمان بن ربیعہ۔ عبد اللہ بن سعود، فصل قضایا میں ممتاز تھے انکو قضا کی خدمت دی، غرض جسکو جس کام پر مقرر کیا وہ گویا اسی کے لئے پیدا ہوا تھا، اس امر کا اعتراف غیر قوموں کے مورخوں نے بھی کیا ہے، ایک عیسائی مشہور مورخ لکھتا ہے کہ ”عمر نے فوج کے سرداروں اور گورنروں کا انتخاب بلا در عایت کیا اور مغیرہ و عمار کو چھوڑ کر باقی سب کا تقرر نہایت مناسب اور موزون ہوا۔“

سب سے بڑی چیز جس نے، انکی حکومت کو مقبول عام بنا دیا اور جسکی وجہ سے، اہل عرب انکی سخت احکام کو بھی گوارا کر لیتے تھے، یہ تھی کہ انکا عدل و انصاف ہمیشہ بے لاگ رہا جسین دوست دشمن کی کچھ تیز نہ تھی ممکن تھا کہ لوگ، اس بات سے ناراض ہوتے کہ وہ جرائم کی پاداش میں کسی کی

بے لاگ عدل  
انصاف

عظمت و شان کا مطلق پاس نہیں کرتے، لیکن جب وہ لوگ یہ دیکھتے تھے کہ خاص اپنی آل و اولاد اور عزیز و اقارب کے ساتھ بھی انکا یہی برا وہ ہے تو لوگوں کو صبر آجاتا تھا۔ انکے بیٹے ابو شحمہ نے جب شراب پی تو خود اپنے ہات سے انکو ۷۰ کوڑے مارے، اور اسی صدمہ سے وہ بیمار ہو کر تھکا کر گئے۔ مقدمہ بن منعمون جو انکے سالے اور بڑے رتبہ کے صحابی تھے، جب اسی جرم میں ماخوذ ہوئے تو علانیہ انکو ۷۰ ڈرے لگوائے۔

حضرت عمر کی سیاست کا ایک بڑا اصول یہ تھا کہ وہ قدیم سلطنتوں، اور حکمرانوں کے قواعد و انتظامات سے واقفیت پیدا کرتے تھے اور انہیں جو چیزیں پسند کے قابل ہوتی تھیں اسکو اختیار کرتے تھے، خراج-عشور-وقف-رشد-کا غذاتِ حساب۔ ان تمام انتظامات میں، انھوں نے، ایران اور شام کے قدیم قواعد پر عمل کیا۔ البتہ جہاں کوئی نقص پایا اسکی اصلاح کر دی۔ عراق کے بندوبست کا جب ارادہ کیا تو خدیفہ اور عثمان بن حنیف کے نام حکم بھیجا کہ عراق کے ذریعہ سے زمینداروں کو میرے پاس بھیج دو چنانچہ زمیندار مع ترجمہ کے انکے پاس آئے اور انھوں نے ان سے دریافت کیا کہ سلاطینِ عجم کے ہاں مالگذاری کی تشخیص کا کیا طریقہ تھا۔ جزیہ مانا کہ بظاہر مذہبی لگاؤ رکھتا تھا تاہم اسکی تشخیص میں وہی اصول ملحوظ رکھے جو نو شیروان نے اپنی حکومت میں قائم کئے تھے۔ علامہ ابو جعفر محمد بن جریر طبری نے جہاں نو شیروان کے انتظامات اور بالخصوص جزیہ کا ذکر کیا ہے وہاں لکھا ہے۔

وہی الوضایع التي اقدمت علیہا عمر بن الخطاب۔ یعنی یہ وہی قاعدے ہیں کہ حضرت عمر نے جب فارس کا ملک فتح کیا

۱۷۔ ابو شحمہ کے بیٹے بن داغون نے بڑی ذمہ داریاں کی ہیں۔ لیکن اس قدر صحیح ہے کہ حضرت عمر نے انکو شرعی سزا دی اور اسی صدمہ سے

انھوں نے انتقال کیا (دیکھو معارف بن قتیبة۔ ذکر اولاد عمر) ۱۸۔ کتاب الخراج صفحہ ۲۱۔

قدیم سلطنتوں کے حالات و انتظامات سے واقفیت

حَبْنِ اِقْتِمِ بِلَادِ الْفَرَسِ ۱۰

تو انکی اقتدا کی۔

اس سے زیادہ صاف اور مُصَرِّح، علامہ ابن مسعودؓ نے اس مضمون کو لکھا ہے، علامہ موصوف نے جو حکیم اور فلسفی، اویس بن بعلی سینا کا مُعاصر و ہم پایہ تھا، تاریخ میں ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام تجارب نام ہے۔ اُس میں جہاں حضرت عمرؓ کے انتظاماتِ ملکی کا ذکر کیا ہے لکھا ہے کہ۔

وكان عمر يكثر الخلق بقوم من الفرس يعرفون عليه  
بسياسات الملوك ولا يسمي ملوك العجم الفضلاء  
وسما النوشوان فانه كان معجبا بها كثيرا لا يفت  
يعني عمرؓ فارس کے چند آدمیوں کو محبت خاص میں رکھتے تھے۔ یہ لوگ اَلْمُؤَدِّبَانِ کہلاتے تھے۔  
اُن میں حکومت پر حکمرانیا کرتے تھے، خصوصاً اُن میں اُن عمرؓ اور اُن میں بھی خاص طور پر فیروان کے  
ایسے لوگوں کو نو شیردان کے اُن بہت پسند تھے اور وہ انکی بہت پیروی کرتے تھے۔

علامہ موصوف کے بیان کی تصدیق اس سے بھی ہوتی ہے کہ عموماً مورخوں نے لکھا ہے کہ جب فارس کا رئیس ہر فرزان اسلام لایا تو حضرت عمرؓ نے اُس کو اپنے خاص دیباہیوں میں داخل کیا اور انتظاماتِ ملکی کے متعلق اُس سے اکثر مشورہ لیتے تھے۔

حضرت عمرؓ کی بڑی کوشش اس بات پر مبذول رہتی تھی کہ ملک کا کوئی واقعہ اُن سے مخفی نہ رہے پائے، انھوں نے انتظاماتِ ملکی کے ہر ہر صنف پر پرچہ نویس اور واقعہ نگار مقرر کر رکھے جسکی وجہ سے ملک کا ایک ایک جزئی واقعہ اُن تک پہنچتا تھا۔ امام طبری لکھتے ہیں۔

وكان عمر لا يخفى عليه شيء في عمل ائمة كسب اليه من  
العراق بجزء من مخرج ومن الشام بجزء من اخيرها  
يعني عمرؓ کو کوئی بات نہیں مخفی نہیں رہتی تھی، عراق میں جن لوگوں نے خروج کیا اور  
شام میں جن لوگوں کو انعام دئے گئے، بسکی تحریری اطمینان کو بخیریت

۱۰ تاریخ کیر طبری صفحہ ۲۶۲۔ ۱۱ کتاب قسطنطنیہ کے کتب خانہ مسجد ایا صوفیا میں موجود ہے اور میں نے اسی نسخہ

سے نقل کیا ہے۔ ۱۲ طبری صفحہ ۲۵۲۔

واقعت جلات  
کے لئے جزئیوں  
اور واقعہ نگار



عراق کے ایک معرکہ میں سردار لشکر نے عمرو معدیکرب کو دوہرا حصہ نہیں دیا، عمرو معدیکرب نے وجہ پوچھی، اُنھوں نے کہا تمہارا گھوڑا دو غلا ہے، اس لئے اس کا حصہ کم ہو گیا، عمرو معدیکرب کو اپنی پہلوانی کا غرور تھا۔ بولے کہ ہاں دو غلا ہی دو غلے کو پہچان بھی سکتا ہے، حضرت عمر کو فوراً خبر ہوئی، عمرو معدیکرب کو سخت تنبیہ کی جس کی وجہ سے اُنکو آئندہ پھر ایسی آماجی کی جرات نہیں ہوئی، نعمان بن عدی ميسان کے حاکم تھے، دولت و نعمت کے مری میں پڑ کر اُنھوں نے اپنی بی بی کو ایک خط لکھا جس میں یہ شعر بھی تھا۔

غالباً امیر المومنین کو خبر پہنچے گی تو وہ برا مامین گئے

لَعَلَّ امِيرَ الْمُؤْمِنِينَ يَسْأَلُ

کہ ہم لوگ محسوس من زندان محبتیں رکھتے ہیں،

تَتَأَدُّ مَنَا بِالْجَحْمِ سَقِ الْمُنْهَدِّمِ

حضرت عمر کو فوراً خبر ہوئی اور اُنکو معزول کر کے لکھا کہ ہاں مجھکو تمہاری حرکت ناگوار ہوئی۔ صحابہ میں خذیفہ بن الیمان ایک بزرگ تھے جنکو اکثر مخفی باتوں کا پتہ لگتا تھا، عمد نبوت میں وہ آنحضرت کے محرم راز تھے اور اسی وجہ سے صاحب السر کلمات تھے، حضرت عمر نے ایک دن، اُن سے پوچھا کہ ”منافقین کا جو گروہ ہے اُن میں سے کوئی شخص میرے عمالوں اور عمدہ داروں میں بھی ہے“ اُنھوں نے کہا ”ہاں ایک شخص ہے“ حضرت عمر نے نام پوچھا لیکن اُنھوں نے رازداری کے لحاظ سے نام نہیں بتایا، خذیفہ کا بیان ہے کہ ”اس واقعہ کے بعد حضرت عمر نے اُسکو معزول کر دیا، جس سے میں نے قیاس کیا کہ اُنھوں نے خود پتہ لگالیا“ اسی شخص اور بیدار منبری کا اثر تھا کہ تمام افسر

۱۔ اسد الغابۃ ذکر نعمان بن عدی - ۲۔ اسد الغابۃ ذکر خذیفہ بن الیمان -

اور عمال اُنکے مشورہ کے بغیر کوئی کام نہیں کر سکتے تھے۔ علامہ طبری لکھتے ہیں

وَكَانُوا لَا يَجِدُونَ عَمَلًا شَيْئًا وَلَا يَكُونُ إِلَّا وَاعِدًا<sup>۱۷</sup> یعنی لوگ کوئی کام، اُنسے بغیر دریافت کئے نہیں کرتے تھے۔

بیت المال یعنی خزانہ کا بہت خیال رکھتے تھے۔ اور کسی قسم کی رقم کو اسکی احاطہ سے باہر نہیں بچھتے تھے۔ خانہ کعبہ میں مدت کا چرٹھا واجمع تھا اسکی نسبت فرمایا کہ۔

لَقَدْ هَمَمْتُ أَنْ أَدْعَ فِيهَا صَفْعًا وَكَأَنَّ<sup>۱۸</sup> یعنی میں نے ارادہ کیا ہے کہ جو کچھ اس میں سونا چاندی ہے بیضاء اَلَا فَتَمْنَنُ سب لوگوں کو تقسیم کر دوں،

ایک دفعہ غنیمت کا مال آیا حضرت حفصہ (حضرت عمر کی بیٹی اور رسول اللہ کی زوجہ مطہرہ) کو خبر ہوئی۔ وہ حضرت عمر کے پاس آئیں اور کہا کہ دامیر المؤمنین! امین سے میرا حق مجبوع غنایم کیسے کیونکہ میں ذوی القربیٰ میں سے ہوں،

حضرت عمر نے کہا جان پر۔! تیرا حق میرے خاص مال میں ہے، لیکن غنیمت کا مال ہے، تو نے اپنے باپ کو دھوکا دینا چاہا، وہ بچاری غنیف ہو کر اٹھ گئیں۔

شام کی نچ کے بعد، قیصر روم سے دوستانہ مراسم ہو گئے تھے اور خط کتابت رہتی تھی، ایک دفعہ ام کلثوم (حضرت عمر کی زوجہ) نے، قیصر کی حرم کے پاس عتقہ کی طور پر چسپہ شیشیان بھیجیں، اُنسے اُسکے جواب میں شیشیوں کو جواہرات سے بھر کر بھیجا، حضرت عمر کو یہ حال معلوم ہوا تو فرمایا کہ گو عطر تھا، اتھا لیکن قاصد جو لیکر گیا وہ سرکاری تھا اور اُسکے مصارف اعلام آمدنی میں سے ادا کئے گئے۔ غرض وہ جواہرات لے کر بیت المال میں داخل

۱۷ طبری صفحہ ۲۰۰۔ ۱۸ بیح بخاری باب کسوة الکعبۃ ۱۲ ص ۱۷۷ مسند امام احمد ج ۱۔

بیت المال  
کا خیال

کر دئے اور انکو کچھ معاوضہ دیدیا۔

ایک دفعہ بمبار پڑے، لوگوں نے علاج میں شہد تجویز کیا۔ بیت المال میں شہد موجود تھا لیکن بلا اجازت نہیں لے سکتے تھے، مسجد نبوی میں جا کر لوگوں سے کہا کہ اگر آپ اجازت دین تو بیت المال سے تھوڑا سا شہد لے لوں، اس کا رد وائی سے طلبِ اجازت کے سوا، یہ ظاہر کرنا تھا کہ خزانہ عامہ پر خلیفہ وقت کو اتنا اختیار بھی نہیں۔

خلافت سے پہلے وہ تجارت کے ذریعہ سے بسر کرتے تھے، خلافت کے مہات میں شیخ مسل قائم نہیں رہ سکتا تھا، صحابہ کو جمع کر کے اپنی ضرورت بیان کی اور کہا کہ بیت المال سے، میں کس قدر اپنے مصارف کے لئے لے سکتا ہوں؟ لوگوں نے مختلف رائیں دین، حضرت علیؓ چپ تھے، حضرت عمرؓ نے انکی طرف دیکھا، انھوں نے کہا، صرف معمولی درجہ کی خوراک اور لباس، چنانچہ انکے اور انکی بی بی بچوں کے لئے بیت المال سے کھانا اور کپڑا مقرر ہو گیا۔ فوجی روزینہ داروں میں جب بدرین (دو مہابہ جو جنگ بدر میں شریک تھے) کے لئے تنخواہیں مقرر ہوئیں تو اور لوگوں کے ساتھ پانچ ہزار درہم سال انکے بھی مقرر ہو گئے، کروڑوں روپے کی آمدنی میں سے فاروقِ اعظم کو سال بھر میں جو ملتا تھا انکی تعداد تھی۔ انکی معاشرت کے حالات میں آگے چل کر تم پڑھو گے کہ وہ اکثر پھنسے پڑے پستے تھے، زمین پر سو رہتے تھے، مہینوں گیسوں کا ڈانگا گھس میں نہیں پکاتا تھا، انکی وجہ کچھ رہبانیت اور جوگی ترق تھا بلکہ درحقیقت اس سے زیادہ انکو ملک کی آمدنی میں نصیب نہیں ہوتا تھا۔ کبھی کبھی اتنا فاقہ کوئی بڑی رستم آجاتی تھی تو وہ بے دریغ خرچ بھی کرتے تھے چنانچہ حضرت ام کلثومؓ سے جب نخل ہوا تو انکے شرف اور

خانہ دانِ نبوت کے تعلق کی وجہ سے ۴۰ ہزار درہم مہربانہا اور اسی وقت ادابھی کر دیا۔

بنو ہاشم کو جو ملکِ عمدے نہیں دئے اسکی ایک بڑی وجہ یہ تھی کہ انکو خوف تھا کہ بنو ہاشم چونکہ خمس میں اپنا حصہ ایک شرعی حق سمجھتے ہیں اس لئے باوجود دلتندی کے خمس میں سے اپنا حصہ لے لینگے، حالانکہ حضرت عمرؓ کے نزدیک خمس کے مصارف، امام وقت کی رائے پر منحصر ہیں۔ چنانچہ اسکی بحث مفصل آگے آئیگی، انھوں نے بنو ہاشم کی نسبت اپنی اس بدگمانی کا اظہار بھی کر دیا تھا، حصص کا عامل جب مر گیا تو حضرت عبداللہ بن عباس کو مقرر کرنا چاہا، لیکن چونکہ انکی طرف سے مطمئن نہ تھے، اس لئے بلماکر ان سے کہا کہ فی نفسی منک شیء یعنی میرے دل میں تمھاری طرف سے ذرا کھکا ہے، انھوں نے پوچھا کیوں؟ فرمایا۔

الْمَخَشْيَةُ عَلَيْكَ أَنْ تَأْتِيَ عَلَى الْفِئَةِ الَّتِي هِيَ هَاتِيَةٌ  
یعنی مجھکو ڈر ہے کہ تم محاصلِ ملکی بھرتہ نہ کرو۔

یہ صرف سوزن نہ تھا بلکہ وقوع میں بھی آیا، حضرت علیؓ نے اپنے عہدِ خلافت میں جب حضرت عبداللہ کو عامل مقرر کیا تو انھوں نے بیت المال میں سے بہت سی رقم لے لی، اور جب حضرت علیؓ نے باز پرس کی تو لکھ بھیجا کہ ابھی میں نے اپنا پورا حق نہیں لیا۔

یہ یاد رکھنا چاہئے کہ حضرت عمرؓ نے بیت المال کے بارہ مہینہ جو کفایتِ شعاری، اور تنگ دوزی، برقی وہ خلافتِ فاروقی کی کامیابی کا بہت بڑا سبب تھی۔ حضرت عثمان کی خلافت میں لوگوں نے خیر میں جو شورشیں کیں، اسکی ایک بڑی وجہ یہ ہوئی کہ جناب موصوف نے بیت المال کے متعلق فیاضانہ برتاؤ کیا یعنی اپنے عزیز و اقارب کو ذوی القربی کی بنا پر بڑی بڑی قیمتیں عطا کیں۔

ایک عجیب بات یہ ہے کہ اگرچہ انکو بے انتہا کام درپیش رہتے تھے، دار الخلافہ سے سیکڑوں ہزاروں میل تک فوجیں بھیلی ہوئی تھیں جنکی ایک ایک حرکت، انکے اشاروں پر موت و قتل تھا حکومت کی مختلف شاخوں کا ذکر تم اوپر پڑے ہو، فقہ کی ترتیب و رفا جو ایک مستقل اور بہت بڑا کام تھا، الگ تھا اپنے ذاتی اشغال جدا تھے، تاہم ہر کام وقت پر انجام پاتا تھا اور کسی کام میں کبھی سرج نہیں ہوتا تھا، نہاوند کا سخت معرکہ حسین تمام ایران اُمنڈ آیا تھا، پیش تھا کہ عین اسی زمانے میں سعد قاص کو رز کو فہ کی شکایت گزری، حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اگرچہ یہ بہت تنگ وقت ہے تاہم سعد کی تحقیقات نہیں رک سکتی۔ چنانچہ کو فہ سے فوجوں کی روانگی کا انتظام بھی ہوتا رہا اور ساتھ ہی بڑی کدو کاوش سے سعد کی تحقیقات بھی ہوئی۔ جزیرہ والوں نے قیصر سے ملکر جب شام پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا تو اس سرعت سے تمام اضلاع سے فوجیں بھیجن کہ جزیرہ کے تمام ناکے روک دئے، اور اہل جزیرہ۔ قیصر تک پہنچ بھی نہ سکے۔

زیاد بن حدیر، عراق میں۔ وہ کی کی تکفیل پر مامور تھے، انھوں نے ایک عیسائی کے گھوڑے کی قیمت بیس ہزار قرار دے کر محصول طلب کیا، اسنے کہا گھوڑا آپ رکھ لیجیے اور ۱۹ ہزار مجبوراً لے لیجیے، دوبارہ وہ عیسائی آنکی سرحد سے گذرا، تو اس سے پھر محصول مانگا۔ وہ مکہ منفرہ پہنچا اور حضرت عمرؓ سے شکایت کی، حضرت عمرؓ نے صرف اس قدر کہا کہ تم مطمئن رہو، عیسائی زیاد بن حدیر کے پاس نہیں آیا اور دل میں ارادہ کر چکا تھا کہ ایک ہزار اور دیکر گھوڑے کو وہیں لے، یہاں حضرت عمرؓ کا فرمان پہلے پہنچ چکا تھا کہ ”سال بھر میں دو دفعہ ایک چیز کا محصول نہیں لیا جاسکتا“۔ ایک اور عیسائی کو اسی قسم کا واقعہ پیش آیا۔ وہ عین اسوقت حضرت عمرؓ کے پاس پہنچا جب وہ حرم میں خطبہ پڑہ رہے تھے،

تمام کاموں کا وقت پر انجام پاتا تھا

اسی حالت میں اُسے شکایت پیش کی، فرمایا۔ نہیں۔ دُوبارہ محصول نہیں لیا جاسکتا۔ عیسائی چند روز مکہ میں مقیم رہا۔ ایک دن حضرت عمرؓ کے پاس جا کر کہا کہ ”میں وہی نصرانی ہوں جسے محصول کے متعلق شکایت کی تھی، حضرت عمرؓ نے فرمایا ”ان میں وہی حنیفی (مسلمان) ہوں جسے تمہارا کام انجام کر دیا، عیسائی نے دریافت کیا تو حضرت عمرؓ پہلے ہی دن زیادہ کو حکم بھیج چکے تھے۔“

اس بات کا سخت اہتمام کیا کہ مالکِ محروسہ میں کوئی شخص فقر و فاقہ میں مبتلا نہ ہونے پائے۔ عام حکم تھا اور اسکی ہمیشہ تعمیل ہوتی تھی کہ ملک میں جس قدر اپاہج، ضعیف، ازکار رفتہ، مفلوج، وغیرہ ہوں سب کی تنخواہیں بیت المال سے مقرر کر دی جائیں، لاکھوں سے متجاذرا آدمی فوجی دفتر میں داخل تھے، جن کو گھڑیٹھے خوراک ملتی تھی۔ اول یہ انتظام شروع کیا تو حکم دیا کہ ایک جریب اُٹاپا کیا جائے پک کر طیار ہو تو ۳۰ آدمیوں کو بلا کر کھلایا۔ شام کو پھر اُسی قدر اُٹاپا کیا اور اُسی قدر آدمیوں کو کھلایا، دو دنوں کے لئے یہ مقدار کافی ٹھہری تو فرمایا کہ ایک آدمی کو مینے بھر کی خوراک کے لئے دو جریب کافی ہے پھر حکم دیا کہ ہر شخص کے لئے اس قدر اُٹا مقرر کر دیا جائے۔ اعلان عام کے لئے نمبر رچھے اور پیمانہ ات میں لیکر کہا کہ میں نے تم لوگوں کے لئے اس قدر خوراک مقرر کر دی ہے۔ جو شخص اسکو اُٹھائے گا اُس سے خدا سمجھے گا، ایک روایت میں ہے کہ پیمانہ ات میں لے کر یہ الفاظ فرمائے۔

نہام

انی قد فرضت لکل نفسٍ مسئلۃً فی شہیدِا  
مُدی حنطۃً وقسطی خلی

برابر مقرر کیا۔

۱۰ یہ دونوں روایتیں کتاب الخراج صفحہ ۷۸، ۷۹ میں ہیں

۱۱ قریباً ۲۰ سیر کا ہوتا ہے۔

غریب اور مساکین  
کے روزینے

اس پر ایک شخص نے کہا کہ کیا غلام کے لئے بھی، فرمایا ان غلام کے لئے بھی۔ غریب اور مساکین کے لئے بلا تخصیص مذہب حکم تھا کہ بیت المال سے ان کے روزینے مقرر کردئے جائیں۔ چنانچہ جیسا کہ ہم اوپر دیتوں کے حقوق میں لکھ آئے ہیں، بیت المال کے عامل کو لکھ بھیجا کہ خدا کے اس قول سے کہ اَمَّا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسْكِينِ فقرا سے مسلمان اور مساکین سے اہل کتاب و دین اکثر شہروں میں مہمان خانے تعمیر کرائے جہاں مسافروں کو بیت المال کی طرف سے کھانا ملتا تھا، چنانچہ کوفہ کے مہمان خانے کا ذکر ہم کو فر کی آبادی کے ذکر میں لکھ آئے ہیں۔ مدینہ منورہ میں جو انگریز خانہ تھا اکثر وہاں خود جا کر اپنے اہتمام سے کھانا کھلاتے تھے۔

لاوارثہ بچے

اولاد لقطہ یعنی گناہ بچے جن کو انکی مائیں شاہراہ وغیرہ پر ڈال جاتی تھیں، ان کے لئے سلسلہ میں یہ انتظام کیا کہ جہاں اس قسم کا کوئی بچہ ملے اسکے دودھ پلانے اور دیگر مصارف کا انتظام مالک سے کیا جائے، چنانچہ ان مصارف کے لئے اول ۱۰۰ درم سالانہ مقرر ہوتے تھے پھر سال بسال ترقی ہوتی جاتی تھی ۲۰ تیسویں کی پرورش، اور اگر انکی جائداد ہوتی تھی تو اسکی حفاظت کا سنایت اہتمام کرتے تھے۔ اور اکثر تجارت کے ذریعہ سے اسکو ترقی دیتے رہتے تھے۔ ایک نو حکم بن ابی اسلم سے کہا کہ میرے پاس تیسویں کا جو مال جمع ہے وہ زکوٰۃ کھانے کی وجہ سے گھٹتا جاتا ہے تم اسکو تجارت میں لگاؤ اور جو نفع ہو واپس دو، چنانچہ دس ہزار کی رقم حوالہ کی اور وہ بڑھتے بڑھتے لاکھ تک پہنچی۔

تیسویں کی  
جبرگیری

۱۰ پوری تفصیل فتوح البلدان صفحہ ۴۶۰ میں ہے اور تمام تاریخوں میں بھی ذرا ذرا سے اختلاف کے ساتھ یہ روایت مذکور ہے ۱۱ بلاذری ج ۱ صفحہ

تھو کا نظام

سلسلہ میں جب عرب میں قحط پڑا تو عجیب و غریب سرگرمی ظاہر کی، اول بیت المال کا تمام نقد و غلہ صرف کیا پھر تمام صوبوں کے افسروں کو لکھا کہ ہر جگہ سے غلہ روانہ کیا جائے، چنانچہ حضرت ابو عبیدہ نے چار ہزار اونٹ غلہ سے لدے ہوئے بھیجے، عمرو بن العاص نے بحر قزح کی راہ سے بیس ہزار دانہ کئے جن میں سے ایک ایک میں تین تین ہزار اردب غلہ تھا، حضرت عمران جہازوں کے ملاحظہ کے لئے خود بندرگاہ تک گئے جس کا نام جار تھا اور جو مدینہ منورہ سے تین منزلیں ہے، بندرگاہ میں دو بڑے بڑے مکان بنوائے، اور زمین ثابت کو حکم دیا کہ قحط زدوں کا مفصل نقشہ بنائیں، چنانچہ بقید نام اور مقدار غلہ رجسٹر کیا ہوا، ہر شخص کو چک تقسیم کی گئی جس کے مطابق اسکو روزانہ غلہ ملتا تھا۔ چک پر حضرت عمر کی مشرت ہوئی تھی۔ اس کے علاوہ ہر روز ۲۰ اونٹ خود اپنے اہتمام سے فوج کراتے تھے اور قحط زدوں کو کھانا پکوا کر کھلاتے تھے۔ اس موقع پر یہ بات خاص طور پر بتادینے کے قابل ہے کہ حضرت عمر کو اگرچہ ملک کی پرورش اور پرداخت کا اتنا کچھ اہتمام تھا، لیکن انکی یہ فیاضی ایشیائی قسم کی فیاضی نہ تھی جس کا نتیجہ کابل اور ہفت خوری کا رواج دینا ہوتا ہے۔ ایشیائی سلاطین ہر امر انکی فیاضیوں کا ذکر عموماً بڑے ذوق سے کیا جاتا ہے۔ لیکن لوگ اس بات کا خیال نہیں کرتے کہ اس سے جہاں ایک بادشاہ کی مع کلکتی ہے، دوسری طرف قوم کا دیروزہ گرہونا اور انعام بخشش پر لو لگائے رہنا ثابت ہوتا ہے۔ یہی ایشیائی فیاضیاں تھیں جس نے آج ہماری قوم میں لاکھوں آدمی

یہ عام کے  
تعلق حضرت عمر  
کی کتبہ سبھی

لہ یفعل یعقوبی منو... این ہے۔ اخیر کے فقرے یہ ہیں ثور لہر زید بن ثابت ان یکتب الناس علی

منازلہم وامر ان یکتب لہم صیقا کا من قراطیس ثم یختم اسافلھا کھان قل من صلا و ختم اسفلہ

الصیقا کہ روپ کم دیش دین کا ہوتا ہے۔



ایسے پیدا کروئے ہیں، جو خود ہات پاؤں ہلانا نہیں چاہتے اور نذر نیاز وغیرہ پر اوقات بسر کرتے ہیں۔ لیکن حضرت عمر اس سے غیر تھے، وہ اس بات کی سخت کوشش کرتے تھے کہ لوگوں میں کاملی اور مفت خوری کا مادہ نہ پیدا ہونے پائے، جن لوگوں کی تنخواہیں اور خوراک مقرر کی تھیں، وہ صرف وہ لوگ تھے جن سے کبھی نہ کبھی فوجی خدمت کی توقع ہو سکتی تھی۔ یا جنہوں نے پہلے کوئی نمایاں خدمت کی تھی، یا وہ جو ضعف اور بیماری کی وجہ سے خود کسب معاش نہیں کر سکتے تھے۔ ان اقسام کے علاوہ وہ کبھی اس قسم کی فیاضی کو رد نہیں رکھتے تھے۔ محدث ابن جوزی نے سیرۃ الامرین میں لکھا ہے کہ ایک دفعہ ایک سائل حضرت عمر کے پاس آیا۔ حضرت عمر نے دیکھا تو اسکی جھولی آٹے سے بھری ہوئی تھی۔ پھر انہوں نے آگے ڈال دی اور فرمایا کہ اب جو مانگنا ہو مانگ، علامہ ماورومی نے احکام السلطانیۃ میں لکھا ہے کہ مجتہب کا فرض ہے کہ ایسے لوگوں کو جو کھانے کمانے کے قابل ہیں اور باوجود اسکے صدقہ اور خیرات لیتے ہوں تنبیہ و تادیب کرے اسکے بعد علامہ موصوف نے اسکی سند میں حضرت عمر کے فعل سے استدلال کیا ہے اور لکھا ہے وَقَدْ فَعَلَ عُمَرُ مِثْلَ ذَلِكَ بِقَوْمٍ مِنْ أَهْلِ الصَّدَقَةِ۔

معمول تھا کہ جب کسی شخص کو ظاہر میں خوشحال دیکھتے تو دریافت فرماتے کہ یہ کوئی پیشہ بھی کرتا ہے اور جب لوگ کہتے کہ ”ہمیں“، تو فرماتے کہ یہ شخص میرے انکھ سے گر گیا، ”انکا مقولہ تھا کہ تَكْسِبُهُ فِيهَا دَنَاءَةٌ۔ خَيْرٌ مِنْ مَسْأَلَةِ النَّاسِ“ یعنی ذلیل پیشہ بھی لوگوں سے سوال کرنے کے نسبت اچھا ہے، ”مفت خوری کا موقع زیادہ تر علما و صوفیہ کو ملتا ہے، انکے زمانے تک صوفیہ تو پیدا نہیں ہوئے تھے لیکن علما کو انھوں نے علانیہ مخاطب کر کے کہا تھا لَا تَكُونُوا عِبَالًا عَلَى السُّلَاطِينِ

یعنی مسلمانوں پر اپنا بار نہ ڈالو۔

جزئیات پر تو

حضرت عمرؓ کی تاریخ زندگی میں ایک عجیب بات یہ ہے کہ اگرچہ انکو ہمیشہ بڑے اہم امور سے سابقہ رہتا تھا، تاہم نہایت چھوٹے چھوٹے کام بھی وہ خود انجام دیتے تھے، اور اسکے لئے انکو وقت اور فرصت کی تنگی نہیں ہوتی تھی۔ ان میں ایسے کام بھی ہوتے تھے جنکا اختیار کرنا بظاہر شانِ خلافت کے خلاف تھا لیکن انکو کسی کام سے عار نہ تھا، روزینہ داروں کے جو روزینے مقرر تھے، اکثر خود جا کر تقسیم کرتے تھے۔ قدید اور عسفان۔ مدینہ سے کئی منزل کے فاصلے پر دو قصبے ہیں جہاں قبیلہ خزاعہ کے لوگ آباد تھے۔ ان دونوں مقاموں میں خود تشریف لے جاتے تھے۔ روزینہ داروں کا دفتر بات میں ہوتا تھا۔ انکو دیکھ کر چھوٹے بڑے، سب گھروں سے نکل آتے تھے، اور حضرت عمرؓ خود اپنے بات سے تقسیم کرتے جاتے تھے۔ اکثر ایسا ہوتا کہ دارالصدقہ میں جاتے اور ایک ایک دنٹ کے پاس کھڑے ہو کر انکے دانت گنتے اور انکا حلیہ قلمبند کرتے۔

محب طبری نے ابو حنیفہ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ ”انکا معمول تھا کہ مجاہدین کے گھروں پر جاتے اور عورتوں سے کہتے کہ کلو کچھ بازار سے منگوانا ہو تو میں لا دوں، وہ لونڈیاں ساتھ کر دیتیں، پھر عمرؓ خود چیزیں خریدتے اور انکے حوالہ کرتے۔ مقام جنگ سے قاصداً آنا اور اہل فوج کے خطوط لانا خود انکے گھروں پر پہنچا آتے، اور کہتے کہ فلان تاریخ بمقام صد پس جائیگا، تم جواب لکھو اور کھوکھو سوقت تک روانہ ہو جائے، کاغذ، قلم، ددات، خود میا کر دیتے، اور جبکہ گھر میں کوئی حرف شناس نہ تھا خود کچھٹ کے پاس بیٹھ جاتے اور گھرواے جو لکھواتی لکھتے جاتے۔“

انکی سب سے زیادہ توجہ اس بات پر مبذول رہتی تھی کہ رعایا کی کوئی شکایت، ان تک پہنچنے سے  
 لاپرواہی، یہ معمول رکھا تھا کہ ہر نماز کے بعد صحن مسجد میں بیٹھ جاتے، اور جسکو جو کچھ ان سے کہنا سنا  
 رکھ، کوئی نہوتا، تو تھوڑی دیر انتظار کر کے اٹھ جاتے۔ راتوں کو دورہ کیا کرتے، سفر میں راہ چلون  
 میں اٹھتے پوچھتے، بیرونی اضلاع سے جو سرکاری قاصد آتے ان سے ہر قسم کی پرس و جو کرتے۔

رعایا کی شکایتوں  
 سے توجہت  
 کے وسائل

ایک بڑا عمدہ طریقہ دریافت حالات کا یہ تھا کہ تمام اضلاع سے ہر سال سفارتیں آتیں اور  
 وہ سفارت کے متعلق ہر قسم کی ضروری باتیں پیش کرتیں، اس سفارت کو وفد کہتے تھے اور یہ  
 عرب کا قدیم دستور تھا، لیکن حضرت عمرؓ نے اپنے زمانے میں اس سے وہ کام لیا جو آج کل جمہوری  
 سلطنتوں میں رعایا کے قائم مقام ممبر انجام دیتے ہیں، حضرت عمرؓ کے زمانے میں مختلف اضلاع  
 سے جو سفارتیں آتیں اور جس طرح انھوں نے اپنی مقامی ضرورتیں پیش کیں، اسکا حال عقد الفریہ  
 وغیرہ میں تبصیل ملتا ہے۔

ان تمام باتوں پر ان کو تسلی نہ تھی۔ فرماتے کہ عمال، رعایا کی پروا نہیں کرتے اور ہر شخص تمہیک  
 پہنچ نہیں سکتا، اس بنا پر ارادہ کیا تھا کہ شام، جزیرہ، کوفہ، بصرہ، کا دورہ کریں اور ہر جگہ دو دو  
 ٹھہریں، لیکن موت نے فرصت نہ دی، تاہم اخیر دفعہ جب شام کا سفر کیا تو ایک ایک ضلع میں ٹھہر کر  
 لوگوں کی شکایتیں سنیں اور راجہ سی کی۔ اس سفر میں ایک پُر عبرت واقعہ پیش آیا۔ دارالخلافہ  
 کو واپس آرہے تھے کہ راہ میں ایک بچہ دیکھا، بسواری سے اتر کر خمیہ کے قریب گئے، ایک بڑھیا عورت  
 نظر آئی۔ اس سے پوچھا کہ عمر کا کچھ حال معلوم ہے؟ اسنے کہا ہاں، شام سے روانہ ہو چکا، لیکن خدا

شام کا سفر  
 اور رعایا کی  
 خبر گیری

اسکو غارت کر کے آج تک مجھ کو اُسکے ہاں سے ایک جتہ بھی نہیں ملا۔ حضرت عمرؓ نے کہا اتنی دورِ حال عمر کو کیونکر معلوم ہو سکتا ہے۔ بولی کہ اسکو رعایا کا حال معلوم نہیں تو خلافت کیوں کرتا ہے سابقہ حضرت عمر کو محنت رقت ہوئی اور بے اختیار رو پڑے۔

ہم اس موقع پر متعدد حکایتیں اور روایتیں نقل کرتے ہیں جس سے اندازہ ہوگا کہ ان خلافت آرام و آسائش اور خبر گیری میں اُنکو کس قدر سرگرمی اور مہم دردی تھی۔

ایک دفعہ ایک قافلہ مدینہ منورہ میں آیا اور شہر کے باہر آتے۔ اسکی خبر گیری اور حفاظت کے لئے خود تشریف لے گئے۔ پہرہ دیتے پھرتے تھے کہ ایک طرف سے رونے کی آواز آئی۔ اُدھر متوجہ ہوئے دیکھا تو ایک شیر خوار بچہ، مان کی گود میں رُو رہا ہے، مان کو تائید کی کہ بچے کو بہلاؤ۔ نئے۔ تھوڑی دیر کے بعد پھر اُدھر سے گذرے تو بچے کو روٹا پایا۔ غیظ میں آکر فرمایا کہ تو بڑی بیرحم لایا ہے، اُسے کہا کہ یہ تکو اصل حقیقت معلوم نہیں خواہ مخواہ مجھ کو دق کرتے ہو، بات یہ ہے کہ عمرؓ نے حکام دیہے کہ بچے جب تک دودھ نہ چھوڑیں بیت المال سے انکا وظیفہ مقرر نہ کیا جائے۔ میں اس سہ سے غرض اسکا دودھ چھڑاتی ہوں اور یہ اس وجہ سے روتا ہے۔ حضرت عمر کو رقت ہوئی اور کہا کہ، اے عمر! تو نے کتنے بچوں کا خون کیا ہوگا، اسی دن منادی کرا دی کہ بچے جس دن پیدا ہو ان اُسی تاریخ سے ان کے روزینے مقرر کر دئے جائیں۔

اسلم (حضرت عمر کا غلام تھا) کا بیان ہے کہ ایک دفعہ حضرت عمرؓ عمارت کو گشت کے لئے نکلے، مدینہ سے تین میل پر صرار ایک مقام ہے، وہاں پہنچے تو دو بچہ، ایک عورت کچھ بچا رہی ہے اور تین بچے رُو رہے ہیں۔ پاس جا کر حقیقت حال دریافت کی، اُسے کہا کہ کئی وقتوں سے بچوں کو کھانا

ملا ہے، انکے بھلانے کے لئے خالی ہانڈی میں پانی ڈال کر چڑھا دی ہے۔ حضرت عمر  
وقت اُسٹے۔ مدینہ میں اگر بیت المال سے آٹا، گوشت، گھی، اور کھجوریں لین اور اسلم سے کما  
پہیٹھ پر رکھ دو، اسلم نے کہا میں لئے چلتا ہوں۔ فرمایا۔ ہاں۔ لیکن قیامت میں میرا بار تم  
ٹھاؤ گے، غرض سب چیزیں خود لا کر لائے اور عورت کے آگے رکھ دیں، اسنے آٹا گوندھا  
ہانڈی چڑھائی، حضرت عمر خود چو لھا پھونکتے جاتے تھے۔ کھانا پتیار ہوا تو بچوں نے خوب سیر ہو کر  
ہایا اور اچھلنے کودنے لگے۔ حضرت عمر دیکھتے تھے اور خوش ہوتے تھے، عورت نے کہا خدا کو جزا خیر  
سے سچ یہ ہے کہ امیر المؤمنین ہونے کے قابل تم ہو نہ عمر۔

ایک دفعہ رات کو گشت کر رہے تھے۔ ایک بدوا اپنے خیمہ سے باہر زمین پر بیٹھا ہوا تھا، پاس  
جا کر بیٹھے اور ادھر ادھر کی باتیں شروع کیں، دفعہ خیمہ سے رونے کی آواز آئی۔ حضرت عمر نے  
پوچھا کون روتا ہے؟ اسنے کہا میری بی بی دروزہ میں مبتلا ہے۔ حضرت عمر گھر پر آئے، اور ام کلثوم  
حضرت عمر کی زوجہ تھیں، کو ساتھ لیا۔ بدو سے اجازت لے کر ام کلثوم کو خیمہ میں بھیجا، تھوڑی  
دیر کے بعد پتہ پید ہوا، ام کلثوم نے حضرت عمر کو پکارا کہ امیر المؤمنین! اپنے دوست کو مبارکباد  
دیجئے، امیر المؤمنین کا لفظ سنکر بدو چونک پڑا، اور مودب ہو بیٹھا۔ حضرت عمر نے فرمایا کہ مدینین کچھ  
خیال نہ کرو، کل میرے پاس آنا میں اُس بچے کی تنخواہ مقرر کر دوں گا۔

عبدالرحمن بن عوف کا بیان ہے کہ ایک دفعہ حضرت عمر رات کو میرے مکان پر آئے،  
میں نے کہا آپ نے کیوں تکلیف کی، مجھ کو بلا لیا ہوتا، فرمایا کہ ابھی مجھ کو معلوم ہوا کہ شہر سے باہر  
ایک قافلہ آ رہا ہے۔ لوگ تھکے ماندے ہونگے، آؤ ہم تم چل کر پہرہ دین، چنانچہ دونوں صاحب گئے

اور رات بھر پہرہ دیتے رہے۔

جس سال عرب میں قحط پڑا انہی عجیب حالت ہوئی۔ جب تک قحط رہا گوشت، گھی، مچھلی، غرض کوئی لذیذ چیز نہ کھائی۔ نہایت خضوع سے دعائیں مانگتے تھے، کہ اے خدا! محمد کی امت کو میری شامت اعمال سے تباہ نہ کرنا، مسلم انکے غلام کا بیان ہے کہ ”قحط کے زمانے میں حضرت عمر کو جو فکر و تر دہ رہتا تھا، اس سے قیاس کیا جاتا تھا، کہ اگر قحط رفع ہوگا تو وہ اسی غم میں تباہ ہو جائیگا۔“ قحط کا جو انتظام حضرت عمر نے کیا تھا اسکو ہم اوپر لکھ آئے ہیں۔ ایک دفعہ ایک بدو انکے پاس آیا، اور یہ اشعار پڑھے۔

يَا عُمَرَ الْخَيْرُ خَيْرٌ لِّجَنَّةٍ - اے عمر! لطف اگر ہے تو جنت کا لطف ہے

اَكُنْ بَيْنِي كَيْتٍ وَاهْتَبْ - میری لڑکیوں کو، اور انہی ان کو کپڑے پہنا  
اَفْتَحْ بِاللّٰهِ لِنَفْعِكَ - خدا کی قسم بھٹکے یہ کرنا ہوگا

حضرت عمر نے فرمایا اور میں تمہارا کمانہ کروں تو کیا ہوگا۔ بدو۔ نے کہا۔

تَكُونُ عَنْ حَالِي لَتَسِيلَتِهِ - تجھ سے قیامت میں میری نسبت سوال ہوگا  
وَالْعَاقِبَةُ الْمَسْئُولُ بِمَحْتَتِهِ - اور تو ہنگا ہنگا رہ جائے گا  
اَفَّا لِيْ نَارِي فَقِيَامُ لَجَنَتِهِ - پھر یا دوزخ کی طرف یا بہشت کی طرف جانا ہوگا

حضرت عمر اس قدر رونے لگے کہ وارھی تر ہو گئی۔ پھر غلام سے کہا کہ میرا یہ کرتہ اسکو دیدے اس وقت اسکے سوا اور کوئی چیز میرے پاس نہیں ہے۔

۱۵۔ یہ تمام دو تین کثر اعمال طرہ منظر ۳۴۳ میں مستند عوالون سے منقول ہیں ۱۵۔ سیرۃ النمرین وازارۃ الخفا۔

ایک دفعہ رات گوشت کر رہے تھے، ایک عورت اپنے بالا خانے پر بیٹھی یہ اشعار گا رہی تھی۔

نظاویل هذا لیل و اسر و سر جانبہ  
ولیس الی جنبی خلیل الاعبہ

اس عورت کا شوہر جہاد پر گیا تھا، اور وہ اُسکے فراق میں یہ درد انگیز اشعار پڑھ رہی تھی حضرت عمر کو سخت تعلق ہوا اور کہا کہ میں نے زنانِ عرب پر بڑا ظلم کیا۔ حضرت حفصہ کے پاس آئے اور پوچھا کہ عورت کتنے دن مرد کے بغیر بسر کر سکتی ہے؟ انھوں نے کہا چار مہینے۔ صبح ہوئے ہر گلہ حکم بھیج دیا کہ کوئی سپاہی چار مہینے سے زیادہ باہر نہ رہنے پائے۔

سعید بن یزوع ایک صحابی تھے، جنگی انکھیں جاتی رہی تھیں، حضرت عمر نے اُن سے کہا کہ آپ مجھ میں کیوں نہیں آتے۔ انھوں نے کہا ”میرے پاس آدمی نہیں کہ مجھ کو راستہ بتائے۔“ حضرت عمر نے ایک آدمی مقرر کر دیا جو ہمیشہ اُنکے ساتھ ساتھ رہتا تھا۔

ایک دفعہ لوگوں کو کھانا کھلا رہے تھے۔ ایک شخص کو دیکھا کہ بائینِ ہات سے کھاتا ہے پاس جا کر کہا کہ ”داہنے ہات سے کھاؤ“ اُس نے کہا جنگِ موتہ میں میرا دایمان ہات جاتا رہا۔ حضرت عمر کو زقت ہوئی، اُسکے برابر بیٹھ گئے اور رُود کر کہنے لگے کہ افسوس مکو وضو کون کر تا ہوگا؟ سر کوُن دھلاتا ہوگا؟ کپڑے کوُن پہناتا ہوگا؟ پھر ایک نوکر مقرر کر دیا اور اسکے لئے تمام ضروری چیزیں خود تمینا کر دیں۔

## امامت اور اجتماع

امامت کا منصب - درحقیقت، نبوت کا ایک شایبہ ہے اور امام کی فطرت، قریب قریب پیغمبر کی فطرت کے واقع ہوتی ہے۔ شاد دلی اللہ صاحب لکھتے ہیں دو ازمیان امت جمع ہستند کہ جو ہر نفس ایشان قریب بجز ہر انبیاء مخلوق شدہ و این جماعہ در اصل فطرت، خلفائے بنیاد اند در امتؑ

مذہبی عقائد اور احکام اگرچہ بظاہر سادہ اور صاف ہیں، کیونکہ صانع عالم کا اعتقاد اسکی صفات کمال کا اعتراف، سزا جزا کا یقین، زہد و عبادت، محاسن اخلاق یہی چیزیں تمام مذاہب کی اصلی اصول اور حکام میں اور یہ سب بظاہر سادہ اور صاف باتیں ہیں، لیکن ان مسائل میں اشتباہ اور ابہام اس قدر ہے کہ اگر نہایت نکتہ سنجی اور دقیقہ رسی سے کام نہ لیا جائے تو ان کی حقیقت بالکل بدل جاتی ہے، یہی وجہ ہے کہ باوجود اسکے کہ یہ مسائل قریباً تمام مذاہب میں مشترک تھے، تاہم کم و بیش سب میں غلطیاں واقع ہوئیں، اسلام انہی غلطیوں کے مٹانے کے لئے آیا اور اسے نہایت اہتمام اور تاکید کے ساتھ ان پر توجہ دلائی لیکن چونکہ عام طبائع نکتہ سنج نہیں ہوتیں اس لئے ہر زمانے میں اکثر لوگ اصل حقیقت سے دور ہو جاتے تھے اور اسی لئے ایلمہ اور مجددین کی ضرورت باقی رہی کہ ان اسرار پر پردہ نہ پڑنے پائے۔ مثلاً اسلام نے شرک کو کس نہاد شور سے مٹایا لیکن غور سے دیکھو تو قبروں اور مزاروں کے ساتھ عوام ایک طرف، خواص کا جو طرز عمل ہے اس میں اب بھی کس قدر شرک کا مخفی اثر موجود ہے، گو استغاثہ عن القبور اور حصول برکت



کے خوشنما الفاظ نے ان پر پردہ ڈال رکھا ہے۔

حضرت عمرؓ نے ان نازک اور مشتبہ مسائل میں جس طرح، اصل حقیقت کو سمجھا اور جس حُجَّتِ دلیہ سے اُسکو لوگوں کے سامنے ظاہر کیا، اُسکی نفیر صحابہ کے زمانے میں بھی بہت کم ملتی ہے۔ اَلْهَيَاتِ کا ایک بڑا نازل مسئلہ قضا و قدر کا مسئلہ ہے، جس میں عموماً بڑے بڑے ائمہ مذہب کو

مسئلہ قضا و  
قدر

غلطیان واقع ہوئیں یہاں تک کہ اکابر صحابہؓ میں سے بھی بعضوں کو اشتباہ ہوا۔ طاعونِ عمو اس میں حضرت عمرؓ نے جب شام کا سفر کیا تو مقامِ سرخ میں پہنچ کر معلوم ہوا کہ وہاں وبا کی نہایت شدت ہے، حضرت عمرؓ نے واپسی کا ارادہ کیا۔ حضرت ابو عبیدہؓ نے اس خیال سے کہ جو کچھ ہوتا ہے، قضایِ الہی سے ہوتا ہے، نہایت طیش میں آکر کہا اِفْلَاسًا مِّنْ قَدَرِ اللَّهِ یعنی کیا تقاضا الہی سے بھالتے ہو۔ حضرت عمرؓ نے اس نازک مسئلے کو ان مختصر اور بلیغ الفاظ میں حل فرمایا۔

لَعَنَ لَعْنًا مِّنْ قَدَرِ اللَّهِ اِلٰی قَدَرِ اللَّهِ یعنی ہاں، ہم خدا کے حکم سے خدا کے حکم کی طرف بھالتے ہیں،

اسلام کا ایک اصول شعارِ اللہ کی تعظیم ہے، اسی بنا پر کعبہ اور حجرِ اسود وغیرہ کے احترام کا حکم ہے لیکن اسکی صورت صنم پرستی سے بہت کچھ ملتی جلتی ہے، اور یہی وجہ ہے کہ تمام مذاہب میں اسی اصول سے رفتہ رفتہ صنم پرستی قائم ہو گئی۔ حضرت عمرؓ نے مختلف موقعوں پر لوگوں کو اس غلطی میں پڑنے سے باز رکھا۔ ایک بار حجرِ اسود کے سامنے کھڑے ہو کر علانیہ کہا۔

اِنَّیْ اَعْلَمُ اَنَّکَ سَجْدٌ وَّ اَنَّکَ لَا تَضُرُّکَ لَا تَنْفَعُکَ میں جانتا ہوں کہ تو ایک پتھر ہے، نہ فائدہ پہنچا سکتا ہے نہ نقصان،

تعظیم شعارِ اللہ

حضرت عمرؓ کا یہ فعل مذاقِ عام سے جس قدر الگ تھا اسکا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے

لہٰذا یہ واقعہ مفصل طور پر صحیح مسلم باب الطاعون میں مذکور ہے۔

کہ بہت سے محدثین نے جہان حضرت عمرؓ کا یہ قول نقل کیا ہے وہاں یہ روایت بھی اضافہ کی ہے کہ ”اُسی وقت حضرت علیؓ نے اُکوٹو کا اور ثابت کیا کہ حجر اسود فائدہ اور نقصان دونوں پہنچاتا ہے کیونکہ وہ قیامت میں لوگوں کی نسبت کی شہادت دیگا، لیکن یہ اضافہ محض غلط اور بناوٹ ہے چنانچہ ناقدین فن نے اسکی تصریح کی ہے۔

ایک دفعہ آنحضرتؐ نے ایک درخت کے نیچے لوگوں سے جہاد پر دعوت لی تھی۔ اس بنا پر درخت متبرک سمجھا جانے لگا تھا، اور لوگ اسکی زیارت کو آتے تھے۔ حضرت عمرؓ نے یہ دیکھ کر اسکو حجرؓ سے کٹوا دیا۔

ایک دفعہ سفر حج سے واپس آ رہے تھے۔ راستہ میں ایک مسجد تھی، جس میں ایک دفعہ آنحضرتؐ نے نماز پڑھی تھی۔ اس خیال سے لوگ اسکی طرف دوڑے۔ حضرت عمرؓ نے لوگوں کو مخاطب کر کے فرمایا کہ اہل کتاب، انھی باتوں کے بدولت تباہ ہوئے کہ انھوں نے اپنے پیغمبروں کی یادگاروں کو عبادت گاہ بنا لیا۔

نبوت کی حقیقت کی نسبت عموماً لوگ غلطی کرتے آئے ہیں اور اسلام کے زمانے میں بھی یہ سلسلہ بند نہیں ہوا۔ اکثروں کا خیال ہے کہ نبی کا ہر قول و فعل خدا کی طرف سے ہوتا ہے بظنون نے زیادہ ہمت کی تو عرف معاشرت کی باتوں کو مستثنیٰ کیا لیکن حقیقت یہ ہے کہ نبی جو حکم مفسب نبوت کی حیثیت سے دیتا ہے وہ بے شبہ خدا کی طرف سے ہوتا ہے، باقی امور، وقت اور ضرورت

نبی کے قول  
افعال کتاب  
مفسب نبوت  
تعلق رکھتے  
ہیں

۱۔ ازالۃ الخصال حصہ دوم صفحہ ۹۱۔ علامہ ذرقانی نے شرح مواب لدینیہ میں بیت ضوان کے واقعے ذکر میں لکھا ہے کہ ابن مسعود

طبقات میں اس واقعہ کو بسند صحیح روایت کیا ہے۔ ۲۔ ازالۃ الخصال حصہ دوم صفحہ ۹۱۔

کے لحاظ سے ہوتے ہیں تشریحی اور مذہبی نہیں ہوتے۔ اس مسئلے کو جس قدر حضرت عمرؓ نے صاف اور واضح کر دیا کسی نے نہیں کیا۔ خراج کی تشخیص، جزیہ کی تعیین، ام ولد کی خرید و فروخت وغیرہ وغیرہ مسائل کے متعلق امام شافعی نے اپنی کتابوں میں نہایت ادعا کے ساتھ احادیث سے استدلال کیا ہے۔ اور ان مسائل میں جہاں حضرت عمرؓ کا طریق عمل مختلف ہے، بڑی دلیری سے اُن پر قویج کی ہے۔ لیکن امام شافعی نے یہ نکتہ نظر انداز کیا کہ یہ امور منصب نبوت سے تعلق نہیں رکھتے۔ اس لیے ان مسائل میں خود شارع علیہ السلام کی طرف سے ہر شخص کو اجتہاد کی اجازت ہے۔ چنانچہ اس بحث کی تفصیل آگے آتی ہے۔

شرعیات کے احکام کے متعلق بہت بڑا اصول جو حضرت عمرؓ نے قائم کیا یہ تھا، کہ شریعت کے تمام احکام مصالح عقلی پر مبنی ہیں۔

مذہبی احکام کے متعلق، شروع سے دو خیال چلے آئے ہیں۔ ایک یہ کہ اُن میں عقل کو دخل نہیں، دوسرا یہ کہ اُسکے تمام احکام، اصول عقلی پر مبنی ہیں۔ یہی دوسرا خیال، علم اسرار الدین کی بنیاد ہے۔ یہ علم اگرچہ اب ایک مستقل فن بن گیا ہے اور شاہ دلی اللہ صاحب کی مشہور کتاب حجتہ اللہ بالانۃ خاص اسی فن میں ہے۔ تاہم ہر زمانے میں بہت کم لوگ اس اصول کو تسلیم کرتے تھے، جسکی وجہ کچھ تو یہ تھی کہ یہ دقیق فن، عام طبائع کی دسترس سے باہر تھا، اور کچھ یہ کہ مذہبی محویت اور دلدلاہگی کی بظاہر شان ہی یہ ہے کہ ہر بات، بغیر حوین و چرا کے مان لی جاے اور رائے و عقل کو کچھ دخل نہ دیا جاے۔

لیکن حضرت عمرؓ اسی دوسرے اصول کے قائل تھے اور وہ سب سے پہلے شخص ہیں



حج کے ارکان میں رمل ایک رکن ہے یعنی طواف کرتے وقت، پہلے تین دوروں میں آہستہ آہستہ دوڑتے چلتے ہیں، اسکی ابتداء یوں ہوئی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ سے مکہ میں تشریف لائے تو کافروں نے مشہور کیا کہ مسلمان ایسے نحیف اور کمزور ہو گئے کہ کعبہ کا طواف بھی نہیں کر سکتے۔ آنحضرتؐ نے یہ سن کر رمل کا حکم دیا۔ اس کے بعد یہ فعل معمول ہو گیا، چنانچہ ایہ اربعہ اسکو حج کی ایک ضروری سنت سمجھتے ہیں، لیکن حضرت عمرؓ نے صاف کہا مَالَنَا وَلَا لِرَّسَلٍ اِنَّمَا كُنَّا رَاٰیْنَا بِهِ الْمَشْرُكِيْنَ وَقَدْ اَهْلَكُوْهُمُ اللّٰهُ ۚ یہی اب ہمارے رمل سے کیا غرض! اس سے مشرکوں کو رعب دلانا مقصود تھا، سوائے انکو خدا نے ہلاک کر دیا۔ حضرت عمرؓ نے جیسا کہ شاہ ولی اللہ صاحب نے حجتہ اللہ البالغہ میں لکھا ہے۔ رمل کے ترک کا ارادہ بھی کر لیا تھا لیکن پھر آنحضرتؐ کی یادگار سمجھ کر رہنے دیا، عبد اللہ بن عباس جو حضرت عمرؓ کے خاص ترمیم یافتہ تھے، ان سے جب کہا گیا کہ لوگ رمل کو سنت سمجھتے ہیں، تو کہا کہ ”غلط سمجھتے ہیں۔“

حضرت عمرؓ نے فقہ کے مسائل اس کثرت سے بیان کئے ہیں کہ ایک مستقل رسالہ طیار ہو سکتا ہے، ان تمام مسائل میں یہ خصوصیت صاف نظر آتی ہے کہ وہ مصالح عقلی کے موافق ہیں، اس سے براہتہ ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ اس علم (اسرار الدین) کے بہت بڑے استاد اور ماہر تھے۔

منصب امامت کے لحاظ سے، حضرت عمرؓ کا سب سے بڑا کارنامہ جو تھا یہ تھا کہ آنحضرتؐ نے دنیا کو جس قسم کے برگزیدہ اور پاکیزہ اخلاق، کی تعلیم دی تھی اور جو آپ کی نبوت کا اصلی مقصد تھا

جیسا کہ خود ارشاد فرمایا بَعَثْتُ لَكُمْ مَكَارِمَ الْاَخْلَاقِ۔ حضرت عمرؓ کے فیض سے قوم میں وہ اخلاق محفوظ رہے اور نئی قومیں جو اسلام میں داخل ہوتی گئیں، اسی اثر سے متاثر ہوتی گئیں۔ حضرت عمرؓ، خود اسلامی اخلاق کی مجسم تصویر تھے، انکا خلوص، انقطاع الی اللہ، لذائذ دنیا سے اجتناب، حفظ لسان، حق پرستی، راست گوئی، یہ اوصاف خود بخود لوگوں کے دلوں میں اثر کرتے جاتے تھے، اور ہر شخص جو انکی صحبت میں رہتا تھا، کم و بیش اس قالب میں ڈھل جاتا تھا۔ مسور بن مخرمہ کا بیان ہے کہ ہم اس غرض سے حضرت عمرؓ کے ساتھ رہتے تھے کہ پرہیزگاری اور تقویٰ سیکھ جائیں۔“ مورخ مسعودی نے حضرت عمرؓ کے حالات اس جملے سے شروع کئے ہیں کہ انہیں جو اوصاف تھے وہ انکے تمام افسردہ اور عمدہ داروں میں پھیل گئے تھے، پھر نمونے کے طور پر حضرت سلمان فارسی، ابو عبیدہ۔ سعید بن عامر وغیرہ کے نام اور انکے اوصاف لکھے ہیں عرب میں جو اخلاق ذمیمہ، جاہلیت کی یادگار رہ گئے تھے، وہ نسب کا فخر وغور، عام لوگوں کی تحقیر، عجب و بد گوئی، عشق و ہوا پرستی، بادہ نوشی اور می پرستی تھی، حضرت عمرؓ نے ان تمام بیہودہ اخلاق کا استیصال کر دیا۔ جو چیزیں فخر وغور کی علامت تھیں بالکل مٹا دیں، لڑائیوں میں قبائل، اپنے قبیلوں کی بجائے پکارا کرتے تھے اُسکو علماً بند کر دیا۔ اقا اور نوکر کی جو تمیز تھی بالکل اٹھا دی، ایک دفعہ صفوان بن امیہ نے جب بہت سے مغز لوگوں کے ساتھ ان کی دعوت کی اور نوکر دن کو کھانے پر نہیں بٹھایا، تو نہایت افر و ختم ہو کر کہا کہ ”خدا ان سے سمجھے نوکر دن کو حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں۔“

خود غور کا  
استیصال

ایک دفعہ بہت سے لوگ ابی بن کعب سے جوڑے رتبہ کے صحابی تھے ملنے گئے۔ جب وہ

مجلس سے آٹھے تو ادب اور تنظیم کے لئے لوگ اُن کے ساتھ ساتھ چلے۔ اتفاق سے حضرت عمر  
ادھر سے آئے، یہ حالت دیکھ کر اُبی کے ایک کوڑا لگایا۔ انکو نہایت تعجب ہوا اور کہا خیر ہے! یہ  
آپ کیا کرتے ہیں؟ فرمایا اُمّ ابی قحطہ **فَقَتْنُ لِّلْبَنُوِّ وَمَذَلَّةٌ لِّلنَّابِغِ** یعنی ”تم نہیں جانتے یہ امر تبوع کے لئے  
قطنہ اور تابغ کے لئے ذلت ہے۔“

ہجو کی نہایت

ہجو وہ گوئی کا ذریعہ شعرو شاعری تھا۔ شعرا جابجا لوگوں کی ہجوین لکھتے تھے اور چونکہ عرب میں  
شعر کو رواج عام حاصل تھا، اس لئے یہ ہجوین نہایت جلد شہر ہو جاتی تھیں اور اُن سے سیکڑوں  
مفسد پیدا ہوتے تھے، حضرت عمر نے ہجو کو ایک جرم قرار دیا اور اسکے لئے سزا مقرر کی، چنانچہ یہ امر  
ہی حضرت عمر کی اولیات میں شمار کیا جاتا ہے، محلیۃً اس زمانے کا مشہور شاعر تھا۔ اور  
سودا کی طرح فن ہجو میں کمال رکھتا تھا، حضرت عمر نے اسکو طلب کر کے ایک تہ خانے میں  
قید کیا اور اس شرط پر چھوڑا کہ پھر کبھی کسی کی ہجو نہیں لکھے گا۔ آنحضرتؐ کے زمانے میں قریش  
نے جب اور تدبیروں سے عاجز ہو کر مسلمانوں کی، اور خود آنحضرتؐ کی شان میں ہجوین  
لہنی شروع کیں تو آنحضرتؐ نے حسان کو ترکیب کی جواب دینے کی اجازت دی تھی شیخ  
قریش کے اسلام لانے کے بعد بھی متداول تھے، حضرت عمرؓ نے اپنے عہدِ خلافت میں حکم  
دیدیا کہ وہ پڑھے پڑھائے نہ جائیں، کیونکہ اُن سے پرانی بخشین تازہ ہوتی ہیں۔

ہجو پرستی کی  
سزا

عشق و دہوا پرستی کا بھی بڑا ذریعہ ہی شعرو شاعری تھا، شعرا زیادہ تر زندان اور اوباشانہ  
اشعار لکھتے تھے اور ان میں اپنے معشوقوں کے نام تصبیح کے ساتھ لیتے تھے۔ مذاق کے عام

ہونے کی وجہ سے یہ اشعار بچہ بچہ کے زبان پر چڑھ جاتے تھے اور اس وجہ سے زندگی و آوارگی  
 انکے خمیر میں داخل ہو جاتی تھی۔ حضرت عمرؓ نے قطعی حکم دیا کہ شعراء و تون کی نسبت غشیہ شعراء  
 نہ لکھنے پائیں، چنانچہ صاحب اسد الغابہ نے حمید بن ثور کے تذکرے میں اس واقعہ کو ان الفاظ  
 میں لکھا ہے تَقَدَّمَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ إِلَى الشُّعْرَاءِ أَنْ لَا يَتَشَبَّهَ أَحَدٌ بِأَهْلِ قَوْمِ الْأَجَلَدَا۔  
 شراب پینے کی جو سزا پہلے سے مقرر تھی اسکو زیادہ سخت کر دیا یعنی پہلے ۴۰ دے مارے جاتے  
 تھے انھوں نے ۴۰ سے ۷۰ کر دیے۔

شاعری کی  
اصلاحشرعاً وری کی  
روک

ان سب باتوں کا یہ نتیجہ ہوا کہ باوجود اسکے کہ اس زمانے میں دولت کی کثرت، اور قوت  
 کی وسعت کی وجہ سے عیش و عشرت کے بے انتہا سامان مہیا ہو گئے تھے تاہم لوگ عیش و عشرت  
 میں مبتلا نہ ہوئے پائے اور جس پاک اور مقدس زندگی کی بنیاد شارع علیہ السلام نے ڈالی  
 تھی وہ اسی استواری کے ساتھ قائم رہی۔

اخلاق کی بچگی اور استواری کا اصلی سرچشمہ، آزادی اور خودداری ہے۔ اس لئے حضرت عمرؓ  
 نے اس پر بہت توجہ کی، اور یہ وہ خصوصیت ہے جو حضرت عمرؓ کے سوا اور خلفاء کی تاریخ میں  
 نہیں ملتی۔ بنو امیہ تو شروع ہی سے آزادی کے دشمن نکلے یہاں تک کہ عبدالملک نے  
 قطعی حکم دیدیا کہ کوئی شخص اسکے احکام پر زبان نہ کھولنے پائے۔ حضرت عثمانؓ و حضرت  
 علیؓ نے البتہ آزادی سے تعرض نہیں کیا لیکن اسکے خطرات کی روک تھام کر کے جسکی بدولت  
 حضرت عثمانؓ کی شہادت کی نوبت پہنچی، اور جناب امیر کو حبل و صغین کے مور کے جھیلنے  
 پڑے، برخلاف اسکے حضرت عمرؓ نے نہایت اعلیٰ درجے کی آزادی قائم رکھنے کے ساتھ

آزادی اور قوت کی  
کاتھام رکھنا





تم لوگ کیا کرو گے؟ ایک شخص وہیں کھڑا ہو گیا اور تلوار میان سے کھینچ کر بولا کہ تمہارا سر اڑائے۔ حضرت عمر نے اس کے آزمانے کو ڈانٹ کر کہا کہ کیا تو میری شان میں یہ لفظ کہتا ہے؟ اس نے کہا ”ہاں ہاں تمہاری شان میں۔“ حضرت عمر نے کہا ”الحمد للہ قوم میں ایسے لوگ موجود ہیں کہ میں کج ہو گا تو مجھ کو سیدھا کر دینگے۔“

عراق کی فتح کے بعد اکثر بزرگوں نے عیسائی عورتوں سے شادیاں کر لیں تھیں۔ حضرت عمر نے خدیفہ بن ایمان کو لکھا کہ میں اسکو ناپسند کرتا ہوں، اُنھوں نے جواب میں لکھا کہ یہ حکم آپ کی ذاتی رائے ہے یا کوئی شرعی حکم ہے؟ حضرت عمر نے لکھا کہ میری ذاتی رائے ہے خدیفہ نے لکھ بھیجا کہ آپ کی ذاتی رائے کی پابندی ہم لوگوں پر ضرور نہیں، چنانچہ باوجود حضرت عمر کی ممانعت کے کثرت سے لوگوں نے شادیاں کیں۔ موعز میقوبی نے لکھا ہے کہ ایک دفعہ جب حضرت عمر نے تمام عمالوں کا مال و اسباب نیلام کر کے، ادھابت المال میں داخل کر دیا تو ایک عامل نے جسکا نام ابوبکر تھا، صاف کہا کہ اگر یہ مال خدا کا تھا تو کل بیت المال میں داخل کرنا چاہئے تھا، اور ہمارا تھا تو اُس میں سے کھولنے کا کیا حق تھا؟

حضرت عمر کی تقلید اور انکی تعلیم و تربیت کا یہ اثر ہوا کہ جماعت اسلامی کا ہر ممبر یا کثیرہ لفظی، نیکوئی، علم و تواضع، جرأت و آزادی، حق پرستی، دے نیازی کی تصویر بن گیا، تاریخ کے مرتع میں اُس وقت کی مجالس اور محافل کا نقشہ دیکھو تو ہر شخص کے حلیہ میں یہ خط و خال صاف نظر آتے ہیں۔

اجتہاد کی حیثیت  
محدث و فقیہ  
ہونا

حدیث و فقہ کا فن، درحقیقت، تمام تر حضرت عمر کا ساختہ و پر داختہ ہے۔ صحابہ میں اور

اجتہاد کا منصب  
حدیث و فقہ

لوگ بھی محدث اور فقیہ تھے چنانچہ انکی تعداد ۲۰ سے متجاوز بیان کی گئی ہے لیکن فن کی ابتدا حضرت عمرؓ سے ہوئی اور فن کے اصول و قواعد، اول اعنی نے قائم کئے۔

حدیث کے متعلق پہلا کام جو حضرت عمرؓ نے کیا یہ تھا کہ روایتوں کی تفصیل و تلاش پر توجہ کی انھیں  
کے زمانے میں احادیث کے استقصاء کا خیال نہیں کیا گیا تھا۔ جسکو کوئی مسلم پیش آتا تھا خود حضرت  
سے دریافت کر لیتا تھا۔ اور یہی وجہ تھی کہ کسی ایک صحابی کو فقہ کے تمام ابواب کے متعلق حدیثیں  
محفوظ نہ تھیں۔ حضرت ابو بکرؓ کے زمانے میں زیادہ ضرورتیں پیش آئیں، اس لئے مختلف صحابہ سے  
استفسار کرنے کی ضرورت پیش آئی اور احادیث کے استقرار کا راستہ نکلا، حضرت عمرؓ کے زمانے میں  
چونکہ زیادہ کثرت سے واقعات پیش آئے کیونکہ فتوحات کی وسعت اور نو مسلموں کی کثرت نے سیکڑوں  
نئے مسائل پیدا کر دیئے تھے، اس لحاظ سے انھوں نے احادیث کی زیادہ فقہیت کی تاکہ یہ مسائل انھیں  
کے اقوال کے موافق طے کئے جائیں۔ اکثر ایسا ہوتا کہ جب کوئی نئی صورت پیش آتی تو حضرت عمرؓ  
مجمع عام میں جسبین اکثر صحابہ موجود ہوتے تھے، پکار کر کہتے کہ اس مسئلے کے متعلق کسی کو کوئی حدیث  
معلوم ہے؟ بکبیر خبازہ غسل جنابت۔ جزیہ مجوس۔ اور اس قسم کے بہت سے مسائل میں جنگی نسبت،  
کتب حدیث میں نہایت تفصیل سے مذکور ہے کہ حضرت عمرؓ نے مجمع صحابہ سے استفسار کر کے احادیث  
نبوی کا پتہ لگایا۔

چونکہ حدیث جس قدر زیادہ شائع و مشہور کی جائے اسی قدر اسکو قوت حاصل ہوتی ہے اور  
پچھلوں کے لئے قابل استناد قرار پاتی ہے اس لئے اسکی نشر و اشاعت کی بہت سی تدبیریں  
اختیار کیں۔

احادیث کا  
تفصیلحدیثوں کی  
اشاعت

(۱) احادیث نبوی کو بالفاظہا نقل کر کے اضلاع کے حکام کے پاس بھیجتے تھے جس سے انکی عام اشاعت ہو جاتی تھی، یہ حدیثیں اکثر مسائل اور احکام کے متعلق ہوتی تھیں۔

(۲) صحابہ میں جو لوگ فن حدیث کے ارکان تھے انکو مختلف ممالک میں حدیث کی تعلیم کے لئے بھیجا، شاہ ولی اللہ صاحب لکھتے ہیں، »چنانچہ فاروق اعظم عبداللہ بن مسعود را با جمعہ بکو فرستاد و مقل بن یسار و عبداللہ بن مغفل، و عمران بن حصین را بہ بصرہ و عبادہ بن مسعود را بہ دردار، را بشام و بھاوتیہ بن ابی سفیان کہ امیر شام بود قدغن بلخ نوشت کہ از حدیث ایشان تجاوز نکند۔

اس موقع پر ایک دقیق نکتہ خیال رکھنے کے قابل ہے، وہ یہ کہ عام خیال یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے حدیث کی اشاعت میں گو بہت کچھ اہتمام کیا لیکن خود بہت کم حدیثیں روایت کیں چنانچہ کُل وہ مرفوع احادیث جو اُن سے بروایت صحیح مروی ہیں نشر سے زیادہ نہیں، خیال بظاہر صحیح ہے لیکن واقع میں یہاں ایک غلط فہمی ہے۔ محدثین کے نزدیک یہ اصول مسلم ہے کہ صحابی جب کوئی ایسا مسئلہ بیان کرے جس میں رائے اور اجتہاد کو دخل نہیں تو گو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نہ لے لیکن مطلب یہی ہوگا کہ اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے۔ اور واقع میں یہ اصول بالکل عقل کے مطابق ہے، حضرت عمرؓ نے مثلاً تمام ممالک میں لکھ بھیجا کہ ”ذکوۃ فلان فلان چیزوں پر فرض ہے اور اس حساب سے فرض ہے“، تو اس احتمال کا عمل نہیں کہ حضرت عمرؓ خود شارع ہیں اور اپنی طرف سے احکام صادر کرتے ہیں، لامحالہ اسکے ہی معنی ہونگے کہ آنحضرت

نے زکوٰۃ کے متعلق یہ احکام صادر فرمائے تھے، زیادہ سے زیادہ اس احتمال کا موقع باقی رہتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے حدیث کا مطلب صحیح نہیں سمجھا اور اس لئے ممکن ہے کہ رسول اللہؐ نے اس مقدار کی تعداد کو فرض نہ کہا ہو۔ بلکہ حضرت عمرؓ نے اسکو اپنی فہم کے مطابق فرض سمجھا لیکن یہ احتمال خود ان احادیث میں بھی قائم رہتا ہے جن میں صحابی نے علانیہ آنحضرتؐ کا نام لیا ہے اس اصول کی بنا پر، حضرت عمرؓ نے خطبوں میں، تحریری ہدایتوں میں، فرامین میں، نماز روزہ حج۔ زکوٰۃ وغیرہ کے متعلق جو اصولی مسائل بیان کئے وہ حقیقت آنحضرتؐ کے احکام ہیں گو انھوں نے آنحضرتؐ کا نام نہ لیا ہو۔

شاہ ولی اللہ صاحب تحریر فرماتے ہیں، ”ہفتم آنکہ مضمون احادیث در خطب خود ارشاد فرمایند تا اصل احادیث بان موقوف خلیفہ قوت یابد، یا رانیکہ جو سخن میرسند در بند آنکہ در تنقیح علیہ از حضرت صدیق صحیح نشد مگر شش حدیث، و از فاروق اعظم بہ صحت زسید مگر قریب ہفتاد حدیث، این را بمنی فہمند یعنی دانند کہ حضرت فاروق تمام علم حدیث را اجالا تقویت دادہ و علان نمود حدیث کے تخصّص جستجو، اور اشاعت و ترویج کے متعلق، حضرت عمرؓ نے جو کچھ کیا، اگرچہ وہ خود بھی مہتمم با نشان کام تھے لیکن اس باب میں، انکی فضیلت کا اصلی کارنامہ ایک اور خیر ہے جو انھی کے ساتھ مخصوص ہے، احادیث کی طرف اسوقت جو میلان عام تھا وہ خود بخود احادیث کی اشاعت کا بڑا سبب تھا لیکن حضرت عمرؓ نے امین جو مکملہ سنجیاں کیں اور جو فرق مراتب پیدا کیا اسپر کسی کی نگاہ نہیں پڑی تھی۔ سب سے پہلے انھوں نے اسپر لحاظ کیا کہ احادیث میں زیادہ قابل اعتنا کس قسم

احادیث میں  
فرق مراتب

کی حدیثیں ہیں؟ کیونکہ گو۔ رسول اللہ کا ہر قول و فعل عقیدت کیشون کے لئے گنجینہ مراد ہے لیکن یہ ظاہر ہے کہ الْأَهْوَاؤُكَ أَكْثَرُ اس بنا پر حضرت عمرؓ نے تمام تر توجہ اُن احادیث کی روایت اور ثناء پر مبذول کی جن سے عبادات یا معاملات یا اخلاق کے مسائل مستنبط ہوتے تھے، جو حدیثیں ان مضامین سے الگ تھیں، انکی روایت کے ساتھ چند ان اعتنائیں کیا۔ اس میں ایک بڑا نکتہ یہ تھا کہ آنحضرتؐ کے وہ اقوال و افعال جو منصب رسالت سے تعلق رکھتے ہیں، اور وہ جو بشری حیثیت سے ہیں، باہم مغلط نہونے پائیں۔ شاہ ولی اللہ صاحب لکھتے ہیں: ”باستقرار تمام معلوم شد کہ فاروق اعظمؓ نظر دقیق در تفریق میان احادیث کہ تبلیغ شریع و تکمیل افراد بشر تعلق دارد، از غیر ان، مصروف می ساخت، لهذا احادیث شتافل آنحضرتؐ صلعم و احادیث سنن زواید در لباس و عادات کمتر روایت می کرد۔ بدو وجہ، یکی آنکہ اینها از علوم کلیفیه و تشریعیہ نیست، بحیل کہ چون اہتمام تام بر روایت آن بکار بر نہ بعضی اشیا از سنن زواید بہ سنن ہدی مشتبہ گردو۔“

حضرت عمرؓ نے اُن حدیثوں کی روایت کا بھی اہتمام نہیں کیا۔ ہمیں الفاظ مخصوصہ کے ساتھ دعائیں منقول تھیں، حالانکہ بہت سے بزرگوں کی روایتوں میں بڑا ذکر اسی قسم کی حدیثوں کا ہے۔ اسکی وجہ جیسا کہ شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے لکھا ہے یہ ہے کہ ”حضرت عمرؓ اس بات کو جانتے تھے کہ ”دعا کے قبول و عدم قبول کا مدار خلوص و تضرع پر ہے نہ الفاظ پر۔“ سب سے بڑا کام جو حضرت عمرؓ نے اس فن کے متعلق کیا، وہ حدیثوں کی تحقیق و تنقید

اور من جرح و تعدیل کا ایجاد کرنا تھا۔

آجکل بلکہ مدت مدید سے یہ حالت ہے کہ جو چیز آنحضرت کی طرف منسوب کر دی جاتی ہے گو صحیح نہ ہو۔ اسکو فوراً رواج اور قبول حاصل ہو جاتا ہے، اسی بنا پر یہودیوں کی تمام مغز خفات یا جادو نبوی کے مجموعہ میں شامل ہو گئیں۔ محدثین نے اتنا کیا کہ جرح و تعدیل کی روک ٹوک سے تقسیم کو روک دیا لیکن جب کسی راوی کی تعدیل انکے نزدیک ثابت ہو جاتی تھی تو پھر انکو زیادہ پر زور نہیں ہوتی تھی، اسکے ساتھ۔ قرن اول کی نسبت انھوں نے یہ عام کلیہ قائم کر لیا کہ کسی وقت میں ضعف کا احتمال نہیں ہو سکتا۔ لیکن حضرت عمر اس نکتہ سے واقف تھے کہ جو چیزیں خصائص بشری ہیں ان سے کوئی زمانہ متشنع نہیں ہو سکتا، اس لئے وہ احادیث کی چھان بین میں تمام وہی احتمالات ملحوظ رکھتے تھے جو محدثین نے زمانہ مابعد میں پیدا کئے۔ ایک دفعہ ابو موسیٰ اشعری، ان سے ملنے آئے اور تین دفعہ استیذان کی طور پر کہا کہ ”السلام علیکم ابو موسیٰ حاضر ہے“ حضرت عمر اس وقت کسی کام میں مصروف تھے اس لئے متوجہ نہ ہو سکے۔ کام سے فارغ ہو چکے تو فرمایا کہ ابو موسیٰ کہاں ہیں؟ وہ آئے تو کہا کہ تم کیوں واپس گئے؟ انھوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ تین دفعہ اذن مانگو، اگر اسپر بھی اجازت نہ ملے، تو واپس جاؤ۔ حضرت عمر نے فرمایا اس روایت کا ثبوت دو، ورنہ میں تمکو سزا دوں گا، ابو موسیٰ اشعری صحابہ کے پاس گئے اور حقیقت حال بیان کی، چنانچہ ابو سعید نے اگر شہادت دی کہ میں نے رسول اللہ سے یہ حدیث سنی ہے، حضرت ابی بن کعب نے کہا کہ عمر! تم رسول اللہ کے اصحاب کو عذاب دینا چاہتے ہو؟ فرمایا کہ میں نے ایک وقت

روایات کی  
چھان بین

سُنی اور اُلمی تصدیق کرنی چاہی۔

فقہ کا یہ ایک مختلف فیہ مسئلہ ہے کہ جس عورت کو طلاق بائن دی جائے اُسکو عدت کے زمانہ تک نان و نفقہ اور مکان ملنا چاہئے یا نہیں؟ قرآن مجید میں ہے کہ اُسکو وَهْنٌ مِّنْ حَبِطٍ سَكَنْتُمْ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ مکان ملنا چاہئے اور مکان کے ساتھ نفقہ خود ایک ذمی چیز ہے فاطمہ بنت قیس۔ ایک صحابیہ تھیں اُنکو انکے شوہر نے طلاق بائن دی، وہ آنحضرت کے پاس گئیں کہ مجھکو نان و نفقہ کا حق ہے یا نہیں، انکا بیان ہے کہ آنحضرت نے فرمایا ”نہیں“ فاطمہ نے یہ روایت، حضرت عمر کے سامنے بیان کی تو حضرت عمر نے کہا لا تَنْتَ لَکِ کِتَابُ اللّٰهِ بِقَوْلِ اَحَدٍ وَلَا نَدْرِي لَعَلَّهَا كَفَضْتَ اَوْ نَسِيتِ مینی ہم قرآن کو ایک عورت کے کہنے سے نہیں چھوڑ سکتے، معلوم نہیں اسکو حدیث یا دہی۔ یا نہیں۔

سقط کا مسئلہ پیش آیا تو حضرت عمر نے صحابہ سے مشورہ کیا۔ مغیرہ نے اسکے متعلق ایک حدیث روایت کی۔ حضرت عمر نے فرمایا اگر تم سچے ہو تو اور کوئی گواہ لاؤ۔ چنانچہ جب محمد بن مسلمہ نے تصدیق کی تو حضرت عمر نے تسلیم کیا، اسی طرح حضرت عباس کے مقدمہ میں جب ایک حدیث پیش کی گئی تو حضرت عمر نے تائیدی شہادت طلب کی اور جب بہت سے لوگوں نے شہادت دی تو حضرت عمر نے فرمایا کہ مجھکو تمھاری نسبت بدگمانی نہ تھی لیکن میں نے حدیث کی نسبت اپنا اطمینان کرنا چاہا۔

۱۷۔ یہ دو تفصیل کے ساتھ متعدد مرق سے میع سلم باب الاستیذان میں مذکور ہے ۱۷۔ یہ دونوں روایتیں ذکرۃ الخلافہ میں

حضرت عمر کے حال میں مذکور ہیں ۱۷۔



حضرت عمر کو چونکہ اس بات کا یقین ہو گیا تھا کہ روایت میں خواہ مخواہ کمی بیشی ہو جاتی ہے اس لئے روایت کے بارے میں سخت احتیاط شروع کی، اسکے متعلق انھوں نے جو بندشیں کیں۔ آج کل لوگوں کو۔ اُن پر شکل سے یقین آ سکتا ہے، اس لئے میں اس موقع پر خود کچھ نہ لکھوں گا بلکہ بہت بڑے بڑے محدثوں نے جو کچھ لکھا ہے اسکو نقل کر کے، بلفظی ترجمہ کر دوں گا۔ علامہ ذہبی جن سے بڑھ کر اُنکے بعد کوئی محدث نہیں گذرا، اور جو حافظ بن حجر و سخاوی وغیرہ کے شیخ ایشورخ ہیں، تذکرۃ الحفاظ میں حضرت عمر کے حالات میں لکھتے ہیں۔

کثرت روایت  
سے رکھنا

یعنی حضرت عمر اس ڈر سے کہ صحابہ یا معتمد سے روایت کرنے میں غلطی کریں صحابہ کو حکم دیتے تھے کہ رسول اللہ سے کم روایت کریں اور تاکہ لوگ حدیث میں مشغول ہو کر قرآن کے یاد کرنے سے غافل نہ ہو جائیں۔ قرظ بن کعب سے روایت ہے کہ جب عمر نے ہیکو عراق پر روانہ کیا تو خود شایعہ کوڑے، اور کہا تمکو معلوم ہے میں کیوں تمہارے ساتھ ساتھ آتا ہوں؟ لوگوں نے کہا ہماری عزت بڑھانیکو، فرمایا کہ ہاں لیکن اسکے ساتھ یہ غرض بھی ہے کہ تم لوگ ایسے مقام میں جاتے ہو جہاں لوگوں کی آواز شہد کی گئی کیطرح قرآن پڑھنے میں گرجتی رہتی ہے۔ تو انکو حدیثوں میں نہ پھینا لینا، قرآن میں آمیزش نہ کرو اور رسول اللہ سے کم نہ دوتا کرو اور میں تمہارا مشرک ہوں پس جب قریظ دہان پہنچے تو لوگوں نے کہا

وَقَدْ كَانَ عُمَرُ مِنْ وَجْهِهِ يُخِطِي الصَّاحِبَ عَلَى رِسْوَالِ اللَّهِ - يَأْهُرُهُمْ أَنْ يُقْلُوا الرِّوَايَةَ عَنْ نَبِيِّهِمْ وَلِئَلَّا يَتَشَاغَلَ بِالْأَحَادِيثِ عَنْ حِفْظِ الْقُرْآنِ - عَنْ قُرْظَةَ بْنِ كَعْبٍ قَالَ لَمَّا تَسَيَّرْنَا عُمَرَ إِلَى الْعِرَاقِ مَشَوْ مَعَنَا حُمْرٌ قَالَ أُنْذِرُونَا لِمَ شِيعْتُمْ قَالُوا نَعْمَ مَكْرَمَةٌ لَنَا - قَالَ وَمَعَ ذَلِكَ فَانْكَرْتُمُونَا أَهْلَ قَرِيْبَةٍ لَهُمْ دَوِيُّ بِالْقُرْآنِ كَدَوِي النُّحْلِ فَلَا تَصُدُّوهُمْ وَلَا أَحَادِيثَ فَتَشْغَلُوهُمْ جَرَدُوا الْقُرْآنَ وَقَالُوا الرِّوَايَةُ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ وَإِنَّا نَشْرِيكُمْ فَلَمَّا قَدِمَ قُرْظَةُ قَالَ

حَدَّثَنَا فَقَالَ تَهَا نَاعْمُ عَنْ ابْنِ سَلَمَةَ عَنْ  
 ابْنِ هُرَيْرَةَ - قُلْتُ لَهُ - كَتَبْتَ تَحْدِثَ  
 فِي رَمَانَ عَمْرٍ هَكَذَا فَقَالَ لَوْ كُنْتُ أَحَدًا  
 فِي عَمْرٍ مِثْلَ مَا أَحَدٌ تَكَلَّمَ لَضَرَّ بِي مَخْطِئُهُ  
 أَنْ عَمْرٍ حَبَسَ ثَلَاثَةَ - ابْنِ مَسْعُودٍ - وَ  
 أَبَا الدَّرْدَاءِ وَابْنَ مَسْعُودٍ لَأَنْصَارِي -  
 فَقَالَ قَدْ أَكْثَرْتُ لِحَدِيثِ عَنْ رَسُولِ  
 اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ -  
 کہ حدیث بیان کیجیے۔ انھوں نے کہا کہ عمرؓ نے ہکو منع کیا ہی رسول  
 کہتے ہیں کہ مجھے ابو ہریرہ سے پوچھا کہ آپ عمرؓ کے زمانے  
 میں بھی اسی طرح حدیثیں روایت کیا کرتے تھے۔  
 انھوں نے کہا کہ اگر میں ایسا کرتا تو عمرؓ مجھکو درے سے  
 مارتے۔ حضرت عمرؓ نے عبداللہ بن مسعودؓ و ابو الدرداءؓ و  
 کو مجھوس کیا اور کہا کہ تم لوگوں نے آنحضرتؐ سے  
 بہت حدیثیں روایت کرنی شروع  
 کیں۔

مسند دارمی میں قریظہ بن کعب کی روایت کو نقل کر کے لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ کا مطلب  
 تھا کہ غزوات کے متعلق کم روایت کی جائے، اس سے فرایض اور سنن مقصود نہیں، شاہ  
 ولی اللہ صاحب۔ دارمی کے قول کو نقل کر کے لکھتے ہیں، میرے نزدیک، آنحضرتؐ کے خیال  
 اور عادات کی حدیثیں مراد ہیں۔ کیونکہ ان سے کوئی غرض شرعی متعلق نہیں یا وہ حدیثیں مقصود  
 ہیں جنکے حفظ اور ضبط میں کافی اہتمام نہیں کیا گیا۔

ہمارے نزدیک ان تاویلات کی ضرورت نہیں۔ حضرت عمرؓ کا مقصد خود انھنی کی تصریح سے  
 معلوم ہو سکتا ہے، مورخ بلاذری نے جو محدث بھی ہیں، انساب الاشراف میں روایت کی ہے  
 کہ لوگوں نے اُن سے کوئی مسئلہ پوچھا تو انھوں نے فرمایا۔

حضرت عمرؓ  
 کو روایت  
 کرنے کی وجہ

لَوْلَا اِنِّي لَكَاَنَّ اَزِيدُ فِي الْحَدِيثِ اَوْ نَقُصُّ  
لِحَدَّثْتُكَ بِهِ ۝  
یعنی اگر مجھے یہ ڈر نہ تھا کہ حدیث کی روایت کرنے میں مجھے کچھ کمی  
بیشی ہو جائیگی تو میں حدیث بیان کرتا۔

موتخ مذکور نے اس روایت کو بسند متصل روایت کیا ہے اور اس کے رُوات یہ ہیں، محمد بن  
سعد، عبد الحمید بن عبد الرحمن الحنفی، نعمان بن ثابت (یعنی امام ابو حنیفہ) موسیٰ بن طلحہ، ابو ابراہیم  
حضرت عمر کو اپنی نسبت جو ڈر تھا وہی اور دن کی نسبت بھی ہونا چاہئے تھا۔ اس خیال  
کی تصدیق اس سے اور زیادہ ہوتی ہے کہ عبد اللہ بن مسعود جو مقامات علمی میں حضرت عمر  
کے تربیت یافتہ خاص تھے، انکی نسبت محدثین نے لکھا ہے۔

بِسْنَدٍ فِي الرِّوَايَةِ وَيَنْجُزُ تِلَاذَةً عَنْ  
التَّهَامِ فِي ضَبْطِ الْاَلْفَاظِ  
یعنی ”وہ روایت میں سنجی کرتے تھے اور اپنے شاگردوں کو ڈانٹتے  
رہتے تھے کہ الفاظ حدیث کے محفوظ رکھنے میں بے پروائی نہ کریں۔“

محدثین نے یہ بھی لکھا ہے کہ وہ کم حدیثین روایت کرتے تھے یہاں تک کہ سال سال بھر  
قَالَ رَسُولُ اللَّهِ نِينَ کہتے تھے۔ حضرت عمر کو روایت کے بارے میں جو احتیاط تھی۔ اگرچہ  
اُن سے پہلے بھی اکابر صحابہ کو تھی، علامہ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں حضرت ابو بکر کے حال  
میں لکھا ہے کہ ”سب سے پہلے جس نے احادیث کے باب میں احتیاط کی وہ ابو بکر تھے،  
علامہ موصوف نے حاکم سے یہ بھی روایت کی ہے کہ ”حضرت ابو بکر نے ۵۰۰ حدیثیں قلب بند کی  
تھیں لیکن پھر انکو آگ میں جلادیا اور کہا کہ ممکن ہے کہ میں نے ایک شخص کو ثقہ سمجھا کر اس کے  
ذریعہ سے روایت کی ہو اور وہ درحقیقت ثقہ نہ ہو۔“

لہ تذکرۃ الحفاظ تذکرۃ عبد اللہ بن مسعود ۱۰۰ تذکرۃ الحفاظ جلد اول صفحہ ۱۴ سطر ۳۔

لیکن حضرت عمر کی احتیاط اور دیگر صحابہ کی احتیاط میں فرق تھا، اور صحابہ صرف راوی کے ثقہ و عدم ثقہ ہونے کا لحاظ رکھتے تھے، لیکن حضرت عمر راوی کے ثقہ ہونے کے ساتھ بھی اس بنا پر احتیاط ملحوظ رکھتے تھے کہ راوی نے واقعہ کی پوری حقیقت سمجھی یا نہیں۔ حضرت عائشہ نے اسی بنا پر حضرت ابو ہریرہؓ پر اکثر مواخذات کئے ورنہ حضرت ابو ہریرہؓ کے ثقہ ہونے میں انکو بھی کلام نہ تھا۔

حضرت عمر کی روک ٹوک اور ضبط و احتیاط سے اگرچہ یہ نتیجہ ضرور ہوا کہ حدیثیں کم روایت کی گئیں لیکن جس قدر روایت کی گئیں وہ ہر قسم کے احتمالات سے بے دافع تھیں، انکے بعد اگرچہ احادیث کو بہت وسعت ہو گئی لیکن اعتماد اور قوت کا وہ پایہ نہ رہا۔ شاہ ولی اللہ صاحب نے نہایت سچ لکھا کہ دہر چند جمیع صحابہ عدول اندر روایت ہمہ مقبول، و عمل بموجب اپنہ بروایت صدوق ازیشان ثابت شود، لازم، اما در میان اپنہ از حدیث و فتنہ دوزن فاروق اعظم بود، و اپنہ بعد از حدیث حادث شدہ فرق مابین التملوت و الاخرین ست۔

حضرت عمر نے احادیث کے متعلق احتیاط اور تشدد کا جو خیال پیدا کیا وہ اگرچہ رواج عام نہ پاسکا، لیکن محققین صحابہ میں یہ خیال بے اثر نہیں رہا۔ عبد اللہ بن مسعود کی نسبت عام شہرت ہے اور سند دارمی وغیرہ میں جا بجا تصریح ہے کہ احادیث کی روایت کے وقت انکے چہرے کا رنگ بدل جاتا تھا اور جب آنحضرت کے الفاظ بیان کرتے تھے تو کہتے جاتے تھے کہ آنحضرت نے یہ لفظ فرمایا تھا یا شاید اس کے مشابہ، یا اس کے قریب، یا اس کے مثل، ابو دواہ

صحابہ میں جو لوگ کم روایت کرتے آتے تھے

اور حضرت انس جو بہت بڑے صحابی تھے انکا بھی یہی حال تھا۔ امام شعبی کا بیان ہے کہ میں  
عبداللہ بن عمر کے ساتھ سال بھر رہا۔ اس مدت میں اُن سے صرف ایک حدیث سنی۔ ثابت  
بن قتبۃ الانصاری کی روایت ہے کہ عبداللہ بن عمر ہمیشہ بھر میں صرف دو تین حدیث روایت  
کرتے تھے، سایب بن یزید کا قول ہے کہ میں سعد قاص کے ساتھ مکہ سے مدینہ مک گیا اور  
آیا۔ لیکن انھوں نے اس مدت میں ایک حدیث بھی روایت نہیں کی، چنانچہ یہ تمام دہشت  
اور روایتیں، صحیح دارمی میں بہ سند متصل منقول ہیں۔

سند اور روایت کے متعلق حضرت عمر نے جو مقدم اصول قائم کئے، انکو اجمالاً یوں  
بیان کیا جاسکتا ہے۔

(۱) روایت کا باللفظ ہونا ضرور ہے۔

(۲) محض راوی کا ثقہ ہونا۔ روایت کے اعتماد کے لئے کافی نہیں۔

(۳) خبر واحد میں تاہیدی شہادت کی حاجت ہے جبکو محدثین کی اصطلاح میں تملع اور  
شاہد کہتے ہیں۔

(۴) خبر واحد ہمیشہ قابلِ محبت نہیں ہوتی۔

(۵) روایت کے اعتبار میں موقع اور محل کی خصوصیات کا لحاظ شرط ہے۔

فقہ کا فن تمام تر حضرت عمر کا ساختہ و پرداختہ ہے، اس فن کے متعلق انکی قابلیت  
اور افضلیت کا تمام صحابہ کو اعتراف تھا۔ سند دارمی میں ہے کہ خذیفہ بن الیمان نے

لکھا کہ ”قتوی دینا اُس شخص کا کام ہے جو، یا امام ہو، یا قرآن کے نسخ و منسوخ جانتا ہو، لوگوں نے پوچھا کہ ایسا کون شخص ہے؟ خلیفہ نے کہا عمر بن خطاب، ”عبداللہ بن مسعود کا قول ہے کہ ”اگر تمام عرب کا علم، ایک پتہ میں رکھا جائے اور عمر کا علم، دوسرے پتہ میں، تو عمر کا پتہ بھاری رہے گا“، علامہ ابواسحق شیرازی نے جو مدرسہ نظامیہ کے مدرس اعظم تھے، فقہا کے حالات میں ایک کتاب لکھی ہے، اس میں حضرت عمرؓ کے تذکرہ میں، صحابہ و تابعین کے اس قسم کے بہت سے اقوال نقل کئے ہیں اور اخیر میں لکھا ہے۔

ولو لا خوف الاطالة لذكرت من فقهه  
یعنی اگر تطویل کا خوف نہ ہوتا تو میں حضرت عمرؓ کے فتویٰ اور ان میں  
ما یتحیر فیہ کل قاضٍ۔  
فقہ کے اصول پاؤں گا جن، اس قدر لکھا کہ فضلا حیران رہ جاتے۔

علامہ موصوف نے جس چیز کو قلم انداز کیا ہم اس کو کسی قدر تفصیل کے ساتھ آگے چل کر لکھیں گے لیکن پہلے یہ بتانا ہے کہ فقہ کے جس قدر سلسلے آج اسلام میں قائم ہیں، سب کا مرجع، حضرت عمرؓ کی ذات بابرکات ہے۔ بلاد اسلام میں جو مقامات فقہ کے مرکز مانے جاتے ہیں وہ یہ ہیں۔ مکہ معظمہ۔ مدینہ منورہ۔ بصرہ۔ کوفہ۔ شام۔ اس انتساب کی وجہ یہ ہے کہ فقہ کے بڑے بڑے شیوخ اور بانی فن، انہی مقامات کے رہنے والے تھے۔ مثلاً۔ مکہ معظمہ کے شیخ عبداللہ بن عباس تھے۔ مدینہ منورہ کے زید بن ثابت، و عبداللہ بن عمر، کوفہ کے۔ حضرت علیؓ عبداللہ بن مسعود۔ و ابوموسیٰ اشعری، شام کے ابودرداء و معاذ بن حیل۔ انہیں (حضرت علیؓ کے سوا) اکثر بزرگ حضرت عمرؓ کی صحبت سے مستفید ہوئے تھے، اور خاص کر عبداللہ بن عباس و عبداللہ

فقہ کے تمام  
سلسلوں کے  
مرجع، حضرت  
عمرؓ ہیں

بن عمر و عبد اللہ بن مسعود تو ان کے ساتھ وپرداختہ تھے۔ عبد اللہ بن مسعود کا قول ہے کہ عمر کے ساتھ ایک ساعت کا بیٹھنا میں سال بھر کی عبادت سے بہتر جانتا ہوں، عبد اللہ بن عباس کو حضرت عمر نے گویا اپنے دامن تربیت میں پالا تھا۔ یہاں تک کہ لوگوں کو اسپر رشک ہوتا تھا صحیح بخاری میں خود حضرت عبد اللہ بن عباس سے روایت ہے کہ حضرت عمر مجھ کو شیخِ بر کے ساتھ بٹھایا کرتے تھے، اسپر بعض بزرگوں نے کہا کہ آپ اس نو عمر کو ہمارے ساتھ کیوں شریک کرتے ہیں، اور ہمارے لڑکوں کو جو ان کے ہمسر ہیں کیوں یہ موقع نہیں دیتے، حضرت عمر نے فرمایا: ”دیہ شخص ہے جسکی قابلیت تکو بھی معلوم ہے۔“

محدث عبد البر نے استیعاب میں لکھا ہے۔ کان عمر حیث بن عباس یقرۃ یعنی حضرت عمر ابن عباس کو محبوب رکھتے تھے اور ان کو تقرب دیتے تھے، اکثر ایسا ہوتا کہ حضرت عمر کی مجلس میں کوئی مسئلہ پیش ہوتا، عبد اللہ بن عباس اس کا جواب دینا چاہتے، لیکن کم سنی کی وجہ سے جھجکتے، حضرت عمر انکی ہمت بندھاتے اور فرماتے کہ علم، سن کی کمی اور زیادتی پر موقوف نہیں ہے، کوئی شخص اگر عبد اللہ بن عباس کے مجتہدات کو حضرت عمر کے مسائل سے ملائے تو صاف نظرائیگا کہ دونوں میں استاد اور شاگرد کا تناسب ہے۔

عبد اللہ بن عمر حضرت عمر کے فرزند ہی تھے۔ زید بن ثابت۔ برسوں حضرت عمر کی صحبت میں تحریر کا کام کرتے رہے تھے۔ امام شعبی کا بیان ہے کہ عمر عبد اللہ بن مسعود اور زید بن ثابت باہم ایک دوسرے سے استفادہ کرتے تھے اور اسی وجہ سے ان کے مسائل باہم

ملتے جلتے ہیں،۔

محدثین کا عام بیان ہے کہ رسول اللہ کے اصحاب میں چھ شخص تھے جن پر علم فہم

کا مدار تھا۔ عمر، علی، عبداللہ بن مسعود، ابی بن کعب، زید بن ثابت، ابو موسیٰ

اشعری، امام محمد نے کتاب الآثار میں روایت کی ہے سِتَّةٌ مِّنْ اصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَذَكَّرُونَ الْفِقْهَ بَيْنَهُمْ۔ علی بن ابی طالب و ابی و ابو موسیٰ

عَلِيَّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ و ابی و ابو موسیٰ، یعنی اصحاب رسول اللہ میں سے چھ شخص تھے جو

ہم مسائل فقہیہ میں بحث و مذاکرہ کرتے تھے علی، ابی۔ اور ابو موسیٰ اشعری ایک ساتھ، اور حضرت

عمر، زید۔ اور ابن مسعود ایک ساتھ، صفوان بن سلیم کا قول ہے۔ لَمْ يَكُنْ يَفْقَهُ فِي زَمَنِ النَّبِيِّ

صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غَيْرَ عُمَرَ وَ عَلِيٍّ وَ مَعَاذٍ وَ ابِي مُوسَىٰ عَنِی أَنْفَرْتَ كَ زَمَانِی مِنْ صَرَفِ

چار شخص فتوے دیتے تھے عمر، علی، معاذ، ابو موسیٰ، امام شعبی کا قول ہے كَانَ الْعِلْمُ

يُؤْخَذُ عَنْ سِتَّةٍ مِنَ الصَّحَابَةِ عَنِی عِلْمُ چھ صحابہ سے لیکھا جاتا تھا،۔

اگرچہ یہ تحدید، بظاہر مستبعد معلوم ہوتی ہے، کیونکہ ہزاروں صحابہ میں صرف ۴ یا ۵ مقتنون

کی تعداد، خلاف قیاس معلوم ہوتی ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ بہت سے مسائل ایسے ہیں

جن میں حدیث صحیح، صاف اور مصرح موجود ہے اور کوئی دوسری حدیث اسکے معارض بھی

نہیں، ان مسائل کے لئے فقط احادیث کا جانا کافی ہے۔ اسکے برخلاف بہت سے

مسائل ایسے ہیں جسکی نسبت، حدیث میں کوئی حکم متصرح موجود نہیں۔ بلکہ قواعد استنباط کے

۱۔ فتح البزٹ صفحہ ۳۸۱۔ ۲۔ مذاکرہ احادیث علامہ زہبی ذکر ابو موسیٰ اشعری۔ ۳۔ فتح البزٹ صفحہ ۳۸۱۔

۴۔ فتح البزٹ صفحہ ۳۸۱۔ ۵۔ فتح البزٹ صفحہ ۳۸۱۔ ۶۔ فتح البزٹ صفحہ ۳۸۱۔

۷۔ فتح البزٹ صفحہ ۳۸۱۔ ۸۔ فتح البزٹ صفحہ ۳۸۱۔ ۹۔ فتح البزٹ صفحہ ۳۸۱۔

۱۰۔ فتح البزٹ صفحہ ۳۸۱۔ ۱۱۔ فتح البزٹ صفحہ ۳۸۱۔ ۱۲۔ فتح البزٹ صفحہ ۳۸۱۔

۱۳۔ فتح البزٹ صفحہ ۳۸۱۔ ۱۴۔ فتح البزٹ صفحہ ۳۸۱۔ ۱۵۔ فتح البزٹ صفحہ ۳۸۱۔

صحابہ میں چھ  
شخص فقہ  
کے امام تھے



ذریعہ سے حکم مستخرج ہوتا ہے، یا حکم کی تصریح ہے لیکن اور حدیثین اسکی معارض ہیں، ایسی صورتوں میں اجتہاد اور استنباط کی ضرورت پڑتی ہے اور فقہ دراصل اسی کا نام ہے، صحابہ میں ایسے بہت سے بزرگ تھے جو پہلی قسم کے مسائل کے متعلق فتویٰ دیتے تھے اور مفتی کہلاتے تھے چنانچہ انکی تعداد ۲۰ تک پہنچتی ہے، لیکن دوسری قسم کے مسائل کا فیصلہ کرنا انھی لوگوں کا کام تھا جو فن کے بانی اور امام تھے اور اس درجے کے لوگ وہی چھ بزرگ تھے جنکا ذکر اوپر کذا شاہ ولی اللہ صاحب چار صاحبوں یعنی عمر علی - ابن مسعود - ابن عباس کا نام لکھ کر لکھتے ہیں۔

وَمَا غَيْرُهُمْ وَلَا عِلْمُ الْأَرْبَعَةِ فَمَا نَوَابِرُ وَلَا دَلَالَةٌ  
وَلَكِنْ مَا كَانُوا يَتَّبِعُونَ الدِّكْنَ وَالشَّرْطَ مِنَ  
الْأَدَابِ وَالسُّنَنِ وَكَوْنُكُمْ لَهُمْ قَوْلًا عِنْدَ  
تَعَارُضِ الْأَخْبَارِ وَتَقَابُلِ الدَّلَائِلِ الْأَقْلِيلِ  
كَأَبْنِ عُمَرَ وَعَائِشَةَ وَزَيْدَ بْنَ ثَابِتٍ -  
یعنی ان چار کے سوا باقی ہر لوگ تھے وہ مطالب سمجھتے تھے لیکن  
آداب سنن اور ارکان و شرائط میں امتیاز و تفریق  
نہیں کر سکتے تھے - اور جہاں حدیثیں متعارض ہوتی تھیں اور  
دلائل میں تقابل ہوتا تھا وہاں وہ (بجز بعض بعض موقعوں کے)  
داخل نہیں تھے مثلاً ابن عمر - عائشہ - زید بن ثابت -

بہر حال مجتہدین صحابہ ۶ سے زیادہ نہ تھے۔ انکی کیفیت یہ ہے کہ حضرت علی کے مصحبت اکثر  
وہ لوگ تھے جو فن حدیث و روایت میں بلند پایہ نہ تھے۔ صحیح مسلم کے مقدمہ میں ہے کہ وہ عبد اللہ  
بن مسعود کے ساتھیوں کے سوا، حضرت علی سے جن لوگوں نے روایتیں کیں، ان پر اعتبار  
نہیں کیا جاتا تھا، معاذ بن جبل کو خود حضرت عمر نے تعلیم و روایت کے لئے شام بھیجا تھا۔  
لیکن انکا سلسلہ میں انتقال ہو گیا، اس لئے جیسا کہ شاہ ولی اللہ صاحب نے لکھا ہے



دقیق مسائل  
میں دقتاً و  
تعملاً سے  
پہنچا

متعلق انکو مرتے دم تک کا دش رہی اور کوئی قطعی رائے نہ قائم کر سکے، سند دارمی میں ہے کہ دادا کی میراث کے متعلق آنھوں نے ایک تحریر لکھی تھی لیکن مرنے کے قریب انکو منگو کر مٹا دیا اور کہا کہ آپ لوگ خود اسکا فیصلہ کیجیے گا، اسی کتاب میں یہ روایت بھی ہے کہ جب حضرت عمر زخمی ہوئے تو صحابہ کو بلا کر کہا کہ میں نے دادا کی میراث کی نسبت رائے قائم کی تھی، اگر آپ لوگ چاہیں تو اسکو قبول کریں، حضرت عثمان نے کہا آپ کی رائے ہلوگ قبول کریں تب بھی بہتر ہے لیکن ابو بکر کی رائے مانیں تو وہ بڑے صاحب رائے تھے، اکثر کہا کرتے تھے کہ کاش رسول اللہ میں مسکن کے متعلق کوئی تحریر قلمبند فرما جاتے کلاۃ دادا کی میراث۔ بابا کی بعض اقسام، مسائل فقہیہ کے متعلق انکو جو کہ وہ دش رہتی تھی اسکے اندازہ کرنے کے لئے ذیل کی مثال کافی ہوگی، ورثہ کے بیان میں خدا نے ایک قسم کے وارث کو کلا سے تعبیر کیا ہے لیکن چونکہ قرآن مجید میں اسکی تعریف مفصل نہ ہو گئی اس لئے صحابہ میں اختلاف تھا کہ کلا میں کون کون ورثہ داخل ہیں۔ حضرت عمر نے خود آنحضرت سے چند بار فریاد کیا۔ سپر تسلی نہیں ہوئی تو حضرت حفصہ کو ایک یادداشت لکھ کر دی کہ رسول اللہ سے دریافت کرنا، پھر اپنی خلافت کے زمانے میں تمام صحابہ کو جمع کر کے اس مسئلے کو پیش کیا۔ لیکن ان تمام باتوں پر انکو کافی تسلی نہیں ہوئی اور فرمایا کرتے تھے کہ رسول اللہ صلم اگر تین چیزوں کی حقیقت بتا جائے تو مجھکو دنیا اور ما فیہا سے زیادہ عزیز ہو تی۔ خلافت۔ کلا۔ ربا چنانچہ ان تمام واقعات کو محدث عماد الدین بن کثیر نے صحیح حدیثوں کے حوالہ سے اپنی تفسیر قرآن میں نقل کیا ہے۔

چونکہ انکے زمانے میں فتومات نہایت تیزی سے بڑھتی جاتی تھیں اور تہذیب روز بروز ترقی کر رہا تھا

فتوحات کی  
دست کی  
وجہ سے  
نئے مسئلوں کا  
پیدا ہونا

اسیے نہایت کثرت سے معاملات کی نئی نئی مجلسیں پیش آتی تھیں۔ اگرچہ ہر جگہ قاضی اور مفتی مقرر تھے اور یہ لوگ اکثر اکابر صحابہ میں سے تھے تاہم بہت سے مسائل میں وہ لوگ عاجز آتے تھے اور بارگاہ خلافت کی طرف رجوع کرنا پڑتا تھا، اس بنا پر حضرت عمر کو بہت سے پیچیدہ اور غیر مخصوص مسائل پر غور و فکر کرنے کی ضرورت پیش آئی، انکے فتوے جو نہایت کثرت سے تمام کتابوں میں منقول ہیں، زیادہ تر انہی مسائل کے متعلق ہیں جو ممالک مختلفہ سے انکے پاس جواب کے لئے آئے، چنانچہ مصنف بن ابی شیبہ وغیرہ میں فتوؤں کے ساتھ، فترے پوچھنے والوں کے نام بھی موجود ہیں، مثلاً عبداللہ بن مسعود، عمار بن یاسر، ابو موسیٰ اشعری، ابو عبیدہ جراح، مغیرہ بن شعبہ، وغیرہ وغیرہ،

لوگوں کا حضرت  
عمر سے اتفاق  
کرنا

حضرت عمر، اگرچہ خود بہت بڑے فقیہ تھے اور تنہا انکی رائے بھی فتوے کے لئے کافی ہوتی تھی تاہم احتیاط کے لئے وہ اکثر مسائل کو عموماً صحابہ کی مجلس میں پیش کرتے تھے اور ان پر نہایت آزادی اور نکتہ سنجی کے ساتھ بحثیں ہوتی تھیں، علامہ بلاذری نے کتاب الاشراف میں لکھا ہے کہ حضرت عمر نے کسی ایسے مسئلہ کو، جو ان سے پہلے طے نہیں ہوا تھا بغیر صحابہ کے مشورے کے فیصلہ نہیں کیا، شاہ ولی اللہ صاحب - حجة اللہ بالانہ میں لکھتے ہیں -

صحابہ کے مشورے  
سے مسائل  
کو طے کرنا

اَكَانَ مِنْ سِيَرَةِ عُمَرَ اَنَّهُ كَانَ يَسْأَلُ الصَّحَابَةَ وَيُنَظِّرُهُمْ حَتَّى تَنْكَشِفَ الْعَمَةُ وَيَأْتِيَ الشَّلْحَ فَصَارَ غَالِبُ فَصَايَاهِ وَقَفَاوَاكَ مُتَّبِعَةً فِي مَشَارِقِ الْأَرْضِ وَمَغَارِبِهَا	حضرت عمر کی عادت تھی کہ صحابہ سے مشورہ اور مذاکرہ کرتے تھے یہاں تک کہ پردہ اٹھ جاتا تھا اور یقین آجاتا تھا۔ اسی وجہ سے حضرت عمر کے فتوؤں کی تمام مشرق و مغرب میں پسروی کی گئی۔
--	--

حضرت عمر نے جن مسائل کو صحابہ کے مجمع میں پیش کر کے طے کیا انکی تعداد کچھ کم نہیں اور

سائل جاہلیہ

کتب احادیث و آثار میں انکی پوری تفصیل ملتی ہے مثلاً یہی نے روایت کی ہے کہ غسل جنابت کی ایک صورت خاص میں ذہنی ہے اسکی تصریح بھی کی ہے، صحابہ میں اختلاف تھا، حضرت عمرؓ نے حکم دیا کہ مہاجرین اور انصار جمع کئے جائیں چنانچہ متفقہ مجلس میں وہ مسئلہ پیش ہوا، تمام صحابہ نے ایک رائے پر اتفاق کیا لیکن حضرت علیؓ اور معاذ مخالف رہے، حضرت عمرؓ نے کہا جب آپ لوگ اصحاب برابر ہو کر مختلف رائے ہیں تو آگے چل کر کیا حال ہوگا، غرض ازواج مطہرات کے فیصلے پر معاملہ اٹھا رکھا گیا اور انھوں نے جو فیصلہ کیا حضرت عمرؓ نے اسی کو نافذ و جاری کر دیا۔ اسی طرح جنازہ کی تکبیر کی نسبت صحابہ میں بہت اختلاف تھا۔ حضرت عمرؓ نے صحابہ کی مجلس منعقد کی جس میں یہ فیصلہ ہوا کہ آنحضرتؐ کے اخیر معمول کا پتہ لگایا جائے چنانچہ دریافت سے ثابت ہوا کہ جنازہ کی اخیر نماز جو آنحضرتؐ نے پڑھی اس میں چار تکبیریں تھیں ”اس طرح اور بہت سے مسائل ہیں لیکن یہ تفصیل کا محل نہیں،“

حضرت عمرؓ کے  
سائل فقیہ  
کی تعداد

فقہ کے جس قدر مسائل، حضرت عمرؓ سے بروایات صحیحہ منقول ہیں انکی تعداد کئی ہزار تک پہنچتی ہے، ان میں سے تقریباً ہزار سے ایسے ہیں جو فقہ کے مقدم اور اہم مسائل میں اور ان تمام مسائل میں ایک لکھ سے زائد انکی تقلید کی ہے۔ شاہ ولی اللہ صاحب لکھتے ہیں ”وہ چھپن مجتہدین، دررؤس مسائل فقہ“ تابع مذہب فاروقی، اعلم اندوین قریب ہزار مسئلہ باشند، مصنف بن ابی شیبہ وغیرہ میں یہ مسائل منقول ہیں اور شاہ ولی اللہ صاحب نے انکی مدد سے فقہ فاروقی پر ایک مستقل سا لکھ کر آلہ انفا میں شامل کر دیا، یہ تمام بحث، تدوین مسائل کی حیثیت سے تھی، لیکن فن فقہ کے متعلق، حضرت عمرؓ کا اصلی کام

اصول فقہ

اور چیز ہے، انھوں نے صرف یہ نہیں کیا کہ جزئیات کی تدوین کی بلکہ مسائل کی تفریع و استنباط کے اصول اور ضوابط قرار دئے جسکو آج کل اصول فقہ کے نام سے تعبیر کیا جاسکتا ہے۔

سب سے پہلا مرحلہ یہ تھا کہ آنحضرت سے جو اقوال و افعال منقول ہیں وہ کلیۃً مسائل کا ماخذ ہو سکتے ہیں یا انہیں کوئی تفریق ہے۔ شاہ ولی اللہ صاحب نے اس بحث پر حجۃ اللہ الباقۃ میں ایک نہایت مفید مضمون لکھا ہے جسکا خلاصہ یہ ہے۔ کہ آنحضرت سے جو افعال اور اقوال مروی ہیں، انکی دو قسمیں ہیں، ایک وہ جو منصب نبوت سے تعلق رکھتے ہیں، انکی نسبت خدا کا ارشاد ہے کہ مَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا۔ یعنی پیغمبر جو چیز تمکو دے وہ لو، اور جس چیز سے روکے اس سے باز رہو۔ دوسری وہ جسکو منصب رسالت سے تعلق نہیں جاپیچہ انکے متعلق خود آنحضرت نے ارشاد فرمایا۔

إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ إِذَا أَمَرْتُكُمْ بِشَيْءٍ مِنْ حَيْثُ كُنْتُمْ فَخُذُوا  
وَإِذَا أَمَرْتُكُمْ بِشَيْءٍ مِنْ رَأْيٍ فَإِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ

یعنی میں آدمی ہوں، اسلئے جب میں دین کی بابت کچھ حکم دوں، تو تمکو  
نہ اور جب اپنی رائے سے کچھ کھوں تو میں ایک آدمی ہوں۔

اسکے بعد شاہ ولی اللہ صاحب لکھتے ہیں کہ آنحضرت نے طب کے متعلق جو کچھ ارشاد فرمایا۔ یا جو افعال، آنحضرت سے عادتہ صادر ہوئے نہ عبادۃ، یا اتفاقاً واقع ہوئے نہ قصداً، یا جو باتیں آنحضرت نے، فرعونات عرب کے موافق بیان کیں۔ مثلاً ام نزع کی حدیث اور خرافہ کی حدیث، یا جو باتیں کسی جزئی مصلحت کے موافق اختیار کیں۔ مثلاً لشکر کشی اور اس قسم کے اور بہت سے احکام یہ سب دوسری قسم میں داخل ہیں۔

شاہ ولی اللہ صاحب نے احادیث کے مراتب میں جو فرق بتایا اور جس سے کوئی صاحبِ نظر اور احکامین کر سکتا، اس تفریقِ مراتب کے موجد و راصل حضرت عہدین کتب سیر اور احادیث میں تم نے اکثر چڑھا ہوگا کہ بہت سے ایسے موقع پیش آئے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی کام کرنا چاہا یا کوئی بات ارشاد فرمائی تو حضرت عمرؓ نے اس کے خلاف اسے ظاہر کی، مثلاً صحیح بخاری میں ہے کہ جب آنحضرتؐ نے عبد اللہ بن ابی کے جنازے پر نماز پڑھنی چاہی تو حضرت عمرؓ نے کہا کہ آپ، منافق کے جنازے پر نماز پڑھتے ہیں۔ قیدیوں اور برکے معاملے میں انکی رائے بالکل آنحضرتؐ کی تجویز سے الگ تھی، صلح حدیبیہ میں انھوں نے، آنحضرتؐ کی خدمت میں عرض کیا کہ اس طرح دب کر کیوں صلح کی جائے، ان تمام مثالوں سے تم خود اندازہ کر سکتے ہو کہ حضرت عمرؓ، ان باتوں کو منصبِ نبوت سے الگ سمجھتے تھے، ورنہ اگر باوجود اس امر کے علم کے کہ وہ باتیں منصبِ سالت سے تعلق رکھتی تھیں، ان میں دخل دیتے تو بزرگ ماندار کنار ہم آگے، اسلام کے دائرے سے بھی باہر سمجھتے۔ اسی فرقِ مراتب کے اصول پر بہت سی باتوں میں جو مذہب سے تعلق نہیں رکھتی تھیں اپنی رایوں پر عمل کیا مثلاً حضرت ابو بکرؓ کے زمانے تک اٹھات اولاد یعنی دم لونڈیاں جن سے اولاد پیدا ہو جائے، برابر خریدی اور بیچی جاتی تھیں حضرت عمرؓ نے اسکو بالکل روک دیا۔ آنحضرتؐ نے جنگِ تبوک میں حزیہ کی تعداد فی کس ایک دینار مقرر کی تھی، حضرت عمرؓ نے مختلف ملکوں میں مختلف شرمین مقرر کیں، آنحضرتؐ کے عہد میں، شراب کی کوئی خاص حد مقرر نہ تھی حضرت عمرؓ نے انسی کوڑے مقرر کئے۔

یہ ظاہر ہے کہ ان معاملات میں، آنحضرتؐ کے اقوال و افعال، اگر تشریحی حیثیت سے ہوتے تو حضرت عمرؓ کی کیا مجال تھی کہ ان میں کمی بیشی کر سکتے، اور خدا نخواستہ وہ کرنا چاہتے تو صحابہ کا گروہ

ایک لحظہ کے لئے بھی مسہر خلافت پر انکا بیٹھنا کب گوارا کر سکتا تھا،

حضرت عمر کو اس امتیاز مراتب کی جرأت، اسوجہ سے ہوئی کہ آنحضرتؐ کے متعدد اسکام میں جب انھوں نے دخل دیا تو آنحضرتؐ نے اسپرنا پسندیدگی بنین ظاہر کی، بلکہ متعدد معاملات میں حضرت عمر کی راسے کو اختیار فرمایا اور بعض موقعوں پر تو خود وحی الہی نے حضرت عمر کی راسے کی تائید کی۔ قیدیان بدر حجاب ازواج مطہرات۔ نماز بر جوازہ منافی۔ ان تمام معاملات میں، وحی جو آئی وہ حضرت عمر کی راسے کے موافق آئی۔

اس تفریق اور امتیاز کی وجہ سے، فقہ کے مسائل پر بہت اثر پڑا۔ کیونکہ جن چیزوں میں آنحضرتؐ کے ارشادات، منصب رسالت کی حیثیت سے نہ تھے، انہیں اس بات کا موقع باقی رہا کہ زمانے اور حالات موجودہ کے لحاظ سے نئے قوانین وضع کئے جائیں، چنانچہ معاملات میں حضرت عمر نے زمانے اور حالات کی ضرورتوں سے، بہت نئے نئے قاعدے وضع کئے جو آج حنفی فقہ میں بکثرت موجود ہیں، برخلاف اسکے امام شافعی کو یہاں تک کہ ہے کہ ترتیب فوج، تعیین شعار، تشخیص محاصل وغیرہ کے متعلق بھی وہ آنحضرتؐ کے اقوال کو تشریحی قرار دیتے ہیں، اور حضرت عمر کے افعال کی نسبت لکھتے ہیں کہ رسول اللہ کے سامنے کسی کے قول و فعل کی کچھ اصل بنیں۔

اس بحث کے بعد دوسرا مرحلہ خبر احاد دینیہ وہ حدیث جسکا راوی ایک سے زیادہ

اصول حدیث میں جس حدیث کے راوی ایک سے زیادہ لیکن شہرت یا قوت اثر کی حد سے کم ہوں وہ بھی خبر احاد میں داخل ہے

لیکن یہ بعد کی اصطلاح ہے، حضرت عمر کے زمانے تک اسکا وجود نہ تھا۔

خبر احاد کے  
قابل احتجاج  
ہونے کی بحث



نعم کی حیثیت احتجاج کا تھا، بہت سے اکابر اس قسم کی حدیثوں کو یہ درجہ دیتے ہیں کہ ان سے قرآن مجید کی منصوصات پر اثر پڑ سکتا ہے یعنی قرآن مجید کا کوئی حکم عام ہو تو خبر احاد سے اسکی تفصیل ہو سکتی ہے بلکہ اسکے ذریعے سے قرآن مجید کا حکم بھی منسوخ ہو سکتا ہے۔ امام شافعی کا یہی مذہب ہے۔ حضرت عمر کے نزدیک، خبر احاد سے ہر موقع پر احتجاج نہیں ہو سکتا۔ اسی بنا پر ذہن ملاقات استعاذ جنیں! خدیجی، مکان عباس بن عبد المطلب، تیمم جنابت، کے مسئلوں میں انھوں نے عمار بن یاسر ابو موسیٰ اشعری، مغیرہ بن شعبہ، ابی بن کعب، کی روایتوں کو اسوقت تک قابل حجت نہیں قرار دیا جب تک اور تابعی شہادتیں نہیں گزرین، چنانچہ تذکرۃ الحفاظ میں ان واقعات کو تفصیل سے لکھا ہے۔ اسی بنا پر وہ خبر احاد سے، قرآن مجید کی منسوخ یا تفصیل کو جائز نہیں قرار دیتے تھے، فاطمہ بنت قیس نے جب زن مطلقہ کی سکونت اور نفقہ کے متعلق، اپنی روایت سے، آنحضرت کی حدیث بیان کی تو چونکہ حضرت عمر کے نزدیک وہ حکم، قرآن مجید کی نص کے مخالفت تھا۔ فرمایا کہ ایک عورت کی روایت سے قرآن کا حکم نہیں ہل سکتا۔

امام شافعی اور ائمہ ہم خیالوں کا یہ استدلال ہے کہ خود حضرت عمر نے بہت سے واقعات میں اخبار احاد کو قبول کیا، لیکن امام صاحب نے یہ نہ خیال کیا کہ اس سے حضرت عمر کے اصول میں فرق نہیں آتا۔ حضرت عمر کا یہ مذہب ہے کہ ہر خبر احاد قابل احتجاج نہیں، نہ یہ کہ کوئی خبر احاد قابل احتجاج نہیں۔ ان دونوں صورتوں میں جو فرق ہے وہ ظاہر ہے، بہت سے واقعات ایسے ہوئے ہیں کہ ان میں تنہا ایک شخص کی شہادت کافی ہوتی ہے، چنانچہ روزمرہ کے کاموں میں ہر شخص اسی پر عمل کرتا ہے، لیکن بعض واقعات ایسے اہم اور نازک ہوتے ہیں جہاں خلی نسبت ایک دو شخص کی شہادت

کافی نہیں ہو سکتی، بلکہ یہ احتمال رہتا ہے کہ انھوں نے الفاظِ روایت، یا واقعہ کی کیفیت سمجھنے میں غلطی کی ہو، غرض ہر واقعہ اور ہر راوی کی حالت اور حیثیت مختلف ہوتی ہے، اور اسوجہ سے کوئی عام قاعدہ نہیں قرار پا سکتا۔ حضرت عمرؓ نے بے شبہ بہت سے موقوفون پر اخبارِ احاد سے استدلال کیا لیکن متعدد موقوفون پر اسکے خلاف بھی کیا۔ اس طریقِ عمل سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اخبارِ احاد میں خصوصیتِ حالات کو ملحوظ رکھتے تھے، اخبارِ احاد کے متعلق فقہاء محدثین میں سخت اختلاف آرا ہے اور بڑی بڑی طویل بحثیں پیدا ہو گئی ہیں، لیکن جہاں تک ہم نے ان تمام بحثوں کو دیکھا ہے حضرت عمرؓ کے مذہب میں جو حکمتِ سببی اور دقیقہ رسی پائی جاتی ہے اسکی نظیر کہیں نہیں ملتی لیکن اس موقع پر یہ تنبیہ کر دینی ضرور ہے کہ اخبارِ احاد کے قبول کرنے یا نہ کرنے میں حضرت عمرؓ کا جو اصول تھا اسکی بنا، صرف تحقیقِ حق تھی۔ اس زمانے کے آزاد خیالوں کی طرح نفس کی پیروی مقصود نہ تھی کہ جس حدیث کو چاہا صحیح مان لیا اور جسکو چاہا غلط کہلایا۔

کارِ پاکان را قیاس از خود مگیر گرچہ مانند در نوشن شیر و شیر

قیاس

فقہ کی توسیع اور تمام ضروریات کے لئے اسکا کافی ہونا، قیاس پر موقوف ہے، یہ ظاہر ہے کہ قرآن مجید اور احادیث میں، تمام جزئیات مذکور نہیں ہیں، اس لئے ضرور ہے کہ ان جزئیات کے فیصلہ کرنے کے لئے قیاس شرعی سے کام لیا جائے، اسی ضرورت سے ائمہ اربعہ یعنی امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی، امام احمد غنبل، سب قیاس کے قائل ہوئے ہیں اور انکے مسائل کا ایک بڑا ماخذ قیاس ہے، لیکن قیاس کی بنیاد اول جس نے ڈالی وہ حضرت عمر فاروق ہیں۔

عام لوگوں کا خیال ہے کہ قیاس کے موجد معاذ بن جبل ہیں، ان لوگوں کا استدلال یہ ہے

کہ جب آنحضرت نے معاذ کو مین بھیجا تو اُن سے استفسار فرمایا کہ کوئی مسئلہ پیش آئیگا تو کیا کرو گے، انھوں نے کہا کہ قرآن مجید سے جواب دوں گا، اور اگر شہر اُن و حدیث میں وہ صورت مذکور نہ ہوگی تو اجتہاد کر دوں گا، لیکن اس سے یہ استدلال نہیں ہو سکتا کہ انکی مراد قیاس سے تھی۔ اجتہاد قیاس پر منحصر نہیں، ابن خزم و داؤد ظاہری وغیرہ سب سے قیاس کے قائل نہ تھے حالانکہ اجتہاد کا درجہ رکھتے تھے اور مسائل شرعیہ میں اجتہاد کرتے تھے۔ سند دارمی میں یہ سند مذکور ہے کہ حضرت ابو بکر کا معمول تھا کہ جب کوئی مسئلہ پیش آتا تو قرآن مجید کی طرف رجوع کرتے، قرآن میں وہ صورت مذکور نہ ہوتی، تو حدیث سے جواب دیتے، حدیث بھی نہ ہوتی تو اکابر صحابہ کو جمع کرتے اور انکے اتفاق رائے سے جو امر قرار پاتا اسکے مطابق فیصلہ کرتے، اس سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ حضرت ابو بکر کے زمانے تک، مسائل کے جواب میں قرآن مجید۔ حدیث، اور اجماع سے کام لیا جاتا تھا۔ قیاس کا وجود نہ تھا۔

حضرت عمر نے ابوسہمی اشعری کو قضا کے متعلق جو تحریر بھیجی اس میں قیاس کی صاف ہدایت کی چنانچہ اسکے یہ الفاظ ہیں:-

الْفَهْمُ الْفَهْمُ نِيْمًا يَخْتَلِفُ فِي صَدْرِهِ لِمَا يَلْبَغُ  
 فِي الْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ - وَاعْرِضْ الْأَمْثَالَ  
 الْأَشْبَاهَ - ثُمَّ فَتِّ الْأُمُورَ عِنْدَ ذَلِكَ

جو چیز تکو قرآن و حدیث میں نہ ملے اور تکو اسکی نسبت شبہ ہو اس پر غور کرو اور خوب غور کرو، اسکے ہم صورت اور ہم شکل واقعات کو دریافت کرو پھر اُن سے قیاس کرو۔

۱۰ یہ حدیث۔ سند دارمی مطبوعہ نقای صفحہ ۳۴ میں مذکور ہے۔ ۱۱ سند دارمی صفحہ ۳۲۔ ۱۲ یہ روایت

دارقطنی میں مذکور ہے دیکھو رازانہ صفحہ ۸۶۔

اصول فقہ کی کتابوں میں قیاس کی یہ تعریف لکھی ہے۔

تَقْرِيبُ الْحَاكِمِ مِنَ الْاِحْصَالِ إِلَى الْفَرْعِ لِغَلَبَةِ مُتَحَدِّ نَحْوِ | اس حکم کو فرع کہہ جائیگا کسی ایسی علت کی وجہ سے جو دونوں میں مشترک ہو۔

مثلاً آنحضرت نے گیموں جو وغیرہ کا نام لے کر فرمایا کہ ”انکو برابر پر دو برابر سے زیادہ لوگے تو سود ہو جائیگا“ اس مسئلے میں قیاس اس طرح جاری ہوگا کہ آنحضرت نے گویہ خاص اشیاء کے نام لئے لیکن یہ حکم ان تمام اشیاء میں جاری ہوگا جو مقدار اور نوعیت رکھتے ہیں مثلاً اگر کوئی شخص کسی کو سیر بھر چو نہ دے، اور اُس سے اُسی مہر کا چو نہ سوا سیر لے یا سیر بھر ہی لے لیکن اُس سے عمرہ مہر کا لے تو سود ہو جائیگا۔ اصولیت کے نزدیک قیاس کے لئے مقدم دو شرطیں ہیں (۱) جو مسئلہ قیاس سے ثابت کیا جا سکے وہ منصوص نہ ہو یعنی اُسکے بارے میں کوئی خاص حکم موجود نہ ہو (۲) مقیس اور مقیس علیہ زین علت مشترک ہو۔ حضرت عمر کی تحریر میں ان دونوں شرطوں کی طرف اشارہ بلکہ تصریح موجود ہے پہلی شرط کو ان الفاظ میں بیان کیا عَمَّا كَوَّلَعْتَ فِي الْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ اور دوسری شرط ان الفاظ سے ظاہر ہوتی ہے وَاعْرِفَ الْاَهْتِمَالَ وَلَا كَشِبَاةً تَشْتَقُّشِ الْاَعْمُورَ۔

ان نہات اصول کے سوا آنحضرت عمر نے تنبیاط احکام اور تفریع مسائل کے اور بہت سے قواعد مقرر کئے جو آج ہمارے علم اصول فقہ کی بنیاد ہیں لیکن انکی تفصیل سے پہلے ایک نکتہ سمجھ لینا چاہئے۔ یہ امر مسلم ہے کہ امام ابوحنیفہ و امام مالک وغیرہ مسائل فقہیہ میں نہایت مختلف الراے ہیں اس اختلاف راے کی وجہ کمین کمین تو یہ ہے کہ بعض مسائل میں ایک صاحب کو حدیث صحیح علی اور دوسرے کو نہیں لیکن عموماً اختلاف کا یہ سبب ہے کہ ان صاحبوں کے اصول تنبیاط و اجتہاد مختلف تھے۔ چنانچہ اصول فقہ کی کتابوں میں ان مختلف فیہ اصولوں کو تفصیل لکھا ہے۔ لیکن اُس سے یہ

نہیں سمجھنا چاہیے کہ ان ایہ نے صراحت وہ اصول بیان کئے تھے، امام شافعی نے بے شبہ ایک رسالہ لکھا ہے جس میں اپنے چند اصول منضبط کئے ہیں، لیکن امام ابو حنیفہ و امام مالک وغیرہ سے ایک قاعدہ بھی صراحت منقول نہیں۔ بلکہ ان بزرگوں نے مسائل کو جس طرح استنباط کیا یا مسائل کے متعلق جو تقریر کی اُس سے ثابت ہوتا ہے کہ انکا استنباط خواہ مخواہ ان اصول کی بنا پر ہے۔ مثلاً ایک امام نے قرآن کی اس آیت سے اِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ فَاسْتَعِزْ بِالذِّكْرِ وَالصَّبْرِ استدل کیا کہ مقتدی کو امام کے پیچھے قرأت فاتحہ پڑھنا چاہئے کسی نے اُن سے کہا کہ یہ آیت تو خطبہ کے بارے میں اُتری تھی انھوں نے کہا کہ آیت کسی بارے میں اُتری ہو لیکن حکم عام ہے اس سے صاف معلوم ہوا کہ وہ اس اصول کے قائل تھے۔ الْعِبْرَةُ لِعُمُومِ الْكَلِمَةِ لَا لِحُصُولِ السَّبَبِ یعنی سبب کا خاص ہونا۔ حکم کی تعلیم پر کچھ اثر نہیں کرتا۔

اصول فقہ میں امام ابو حنیفہ وغیرہ کے جو اصول مذکور ہیں، وہ اسی قسم کی صورتوں سے مستنبط کئے گئے ہیں، ورنہ ان بزرگوں سے صراحت یہ قاعدے کہیں منقول نہیں۔

حضرت عمر کی نسبت ہمارا یہ دعویٰ کہ انھوں نے استنباط مسائل کے اصول قائم کئے، اسی بنا پر ہے، اکثر مسائل جو انھوں نے طے کئے صحابہ کے مجمع میں بحث و مناظرہ کے بعد طے کئے۔ ان موقعوں پر انھوں نے جو تقریریں کیں، انکے استقصار سے بہت سے اصول قائم ہوتے ہیں۔ اکثر مسائل میں مناقض روایتیں یا ماخذ استدلال موجود ہوتے تھے اس لئے انکو فیصلہ کرنا پڑتا تھا کہ دونوں میں سے کسکو ترجیح دیجائے کسکو ناسخ ٹھیرایا جائے کسکو منسوخ، کسکو عام ٹھیرایا جائے کسکو خاص، کسکو موقت مانا جائے کسکو مؤبد، اس طرح نسخ، تخصیص، تطبیق وغیرہ کے متعلق بہت سے

اصول متائم ہو گئے، عام طور پر فتویٰ دینے کے وقت بھی انکی تقریر سے انکسی اصول کی طرف اشارہ پایا جاتا تھا۔ مثلاً ایک شخص نے اُن سے آکر کہا کہ ”میرے غلام کے بات کاٹنے کا حکم دیجیے کیونکہ اُسے میری بی بی کا آئینہ چُرایا جسکی قیمت ۶۰ درہم تھی“، فرمایا کہ تمہارا غلام تھا اور تمہاری ہی چیز چُرائی، اس پر بات نین کاٹا جاسکتا۔ اس سے یہ اصول مستنبط ہوا کہ سرقہ کے لئے یہ ضرور ہے کہ سارق کو مالِ مسروقہ میں کسی طرح کا حق نہ ہو۔ ایک اور شخص نے بیت المال سے کچھ چُرایا تھا۔ حضرت عمرؓ نے اُسکو بھی اسی بنا پر چھوڑ دیا کہ بیت المال میں ہر شخص کا کچھ نہ کچھ حق ہے۔ ایک دفعہ، سفر میں ایک تالاب کے قریب اترے، عمرو بن العاص بھی ساتھ تھے، اُنھوں نے لوگوں سے پوچھا کہ بیان درندے تو بیانی نہیں پیتے؟ حضرت عمرؓ نے لوگوں کو روک دیا کہ نہ بتانا۔ اس سے دو اصول ثابت ہوئے ایک یہ کہ اصل اشیا ابا حقہ ہے، دوسرے یہ کہ ظاہر حالت اگر صحیح ہے تو شخص اور جستجو پر ہم مکلف نہیں ہیں۔ ایک دفعہ، رمضان میں، بدلی کی وجہ سے آفتاب کے چھپ جانے کا دھوکا ہوا، حضرت عمرؓ نے روزہ کھول لیا، تھوڑی دیر کے بعد آفتاب نکل آیا۔ لوگ متردد ہوئے حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ **الخطیبُ یسیرُ وقد اجتہدنا** یعنی معاملہ چند ان اہم نہیں، ہم اپنی طرف سے کوشش کر چکے تھے۔

ایسی اور بہت سی مثالیں ہیں کوئی شخص چاہے تو اُن سے اصول فقہ کے بہت سے کلیات منضبط کر سکتا ہے۔

حضرت عمرؓ نے فقہ کے جو مسائل بیان کئے نہیں انکثر ایسے ہیں جنہیں اور صحابہ نے بھی انکے

حضرت عمر کے  
سائل فقہیہ  
کی تعداد

ساتھ اتفاق کیا، اور ایسے مجتہدین نے انکی تقلید کی۔ شاہ ولی اللہ صاحب اپنے استقراء سے اس قسم کے مسائل کی تعداد کم و بیش ایک ہزار بتاتے ہیں، لیکن بہت سے ایسے مسائل بھی ہیں جنہیں دیگر صحابہ نے ان سے اختلاف کیا۔ انہیں سے بعض مسائل میں جن صحابہ نے اختلاف کیا وہی حق پر ہیں۔ مثلاً: تیمم خابث۔ منع شجر، طلاقات ثلاث، وغیرہ میں حضرت عمر کے اجتہاد سے، دیگر صحابہ کا اجتہاد زیادہ صحیح معلوم ہوتا ہے لیکن اکثر مسائل میں، اور خصوصاً ان مسائل میں جو معرکہ الاراء رہے ہیں اور جنکو تمدن اور امور ملکی میں دخل ہے، عموماً حضرت عمر کا اجتہاد نہایت نکتہ سنجی اور دقت نظر پر مبنی ہے اور انھی مسائل سے حضرت عمر کے کمال اجتہاد کا اندازہ ہوتا ہے۔

انہیں سے بعض سائل کا ذکر ہم اس موقع پر کرتے ہیں۔  
ایک بڑا معرکہ الاراء مسئلہ جنس کا ہے، قرآن مجید میں ایک آیت ہے۔

وَأَعْلَمُوا أَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِنْ شَيْءٍ فَإِنَّ لِلَّهِ خُمُسَهُ وَلِلرَّسُولِ وَلِذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسْكِينِ وَأَبْنِ السَّبِيلِ	جو کچھ تمکو جہاد کی لوٹ میں ہاتھ آئے، اسکا پانچواں حصہ خدا کیلئے ہے، اور پیر کیلئے، اور رشتہ داروں کے لئے، اور یتیموں کے لئے، اور غریبوں کیلئے اور مسافروں کے لئے۔
---	--

اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ جنس میں رسول اللہ کے رشتہ داروں کا بھی حصہ ہے چنانچہ حضرت عبداللہ بن عباس جو صحابہ میں درو ریائے علم، کلماتے تھے، نہایت درو کساتھے اس آیت سے، جنس پر استدلال کرتے تھے، حضرت علی نے اگرچہ صلح بنو ہاشم کو جنس میں سے حصہ نہیں دیا۔ لیکن رائے ان کی بھی یہی تھی کہ بنو ہاشم واقعی حقدار ہیں،

۴  
اس آیت سے ثابت ہوتا ہے  
بنو ہاشم کا حصہ

یہ صرف حضرت علی و عبداللہ بن عباس کی رائے نہ تھی، بلکہ تمام اہل بیت کا اس مسئلہ پر اتفاق تھا، ائمہ مجتہدین میں سے امام شافعی اسی مسئلہ کے قائل تھے اور اپنی کتابوں میں بڑے زور شور کے ساتھ اس پر استدلال کیا ہے۔

حضرت عمر کی نسبت لوگوں کا بیان ہے کہ وہ قرابت داران پیغمبر کو مطلقاً خمس کا حقدار نہیں سمجھتے تھے چنانچہ انھوں نے اہل بیت کو بھی خمس میں سے حصہ نہیں دیا۔ ائمہ مجتہدین سے امام ابو حنیفہ بھی ذوی القربی کے خمس کے قائل نہ تھے، انکی رائی تھی کہ جس طرح آنحضرت کے بعد آنحضرت کا حصہ جاتا رہا۔ اسی طرح آنحضرت کے قرابت داروں کا حصہ بھی جاتا رہا۔ اب ہمارے غور کے ساتھ دیکھنا چاہئے کہ قرآن مجید سے کیا حکم نکلتا ہے، اور رسول اللہ کا طریق عمل کیا تھا۔

قرآن مجید کی عبارت سے صرف اس قدر ثابت ہوتا ہے کہ مجموعی طور پر پانچ گروہ خمس کے مصرف ہیں، لیکن اس سے یہ نہیں ثابت ہوتا کہ فرداً فرداً ہر گروہ میں تقسیم کرنا فرض ہے۔ قرآن مجید میں جہاں زکوٰۃ کے مصارف بیان کئے ہیں وہاں بھی، بعینہ اسی قسم کے الفاظ ہیں۔ اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسْكِينِ وَالْعَامِلِينَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوبُهُمْ فِي الْغَزَا وَالْعَاكِرِينَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَابْنِ السَّبِيلِ اِمْسِنِ زَكَاةَ كِمْ مَصْرَافُ آٹھ گروہ قرار دیئے ہیں فقیر، مسکین، زکوٰۃ وصول کرنے والے۔ مؤلفۃ القلوب، قیدی، قرضدار، مسافر، انہیں سے جسکو زکوٰۃ دی جائے ادا ہو جائیگی یہ ضرور نہیں کہ خواہ مخواہ آٹھوں گروہ پیدا کئے جائیں۔ آٹھوں گروہ موجود بھی ہوں تب بھی یہ لحاظ کیا جائیگا کہ کون فرقہ اس وقت زیادہ مدد کا محتاج ہے، کون کم، اور کون بالکل نہیں۔ اور اسی اعتبار سے کسی کو زیادہ دیا جائیگا۔ کسی کو کم۔ اور کسی کو بالکل نہیں،



یہ التزام مالایلم صرف امام شافعی نے اختراع کیا ہے کہ آٹھ برابر حصے کئے جائیں اور آٹھون گروہ کو ضرورت بے ضرورت بے کم و بیش تقسیم کیا جائے، اسی طرح خمس کے مصارف جو خدا نے بتائے، اُس سے یہ معنوم ہوتا ہے کہ خمس، ان لوگوں کے سوا، اور کسی کو نہ دیا جائے، یہ نہیں کہ خواہ مخواہ اُسکے پانچ برابر حصے کئے جائیں اور پانچون فرقے کو برابر دیا جائے۔ اب دیکھو رسول اللہ کا طریق عمل کیا تھا؟ احادیث و روایات کے استقراء سے جو کچھ ثابت ہوتا ہے یہ ہے۔

(۱) ذوی القربیٰ میں سے آپ صرف بنو ہاشم و بنو المطلب کو حصہ دیتے تھے، بنو نوفل و بنو عبد شمس، حالانکہ ذوی القربیٰ میں داخل تھے، لیکن آپ نے انکو باوجود طلب کرنے کے بھی کچھ نہیں دیا چنانچہ اس واقعہ کو علامہ ابن القیم نے زاد المعاد میں کتب حدیث سے تفصیل نقل کیا ہے۔

(۲) بنو ہاشم و بنو المطلب کو جو حصہ دیتے تھے وہ سب کو مساویہ نہیں دیتے تھے، علامہ ابن القیم نے زاد المعاد میں لکھا ہے۔

<p>ولكن لم يكن يُقسَّمُ بَيْنَهُمْ عَلَى السَّوَاءِ بَيْنَ اغْنِيَائِهِمْ وَفُقَرَائِهِمْ وَكَانَ يُعْصَمُ قِسْمَةُ الْيَرَاثِ +++ بَلْ كَانَ يَصْرِفُهُ فِيهِمْ مَحْسَبَ الْمَصْلَحَةِ وَالْحَاجَةِ فَانْزَجَ مِنْهُمْ اعْزَئِبَهُمْ وَيَقْضِي مِنْهُ عَنِ غَائِرِهِمْ وَيُعْطَى مِنْهُ فَقِيرُهُمْ كِفَايَةً</p>	<p>لیکن دو لختہ دن اور غریبوں کو برابر نہیں تقسیم کرتے تھے۔ نہ میراث کے قاعدے سے تقسیم کرتے تھے۔ بلکہ مصلحت اور ضرورت کے موافق عطا فرماتے تھے۔ یعنی کنواروں کی شادی کرتے تھے، مفروضوں کا قرضہ ادا فرماتے تھے۔ غریبوں کو بقدر ما دیتے تھے۔</p>
--	---

ان واقعات سے اولاً تو یہ ثابت ہوا کہ ذوی القربی کے لفظ میں تقسیم نہیں ہے، ورنہ بنو نوفل اور بنو عبد شمس کو بھی انحضرت، حصہ دیتے کیونکہ وہ لوگ بھی انحضرت کے قرابت واسطے۔ دوسرے یہ کہ، بنو ہاشم اور بنو المطلب کی تمام افراد کو، مادی طور سے حصہ نہیں ملتا تھا۔

حضرت عمرؓ نے جان تک صحیح روایتوں سے ثابت ہے، بنو ہاشم اور بنو المطلب کا حق بحال رکھا لیکن وہ دو باتوں میں، اُن سے مخالفت تھے۔ ایک یہ کہ وہ یہ نہیں سمجھتے تھے کہ جنس کا پورا پانچواں حصہ ذوی القربی کا حق ہے، دوسرے یہ کہ وہ مصلحت اور ضرورت کے لحاظ سے کم و بیش تقسیم کرنا، حلیفہ وقت کا حق سمجھتے تھے۔ برخلاف اسکے عبداللہ بن عباس وغیرہ کا یہ دعویٰ تھا کہ پانچواں حصہ پورے کا پورا خاص ذوی القربی کا حق ہے اور کسی کو اس میں کسی قسم کے تصرف کا حق حاصل نہیں۔ قاضی ابویوسف صاحب نے کتاب الخراج میں اور نسائی نے اپنی صحیح میں عبداللہ بن عباس کا یہ قول نقل کیا ہے۔

عمر بن الخطاب نے یہ بات ہلو گز کے سامنے پیش کی تھی کہ ہلو گز جنس کے مال سے اپنے	عَرْضَ عَلَيْنَا عَمْرُ بْنُ الْخَطَّابِ اَنْ تَرْجَحَ مِنَ
بیواؤں کے خراج، اور مقدونوں کے ادائی قرض کے مصارف یا کریں لیکن	الْخُمْسِ اَيْمَانًا وَلَفِضَتِي مِنْهُ عَنْ مَغْرَمِنَا قَابِلًا
ہم نبی کے تسلیم نہیں کرتے کہ بھاری روایات میں میرا جائزہ لے اسکو منظور کیا۔	اَلَا اَنْ يَسْلَمَ لَنَا وَاِلٰى ذٰلِكَ عَلَيْنَا

اور روایتیں بھی اسی کے موافق ہیں۔ صرف کلبی کی ایک روایت ہے کہ حضرت ابو بکرؓ نے ذوی القربی کا حق مطلقاً ساقط کر دیا تھا۔ لیکن کلبی نہایت ضعیف الروایہ ہے، اس لئے اسکی روایت کا اعتبار نہیں ہو سکتا۔

قرآن مجید کے فحویٰ اور آنحضرت کے طریق عمل کو مطبق کر کے دیکھو تو صاف ثابت ہو جاتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے جو کچھ کیا وہ بالکل قرآن و حدیث کے مطابق تھا۔ امام شافعی وغیرہ اس بات کا کوئی ثبوت نہیں پیش کر سکتے کہ آنحضرت ہمیشہ پورا پانچواں حصہ دیتے تھے، قرآن مجید سے یہ تعین بخیر بالکل ثابت نہیں ہو سکتی۔ باقی ذوی القربی کا غیر معین حق تو اس سے حضرت عمرؓ کو ہرگز انکار نہ تھا۔ اب اصول عقلی کے لحاظ سے اس مسئلے کو دیکھو، یعنی تمسک من سے آنحضرت، اور آنحضرت کے قرابت داروں کا حصہ قرار پانا کس اصول کی بنا پر تھا۔ یہ ظاہر ہے کہ آنحضرت تبلیغ احکام اور مہمات رسالت کے انجام دینے کی وجہ سے، معاش کی تدابیر میں مشغول نہیں ہو سکتے تھے، ایسے ضرور تھا کہ ملک کی آمدنی میں سے کوئی حصہ آپ کے لیے مخصوص کر دیا جائے، اس وقت مال غنیمت، فے انفال بس بھی آمدنیان تھیں چنانچہ ان سب میں سے خدا نے آپ کا حصہ مقرر کیا تھا جس کا ذکر قرآن مجید کی مختلف آیتوں میں ہے، اسکی مثال ایسی ہے جیسے بادشاہ کے ذاتی معارف کیلئے خالصہ مقرر کر دیا جاتا ہے۔ ذوی القربی کا حق اس لیے قرار دیا گیا تھا کہ ان لوگوں نے ابتداء اسلام میں آنحضرت کا ساتھ دیا تھا چنانچہ کفار مکہ نے زیادہ مجبور کیا تو تمام بنو ہاشم نے حسین وہ لوگ بھی شامل تھے جو اس وقت تک اسلام نہیں لائے تھے، آنحضرت کا ساتھ دیا اور جب آنحضرت مکہ سے نکل کر ایک پہاڑ کے درے میں پناہ گزین ہوئے تو سب بنی ہاشم بھی ساتھ گئے۔

اس بنا پر، آنحضرت اور ذوی القربی کے لیے جو کچھ مقرر تھا، وقتی ضرورت اور مصلحت کے لحاظ سے تھا۔ لیکن یہ قرار دینا کہ قیامت تک آپ کے قرابت داروں کے لیے، پانچواں حصہ مقرر کر دیا گیا ہے۔ اور گونا گویا نسل میں کسی قدر ترقی ہو، اور گودہ کتنے ہی دوہمنند اور غنی ہو جائیں تاہم انکو

یہ رقم ہمیشہ ملتی رہیگی، ایسا قاعدہ ہے جو اصولِ تمدن کے بالکل خلاف ہے کون شخص یقین کر سکتا ہے کہ ایک سچا بانیِ شریعت، یہ قاعدہ بنائیگا کہ اسکی تمام اولاد کے لیے قیامت تک ایک معین رقم ملتی رہے؟ اگر کوئی بانیِ شریعت ایسا کرے تو اسین اور خود غرض برہمنوں میں کیا فرق ہوگا۔ حضرت علی و عبد اللہ بن عباس جو جنس کے مدعی تھے انکا بھی یہ مقصد ہرگز نہیں ہو سکتا تھا کہ یہ حق قیامت تک کے لیے ہے، بلکہ جو لوگ آنحضرت کے زمانے کے باقی رہ گئے تھے، انہی کی نسبت انکو ایسا دعوئے ہوگا۔

ایک اور اہم نشان مسئلہ فتنے کا ہے، یعنی وہ زمین یا جائداد جسکو مسلمان نے فتح کیا ہو۔ یہ مسئلہ اس قدر معرکہ الارا ہے کہ صحابہ کے عہد سے آج تک کوئی قطعی فیصلہ نہیں ہوا۔ باغِ فدک کی عظیم نشان بحث بھی، اسی مسئلے کی ایک فرع ہے۔

بڑا غلط بحثِ امین اس وجہ سے ہوا کہ فتنے کے قریب المعنی اور جو الفاظ تھے یعنی نفل، غنیمت، سلب، اینین لوگ تفرقہ نہ کر سکے۔ ہسم اس بحث کو نہایت تفصیل سے لکھتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ اسلام سے پہلے عرب میں دستور تھا کہ لڑائی کی فتح میں جو کچھ آتا تھا۔ تمام لڑائیوں کو برابر تقسیم کر دیا جاتا تھا۔ سردار قبیلہ کو التبہ سب سے زیادہ یعنی چوتھہ ملتا تھا۔ آنحضرت مبعوث ہوئے تو ابتداء میں جس طرح اور بہت سی قدیم رسمیں قائم رہیں، یہ قاعدہ بھی کسی قدر تغیر صورت کے ساتھ قائم رہا، چنانچہ لڑائی کی فتح میں جو کچھ آتا تھا، غازیوں پر تقسیم ہو جاتا تھا۔ چونکہ قدیم سے یہی طریقہ جاری تھا اور جناب رسول اللہ کے عہد میں بھی قائم رہا اس لیے لوگوں کو خیال ہو گیا کہ مالِ غنیمت، غازیوں کا ذاتی حق ہے اور وہ اس کے پانے کا ہر حالت میں دعوئے کر سکتے ہیں، یہاں تک کہ ایک دفعہ اسے چھوڑا اٹھا۔ جنگِ بدر میں جب فتح حاصل ہو چکی تو کچھ لوگ کفار کا تعاقب کرتے ہوئے دوڑ تک چلے گئے،

کچھ لوگ آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر رہے۔ تعاقب کرنے والے واپس آئے تو انھوں نے دعویٰ کیا کہ غنیمت ہمارا حق ہے کیونکہ ہم دشمن سے لڑ کر آئے ہیں، اُن لوگوں نے کہا کہ ہم رسول اللہ کے محافظ تھے، اس لیے ہم زیادہ حقدار ہیں۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ - قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ  
تجہ سے لوگ، مال غنیمت کی قسمت پوچھتے ہیں تو کہہ دے کہ وہ خدا کا السؤل ہے۔  
اور رسول کی ملک ہے۔

اس آیت نے اس اصول کو مٹا دیا کہ تمام مال غنیمت لڑنے والوں کا خاص حق ہے اور انصار کو اسمین کسی قسم کے تصرف کا اختیار نہیں۔ لیکن اس آیت میں غنیمت کے مصارف میں بیان کیے گئے تھے، پھر یہ آیت اُتری۔

وَاَعْلَمُوا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِنْ شَيْءٍ كَانَ لِلّٰهِ حِصَّةٌ  
یٰے ہے، اوپر بیبر کے لیے، اور رشتہ دردن کے لیے، اور یتیموں کے لیے  
اور مسکینوں کے لیے اور مسافروں کے لیے۔  
وَاللّٰهُ سَوَّلَ وَلَدْنِي الْفَرْخِ الْبَيْتِ الْكَسَائِ  
وَابْنِ السَّيْلِ۔

اس آیت پر یہ قاعدہ قائم ہوا کہ مال غنیمت کے پانچ حصے کیے جائیں۔ چار حصے، مجاہدین کو تقسیم کیے جائیں اور پانچویں حصے کی پھر پانچ حصے ہو کر، آنحضرتؐ اور ذی القربیٰ اور مساکین وغیرہ کے مصارف میں آئیں۔ لیکن یہ تمام احکام، نقد و اسباب سے متعلق تھے، زمین اور جائیداد کے لیے کوئی قاعدہ نہیں قرار پایا تھا۔ غزوہ نبی نصیر میں جو شہیدین واقع ہوا۔ سورہ حشر کی یہ آیت اُتری۔

مَا فَاعَلَ اللَّهُ عَلَى رَسُولِهِ مِنْ أَهْلِ الْقُرَى فَلِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ  
 وَلِذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالسَّكِينِ ۖ إِنَّ السَّبِيلَ ۖ ۖ ۖ  
 لِلْفُقَرَاءِ الْمُهَاجِرِينَ الَّذِينَ لَمْ يُجَاهِدُوا بِأَمْوَالِهِمْ ۖ ۖ ۖ  
 وَالَّذِينَ جَاءُوا مِنْ بَعْدِهِمْ۔

یعنی جو زمین یا جائیداد، امانت آئے، وہ خدا اور پیغمبر اور  
 یتیموں، اور سکیون، اور مسافروں، اور فقراء  
 مہاجرین، اور ان سب لوگوں کی ہے جو آئندہ دنیا  
 میں آئیں۔

اس سے نتیجہ نکلا کہ جو زمین فتح ہو وہ تقسیم نہیں کی جائیگی، بلکہ بطور وقف کے محفوظ رہیگی، اور اسکے منافع سے  
 تمام موجودہ اور آئندہ مسلمان شیعہ ہونگے۔ یہ ہے حقیقت نفل اور غنیمت اور فتنے کی۔

ان احکام میں لوگوں کو چند غلطی پیش آئے۔ سب سے پہلے یہ کہ لوگوں نے غنیمت اور  
 فتنے کو ایک سمجھا، ایہ محدثین میں سے امام شافعی کی بھی یہی رائے ہے اور اُنکے مذہب کے موافق  
 زمین مفتوحہ، اسی وقت مجاہدین کو تقسیم کر دینی چاہیے۔ شام و عراق جب فتح ہوئے تو لوگوں نے  
 اسی بنا پر حضرت عمر سے درخواست کی کہ مالک مفتوحہ انکو تقسیم کر دیے جائیں چنانچہ عبدالرحمن بن  
 عوف، زبیر بن العوام، بلال بن رباح نے سخت اصرار کیا۔ لیکن حضرت عمر نے نہ مانا۔ اس پر  
 (جیسا کہ ہم صیغہ محاصل میں لکھ آئے ہیں) بہت بڑا مجمع ہوا، اور کسی دن تک بحثیں رہیں آخر  
 حضرت عمر نے آیت مذکورہ بالا سے استدلال کیا اور آیت کے یہ الفاظ وَالَّذِينَ جَاءُوا مِنْ  
 بَعْدِهِمْ پڑھ کر فرمایا کہ۔

فَكَانَتْ هَذِهِ عَامَّةً لِمَنْ جَاءَ مِنْ  
 بَعْدِهِمْ قَدْ صَارَ هَذَا الْفِي بَيْنِ هَؤُلَاءِ  
 جَمِيعًا فَكَيْفَ نَقُصِّمُهُ لَهُمْ لَوْلَا قَضَايَ

تو یہ تمام آئندہ آنیوالوں کے لیے ہے۔ اور اس بنا پر یہ مالک تمام  
 لوگوں کا حق نہیں۔ پھر یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ میں موجودہ لوگوں کو  
 تقسیم کر دوں اور ان لوگوں کو محروم کر دوں جو آئندہ

مَنْ تَخَلَّفَ تَبِعَ دُكْهُنَّ -

پیدا ہونگے۔

امام شافعی اور ان کے ہم حیا لون کا بڑا استدلال یہ ہے کہ آنحضرت نے خیبر کی زمین کو مجاہدین پر تقسیم کر دیا تھا لیکن وہ یہ نہیں خیال کرتے کہ خیبر کے بعد اور مقامات بھی توفیق ہو سکتے ہیں۔  
 مگر کہ آنحضرت کے انتقال سے پہلے تمام عرب پر قبضہ ہو چکا تھا۔ لیکن آنحضرت نے کمین چپہ بھر بھی زمین تقسیم کی؟

اسی سلسلے میں باغ فدک کا معاملہ بھی ہے جو مدت تک معرکہ الارارہ رہا ہے ایک فرقہ کا خیال ہے کہ یہ باغ، خاص آنحضرت کی جائداد تھی کیونکہ اُسپر چڑھائی نہیں ہوئی تھی، بلکہ وہ ان کے لوگوں نے خود، آنحضرت کو سپرد کر دیا تھا اور اس وجہ سے وہ اس آیت کے تحت میں داخل ہے۔

فدک کا مسئلہ

وَمَا آفَاءَ اللَّهِ عَلَىٰ رَسُولِهِ مِنْهُمْ فَمَا أُوقِفْتُمْ؟  
 عَلَيْهِمْ مِنْ خِيْلٍ وَلَا كَرَكَايَ وَلَكِنَّ اللَّهَ يُسَلِّطُ  
 رُسُلَهُ عَلَىٰ مَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ  
 یعنی جو کچھ خدا نے اپنے پیغمبر کو ان لوگوں سے دلویا تو تم لوگ اس پر  
 اونٹ یا گھوڑے دوڑا کر نہیں گئے تھے، لیکن خدا اپنے پیغمبر کو جس پر  
 چاہتا ہے مسلط کر دیتا ہے اور خدا ہر چیز پر قادر ہے۔

اور جب وہ آنحضرت کی ملوکہ خاص ٹھہری تو اس میں وراثت کا عام قاعدہ، جو قرآن مجید میں  
 مذکور ہے جاری ہوگا، اور آنحضرت کے ورثہ اس کے مستحق ہونگے، لیکن حضرت عمرؓ نے، باوجود حضرت  
 علیؓ کے طلب و تقاضا کے آل نبی کو اس سے محروم رکھا۔

یہ بحث اگرچہ طرفین کی طبع آزمائیوں میں بہت بڑھ گئی ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ بات  
 نہایت مختصر تھی، اور اب جبکہ سیاست مدرن کے اصول، زیادہ صاف اور عام فہم ہو گئے ہیں،

۱۔ کتاب الفوج صفحہ ۱۰۔ اس امر کا بعد احوال کتاب الفروع کے صفحہ ۱۲ و ۱۳ میں مذکور ہے۔

یہ مسئلہ اس قابل بھی نہیں رہا کہ بحث کے دائرہ میں لایا جائے۔ اصل یہ ہے کہ نبی، یا امام، یا بادشاہ کے قبضہ میں جو مال یا جائیداد ہوتی ہے، اسکی دو تین ہین ایک مملوکہ خاص جسکے حاصل ہونے میں نبوت اور امامت و بادشاہت کے منصب کو کچھ دخل نہیں ہوتا مثلاً حضرت داؤد، نرہ بن کر معاش حاصل کرتے تھے، یا عالمگیر قرآن لکھ کر سبر کرتا تھا۔ یہ آمدنی انکی ذاتی آمدنی تھی اور اسپر ہر طرح کا انکو اختیار تھا دوسری مملوکہ حکومت۔ مثلاً حضرت داؤد کے مقبوضہ ممالک۔ جو حضرت سلیمان کے قبضے میں آئے۔

اس دوسری قسم میں وراثت نہیں جاری ہوتی بلکہ جو شخص پیغمبری، یا امامت، یا بادشاہت کی حیثیت سے جانشین ہوتا ہے وہی اسکا مالک یا متولی ہوتا ہے، یہ مسئلہ آج کل کے مذاق کے موافق بالکل ایک بدیہی بات ہے، مثلاً سلطان عبدالحمید خان کے بعد، انکے مالک مقبوضہ یا انکی جاگیر خالصہ انکے بیٹے بھائی، مان، بہن، وغیرہ میں تقسیم نہیں ہوگی۔ بلکہ جو تخت نشین ہوگا اسپر قابض ہوگا۔ مذہبی حیثیت سے بھی مسلمانوں کے ہر فرقہ میں۔ یہ قاعدہ ہمیشہ مسلم رہا۔ مثلاً جو لوگ باغ فدک کو درجہ بدرجہ، ایماہ آٹھ عشر کا حق سمجھتے ہیں وہ بھی اسمیں وراثت کا قاعدہ نہیں جاری کرتے۔ مثلاً حضرت علی اپنے زمانے میں اسکے مالک ہوئے تو یہ نہیں ہوا انکی وفات کے بعد۔ وراثت کا قاعدہ جاری ہوتا اور حسین، وعباسؑ۔ و محمد بن حنفیہ و زینبؑ وغیرہ کو جو حضرت علی کے وارث تھے اسکا کچھ کچھ حصہ۔ بہام کے پڑتے سے ملتا، بلکہ صرف حضرت امام حسن علیہ السلام کے قبضہ میں آیا کیونکہ امامت کی حیثیت سے وہی حضرت علی کے جانشین تھے غرض یہ عام اور مسلم قاعدہ ہے کہ جو جائیداد نبوت یا امامت یا بادشاہت کے منصب سے



حاصل ہوتی ہے وہ ملوکہ خاص نہیں ہوتی۔ اب صرف یہ دیکھنا ہے کہ باغِ فدک کیونکر حاصل ہوا تھا، اسکی کیفیت یہ ہے کہ آنحضرت جب خیبر کی فتح سے پہلے، تو مخیصہ بن مسعود انصاری کو فدک والوں کے پاس تبلیغِ اسلام کے لیے بھیجا، فدک، یہودیوں کے قبضہ میں تھا اور انکا سردار یوشع بن نون نام ایک یہودی تھا۔ یہودیوں نے صلح کا پیغام بھیجا اور معاوضہ صلح میں ادھی زمین دینی منظور کی۔ اسوقت سے یہ باغِ اسلام کے قبضہ میں آیا۔

اب ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ ایسی جائداد، آنحضرت کی ملوکہ خاص کیونکر ہو سکتی ہے۔ فدک کی ملکیت خاص کا دعویٰ اس بنا پر کیا جاتا ہے کہ وہ فوج کے ذریعہ سے فتح نہیں ہوا بلکہ اس آیت کا مصداق ہے فَمَا أَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ وَلَا مَرْكَبٍ۔ لیکن کیا جو ممالک، صلح کے ذریعہ سے قبضہ میں آئے ہیں وہ امام یا پادشاہ کی ملکیت خاص قرار پاتے ہیں؟۔ عرب کے اور مقامات بھی اس طرح قبضہ میں آئے کہ ان پر چڑھائی نہیں کرنی پڑی۔ کیا انکو کسی نے آنحضرت کی ملک خاص سمجھا؟ البتہ یہ امر غور طلب ہے کہ جب اور مقامات مفتوحہ کی نسبت کسی نے اس قسم کا کبھی خیال نہیں کیا تو فدک میں کیا خصوصیت تھی جسکی وجہ سے غلط فہمی پیدا ہوئی؟۔ اسکی حقیقت یہ ہے کہ اور مفتوحہ زمینیں علانیہ وقف عام رہیں، لیکن فدک کو آنحضرت نے اپنے مصارف کے لیے مخصوص کر لیا تھا اس سے اس خیال کا موقع ملا کہ وہ آنحضرت کی جائداد خاص ہے۔ اس خیال کی تائید زیادہ اس سے ہوئی کہ فدک پر لشکر کشی نہیں ہوئی تھی اور اس لیے اس پر اور لوگوں کو کسی قسم کا حق نہیں حاصل تھا۔ لیکن یہ خیال دراصل صحیح نہیں۔ فدک کو بے شبہ آنحضرت نے اپنے ذاتی

مصارف کے لیے خاص کر لیا تھا، لیکن کیونکہ اس کے متعلق تفصیلی روایتیں موجود ہیں۔

فَكَانَ يَصْفُ قَدْرَكَ خَالِصًا لِلرَّسُولِ لِلَّهِ  
وَكَانَ يَصْرِفُ مَا يَأْتِيهِ مِنْهَا إِلَى ابْنِ السَّبِيلِ  
یعنی آدھا فدک، خاص رسول اللہ کا تھا۔ آنحضرت اُسمین سے مسافروں پر صرف کرتے تھے۔

ایک اور روایت میں ہے۔

أَنَّ قَدْرَكَ كَانَتْ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَكَانَ يَفْقَهُ  
مِنْهَا وَيَأْكُلُ وَيَعْوِذُ عَلَى الْفُقَرَاءِ بَنِي هَاشِمٍ  
وَيُزَوِّجُ أَيْمَهُمْ  
یعنی فدک آنحضرت کا تھا۔ آپ اُسمین سے خرچ کرتے تھے۔ اور فقرے بنی ہاشم کو دیتے تھے، اور ان کی بیواؤں کی شادی کرتے تھے۔

بخاری وغیرہ میں یہ تصریح مذکور ہے کہ آنحضرت سال بھر کا اپنا خرچ اُسمین سے لیتے تھے۔  
باقی عام مسلمین کے مصالح میں دیتے تھے۔

ان روایتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ فدک کا ملوکہ نبوت ہونا ایسا ہی تھا جیسا سلاطین کیلئے کوئی جائیداد خالصہ رکھی جاتی ہے اس بنا پر بلاوجہ مخصوص ہونے کے وقف کی حیثیت اس سے زایل نہیں ہوئی۔

اب یہ دیکھنا ہے کہ حضرت عمرؓ بھی ان اصول سے واقف تھے؟ اور اسی بنا پر انھوں نے فدک میں وراثت نہیں جاری کی یا یہ کہ یہ نکات بعد الوقوع ہیں؟

عراق و شام کی فتح کے وقت حضرت عمرؓ نے صحابہ کے مجمع عام میں جو تقریر کی تھی اس میں قرآن مجید کی اس آیت سے مَا أَفَاءَ اللَّهُ عَلَى رَسُولِهِ مِنْ أَهْلِ الْقُرَىٰ فَلِلَّهِ الْخِصْمُ

۱۷ فتوح البلدان بلاذری صفحہ ۲۸ ۱۸ فتوح البلدان صفحہ ۳۱۔

کر کے صاف کہہ دیا تھا کہ مقامات مفتوحہ کسی خاص شخص کی ملک نہیں ہیں بلکہ وقف عام ہیں، چنانچہ فہ کے ذکر میں یہ بحث گزر چکی ہے، البتہ یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ اس آیت سے پہلے جو آیت کا اُس سے فدک وغیرہ کا آنحضرت کی خاص جائداد ہونا ثابت ہوتا ہے، اور خود حضرت عمرؓ کے یہی معنی قرار دیتے تھے، آیت یہ ہے۔

وَمَا آفَاءَ اللَّهِ عَلَىٰ رَسُولِهِ مِنْهُمْ مَّا أَوحَتْ مَّا عَلَيْهِمْ مِنْ خِيَلٍ وَلَا رِكَابٍ لَّكِنَّ اللَّهَ يَسْطُرُ رُسُلَهُ عَلَىٰ مَنْ يَشَاءُ۔	اور جو کچھ ان لوگوں سے (یعنی یہودی وغیرہ سے) فدا کرنے اپنے پیغمبر کو دلوایا تو تم لوگ اس پر حملہ نہیں کئے تھے، بلکہ خدا اپنے پیغمبر کو جس پر چاہتا ہے مسلط کر دیتا ہے۔
---	--

چنانچہ حضرت عمرؓ نے اس آیت کو پڑھ کر کہا تھا کہ فَكَانَتْ خَالِصَةً لِّلرَّسُولِ اللّٰهُ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّم اور یہ واقعہ صحیح بخاری، باب الخمس، اور باب المغازی، اور باب الميراث میں بتفصیل مذکور ہے۔

اس میں شبہ نہیں کہ حضرت عمرؓ اس آیت کی بنا پر فدک وغیرہ کو آنحضرت کا خالصہ سمجھتے تھے لیکن اسی قسم کا خالصہ جو ذاتی ملکیت نہیں ہوتا، جسطح سلاطین کے مصارف کے لیے کوئی زمین خاص کر دی جاتی ہے کہ اس میں میراث کا عام قاعدہ نہیں جاری ہوتا بلکہ جو شخص جانشین سلطنت ہوتا ہے تنہا وہی اُس سے متمتع ہو سکتا ہے۔ حضرت عمرؓ کے اس خیال کا قطعی ثبوت یہ ہے کہ انھوں نے جب آیت مذکورہ بالا کی بنا پر فدک کو آنحضرت کا خالصہ کہا تو ساتھ ہی یہ الفاظ فرمائے جیسا کہ صحیح بخاری، باب الخمس و باب المغازی میں مذکور ہے۔

فَكَانَ رَسُولُ اللَّهِ يَنْفَعُ عَلَىٰ أَهْلِهِ نَفْعَةً آنحضرت۔ اس میں سے سال بھر کا خرچ لیتے تھے، باقی کو

سَنَتِهِمْ مِنْ هَذَا الْمَالِ ثَمَّ يَأْخُذُ مَا بَقِيَ فَيَجْعَلُهُ  
 تَجْعَلُ مَالِ اللَّهِ فَعَلَ رَسُولُ اللَّهِ بِذَلِكَ حَيَاتِهِ  
 ثَمَّ تَوَفَّى اللَّهُ نَبِيَهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ  
 ابوبكر اَنَا وَلِيُّ رَسُولِ اللَّهِ فَقَبَضَهَا ابوبكر فَعَمِلَ  
 فِيهَا بِمَا عَمِلَ رَسُولُ اللَّهِ -++ ثُمَّ تَوَفَّى اللَّهُ ابابكر  
 فَكُنْتُ اَنَا وَلِيُّ ابِي بَكْرٍ فَقَبَضْتُهَا سَنَتَيْنِ مِنْ اَمَارَتِي  
 اَعْمَلُ فِيهَا بِمَا عَمِلَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ  
 عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَبِمَا عَمِلَ فِيهَا ابوبكر -

خدا کے مال کی طور پر خرچ کرتے تھے۔ آنحضرت نے زندگی  
 اسی پر عمل فرمایا۔ پھر وفات پائی تو ابوبکر نے کما کہ میں  
 ان کا جانشین ہوں پس اُس پر قبضہ کیا اور اسی طرح  
 کارروائی کی جس طرح رسول اللہ کرتے تھے۔ پھر  
 انھوں نے وفات پائی تو میں ابوبکر کا جانشین  
 ہوا پس میں نے اُس پر دو برس قبضہ  
 رکھا اور وہی کارروائی کی جو رسول اللہ صلعم  
 کرتے تھے۔

اس تقریر سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت عمر باوجود اسکے کہ فذک وغیرہ کو خالصہ سمجھتے تھے  
 تاہم آنحضرت کی ذاتی جائداد نہیں سمجھتے تھے جس میں وراثت جاری ہو، اور اسوجہ سے اُسکے قبضہ  
 کا مستحق صرف اُسکو قرار دیتے تھے جو رسول اللہ کا جانشین ہو، چنانچہ حضرت ابوبکر اور خود اپنے  
 قبضہ کی وجہ یہی بتائی۔

حضرت عمر نے یہ تقریر اسوقت فرمائی تھی جب حضرت عباس اور حضرت علی انکے پاس فذک  
 کے دعویٰ دار ہو کر آئے تھے اور انھوں نے کمد یا تھا کہ اسمین وراثت کا قاعدہ نہیں جاری ہو سکتا  
 حاصل یہ کہ حضرت عمر کے نزدیک۔ فذک وغیرہ آنحضرت کے خالصہ بھی تھے اور وقف بھی تھے  
 چنانچہ عراق کی فتح کے وقت، حضرت عمر نے اُسی آیت کو جس سے آنحضرت کا خالصہ ہونا پایا جاتا  
 ہے پڑھ کر یہ الفاظ کہے فہذا عامۃ فی القرۃ کلمات امین جو حکم اس آیت میں ہے وہ انہی

مواضع (فدک وغیرہ) پر محدود نہیں بلکہ تمام آبادیوں کو شامل ہے۔

اصل یہ ہے کہ فدک کا ذمہ تین ہوتا ہی تمام غلط فہمی کا نشا تھا۔ چنانچہ حافظ ابن القیم نے زاد المعاد میں نہایت لطیف پیرایہ میں اس بات کو ادا کیا ہے وہ لکھتے ہیں **فَهُوَ مَلَکٌ یُخَالِفُ حَکْمَ غَیْرِهِ مِنَ الْمَلَائِکِیْنِ** ++ **وَلِهَذَا النُّوعُ مِنَ الْأَمْوَالِ هُوَ الْقِسْمُ الَّذِیْ وَقَعَ بَعْدَهُ فِیْهِ مِنَ الذَّرَائِعِ مَا وَقَعَ إِلَى الْیَوْمِ** ++ **وَلَوْلَا اشْکَالُ أَمْرِہِ عَلَیْہُمْ لَمَا طَلَبَتْ فَاطِمَةُ بِنْتُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ مِیرَآتَہَا مِنْ تَرْکِیْہِ وَظَنَّتْ أَنَّہُ یُوَرِّثُ عَنْہُ مَا کَانَ وَلِکَالِہُ کَسَاؤُ الْمَلَائِکِیْنِ وَخَفِیَ عَلَیْہَا رِضْوَانُ اللَّهِ عَنْہَا حَقِیقَةُ الْمَلَائِکِیْنِ الَّذِیْنَ لَیْسَ مِنْہُمْ یُوَرِّثُ عَنْہُ۔**

ان واقعات سے تم اندازہ کر سکتے ہو کہ ان مسائل کو جو اجتہاد سے آج تک معرکہ آرا رہے ہیں اور جن میں بڑے بڑے اکابر صحابہ کو اشتباہ ہوا، حضرت عمرؓ نے کس خوبی سے طے کیا کہ ایک طرف تو قرآن و حدیث کا صحیح محمل وہی ہو سکتا ہے اور دوسری طرف اصول سلطنت و نظام تمدن سے بالکل مطابقت رکھتا ہے۔

## ذاتی حالات

اور

## اخلاق و عادات

عرب میں روحانی تربیت کا آغاز اگرچہ اسلام سے ہوا، لیکن اسلام سے پہلے ہی اہل عرب میں بہت سے ایسے اوصاف پائے جاتے تھے جو تمنا سے شرافت تھے اور جن پر ہر قوم ہنر زانہ

مین ناز کر سکتی ہے۔ یہ اوصاف اگرچہ کم و بیش، تمام قوم مین پائے جاتے تھے لیکن بعض بعض اشخاص، زیادہ ممتاز ہوتے تھے اور یہی لوگ، قوم سے ریاست و حکومت کا منصب حاصل کرتے تھے، ان اوصاف مین فصاحت و بلاغت، قوت تقریر، شاعری، نصابی، پسگری، بہادری، آزادی، مقدم چیز مین تھیں، اور ریاست و انسری مین انہی اوصاف کا لحاظ کیا جاتا تھا۔ حضرت عمر کو قدرت نے ان سب مین کافی حصہ دیا تھا۔

تقریر کا ملکہ عذا داد تھا اور عکاف کے معرکوں نے اسکو اور زیادہ جلا دیدی تھی۔ یہی قابلیت تھی جسکی وجہ سے قریش نے انکو سفارت کا منصب دیا تھا جو ان لوگوں کے لیے مخصوص تھا جو سب سے زیادہ زبان آور ہوتے تھے۔ ان کے معمولی جملوں مین آرٹیری کا اثر اور بھل فقرے جو ان کے منہ سے نکل جاتے تھے انین بلاغت کی روح پائی جاتی تھی۔ عمر بن معد کرب کو جب پہلے پل کیا تو چونکہ وہ غیر معمولی تن قوش کے آدمی تھے اس لیے متحیر ہو کر کہا "اللہ! اسکا اور ہمارا خالق ایک ہی ہے" مطلب یہ کہ ہمارے جسم مین اور امین اس قدر تفاوت ہے کہ دونوں ایک کاریگر کے کام نہیں معلوم ہوتے۔

دبا کے واقعہ مین ابو عبیدہ نے جب ان پر اعتراض کیا کہ آپ قضای الہی سے بھاگتے ہیں تو کس قدر بلند لفظوں مین جواب دیا کہ "ان قضای الہی سے قضای الہی کی طرف بھاگتا ہوں" مختلف وقتوں مین جو خطبے انھوں نے دیے وہ آج بھی موجود ہیں ان سے ان کے زور تقریر و جہشگی کلام کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ مسند خلافت پر بیٹھنے کے ساتھ جو خطبہ دیا، اس کے ابتدائی فقرے یہ تھے۔

قرت تقریر

خطبے

اللَّهُمَّ إِنِّي عَلَىٰ ظُلُمَاتٍ كَثِيرَةٍ لَّا أَسْأَلُكَ إِلَّا بِكَ فَقَوِّنِي الْإِسْلَامَ وَالْعَرَبَ جَمْعًا أَيْنَ  
 اسی خدا! میں سخت ہون بھکو نرم کر میں گزرو ہون بھکو قوت دے۔  
 و قوم سے خطاب کر کے، ان اعدائے کفر و کفر میں منجلی صابر سے بات میں  
 دی گئی ہے، لیکن میں انکو راستہ پر چلا کر چھوڑ دینا۔

خلافت کے دوسرے تیسرے دن جب انھوں نے عراق پر لشکر کشی کرنے کے لئے لوگوں کو جمع کیا تو لوگ، ایران کے نام سے جی چراتے تھے۔ خصوصاً اس وجہ سے کہ حضرت خالد بن ولیدؓ سے بلالیے گئے تھے، اس موقع پر حضرت عمرؓ کے زور و تقریر کا اثر تھا کہ شمشیر ثنیانی ایک مشہور بہادر بے اختیار اٹھ کھڑا ہوا اور پھر تمام مجمع میں اگ سی لگ گئی، دمشق کے سفر میں جیسا کہ میں ہرقوم اور ملت کے آدمی جمع تھے، عیسائیوں کا لارڈ بشپ تک شریک تھا، اسکے ساتھ مختلف مذہب، اور مختلف قوم کے آدمی شریک تھے اور مختلف مضامین اور مختلف مطالب کا ادا کرنا تھا۔ مسلمانوں کو اخلاق کی تعلیم دینی تھی، غیر قوموں کو اسلام کی حقیقت اور اسلام کی جنگ و صلح کے اغراض بتانے تھے، فوج کے سامنے، خالد کی مغزولی کا عذر کرنا تھا، ان تمام مطالب کو اس خوبی سے ادا کیا کہ مدت تک لگائی تقریر کے جتنے جتنے فقرے لوگوں کی زبانوں پر رہے۔ فقہاء نے اس سے فقہی مسائل استنباط کئے۔ اہل ادب نے قواعد فصاحت و بلاغت کی مثالیں پیدا کیں، تصوف و اخلاق کے مضامین لکھنے والوں نے اپنا کام لیا۔

سلسلہ میں جب حج کیا اور یہ انکا اخیر حج تھا، تو ایک شخص نے کسی سے تذکرہ کیا۔ کہ عمرؓ مجاہدین تو میں طلوعہ کے بات پر بیت کر دینا، حضرت عمرؓ مقام منیٰ میں تشریف رکھتے تھے اور وہیں یہ واقعہ پیش آیا، اس واقعہ کی خبر ہوئی تو براہ فرختہ ہو کر فرمایا کہ آج رات کو میں اس مضمون پر خطبہ دوں گا۔

عبدالرحمن بن عوف نے عرض کی کہ امیر المومنین! حج کے مجمع میں ہر قسم کے بُرے بھلے آدمی جمع ہوتے ہیں اگر آپ نے بیان تقریر کی تو اکثر لوگ صحیح پیرایہ سمجھیں گے اور نہ ادا کر سکیں گے، مدینہ چل کر خواص کے مجمع میں تقریر کیجیے، وہ لوگ بات کا ہر پہلو سمجھ سکتے ہیں، حضرت عمرؓ نے یہ اسے تسلیم کی، آخر ذی الحجہ میں مدینہ آئے، جمعہ کے دن۔ لوگ بڑے شوق و انتظار سے مسجد میں پہلے سے آکر جمع ہوئے حضرت عبداللہ بن عباسؓ زیادہ مشتاق تھے، اس لئے ممبر کے قریب جا کر بیٹھے اور سعید بن زید سے مخاطب ہو کر کہا کہ ”آج عمر ایسی تقریر کریں گے کہ کبھی نہیں کی تھی۔ سعید نے تعجب سے کہا کہ ایسی نئی بات کیا ہو سکتی ہے جو انھوں نے پہلے نہیں کہی؟“ غرض اذان ہو چکی تو حضرت عمرؓ نے خطبہ دیا، یہ پورا واقعہ اور پورا خطبہ، صحیح بخاری میں مذکور ہے، اس میں سقیفہ بنی ساعدہ کے واقعہ، انصار کے خیالات، حضرت ابوبکرؓ کے جواب، بیعت کی کیفیت، خلافت کی حقیقت، کو اس خوبی اور عمدگی سے ادا کیا کہ اس سے بڑھ کر ناممکن تھا۔ اس تقریر کو پڑھ کر بالکل نیشن ہو جاتا ہے کہ اس وقت جو کچھ ہوا وہی ہونا چاہئے تھا اور وہی ہو سکتا تھا،

جن مجموعہ میں غیر قومن بھی شریک ہوتی تھیں۔ اُن میں اُنکے خطبہ کا ترجمہ بھی ساتھ ساتھ ہوتا جاتا تھا، چنانچہ دمشق میں بمقام جابیہ جو خطبہ دیا۔ مترجم۔ ساتھ کے ساتھ اس کا ترجمہ بھی کرتا جاتا تھا۔

اگرچہ اکثر مجال اور جہتہ خطبہ دیتے تھے۔ لیکن سر کے کے جو خطبے ہوتے تھے انہیں طیار ہو کر جاتے تھے سقیفہ بنی ساعدہ کے واقعہ میں خود ان کا بیان ہے کہ ”میں خوب طیار ہو کر گیا تھا۔“



حضرت عثمانؓ جب خلیفہ ہوئے، اور خطبہ دینے کے لئے منبر پر چڑھے تو دفعۃً رک گئے اور زبان نے یاری نہ دی، اسوقت یہ عذر کیا کہ ”ابو بکر و عمر خطبہ کے لئے قیثار ہو کر آتے تھے اور آئندہ سے میں بھی ایسا ہی کروں گا۔“

کھج کے خطبہ کا  
نہیں دیکھتے تھے

وہ اگرچہ ہر قسم کے مضامین پر خطبہ دیکھتے تھے لیکن انکا خوب بیان ہے کہ ”کھج کا خطبہ مجھ سے بن نہیں آتا۔“ عبداللہ بن المقفع جو دولت عباسیہ کا مشہور ادیب اور فاضل تھا اس سے لوگوں نے حضرت عمرؓ کی اس معذوری کی وجہ پوچھی، اُسے کما ”کھج کے خطبہ میں حاضرین میں سے ہر شخص برابری کا درجہ رکھتا ہے، خطیب کی کوئی ممتاز حالت نہیں ہوتی۔ بخلاف اُس کے عام خطبوں میں خطیب جب منبر پر چڑھتا ہے تو تمام آدمی اُسکو محکوم معلوم ہوتے ہیں اور اس وجہ سے خود بخود اُسکی تقریر میں بلندی اور زور آ جاتا ہے۔“ لیکن ہمارے نزدیک اسکی وجہ ہے کہ کھج کے خطبہ میں موضوع سخن تنگ، اور محدود ہوتا ہے اور ہر بار وہی معمولی باتیں کہنی پڑتی ہیں۔

یہ بات لحاظ کے قابل ہے کہ حضرت عمرؓ سے پہلے جن مضامین پر لوگ خطبے دیتے تھے وہ پسند و موغلت، فخر و اذعان، قدرتی واقعات کا بیان، رنج و خوشی کا اظہار ہوتا تھا۔ ملکی پُرپیچ معاملات، خطبے میں نہیں ادا ہو سکتے تھے، حضرت عمرؓ پہلے شخص ہیں جس نے پولیسکل خطبے دئے۔ اس کے ساتھ وہ خطبوں میں اس طریقے سے گفتگو کر سکتے تھے کہ ظاہر میں معمولی باتیں ہوتی تھیں لیکن اُس سے بہت سے پہلو نکلتے تھے۔

پولیسکل خطبے

خطبے کے لئے  
جو بائیں درکار  
ہیں

خطبہ کے لئے ملکہ تقریر کے علاوہ، اور عارضی باتیں جو درکار ہیں، حضرت عمرؓ میں سب موجود تھیں، آواز بلند اور پُر عصب تھی، قد آنا بلند تھا کہ زمین پر کھڑے ہوتے تھے تو معلوم ہوتا تھا کہ ممبر پر کھڑے ہیں۔ اس موقع پر ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ انکے بعض خطبے نقل کر دئے جائیں۔ ایک موقع پر عمال کو مخاطب کر کے جو خطبہ دیا اسکے یہ الفاظ ہیں۔

إِنِّي لَا أَجِدُ هَذَا الْمَالَ يُصْلِحُهُ إِلَّا خِلَالُ ثَلَاثٍ - أَنْ يُؤْخَذَ بِالْحَقِّ وَيُعْطَى بِالْحَقِّ وَيَمْنَعَ مِنَ الْبَاطِلِ وَلَسْتُ أَدْعُ أَحَدًا أَنْ يَطْلُمَ أَحَدًا حَتَّى أَضَعَ خَدَّهَ عَلَى الْأَرْضِ وَأَضَعَ قَدَمِي عَلَى خَدِّهِ الْآخِرِ حَتَّى يَذَعَ الْحَقَّ - يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّ اللَّهَ عَظَّمَ حَقَّهُ تَوَقَّ حَقَّ خَلْقِهِ فَقَالَ فِيمَا عَظَّمَ مِنْ حَقِّهِ وَلَا يَأْمُرُكُمْ أَنْ تَتَّخِذُوا الْمُلُوكَ أَرْبَابًا - أَلَا وَإِنِّي لَمَّا نَعَثْتُكُمْ أَمْرًا وَلَا جَبَّارِينَ وَلَكِنْ بَعَثْتُكُمْ أَمَّةً الْهُدَى - يَهْتَدَى بِكُمْ وَلَا تَعْلِقُوا الْأَبْوَابَ دُونَهُمْ فَيَأْكُلُ ثَوْبَهُمْ مُضْعِفَةً

ایک اور خطبے کے، چند جملے یہ ہیں۔

فَأَنْتُمْ مُسْتَخْلَعُونَ فِي الْأَرْضِ قَاهِرُونَ لِأَهْلِهَا - قَدْ نَصَرَ اللَّهُ دِينَكُمْ فَلَا تَصْبِحُ أُمَّةٌ مَخَالِفَةٌ لِدِينِكُمْ إِلَّا أُمَّتَانِ - أُمَّةٌ مُسْتَعْبِدَةٌ لِلْإِسْلَامِ وَأَهْلِهِ - يَتَجَرَّوْنَ لَكُمْ عَلَيْهِمُ الْمَوْنَةُ وَلَكُمْ النِّفْعَةُ وَأُمَّةٌ يَنْظُرُونَ وَقَانِعَ اللَّهِ وَسُطُوَاتِهِ فِي كُلِّ يَوْمٍ وَلِكَيْلِكَ قَدْ مَلَأَ اللَّهُ قُلُوبَهُمْ رُغْبًا - قَدْ هَمَّتْهُمْ جُنُودُ اللَّهِ وَزَلَّتْ بَسَاطَتُهُمْ مَعَ رِفَاهَةِ الْعَيْشِ وَاسْتِقْصَاةِ الْمَالِ وَتَتَابِعِ الْبُعُوثِ وَسَيِّدِ الثَّغُورِ الْخُرُ

حضرت عمر کے خطبوں کا خاتمہ ہمیشہ، اِن فُقُورِیْنَ پُروا تھا۔ اللہم مُتَرَلَاتِ عَنی فی غَمْرَہٍ وَلَا فَاحْذِیْ عَلٰی غَمْرَہٍ وَلَا تَجْعَلْنِیْ مَعَ الْغَافِلِیْنَ۔

قوتِ تحریر کے ساتھ تحریر میں بھی انکو کمال تھا، انکے فرامین، خطوط، دستورِ عمل، توقعات، ہر قسم کی تحریریں آج موجود ہیں، جو تحریریں مضمون پر ہے اُس باب میں بے نظیر ہے، چنانچہ ہم بعض بعض تحریریں نقل کرتے ہیں۔  
ابو موسیٰ اشعری کے نام۔

اَمَّا بَعْدُ فَاِنَّ لِلنَّاسِ نَفْرَةً عَنْ سُلْطَانِهِمْ فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ اَنْ تَدْرِكْنِیْ وَاَیَالَکَ عَمِیْآءٌ عَجُوْلَةٌ وَضَعَائِنٌ مُّجْمُوْلَةٌ وَاَهْوَاءٌ مُّتَّبِعَةٌ۔ کُنْ مِنْ مَّالِ اللّٰهِ عَلٰی حَذَرٍ وَخَفِ الْفُسْطَاقَ وَاجْعَلْهُمْ رِیْدًا اَوْ رِجْلًا رَجَلًا وَاذْکَا کَانَتْ بَیْنَ الْقَوْمِ ثَاثَرَةٌ یَا لَفْلَانَ یَا لَفْلَانَ فَاِنَّمَا ثَلَاثُ نَجْوٰی الشَّیْطَانِ فَاصْرِیْهُمْ بِالسَّیْفِ حَتّٰی یَفِیْئُوْا اِلٰی اَمْرِ اللّٰهِ وَیَکُوْنُوْا دَعُوْهُمْ اِلٰی الْاِسْلَامِ۔  
ایک اور تحریر ابو موسیٰ کے نام۔

اَمَّا بَعْدُ فَاِنَّ الْقُوَّةَ فِی الْعَمَلِ اِنْ لَا تَوْخَرُ وَاَعْمَلْ لِبَوْمٍ لَّغَدٍ فَاَنْکُمْ اِذَا فَعَلْتُمْ ذٰلِکَ تَدَارَکَتْ عَلَیْکُمُ الْاَعْمَالُ فَلَمْ تَدْرُوْا اَیَّهَا تَاْخُذُوْنَ فَاصْغَبْ۔

عمر بن العاص کو جب مصر کا گورنر مقرر کر کے بھیجا، تو انھوں نے خراج کے بھیجنے میں دیر کی، حضرت عمر نے تاکید لکھی، عمر بن العاص نے نیت و عمل کیا، حضرت عمر نے عقیمین

اگر زبرد تمہید کا خط لکھا۔ عمرو بن العاص نے بھی نہایت آزادی اور دلیری سے جواب دیا، یہ تحریریں مقریزی نے تاریخ مصر میں بعینہ نقل کی ہیں، انکے دیکھنے سے حضرت عمر کے زور و علم کا اندازہ ہوتا ہے، بعض فقرے یہ ہیں۔

وَقَدْ عَلِمْتُ أَنَّهُ لَمْ يَمْنَعْكَ مِنْ ذَلِكَ إِلَّا أَنَّ عَمَّا لَكَ عَمَالَ السُّوءِ - اتَّخَذَ وَكَ  
كَهْفًا وَعِنْدِي بِإِذْنِ اللَّهِ دَوَاءٌ فِيهِ شِفَاءٌ - إِنِّي عَجِبْتُ مِنْ كَثَرَةِ كُتُبِي إِلَيْكَ فِي  
إِبْطَائِكَ بِالْخِرَاجِ وَكُنَائِكَ إِلَيَّ بِثَنِيَّاتِ الطَّرِيقِ عَمَّا أَسْأَلُكَ فِيهِ فَلَا تَجْعَلْ  
أَبَاعِدَ اللَّهُ إِنْ يُوْخِذُ مِنْكَ الْحَقُّ وَتَعْطَاهُ فَإِنَّ التَّهْمَةَ تَخْرُجُ الدَّرَكُ

نقاشی شاعری

شعرو شاعری کی نسبت اگرچہ انکی شہرت، عام طور پر کم ہے، اور اس میں شبہ نہیں کہ وہ شعر بہت کم کہتے تھے، لیکن شعرو شاعری کا مذاق ایسا عمدہ رکھتے تھے کہ انکی تاریخ زندگی میں یہ واقعہ متروک نہیں ہو سکتا، عرب کے اکثر مشہور شعراء کا کلام، کثرت سے یاد تھا اور تمام شعراء کے کلام پر انکی خاص خاص رائیں تھیں، اہل ادب کو عموماً تسلیم ہے کہ انکے زمانے میں ان سے بڑھ کر کوئی شخص شعر کا پرکھنے والا نہ تھا، علامہ ابن رشیق القیروانی، کتاب العمدہ میں جب کا قلمی نسخہ میرے پاس موجود ہے لکھتے ہیں۔

وَكَانَ مِنْ أَتَقَدِّ أَهْلِ زَمَانِهِ لِلشَّعْرِ  
وَأَنْفَذَ هِرْعُوفِيهِ مَعْرِفَةً -

یعنی حضرت عمر اپنے زمانے میں سب سے بڑھ کر شعر کے نقاد اور دانشمندان تھے۔

جا حط نے کتاب البیان والبتین میں لکھا ہے۔

۱۲۔ کتاب العمدہ ذکر اشعار الخلفاء

كَانَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ أَكْثَرُ النَّاسِ  
 بِإِسْنَادِهِ  
 یعنی عمر بن خطاب - اپنے زمانے میں سب سے بڑھ کر شعروے  
 شناسا تھے۔

نجاشی ایک شاعر تھا جس نے تیم بن مقبل کے خاندان کی بھوکھی تھی۔ ان لوگوں نے حضرت عمر  
 سے اہل شکایت کی، حضرت عمر نے حسان بن ثابت کو جو مشہور شاعر تھے۔ حکم قرار دیا اور جو  
 فیصلہ انھوں نے کیا اُسی کو نافذ کیا۔ اس واقعہ سے چونکہ اس غلط فہمی کا احتمال تھا کہ حضرت  
 عمر خود شعر مہم نہ تھے۔ اس لئے اہل ادب نے جہاں اس واقعہ کو لکھا ہے، یہ بھی لکھا ہے  
 کہ یہ حضرت عمرؓ کی حکمت عملی تھی کہ وہ بد زبان شعراء کے بیچ میں نہیں پڑنا چاہتے تھے، ورنہ  
 شعر کے دقائق ان سے کون بڑھ کر سمجھ سکتا تھا۔

حضرت عمر کو اگرچہ تمام مشہور شعراء کے کلام پر عبور تھا۔ لیکن تین شاعروں کو انھوں نے  
 سب میں انتخاب کیا تھا، امر القیس، زہیر نابغہ، ان سب میں وہ زہیر کا کلام  
 سب سے زیادہ پسند کرتے تھے اور اس کو اشعار الشعراء کہا کرتے تھے، اہل عرب اور علمای دین  
 کے نزدیک اب تک یہ مسئلہ طے نہیں ہوا کہ عرب کا سب سے بڑا شاعر کون تھا؟ لیکن  
 اسپر سب کا اتفاق ہے کہ افضلیت انھی تینوں میں محدود ہے۔ حضرت عمر کے نزدیک زہیر  
 کو سب پر ترجیح تھی، جریر بھی اسی کا قائل تھا، ایک دفعہ ایک غزوہ میں حضرت عبداللہ بن  
 عباس، حضرت عمر کے ساتھ تھے، حضرت عمر نے عبداللہ بن عباس سے کہا کہ اشعار الشعراء

حضرت عمر زہیر  
 کو اشعار الشعراء  
 کہتے تھے

۱۔ کتاب البیان والتبيين مطبوعہ مصر صفحہ ۹۷۔ ۲۔ دیکھو کتاب البیان والتبيين لمجاہ صفحہ ۹۷۔ ۳۔ کتاب العروۃ

باب تفریق الشعراء

کے اشعار پڑھو، عبداللہ بن عباس نے کہا وہ کون؟ فرمایا زہیر انھوں نے ترجیح کی وجہ پوچھی۔ حضرت عمر نے اُسکے جواب میں جو الفاظ فرمائے وہ یہ تھے۔

لَا نَهَ لَا يَتَّبِعُ حَوْشِيَّ الْكَلَامِ وَلَا يَعْظِلُ  
مِنَ الْمَنْطِقِ وَلَا يَقُولُ إِلَّا مَا يَعْرِفُ وَلَا  
يَمْتَدِّحُ الرَّجُلَ إِلَّا بِمَا يَكُونُ فِيهِ -

زہیر کی نسبت  
حضرت عمر کا  
ریکارڈ

وہ (زہیر) ناما نوس الفاظ کی تلاش میں نہیں رہتا۔ اُسکے کلام میں  
بیمیدگی نہیں ہوتی، اور اسی مضمون کو باز رہتا ہے جس سے واقعہ ہو، جب کسی  
کو اگر کہے تو انہی اوصاف کا ذکر کرتا ہے جو دائمی اُمین ہوتے ہیں۔

پھر سند کے طور پر یہ اشعار پڑھے۔

إِذَا بَدَأَ رِثَ قَلْبِي بِنَ غِيلَانَ عَايَةً  
وَلَوْ كَانَ حَمْدُ مُحَمَّدٍ النَّاسِ لَمْ تَمُتْ  
مِنَ الْحَمْدِ مَنْ لَيْسَ بِهَا لَيْسَ يَحْمَدُ  
وَلَكِنْ حَمْدُ النَّاسِ لَيْسَ يَحْمَدُ  
باقیدین فن نے، زہیر کا تمام کلام پڑھ کر جو خصوصیتیں اس میں بتائی ہیں وہ یہ ہیں، کہ اُسکا  
کلام صاف ہوتا ہے اور باوجود اُسکے کہ وہ جاہلیت کا شاعر ہے اُسکی زبان ایسی سُستہ  
ہے، کہ اسلامی شاعر معلوم ہوتا ہے، اُسکے ساتھ وہ بجا بجا لائق نہیں کرتا، حضرت عمر نے ان  
تمام خصوصیتوں کو نہایت مختصر لفظوں میں ادا کر دیا۔

زہیر کا ممدوح، ہرم بن شان عرب کا ایک رئیس تھا، اتفاق یہ کہ زہیر اور ہرم،  
دونوں کی اولاد نے حضرت عمر کا زمانہ پایا اور اُنکے دربار میں حاضر ہوئے۔ حضرت عمر نے ہرم  
کے فرزند سے کہا کہ اپنے باپ کی مح میں زہیر کا کچھ کلام پڑھو، اُسے ارشاد کی تمیل کی حضرت  
عمر نے فرمایا کہ تمہارے خاندان کی شان میں زہیر خوب کہتا تھا، اُسے کہا کہ ہم صلہ بھی خوب  
دیتے تھے، حضرت عمر نے فرمایا ہاں، لیکن تم نے جو دیا تھا وہ فنا ہو گیا اور اُسکا دیا ہوا آج

بھی باقی ہے ”زہیر کے بیٹے سے کہا کہ ہرم نے تمہارے باپ کو جو غلٹ دئے تھے کیا ہوئے۔ اسنے کہا بوسیدہ ہو گئے۔ فرمایا لیکن تمہارے باپ نے ہرم کو جو غلٹ عطا کئے تھے۔ زمانہ انکو بوسیدہ نہ کر سکا۔

زہیر کے بعد، وہ نابزہ کے معترن تھے اور اسکے اکثر اشعار انکو یاد تھے، امام شعبی کا بیان ہے کہ ایک دفعہ لوگوں سے مخاطب ہو کر کہا کہ سب بڑھکر شاعر کون ہے؟ لوگوں نے کہا آپ سے زیادہ کون جانتا ہے، فرمایا۔ یہ شعر کیا ہے۔

اَلَا سَلِيْمَانٌ اِذْ قَالَ اِلٰهَ لَهُ فُتِحَ فِي الْبَرِيَةِ فَاحْدَدْ هَاعِنَ الْفَنَدِ  
لوگوں نے کہا نابزہ کا، پھر پوچھا یہ شعر کیا ہے؟

اَتَيْتُكَ عَسَائِرًا خَلِيعًا ثِيَابِي عَلَى خَوْفٍ تَنْظُرُ بِيْهِ الظُّنُونُ  
لوگوں نے کہا نابزہ کا۔ پھر پوچھا یہ اشعار کیکے ہیں؟

حَلَفْتُ فَاَنْتُ لِيْ نَفْسِكَ رِيْبَةً وَلَكَيْسَ وَرَاءَ اَللّٰهِ لِمُرْكٍ عِمْدٌ هَلَبُ  
لوگوں نے کہا نابزہ کا۔ فرمایا ”یہ شخص اشعار عرب ہے۔“

بایںہ وہ امر ابقیس کی استاد ی اور ایجاد مضامین کے منکر نہ تھے، ایک دفعہ حضرت عبداللہ بن عباس نے شعر کی نسبت انکی رائے پوچھی تو امر ابقیس کی نسبت یہ الفاظ فرمائے۔

سَا يَهْمُهُمْ خَسَفَ لَهُمْ عَيْنُ الشَّعْرِ	وہ سب سے آگے ہے۔ اسی نے شعر کے پتے سے پانی نکالا۔ اسی نے
وَاَفْتَقَرُ عَنْ مَعَايِنِ عُنُورٍ اَصْحَعَ بَصِيرَ	انہی معاین کو بینا کر دیا۔

امر ابقیس  
کی نسبت  
انکی رائے

اخیر کا فقرہ اس لحاظ سے ہے کہ امر ابقیس مبنی تھا اور اہل میں فصاحت و بلاغت میں کم درجہ پر

۱۔ آغانی تذکرہ زہیر۔ ۲۔ آغانی تذکرہ نابزہ۔

مانے جاتے تھے۔ چنانچہ علامہ بن رشین نے حضرت عمر کے اس قول کا یہی مطلب بیان کیا ہے۔  
 حضرت عمر کے ذوقِ سخن کا یہ حال تھا کہ اچھا شعر سنتے تھے تو بار بار منہ لے لیکر پڑھتے تھے،  
 ایک دفعہ زہیر کے اشعار سن رہے تھے، یہ شعر آیا۔

شعر کا ذوق

وَإِنَّ الْحَقَّ مَقْطَعُهُ شَلَاكٌ سَمِينٌ أَوْ لَعْنًا أَوْ جَلَاءُ  
 تو حسنِ تقسیم بہت محفوظ ہوئے، اور دیر تک بار بار اس شعر کو پڑھا کیے، ایک اور دفعہ، عبیدہ  
 بن الطیب کا لایہ قصیدہ سن رہے تھے اس شعر کو سنکر

وَالْمَرْءُ سَاعٍ لَا هَرٍ لَيْسَ يَدْرِكُهُ وَالْعَيْشُ ثَمٌّ وَأَشْفَاءُ وَتَأْمِيلٌ  
 پھٹک اٹھے اور دوسرا مصرع بار بار پڑھتے رہے، اسی طرح ابوقیس بن الاصلت کا  
 قصیدہ سنا تو بعض اشعار کو دیر تک دہرایا کیے۔

اگرچہ انکو مہاتِ خلافت کی وجہ سے ان اشغال میں مصروف ہونے کا موقع نہیں مل سکتا  
 تھا۔ تاہم چونکہ طبعی ذوق رکھتے تھے سیکڑوں ہزاروں شعرا دیکھتے۔ علمائے ادب کا بیان  
 ہے کہ انکے حفظِ اشعار کا یہ حال تھا کہ جب کوئی معاملہ فیصل کرتے تو ضرور کوئی شعر پڑھتے۔

حفظِ اشعار

جس قسم کے اشعار وہ پسند کرتے تھے وہ صرف وہ تھے جن میں خود داری، آزادی، انحراف  
 نفس، ہمت، غیرت، کے مضامین ہوتے تھے، اسی بنا پر۔ اُمراءِ فوج اور عمالِ مملعت  
 کو حکم بھیج دیا تھا کہ لوگوں کو اشعار یاد کرنے کی تاکید کی جائے۔ چنانچہ ابو موسیٰ اشعری کو یہ  
 فرمان بھیجا۔

لَا تَنْسَ بَلْعَمَهُ بِلَالُ الشَّاهِدِينَ اشعراء۔ یہ تمام روایتیں ماحضہ کتاب البیان و التبيين (صفحہ ۹۹) وہ ہیں نقل کی ہیں۔



مُرُّ مِنْ قَبْلِكَ سَتَعْلَمُ الشَّعِيرَ كَيْتَهُ  
يَدُلُّ عَلَى مَعَانِي الْأَخْلَاقِ دَوَابِ  
الرَّأْيِ وَمَعْرِفَةِ الْأَنْسَابِ۔  
لوگوں کو اشارے کی یاد کرنے کا حکم دو، کیونکہ وہ اس لحاظ  
کی بندہ باتیں اور صحیح رائے اور انساب کے طرف رستہ  
دکھاتے ہیں۔

اشعار کا تعلیم  
میں داخل  
کرتا

تمام اضلاع میں جو حکم بھیجا تھا اُس کے یہ الفاظ تھے۔

عَلِمُوا أَوْلَادَكُمْ الْعُورَ وَالْعُرُوسِيَّةَ  
وَسَرُّوهُمْ مَا سَارَ مِنَ الْمَثَلِ دَحْشَنَ مِنَ الشَّعْرِ  
اپنی اولاد کو تیرنا اور شہسوار کی سکھلاؤ، اور غریب خلیں اور  
اچھے اشعار یاد کرو۔

شاعری کی  
اصلاح

اس موقع پر یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ حضرت عمرؓ نے شاعری کے بہت سے  
عیوب مٹا دیے۔ اس وقت تک تمام عرب میں یہ طریقہ جاری تھا کہ شعراء شریف عورتوں  
کا نام علانیہ اشعار میں لاتے تھے اور اُن سے اپنا عشق جاتے تھے۔ حضرت عمرؓ نے اس  
رسم کو بالکل مٹا دیا اور اس کی سخت سزا مقرر کی، اسی طرح بھوکوئی کو ایک جرم قرار دیا۔ اور  
حطیہ کو جو مشہور بھوکو تھا اس جرم میں قید کیا۔

لطیفہ بنو العجلان، ایک نہایت مہذب قبیلہ تھا، ایک شاعر نے ان کی بھوکھی، انھوں نے  
حضرت عمرؓ سے آکر شکایت کی۔ حضرت عمرؓ نے کہا وہ اشعار کیا ہیں؟ انھوں نے یہ شعر پڑھا۔  
إِذَا اللَّهُ عَادَى أَهْلَ لُؤْمٍ وَرِيشَةٍ فَعَادَى بَنِي الْعَجْلَانِ وَهَاطْنِ مُقْبِلِ  
خدا، اگر کہینہ آدمیوں کو دشمن رکھتا ہے تو قبیلہ عجلان کو بھی دشمن رکھے  
حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ یہ تو بھونہیں بلکہ بد دعا ہے اور ممکن ہے کہ خدا اسکو قبول نہ کرے،

انھوں نے دوسرا شعر پڑھا۔

قَبِيلُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ بِذِمَّتِهِ وَلَا يَظْلِمُونَ النَّاسَ حَبَّةَ خَرْدَلٍ

یہ قبیلہ کسی سے بدمعہ دی نہیں کرتا اور نہ کسی پر، رائی برابر ظلم کرتا

حضرت عمرؓ نے فرمایا "کاش میرا تمام خاندان ایسا ہی ہوتا" حالانکہ شاعر نے اس لحاظ

سے کہا تھا کہ عرب میں یہ باتیں کمزوری کی علامت سمجھی جاتی تھیں۔

وَلَا يَسِرُّوْنَ الْمَاءَ إِلَّا عَشِيَّةً إِذَا صَدَرَ الْوُتْرُ ادْعَنَ كُلُّ مَنْهَلٍ

یہ لوگ چننے یا کنے پر، مرت رات کے وقت ہاتھ ہیں جب اور لوگ واپس آسکتے ہیں

یہ بات بھی شاعر نے اس لحاظ سے کہی تھی کہ اہل عرب کے نزدیک عیس اور کمزور لوگ ایسا کیا کرتے

تھے۔ حضرت عمرؓ نے یہ شعر سن کر کہا کہ بھڑے بچا تو بہت اچھی بات ہے، انھوں نے آخری شعر پڑھا۔

وَمَا يَبْقَى الْعَجْلَانُ إِلَّا لِقَوْلِهِمْ خذ الْقَعْلَ حُلْبًا يَهْأ الْعَبْدُ وَاعْجَلِ

اُسکا نام عجلان اس لیے پڑا کہ لوگ اُس سے کہتے تھے کہ ابے او غلام! پیالے اور جلدی سے دودھ دہلا

حضرت عمرؓ نے فرمایا "سَيِّدُ الْقَوْمِ خَادِمُهُمْ"۔

علم الانساب یعنی قبائل کا نام و نسب یاد رکھنا، حضرت عمرؓ کا خانہ زاد علم تھا یعنی کئی

پشتون سے چلا آتا تھا، انکے باپ خطابؓ مشہور نساب تھے۔ حضرت عمرؓ اس فن کی معلومات

کے متعلق اکثر انکا حوالہ دیا کرتے تھے، خطابؓ کے باپ نفیلؓ بھی اس فن میں شہرت

رکھتے تھے چنانچہ ان واقعات کو ہم، حضرت عمرؓ کے ابتدائی حالات میں لکھ آئے ہیں،

لکھنا پڑھنا بھی جیسا کہ ہم آغاز کتاب میں لکھ آئے ہیں، اسلام سے پہلے یکم لیا تھا۔

علم الانساب

عبرانی زبان  
سے تفسیر

قراین سے معلوم ہوتا ہے کہ مدینہ پہنچ کر انھوں نے عبرانی زبان بھی سیکھ لی تھی، روایات سے ثابت ہے کہ اس وقت تک توریت کا ترجمہ عربی زبان میں نہیں ہوا تھا۔ آنحضرت کے زمانے میں جب توریت کا کچھ کام پڑتا تھا تو عبرانی ہی نسخہ کی طرف رجوع کرنا پڑتا تھا۔ اور چونکہ مسلمان عمری نہیں جانتے تھے اس لئے یہودی پڑھکر سناتے اور عربی میں ترجمہ کرتے جاتے۔ صحیح بخاری میں حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ۔

كَانَ أَهْلُ الْكِتَابِ يَقْرَأُونَ التَّوْرَةَ بِالْعِبْرَانِيَّةِ  
وَيُفَسِّرُونَهَا بِالْعَرَبِيَّةِ لِأَهْلِ الْإِسْلَامِ

یعنی اہل کتاب توریت کو عبرانی زبان میں پڑھتے تھے۔  
اور مسلمانوں کے لئے عربی میں اس کا ترجمہ کرتے جاتے تھے۔

سند دارمی میں روایت ہے کہ ایک دفعہ حضرت عمرؓ توریت کا ایک نسخہ آنحضرت کے پاس لے گئے اور اسکو پڑھنا شروع کیا، وہ پڑھتے جاتے تھے اور آنحضرت کا چہرہ تغیر ہوتا جاتا تھا۔ اس سے قیاس ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ عبرانی زبان اس قدر سیکھ گئے تھے کہ توریت کو خود پڑھ سکتے تھے۔

یہ امر بھی صحیح روایتوں سے ثابت ہے کہ یہودیوں کے ہاں جس دن توریت کا درس ہوا کرتا تھا حضرت عمرؓ اکثر شریک ہوتے تھے، انکا خود بیان ہے کہ میں یہودیوں کے درس کے دن انکے ہاں جایا کرتا تھا چنانچہ یہودی کہا کرتے تھے کہ تمہارے ہم مذہبوں میں سے ہم تمکو سب سے زیادہ عزیز رکھتے ہیں کیونکہ تم ہمارے پاس آتے جاتے ہو۔

صحیح بخاری مطبوعہ احمدی میرٹھ صفحہ ۱۰۹-۱۱۰ سند دارمی مطبوعہ کانپور صفحہ ۶۲-۶۱ کثیرالعمال روایت بیہقی

حضرت عمر کی نقادی اور نکتہ سنجی نے یہاں بھی کام دیا۔ یعنی جس قدر وہ یہودیوں کی کتابوں سے واقف ہوتے گئے، اُسی قدر انکے یہودہ افانوں اور قصوں سے انکو نفرت ہوتی گئی۔ نہایت کثرت سے روایتیں موجود ہیں کہ شام و عراق وغیرہ میں مسلمانوں کو یہودیوں کی تصنیفات بات آئیں تو حضرت عمر نے لوگوں کو نہایت سختی سے انکے پڑھنے سے روکا، انکی ذہانت و طباعی کا صحیح اندازہ اگرچہ انکے فقہی اجتہادات سے ہو سکتا ہے جسکا ذکر علی کمالات میں اوپر گزر چکا لیکن انکی معمولی سے معمولی بات بھی ذہانت و طباعی سے خالی نہیں ہوتی تھی چنانچہ ہم دو تین مثالیں منونے کے طور پر لکھتے ہیں۔

ذہانت و طباعی

حضرت عمار بن یاسر کو جب انھوں نے کوفہ کا حاکم مقرر کیا تو برس دن بھی نہیں گزرے تھے کہ لوگوں نے دربار خلافت میں شکایت پیش کی کہ وہ رعب و داب اور سیاست کے آدمی نہیں۔ حضرت عمر نے انکو واپس بلا لیا اور کہا کہ میں خود بھی اس بات کو جانتا تھا لیکن میں نے خیال کیا کہ شاید خدا آپکو اس آیت کا مصداق بنائے۔

وَنُذِذُكَ أَنْ تَمُنَ عَلَى الَّذِينَ اسْتَضَعُّوكَ  
فِي الْأَرْضِ نَجْعَلُهُمْ أُتَمَّةً وَنَجْعَلُكُمُ الْوَارِثِينَ

ایک دفعہ ایک شخص کو دعا مانگتے سنا کہ ”خدا یا! مجھکو فتنوں سے بچانا“، فرمایا کیا تم یہ جانتے ہو کہ خدا تمکو آل اولاد نہ دے۔ (قرآن مجید میں خدا نے آل و اولاد کو فتنہ کہا ہے اِنْ شَاءَ اَمَّا الْكُفْرُ وَالْاَوَّلَادُ كُفْرًا)۔

لے تاریخ طبری جلد اول عمار بن یاسر۔ ۷۷ از آثار اہل تصوف ص ۲۰۰

ایک دفعہ ایک شخص نے پوچھا کہ دریا کے سفر میں - قصر ہے یا نہیں؟ اسکی غرض یہ تھی کہ دریا کا سفر شرعاً سفر ہے یا نہیں، حضرت عمرؓ نے فرمایا کیون نہیں، خدا خود فرماتا ہے۔

هُوَ الَّذِي كَسَّٰ بِكُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ (وہ خدا وہ ہے جو تمکو خشکی اور تری کی سیر لراتا ہے۔)

یکساں سفر ہے

انکے حکیمانہ مقولے اکثر ادب کی کتابوں میں، اور خصوصاً مجمع الاسال سیدانی کے غاتمہ میں کثرت سے نقل کئے ہیں، نمونے کے طور پر بعض مقولے بیان درج کئے جاتے ہیں۔

مَنْ كَلَّمَ سِرًّا كَانَ الْخِيَارُ فِي يَدَيْهِ (جو شخص اپنا راز چھپاتا ہے وہ اپنا اختیار اپنے ہاتھ میں رکھتا ہے۔)

إِنَّمَا مَنْ تَبَعُضُهُ وَلَوْ بِكُمْ (جس سے تم کو نفرت ہو اُس سے ڈرتے رہو۔)

أَعْقَلُ النَّاسِ أَعْدَدُهُمُ لِلنَّاسِ (سے زیادہ عاقل وہ شخص ہے جو اپنے افعال کی اچھی تاویل کر سکتا ہو۔)

لَا تَوَعَّضْ عَمَلِ يَوْمِكَ إِلَى غَدِكَ (آج کا کام کل پر اٹھ نہ رکھو۔)

أَبَتْ الدَّرَاهِمُ إِلَّا أَنْ يَخْرُجَ أَعْنَاهَا (رُوپے، سارا پیسے کئے بغیر نہیں رہتے۔)

مَا أَدْبَرَ شَيْءٌ فَأَقْبَلَ (جو چیز پیچھے ہٹتی ہے اُسے نہیں بڑھتی۔)

مَنْ لَمْ يَعْرِفِ الشَّرَّ يَقَعْ فِيهِ (جو شخص بُرائی سے بالکل واقف نہیں وہ بُرائی میں مبتلا ہوگا۔)

مَا سَأَلَنِي دَجَلٌ إِلَّا تَبَيَّنَ لِي فِي عَقْلِهِ (جب کوئی شخص مجھے سوال کرتا ہے تو مجھکو اُسکی عقل کا اندازہ معلوم ہو جاتا ہے۔)

دوا عطا سے خطاب کر کے لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ النَّاسُ عَنْ نَفْسِكَ (لوگوں کی منکر میں تم اپنے تئیں بھول نہ جاؤ۔)

أَقِيلُ مِنَ الدُّنْيَا تَعِيشُ حُرًّا (دنیا تھوڑی سی لو تو آزادانہ بسر کر سکو گے۔)

تَرَكُوا الْخَطِيئَةَ أَهْمَلُ مِنْ مُعَالَجَةِ التَّوْبَةِ (توبہ کی تحفیف سے گناہ کا جھوڑ دینا زیادہ آسان ہے۔)

لی علی کلِّ خائنٍ آمیناً المَاءُ وَالطَّيْنُ	بر بدیانت پر میرے دودار دے متعین ہیں۔ آب و گل۔
لَوْ أَنَّ الصَّابِرَ وَالشَّكْرَ بَعِيدَانِ	اگر صبر و شکر دُ سوارِ یان ہو تین تو میں اسکی نہ پروا کرتا کہ
مَا بَالَيْتُ عَلَى أَيِّهِمَا رَكِبْتُ۔	درون میں سے کس پر سوار ہوں۔
رَحِمَ اللَّهُ امْرَأَةً أَهْلَى	مذا اُس شخص کا بھلا کرے جو میرے عیب پرے پاس
إِلَى عُيُوبِي۔	تھے میں سمجھتا ہے (میری بھیجے میرے عیب ظاہر کرتا ہے)

صائب  
ہونا

راے نہایت صائب ہوتی تھی۔ عبد اللہ بن عمر فرمایا کرتے تھے کہ جب عمر کسی معاملہ میں یہ کہتے تھے کہ میرا اسکی نسبت یہ خیال ہے، تو ہمیشہ وہی پیش آتا تھا جو انکا گمان ہوتا تھا، اس سے زیادہ اصابت راے کی کیا دلیل ہوگی کہ انکی بہت سی رائیں مذہبی احکام بن گئیں اور آج تک قائم ہیں، نماز کے اعلان کے لئے جب ایک معین طریقہ کی تجویز پیش ہوئی تو لوگوں نے مختلف رائیں پیش کیں۔ کسی نے ناقوس کا نام لیا۔ کسی نے ترہی کی راے دی، حضرت عمر نے کہا ایک آدمی کیون نہ مقرر کیا جاے جو نماز کی منادی کیا کرے، آنحضرت نے اُسی وقت بلال کو حکم دیا کہ اذان دین، چنانچہ یہ پہلا دن تھا کہ اذان کا طریقہ قائم ہوا، اور حقیقت ایک مذہبی فرض کے لئے اس سے زیادہ کوئی طریقہ موثر اور موزون نہیں ہو سکتا تھا۔ اسیران بدر کے معاملے میں جب اختلاف ہوا، تو حضرت عمر نے جو راے دی، وحی اُسی کے موافق آئی۔ آنحضرت کے ازواج مطہرات پہلے، پردہ نہیں کرتی تھیں حضرت عمر کو اسپر بارہا خیال ہوا اور انھوں نے آنحضرت سے عرض کیا، لیکن آنحضرت

اذان کا طریقہ  
حضرت عمر کی  
راے سے  
قائم ہوا

اسیران بدر

نزدیک حضرت  
کا پردہ

وحی کا انتظار فرماتے تھے، چنانچہ خاص پردہ کی آیت نازل ہوئی جسکو آیت حجاب کہتے ہیں۔  
عبد اللہ بن ابی جو منافقون کا سرگروہ تھا جب مرا، تو آنحضرتؐ نے غلق نبوی کی بنا پر اس کے  
جنازہ کی نماز پڑھنی چاہی، حضرت عمرؓ نے گستاخانہ عرض کیا کہ آپ منافق کے جنازے پر نماز  
پڑھتے ہیں! اُس پر یہ آیت اتری وَلَا تَصَلِّ عَلَى أَحَدٍ مِنْهُمْ۔ یہ تمام واقعات صحیح بخاری  
موسلم وغیرہ میں مذکور ہیں۔

حضرت عمرؓ کی رائے صائب کا نتیجہ تھا کہ قرآن مجید مدون و مرتب ہوا اور نہ حضرت  
ابوبکرؓ اور زید بن ثابتؓ (کاتب وحی) دونوں صاحبون نے۔ پہلے اس تجویز سے مخالفت  
کی تھی، تمام مذہبی اور ملکی اہم مسائل میں جہان جہان اور صحابہ کو حضرت عمرؓ سے اختلاف  
ہوا یا اشتناک بعض موقعوں کے، عموماً حضرت عمرؓ کی رائے صائب نکلیں، مالک مفتوحہ  
کے متعلق ان صحابہ متفق الرائے تھے کہ فوج کو تقسیم کر دیے جائیں، ایک حضرت عمرؓ اس  
رائے کے خلاف تھے اور اگر لوگوں نے انکی رائے کو نہ مانا ہوتا تو اسلامی مملکت تاج کا ستارہ  
سے بدتر ہو گئی ہوتی۔ حضرت ابوبکرؓ و حضرت علیؓ دونوں فتوحات کی آمدنی میں ہر شخص کا  
برابر حصہ لگاتے تھے، حضرت عمرؓ نے حقوق اور کارگزاری کے فرق مراتب کے لحاظ سے  
مختلف شرحیں قرار دیں، حضرت ابوبکرؓ و حضرت علیؓ، دونوں صاحبون نے اہمات و ولادت  
کی عزیز و فردخت کو جائز رکھا، حضرت عمرؓ نے مخالفت کی، ان تمام واقعات میں حضرت

صلواتی ابو یوسف صاحب کتاب الخراج میں لکھتے ہیں "ان عمر بن الخطاب استشار الناس فی السوادین افتخ فزی عما مستهم  
ان یعسر۔ دوسری جگہ لکھتے ہیں ان اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و جاء المسلمین ارادوا عمر بن الخطاب ان  
یعسر اشام الخ۔ (کتاب مذکور صفحہ ۱۵)

عمر کی رائے کو جو ترجیح ہے وہ محتاج دلیل نہیں۔

خلافت کے متعلق جب بحث پیدا ہوئی کہ حضرت عمرؓ کے بعد کون اس بارگراں کو اٹھا سکتا ہے؟ تو چھ صاحبوں کے نام لئے گئے۔ حضرت عمرؓ نے ہر ایک کے متعلق خاص خاص رائے دین اور وہ سب صحیح نکلیں،

وہ ہر کام میں غور اور فکر کو عمل میں لاتے تھے اور ظاہری باتوں پر بھروسہ نہیں کرتے

تھے۔ انکا قول تھا کہ لَا يُعْجِبُكُمْ مِنَ الرَّجُلِ ظَنُّنَهُ  
یعنی کسی کی شہرت کا آوازہ شکر دھوکے میں نہ آؤ،  
اکثر کہا کرتے تھے۔ لَا تَنْظُرُوا إِلَى صَلَوةِ  
یعنی آدمی کی نماز روزہ پر نہ جاؤ بلکہ اسکی سچائی اور عقل  
اُمْرِءٍ وَلَا حَيَاةٍ وَلَكِنْ اَنْظُرُوا إِلَى عَقْلِهِ وَصِدْقِهِ  
کو دیکھو۔

ایک دفعہ ایک شخص نے اُنکے سامنے کسی کی تعریف کی، فرمایا کہ تم سے کبھی معاملہ پڑا ہے؟ اُس نے کہا نہیں، پوچھا کبھی سفر میں ساتھ ہوا ہے؟ اُس نے کہا نہیں، فرمایا کہ تو۔ تم وہ بات کہتے ہو جو جانتے نہیں۔ احادیث کے باب میں بڑی غلطی جو لوگوں سے ہوئی یہی تھی کہ اکثر محدثین۔ جس شخص کو ظاہر میں زاہد و پارسا دیکھتے تھے ثقہ سمجھ کر اس سے روایت شریعہ کر دیتے تھے۔ عبد الکریم بن ابی المہرق جو ایک ضعیف الروایہ شخص تھا اُس سے امام مالک نے روایت کی۔ لوگوں نے تعجب سے پوچھا کہ آپ ایسے شخص سے روایت کرتے ہیں! اُنھوں نے فرمایا کہ

عَرَفْتُ بِكَثْرَةِ جُلُوسِهِ فِي الْمَسْجِدِ  
یعنی اس بات نے مجھ کو دھوکا دیا کہ کثرت سے مسجد میں بیٹھا کرتا تھا۔

یہ قول زائد تھا ہفتہ دوم صفحہ ۷۷۰ میں نقل کیا ہے ۷۷۰ فتح البیہق صفحہ ۱۲۰

قابلیت  
کی نسبت  
عمرؓ کے

نکتہ سنجی اد  
غور سے



مذہبی زندگی

دن کو متماتِ خلافت کی وجہ سے کم فرصت ملتی تھی اس لئے عبادت کا وقت رات کو مقرر کیا تھا۔ معمول تھا کہ رات کو نفلین پڑھتے رہتے، جب صبح ہونے کو آتی تو گھر والوں کو جگاتے اور یہ آیت پڑھتے وَأَمْرُ أَهْلِكَ بِالصَّلَاةِ۔ فجر کی نماز میں بڑی بڑی سورتیں پڑھتے لیکن زیادہ سے زیادہ ۲۰ آیتیں پڑھتے، عبد اللہ بن عامر کا بیان ہے کہ میں نے ایک دفعہ ان کے پیچھے فجر کی نماز پڑھی تو انھوں نے سورہ یوسف اور سورہ حج پڑھی مٹی۔ یونس۔ کہتے۔ ہود کا پڑھنا بھی اُن سے مروی ہے۔ نماز، جماعت کے ساتھ پسند کرتے تھے، اور کہا کرتے تھے۔ کہ میں اُسکو تمام رات کی عبادت پر ترجیح دیتا ہوں۔ کوئی ضروری کام اُڑتا اور وقت کی تاخیر کا خوف نہوتا تو پہلے اُسکو انجام دیتے، ایک دفعہ اقامت ہو چکی تھی اور صفین درست ہو چکی تھیں کہ ایک شخص صف سے کلکڑانگی طرف بڑھا۔ وہ اسکی طرف متوجہ ہوئے اور دیر تک اُس سے باتیں کرتے رہے۔ فرمایا کرتے تھے کہ کھانے سے فارغ ہو لو تب نماز پڑھو۔ بعض اوقات، جہاد وغیرہ کے اہتمام میں اس قدر مصروف رہتے تھے کہ نماز میں بھی وہی خیال بندھا رہتا تھا۔ خود اُنکا قول ہے کہ میں نماز پڑھتا ہوتا ہوں اور فوج میں طیار کیا کرتا ہوں، ایک اور روایت ہے کہ میں نے نماز میں بحرن کے جزیرہ کا حساب کیا۔ ایک دفعہ نماز پڑھ رہے تھے یہ آیت فَلْيَعْبُدُوا رَبَّ هَذَا الْبَيْتِ اَللّٰهُ تَوَكَّبِہ کی طرف انگلی اٹھا کر اشارہ کیا۔ شاہ دلی اللہ صاحب نے اس روایت کو نقل کر کے لکھا ہے کہ نماز میں اس قدر اشارہ کرنا جائز ہے۔ بعض اوقات جمعہ کا خطبہ پڑھتے پڑھتے کسی سے خطاب

۱۔ موطا امام مالک ۲۔ ازاد الفخار بحوالہ مصنف ابن ابی شیبہ صفحہ ۹۵۔ ۳۔ ازاد الفخار بحوالہ مصنف ابن ابی شیبہ صفحہ ۹۵۔ ۴۔ ازاد الفخار بحوالہ مصنف ابن ابی شیبہ صفحہ ۹۵۔

ہو جاتے۔ موطا امام مالک میں ہے کہ ایک دفعہ حضرت عثمانؓ کو جمعہ میں دیر ہو گئی اور مسجد میں اس وقت پہنچے کہ حضرت عمرؓ نے خطبہ شروع کر دیا تھا۔ عین خطبہ کی حالت میں حضرت عمرؓ نے انکی طرف دیکھا اور کہا کہ یہ کیا وقت ہے؟ انھوں نے کہا میں بازار سے آ رہا تھا کہ اذان سنی فوراً وضو کر کے حاضر ہوا۔ حضرت عمرؓ نے کہا وضو پر کیوں اکتفا کیا؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم دیا کرتے تھے۔ ابو بکر ابن ابی شیبہ نے روایت کی ہے کہ مرنے سے دو برس پہلے مقل روزے رکھنے شروع کئے تھے، لیکن انھی کی یہ روایت بھی ہے کہ ایک شخص کی نسبت سنا کہ صائم اللہ بہتے تو اس کے مارنے کے لئے درہ اٹھایا۔

حج ہر سال کرتے تھے اور خود میرہ قافلہ ہوتے تھے۔

قیامت کے مواخذہ سے بہت ڈرتے تھے اور ہر وقت اسکا خیال رہتا تھا صحیح بخاری میں ہے کہ ایک دفعہ ابو موسیٰ اشعریؓ سے مخاطب ہو کر کہا کہ کیوں ابو موسیٰ! تم اسپر راضی ہو کہ ہم لوگ جو اسلام لائے اور ہجرت اختیار کی اور رسول اللہ کی خدمت میں ہر جگہ موجود رہے، ان تمام باتوں کا صلہ ہم کو یہ ملے کہ برابر سراب پر چھوٹ جائیں یعنی نہ ہم کو ثواب ملے نہ عذاب، ابو موسیٰ نے کہا نہیں میں تو اسپر ہر گز راضی نہیں، ہم نے بہت سی نیکیاں کی ہیں اور ہم کو بہت کچھ امید ہے، حضرت عمرؓ نے کہا ”اُس ذات کی قسم جسکے ہاتھ میں عمر کی جان ہے کہ میں تو صرف اسی قدر چاہتا ہوں کہ ہم بے مواخذہ چھوٹ جائیں“۔ مرنے کے وقت یہ شعر پڑھتے تھے۔

اور قادیسیہ کے معرکہ میں جب انکو بھیجا تو سعد وقاص کو لکھا کہ میں دو ہزار سوار تمہاری مدد کو بھیجتا ہوں، عمر سعد یکر ب پہلوانی کے ساتھ خطیب اور شاعر بھی تھے حضرت عمر، اکثر ان سے فنون حرب کے متعلق گفتگو کیا کرتے تھے چنانچہ ایک جلسہ میں قبائل عرب، اور اسلحہ جنگ کی نسبت جو سوالات کئے اور عمر سعد یکر ب نے ایک ایک کی نسبت جن مختصر اور بلوغ فقرہوں میں جواب دئے اسکو اہل ادب نے عموماً اور سعودی نے مروج الذہب میں تفصیل لکھا ہے چنانچہ نیزہ کی نسبت پوچھا تو کہا۔

أَخْوَاكَ دَرْمًا حَاثًا نَاكَ۔ یعنی ”تیرا جانی ہے لیکن کبھی کبھی دغا دیتا جاتا ہے“

پھر تیردن کی نسبت پوچھا تو کہا۔

بُرْدُ الْمَنَايَا تَخْطِي وَتُصِيبُ۔ یعنی ”سوئے قاصدین کبھی منزل تک پہنچتے ہیں اور کبھی ہلک جاتے ہیں“

دُمال کی نسبت کما علیہ تَدْوَرُ الدَّوَالِ اسی طرح ایک ایک ہتیار کی نسبت عجیب عجیب بلوغ فقرے استعمال کئے جسکی تفصیل کا یہ محل نہیں۔

حضرت عمر کے اس طریق عمل نے عرب کے تمام قابل آدمیوں کو دربار خلافت میں جمع کر دیا، اور حضرت عمر نے انکی قابلیتوں سے بڑے بڑے کام لئے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تعلق کا نہایت پاس کرتے تھے۔ جب صحابہ وغیرہ کے شیور مقرر کرنے چاہے تو عبد الرحمن بن عوف وغیرہ کی رائے مٹتی کہ حضرت عمر مقدم رکھے جائیں لیکن حضرت عمر نے انکار کیا اور کہا کہ ترتیب مدایح میں سب سے مقدم آنحضرت کے تعلق کے قرب و بعد کا لحاظ ہے چنانچہ سب سے پہلے قبیلہ بنی ہاشم سے شروع کیا اور اس میں بھی

حضرت عباس و حضرت علی کے ناموں سے ابتدا کی۔ بنو ہاشم کے بعد، آنحضرت سے نسب میں قریب بنو امیہ تھے۔ پھر بنو عبد الشمس و بنو نوفل، پھر عبد العزی۔ یہاں تک کہ حضرت عمر کا قبیلہ بنو عدی پانچویں درجے میں پڑتا تھا چنانچہ اسی ترقیب سے سب کے نام لکھے گئے۔ تنخواہوں کی مقدار میں بھی اسی کا لحاظ رکھا۔ سب سے زیادہ تنخواہیں جن لوگوں کی تھیں وہ اصحاب بدر تھے۔ حضرت امام حسن و حسین علیہما السلام اگرچہ اس گروہ میں نہ تھے لیکن انکی تنخواہیں اسی حساب سے مقرر کیں، رسول اللہ کے ازواج مطہرات کی تنخواہیں بارہ بارہ ہزار مقرر کیں اور یہ سب سے بڑی مقدار تھی۔ اساتہ بن زید کی تنخواہ جب اپنے فرزند عبد اللہ سے زیادہ مقرر کی تو عبد اللہ نے عذر کیا۔ فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تعب سے، اور اسامہ کے باپ کو تیرے باپ سے زیادہ عزیز رکھتے تھے۔

حضرت علی کے ساتھ حضرت ابو بکر کی ابتدا سے خلافت میں (جیسا کہ ہم اوپر لکھ آئے ہیں) کسی قدر شکر بخشی رہی جسکی وجہ یہ تھی کہ حضرت علی نے چھ مہینے تک حضرت ابو بکر کی خلافت پر بیعت نہیں کی، چنانچہ صحیح بخاری باب غزوۃ خیبر میں ہے کہ چھ مہینے کے بعد یعنی جب غلامہ زہرا کا انتقال ہو چکا۔ تو حضرت علی نے۔ حضرت ابو بکر کو مصاحبت اور بیعت کی غرض سے بلانا چاہا لیکن یہ کہلا بھیجا کہ آپ تنہا آئیں، کیونکہ حضرت علی، حضرت عمر کی موجودگی کو پسند نہیں کرتے تھے۔ لیکن رفتہ رفتہ جب حضرت علی کو خلافت کا طال جاتا رہا تو بالکل صفائی ہو گئی، چنانچہ حضرت عمر بڑی بڑی ہمت میں حضرت علی کے مشورے کے بغیر کام نہیں کرتے تھے۔ اور

۱۔ یہ تمام تفصیل کتاب تاریخ صفحہ ۲۵۱۲ میں ہے۔ ۲۔ بخاری کے پہلی الفاظ ہیں کہ اھیتۃ لم یحضر عمر

حضرت علی بھی نہایت دوستانہ اور مخلصانہ مشورہ دیتے تھے۔ نہادند کے مورکھ میں انکو سپہ سالار بھی بنانا چاہا تھا لیکن انھوں نے منظور نہیں کیا۔ بیت المقدس گئے۔ تو کاروبارِ خلافت انھی کے ہاتھ میں دیکر گئے۔ اتحاد اور یگانگت کا اخیر مرتبہ یہ تھا کہ حضرت علی نے حضرت ام کلثوم کو جو فاطمہ زہرا کے بطن سے تھیں انکے عقد میں دیدیا چنانچہ اسکی تفصیل آگے آتی ہے۔

اخلاق و عادات

تواضع و عادت

انکے اخلاق و عادات کے بیان میں، متوخن نے تواضع اور سادگی کا مستقل عنوان قائم کیا ہے اور درحقیقت، انکی عظمت و شان کے تاج پر سادگی کا طرہ نہایت خوشنما معلوم ہوتا ہے۔ انکی زندگی کی تصویر کا ایک رخ یہ ہے، کہ روم و شام پر فوجیں بھیج رہے ہیں، قصر و کسریٰ کے سفیر دن سے معاملہ پیش ہے، خالد و امیر معاویہ سے باز پرس ہے، سعد وقاص، ابو موسیٰ اشعری، عمر دین العاص کے نام احکام لکھے جا رہے ہیں۔ دوسرا رخ یہ کہ بدن پر بارہ پونڈ کا کرتہ ہے، سر پر بیٹا سا عمامہ ہے، پانوں میں پھٹی جوتیاں ہیں۔ پھر اس حالت میں یا تو کاندھے پر شک لئے جا رہے ہیں کہ بیوہ عورتوں کے گھر بانی بھرنے ہے۔ یا مسجد کے گوشے میں فرش خاک پر لیٹے ہیں اس لئے کہ کام کرتے کرتے تھک گئے ہیں اور نیند گئی پھسکی سی آگئی ہے۔

بارہا مکہ سے مدینہ تک سفر کیا لیکن خیمہ یا شامیانہ کبھی ساتھ نہیں رہا۔ جہان بھڑے کسی کسی درخت پر چادر ڈال دی اور اسی کے سایہ میں پڑ رہے، ابن سعد کی روایت ہے کہ انکا روزانہ خانگی خراج دو درہم تھا جسکے کم و بیش ۱۰ روپے ہوتے ہیں۔ ایک دفعہ احنف بن قیس دوسای عزا

کے ساتھ انکے ملنے کو گئے۔ دیکھا تو دامن چڑھائے اُدھر اُدھر دوڑتے پھرتے ہیں۔ احف کو دیکھ کر کہا اُو تم بھی میرا ساتھ دو، بیت المال کا ایک اونٹ بھاگ گیا ہے۔ تم جانتے ہو، ایک اونٹ میں کتنے غریبوں کا حق شامل ہے، ایک شخص نے کہا امیر المؤمنین! آپ کیون تکلیف اٹھاتے ہیں۔ کسی غلام کو حکم دیجئے وہ ڈھونڈ لایگا۔ فرمایا۔ اَیُّ عَبْدٍ اَعْبَدُ مَعِیَیَ یعنی ”مجھ سے بڑھ کر کون غلام ہو سکتا ہے۔“

موطا امام محمد میں روایت ہے کہ جب شام کا سفر کیا تو شہر کے قریب پہنچ کر قضای حاجت کے لئے سواری سے اُترے، اسلم انکا غلام بھی ساتھ تھا۔ فانغ ہو کر اُٹے تو (بھول کر یا کسی مصلحت سے) اسلم کے اونٹ پر سوار ہو گئے۔ اُدھر اہل شام استقبال کو آ رہے تھے، جوتا تھا پہلے اسلم کی طرف متوجہ ہوتا تھا۔ وہ حضرت عمر کی طرف اشارہ کرتا تھا، لوگوں کو تعجب ہوتا تھا اُو آپس میں (حیرت سے) سرگوشیاں کرتے تھے، حضرت عمر نے فرمایا کہ انکی نگاہیں شانِ شوکت ڈھونڈ رہی ہیں (وہ یہاں کہاں؟)

ایک دفعہ خطابہ میں کہا کہ صاحبو! ایک زمانے میں۔ میں اس قدر نادار تھا کہ لوگوں کو پانی بھر کر لادیا کرتا تھا وہ اُسکے صلے میں مجھ کو چھو بارے دیتے تھے وہی کھا کر سیر کرتا تھا، یہ کسکر ممبر سے اُترائے لوگوں کو تعجب ہوا کہ یہ ممبر پر کسے کی کیا بات تھی، فرمایا کہ میری طبیعت میں ذرا غرور آگیا تھا، یہ اُسکی دوا تھی۔

سلسلہ میں سفر جمع کیا اور یہ وہ زمانہ تھا کہ انکی سلطت و جبروت کا آفتاب، نصف النہار پر آگیا تھا۔ سعید بن المسیب جو ایک مشہور تابعی گذرے ہیں وہ بھی اس سفر میں شریک تھے۔

انکا بیان ہے کہ حضرت عمر جب اہل یمن پہنچے تو سگرزے سمیٹ کر اسپر کپڑا وال دیا، اور  
ایک تکیہ بنا کر فرش خاک پر لیٹ گئے، پھر آسمان کی طرف ہات اٹھائے اور کہا اے خدا! میرے  
عمر اب زیادہ ہو گئی۔ اور قویٰ کمزور ہو گئے۔ اب مجھ کو دنیا سے اٹھائے۔

اگرچہ خلافت کے افکار نے انکو خشک مزاج بنا دیا تھا۔ لیکن انکی مہی حالت نہ تھی۔ کبھی

زمرہ دلی

کبھی موقع ملتا تھا تو زمرہ دلی کے اشغال سے جی بہلاتے تھے۔ ایک دفعہ حضرت عبداللہ

بن عباس سے رات بھرا شمار پڑھوایا کئے، جب صبح ہونے لگی تو کہا کہ ”اب قرآن پڑھو“

محدث ابن جوزی نے سیرۃ العمرین میں لکھا ہے کہ ایک دفعہ رات کو گشت کر رہے تھے ایک

طرف سے کانے کی آواز آئی، ادھر متوجہ ہوئے اور دیر تک کھڑے سنتے رہے، ایک دفعہ سفر ج

میں حضرت عثمان، عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن زبیر و خیرہ ساتھ تھے۔ عبداللہ بن زبیر اپنے

ہم سنون کے ساتھ چمیل کرتے اور غفل کے دانے اچھالتے چلتے تھے، حضرت عمر صرف ہتھ

فرماتے تھے کہ دیکھو اونٹ بھڑکنے نہ پائیں۔ لوگوں نے رباع سے حدی گانے کی فرمائش کی

وہ حضرت عمر کے خیال سے رُکے، لیکن جب حضرت عمر نے کچھ ناراضی نہ ظاہر کی تو رباع

نے گانا شروع کیا، حضرت عمر بھی سنتے رہے، جب صبح ہو چلی تو فرمایا کہ ”بس اب خدا کے

ذکر کا وقت ہے“، ایک دفعہ سفر ج میں ایک سوار گاتا جاتا تھا۔ لوگوں نے حضرت عمر سے

کہا کہ آپ اسکو منع نہیں کرتے، فرمایا کہ ”گانا، شتر سواروں کا زاد راہ ہے“، خوات بن جیسر کا

بیان ہے کہ ”ایک دفعہ سفر میں، میں حضرت عمر کے ساتھ تھا، ابو عبیدہ اور عبدالرحمن بن عوف

بھی ہر کام کرتے، لوگوں نے مجھ سے فرمائش کی کہ ہزار کے اشعار کاؤ، حضرت عمرؓ نے فرمایا بستر پہن کر یہ خود اپنے اشعار گائیں، چنانچہ میں نے گانا شروع کیا اور ساری رات گاتا رہا۔

مزاج قدرتی طور پر نہایت تند تیز اور زود مشتعل واقع ہوا تھا۔ جاہلیت کے زمانے میں تو وہ قہر مجسم تھے۔ لیکن اسلام کے بعد بھی مدتوں تک اسکا اثر نہیں گیا۔

غزوہ بدر میں آنحضرتؐ نے فرمایا کہ مجھ کو معلوم ہے کہ کافروں نے بنو ہاشم کو مجبور کر کے اپنے ساتھ لیا، اور نہ وہ خود کسی نہ آتے، اس لئے اگر ابوالخثری، یا عباس وغیرہ کمین نظر آئیں تو انکو قتل نہ کرنا، ابوحنیفہ بول اٹھے کہ ہم اپنے باپ بیٹے، بھائی، سے درگزر نہیں کرتے تو بنو ہاشم میں کیا خصوصیت ہے۔ واللہ اگر عباس مجھ کو ہات آئینگے تو میں انکو تلوار کا فرہ چکھاؤں گا، آنحضرتؐ کو انکی یہ گستاخی ناگوار گذری، حضرت عمرؓ کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا۔ ابوحنیفہ! حضرت عمرؓ کی کفایت مٹی (دیکھتے ہو) غم رسولؐ کا چہرہ تلوار کے قابل ہے؟ حضرت عمرؓ آپ سے باہر ہو گئے اور کہا اجازت دیجئے کہ میں اسکا سر اڑا دوں، "حنیفہ بڑے رتبہ کے صحابی تھے اور یہ جملہ اتفاقیہ انکی زبان سے نکل گیا تھا۔ چنانچہ آنحضرتؐ نے ان سے کچھ مواخذہ نہیں کیا۔

مطلب بن مہدیؓ ایک معزز صحابی تھے، اور غزوہ بدر میں شریک رہے تھے۔ انھوں نے ایک دفعہ ایک ضرورت سے، کفار مکہ سے خفیہ خط و کتابت کی، یہ راز کھل گیا، حضرت عمرؓ براغزوہ نہ ہو کر آنحضرتؐ کے پاس پہنچے کہ یہ کافر ہو گیا، مجھ کو اجازت دیجئے کہ اسکو قتل کر دوں، آنحضرتؐ نے فرمایا ابن الخطابؓ! مجھ کو کیا معلوم ہے۔ خدا نے شاید اہل بدر سے کمدیا ہو کہ تم جو

مزاج کا نمونہ



چاہو کہ دین سب نعمات کر دوں گا۔ ذوالخویصرہ ایک شخص نے ایک دفعہ آنحضرت سے گستاخانہ کہا کہ محمد! عدل اختیار کر، حضرت عمرؓ سے بیتاب ہو گئے اور چاہا کہ اُسکو قتل کر دین۔ لیکن حضرت نے منع کیا۔ ان واقعات سے تمکو اندازہ ہو گا کہ کس طرح ہر موقع پر انکی تلوار نیام سے نکلی پڑتی تھی، اور کافر تو کا فر، خود مسلمانوں کے ساتھ انکا کیا سلوک تھا، لیکن اسلام کی برکت، اور عمر کے اعطاء، اور خلافت کی مہمات نے انکو رفتہ رفتہ نہایت نرم اور عظیم بنا دیا۔ یہاں تک کہ خلافت کے زمانے میں وہ کافروں کے ساتھ جس رحمدلی اور لطیف سے برتاؤ کرتے تھے، آج مسلمان سے مسلمان نہیں کرتے۔

آل و اولاد  
کے ساتھ  
محبت

انکی خانگی زندگی کے حالات کم معلوم ہیں، قرآن سے اس قدر ثابت ہے کہ وہ ازواج و اولاد کے بہت دلدادہ نہ تھے اور خصوصاً ازواج کے ساتھ انکو بالکل شغف نہ تھا جسکی وجہ زیادہ یہ تھی کہ وہ عورتوں کی جس قدر عزت کرنی چاہئے نہیں کرتے تھے۔ صحیح بخاریؒ میں اللباس میں خود انکا قول مذکور ہے کہ ہم لوگ، زمان جاہلیت میں عورتوں کو بالکل بیچ سمجھتے تھے۔ جب قرآن نازل ہوا اور اس میں عورتوں کا ذکر آیا تو ہم سمجھے کہ وہ بھی کوئی چیز ہیں۔ تاہم ہم انکو معاملات میں بالکل دخل نہیں دیتے تھے۔ اسی روایت میں ہے کہ ایک دفعہ انھوں نے اپنی بیوی کو سخت کہا، انھوں نے بھی برابر کا جواب دیا۔ اسپر کہا کہ اب تمہارا یہ رتبہ پہنچا۔ وہ بولیں کہ تمہاری بیٹی تو رسول اللہ سے دو بدو ایسی باتیں کرتی ہے۔

حضرت عمرؓ کی ایک بیوی حبیلہ تھیں انکے بطن سے عاصم پیدا ہوئے۔ عاصم ابھی منیر نہ ہی تھے کہ کسی وجہ سے حضرت عمرؓ نے انکو طلاق دیدی۔ یہ حضرت ابو بکرؓ کا زمانہ تھا، اور حضرت

عمر قبا سے جان پہلے رہا کرتے تھے۔ اٹھکڑہینے میں آگئے تھے۔ ایک دن اتفاق سے قبا کی طرف جانچے۔ عاصم، بچوں کے ساتھ کھیل رہے تھے، حضرت عمر نے انکو پکڑ کر اپنے گھوڑے پر بٹھایا اور ساتھ لیا ناپا جا۔ عاصم کی ماں کو خبر ہوئی، وہ ان کو فراہم ہوئیں کہ میرا لڑکا ہی میں اپنے ساتھ رکھوں گی، جھگڑا طویل کھنچا اور وہ حضرت ابوبکر کے ہاں فرادی آئیں حضرت ابوبکر نے، حضرت عمر کے خلاف فیصلہ کیا اور اس لئے وہ مجبور رہ گئے، یہ واقعہ موطا امام مالک وغیرہ میں مذکور ہے۔ ان واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ عورتوں کے ساتھ انکاح سلوک، محبت اور رحم کے اس پایہ پر نہ تھا جیسا اور بزرگوں کا تھا۔ اولاد اور اہل خاندان سے بھی انکو غیر معمولی محبت نہ تھی۔ البتہ زید سے جو حقیقی بھائی تھے نہایت الفت تھی چنانچہ جب وہ بیمار کی لڑائی میں شہید ہوئے تو بہت روئے اور سخت قلق ہوا۔ فرمایا کرتے تھے کہ جب بیمار کی طرف سے ہوا چلتی ہے تو مجھکو زید کی خوشبو آتی ہے۔ عرب کا مشہور مرثیہ گو شاعر متم بن نویرہ جب انکی خدمت میں آیا تو فرمایش کی کہ زید کا مرثیہ کہو، مجھکو تمہارا سا کہنا آتا تو میں خود کہتا۔۔۔

سکن

حضرت عمر نے جیسا کہ ہم پہلے حصے میں لکھ آئے، مکہ سے جب ہجرت کی تو عوالی میں اگر قیم ہوئے جو مدینہ منورہ سے ذوقین میل ہے۔ لیکن خلافت کے بعد غالباً وہاں کی سکونت بالکل چھوڑ دی اور شہر میں آ رہے۔ یہاں جس مکان میں وہ رہتے تھے وہ مسجد نبوی سے متصل، باب السلام اور باب الرحمہ کے بیچ میں واقع تھا۔ چونکہ مرنے کے وقت وصیت کی تھی کہ مکان بیکرا نکاح قرض ادا کیا جائے چنانچہ امیر معاویہ نے اُسکو خرید لیا اور زرقیت سے

قرض ادا کیا گیا اسلئے یہ مکان مدت تک دارالقنہ کے نام سے مشہور رہا۔

وسائلِ معاش  
تجارت

معاش کا اصلی ذریعہ تجارت تھا۔ چنانچہ صحیح بخاری میں ہے کہ حدیثِ استینان کے لاعلمی کا انھوں نے یہی عند کیا کہ میں خرید و فروخت میں مشغول ہونے کی وجہ سے آنحضرت کی خدمت میں کم حاضر ہوتا تھا۔ لیکن اور فتوحات بھی کبھی کبھی حاصل ہو جاتی تھیں۔ قاضی ابو یوسف نے کتاب الخراج میں لکھا ہے کہ رسول اللہ نے مدینہ میں پنچلہ ابو بکر و عمر کو جاگیریں عطا کیں۔ خیبر جب فتح ہوا تو آنحضرت نے تمام صحابہ کو جو معرکہ میں شریک تھے تقسیم کر دیا۔ حضرت عمر کے حصے میں جو زمین آئی اسکا نام شمع تھا اور وہ نہایت سیر حاصل زمین تھی۔ موتیخ بلادِ رومی نے لکھا ہے کہ آنحضرت نے خیبر کے تمام حصہ داروں کے نام، ایک کتاب میں قلمبند کر ادئے تھے، یہودی بنی حارثہ سے بھی انکو ایک زمین ہات آئی تھی اور اسکا نام بھی شمع تھا لیکن انھوں نے یہ دونوں زمینیں خدا کی راہ پر وقف کر دیں۔ خیبر کی زمین کے وقف کا واقعہ صحیح بخاری باب الشروط فی الوقف میں مذکور ہے، وقف میں جو شرطیں کیں یقیناً یہ زمین نیچے جائیگی۔ نہ ہیہ کی جائیگی۔ نہ وراثت میں منتقل ہوگی، جو کچھ اس سے حاصل ہوگا وہ فقرا۔ ذوی القربی۔ غلام، مسافر اور مہمان کا حق ہے۔

شاہدہ

خلافت کے چند برس بعد انھوں نے صحابہ کی خدمت میں مصارفِ ضروری کے لئے درخواست کی، اس پر حضرت علی کی رائے کے موافق اس قدر تنخواہ مقرر ہو گئی جو معمولی خورد

۱۵ دیکھو غلامۃ الوفار فی اخبار دارالمصطفیٰ مطبوعہ مصر صفحہ ۱۲۹ و ۱۷۹ و حاشیہ مولانا امام محمد صفحہ ۲۷۲۔ ۱۶

غلامۃ الوفار لفظ فتح۔

اور لباس کے لئے کافی ہو۔ سلسلہ میں جب تمام لوگوں کے روزیے مقرر ہوئے تو اوراکا پر صحابہ کے ساتھ انکے بھی پانچ ہزار درہم سالانہ مقرر ہو گئے۔

معلوم ہوتا ہے کہ مدینہ پہنچ کر اول اول، زراعت بھی کی تھی لیکن اس طرح کہ کھیت بٹائی پر دیر تیتے تھے تخم کبھی خود مینا کرتے تھے اور کبھی اسکا ہم پہنچانا بھی شریک کے ذمہ ہوتا تھا چنانچہ صحیح بخاری باب المزارعہ میں یہ واقعہ بتصریح مذکور ہے۔

غذا نہایت سادہ تھی، معمولاً روٹی اور روغن زیتون دسترخوان پر ہوتا تھا۔ روٹی اکثر گھون کی ہوتی تھی لیکن آنا چھانا نہیں جاتا تھا۔ عام اھط میں جو کا التزام کر لیا تھا۔ کبھی کبھی متعدد چیزیں دسترخوان پر ہوتی تھیں اور وہ یہ ہوتی تھیں گوشت، روغن زیتون، دودھ، ترکاری، سرکہ، سمان یا سفر آتے تھے تو کھانے کی انکو تکلیف ہوتی تھی کیونکہ وہ ایسی سادہ اور معمولی غذا کے عادی بنیں ہوتے تھے۔

لباس بھی معمولی ہوتا تھا۔ اکثر صرف قمیص پہنتے تھے۔ برنس ایک قسم کی ٹوپی تھی جو عیسائی درویش اور رھا کرتے تھے۔ مدینہ منورہ میں بھی اسکا رواج ہو چلا تھا چنانچہ حضرت عمرؓ بھی استعمال کرتے تھے۔ جوتی وہی عربی وضع کی ہوتی تھی جس میں تسمہ لگا ہوتا تھا۔

نہایت بے تکلفی اور سادگی سے رہتے تھے۔ کپڑوں میں اکثر بیوز ہوتا تھا۔ ایک دفعہ دیر تک گھر میں رہے، باہر آئے تو لوگ انتظار کر رہے تھے، معلوم ہوا کہ پہننے کو کپڑے نہ تھے اس لئے انھی کپڑوں کو دھو کر سوکھنے کو ڈال دیا تھا۔ خشک ہو گئے تو وہی پہنکر باہر نکلے۔

لیکن ان تمام باتوں سے یہ نہیں خیال کرنا چاہئے کہ وہ رہبانیت اور تقشف کو پسند کرتے تھے

زرعت

غذا

لباس

سادگی اور  
بے تکلفی

اس باب میں انکی رائے کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ ایک دفعہ ایک شخص جبکہ انھوں نے سین کا عامل مقرر کیا تھا اس صورت سے اُن سے ملنے کو آیا کہ لباس فاخرہ زیب بدن تھا اور باونین خوبیل پڑا ہوا تھا حضرت عمر نہایت ناراض ہوئے اور وہ کپڑے اتروا کر موٹا جھوٹا کپڑا پہنایا۔ دوسری دفعہ آیا تو پریشان ہو اور پھٹے پُرانے کپڑے پہن کر آیا۔ فرمایا کہ یہ بھی مقصود نہیں۔ آدمی کو نہ پرانہ ہو نہ نیا چاہیے نہ بیٹان جمانی چاہئیں۔“ حاصل یہ کہ وہ نہ بیہودہ تکلفات اور آرائش کو پسند کرتے تھے نہ راہبانہ زندگی کو اچھا سمجھتے تھے۔

حلیہ یہ تھا۔ رنگ گندم گون، قد نہایت لانا بیان تک کہ سیکڑوں ہزاروں اوسونکے مجمع میں کھڑے ہوتے تھے تو ان کا درجہ نکلا ہوتا تھا۔ خراب کم گوشت گھمن کی دھمی۔ پونھن بڑی بڑی سر کے بال سانپ سے اڑ گئے تھے۔ حضرت عمرؓ نے ہر صیفہ میں جو جو باتیں نئی ایجاد کیں انکو موحنین نے یکجا لکھا ہے اور انکو اولیات سے تعبیر کرتے ہیں چنانچہ ہم انکے حالات کو۔ ابھی اولیات کی تفصیل ختم کرتے ہیں کہ اول باخربستہ وارد۔

- (۱) بیت المال معنی خزانہ قائم کیا۔

- (۲) عدالتیں قائم کیں اور قاضی مقرر کئے۔

- (۳) تاریخ اور سنہ قائم کیا جو آج تک جاری ہے۔

- (۴) امیر المومنین کا لقب اختیار کیا۔

- (۵) فوجی دفتر ترتیب دیا۔

- (۶) والینٹیرون کی تنخواہ میں مقررہ کمین۔

۱۷۔ حسین کے اکثر اولیات کتاب لاو امل لانی طلال العسکری اور تاج طبری میں یکجا مذکور ہیں۔ باقی حصہ جسے موفوں سے یکجا کی گئی ہیں۔

- (۷) دفتر مال قائم کیا۔
- (۸) پیمائش جاری کی۔
- (۹) مردم شماری کرائی۔
- (۱۰) نہرین کھدوائیں۔
- (۱۱) شہر آباد کرائے یعنی کوفہ۔ بصرہ۔ جیزہ۔ فسطاط۔ موصل۔
- (۱۲) ممالک مقبوضہ کو صوبوں میں تقسیم کیا۔
- (۱۳) عشر یعنی دہائی مقرر کی (اسکی تفصیل صیغہ محاصل میں گذر چکی ہے)
- (۱۴) دریا کی پیداوار مثلاً عنبر وغیرہ پر محصول لگایا اور محصول مقرر کئے۔
- (۱۵) حربی تاجردن کو ملک میں آنے اور تجارت کرنے کی اجازت دی۔
- (۱۶) جیلانی نہ قائم کیا۔
- (۱۷) ذرہ کا استعمال کیا۔
- (۱۸) راتون کو گشت کر کے رعایا کے دریافت حال کا طریقہ نکالا۔
- (۱۹) پولیس کا محکمہ قائم کیا۔
- (۲۰) جابجا فوجی چھاؤنیاں قائم کیں۔
- (۲۱) گھوڑوں کی نسل میں اصل و نمٹنس کی تمیز قائم کی جو اس وقت تک عرب میں نہ تھی۔
- (۲۲) پرچہ نویس مقرر کئے۔
- (۲۳) مکہ منظر سے مدینہ منورہ تک مسافروں کی آرام کے لئے مکانات بنوائے۔

- (۲۴) راہ پر پڑے ہوئے بچوں کی پرورش اور پرداخت کے لئے روزینے مقرر کئے۔
- (۲۵) مختلف شہروں میں مہمان خانے تعمیر کرائے۔
- (۲۶) یہ قاعدہ قرار دیا کہ اہل عرب (گو کافر ہوں) غلام نہیں بنائے جاسکتے۔
- (۲۷) مفلوک الحال عیسائیوں اور یہودیوں کے روزینے مقرر کئے۔
- (۲۸) مکاتب قائم کئے۔
- (۲۹) معلمین اور مدرسوں کے مشاہرے مقرر کئے۔
- (۳۰) حضرت ابوبکر کو اصرار کے ساتھ قرآن مجید کی ترتیب پر آمادہ کیا اور اپنے ہتھام سے اس کام کو پورا کیا۔
- (۳۱) قیاس کا اصول قائم کیا۔
- (۳۲) فرائض میں عول کا مسئلہ ایجاد کیا۔
- (۳۳) فجر کی اذان میں الصلوٰۃ خیر من النوم اضافہ کیا چنانچہ موطا امام مالک میں اسکی تفصیل مذکور ہے۔
- (۳۴) نماز تراویح جماعت سے قائم کی۔
- (۳۵) تین طلاقوں کو جو ایک ساتھ دی جائیں طلاقِ بائن قرار دیا۔
- (۳۶) شراب کی حد کے لئے اسی کوڑے مقرر کئے۔
- (۳۷) تجارت کے گھوڑوں پر زکوٰۃ مقرر کی۔
- (۳۸) بنو تغلب کے عیسائیوں پر بجائے جزیہ کے زکوٰۃ مقرر کی۔
- (۳۹) دھن کا طریقہ ایجاد کیا۔
- (۴۰) نماز جنازہ میں چار تکبیروں پر تمام لوگوں کا اجماع کرا دیا۔

(۴۱) مساجد میں عطا کا طریقہ قائم کیا چنانچہ انکی اجازت سے تیم داری نئے وعظ کیا اور یہ اسلام میں پہلا وعظ تھا۔

(۴۲) اماموں اور وزڈنوں کی تنخواہیں مقرر کیں۔

(۴۳) مساجد میں راتوں کو روشنی کا انتظام کیا۔

(۴۴) بچو کھنے پر تفریح کی سہولت قائم کی۔

(۴۵) غزنیہ اشعار میں، عورتوں کے نام لینے سے منع کیا حالانکہ یہ طریقہ عرب میں مدتوں جاری تھا۔

انکے سوا اور بہت سی انکی ادبیات ہیں۔ جنکو ہم طوالت کے خوف سے قلم انداز کرتے ہیں۔

## ازواج و اولاد

حضرت عمرؓ نے جاہلیت و اسلام میں متعدد نکاح کئے، پہلا نکاح عثمان بن مظعون کی بہن زینب کے ساتھ ہوا۔ عثمان بن مظعون سابقین صحابہ میں تھے، یعنی اسلام لانیوالوں میں انکا چودھواں نمبر تھا۔ سہ ماہ میں وفات پائی اور جناب رسول اللہؐ کو انکی وفات کا اس قدر صدمہ ہوا کہ آپؐ انکے لاشہ کو بوسہ دیتے تھے۔ اور بے اختیار روتے جاتے تھے۔ عثمان کے دوسرے بھائی قتادہ بھی اکابر صحابہ میں سے تھے۔ زینب مسلمان ہو کر مکہ معظمہ میں مریں، حضرت عبد اللہ اور حضرت حفصہؓ انھی کے بطن سے ہیں۔

ازواج

دوسری بیوی قرینہ بنت ابی مہیہ المخزومی تھیں جو آنحضرتؐ کی زوجہ مبارک ام سلمہؓ کی بہن تھیں، چونکہ یہ اسلام نہیں لائیں اور مشرکہ عورت سے نکاح جائز نہیں، اس لئے صلح حدیبیہ کے بعد مکہ میں انکو طلاق دیدی۔

تیسری بیوی ملیکہ بنت جبرول الخزاعی تھیں۔ انکو ام کلثومؓ بھی کہتے ہیں، یہ بھی اسلام نہیں لائیں۔



اور اسوجہ سے سٹہ میں انکو بھی طلاق دیدی۔ عبد اللہ انہی کے بطن سے ہیں۔

زینب اور قریبہ قریش کے خاندان سے۔ اور ملیکہ۔ خراۃ کے جمیلہ سے تھیں، مدنیہ منورہ میں اگر انصار میں قرابت پیدا کی، یعنی سٹہ میں عاصم بن ثابت بن ابی الافتح جو ایک معزز انصاری تھے اور غزوہ بدر میں شریک رہے تھے، انکی بیٹی جمیلہ سے نکاح کیا۔ جمیلہ کا نام پہلے عاصیہ تھا۔ جب وہ اسلام لائیں تو آنحضرت نے بدل کر جمیلہ نام رکھا۔ لیکن انکو بھی کسی وجہ سے طلاق دیدی۔ اخیر عمر میں انکو خیال ہوا کہ خاندان نبوت سے تعلق پیدا کرین جو فرید شرف اور برکت کا سبب تھا۔ چنانچہ جناب امیر سے، حضرت ام کلثوم کے لئے درخواست کی، جناب مدوح نے پہلے ام کلثوم کی صغریٰ کے سبب سے انکار کیا۔ لیکن جب حضرت عمر نے زیادہ تمنا ظاہر کی اور کہا کہ اس سے مجھکو حصول شرف مقصود ہے، تو جناب امیر نے منظور فرمایا اور سٹہ میں نہ ہرگز نہ ہرگز نکاح ہوا۔

۱۱۔ حضرت ام کلثوم بنت عامر کی تزویج کا واقعہ تمام مسند متروخون نے تفصیل لکھا ہے، علامہ طبری نے تاریخ کبیر میں، ابن جہان نے کتاب النقاۃ میں، ابن قتیبہ نے معارف میں، ابن اثیر نے کمال میں قریح کے ساتھ لکھا ہے کہ ام کلثوم بنت عامر زہراء حضرت عمر کی زوجہ تھیں۔ ایک دوسری ام کلثوم بھی انکی زوجہ تھیں لیکن ان دونوں میں متروخون نے صاف تفریق کی ہے، علامہ طبری و ابن جہان و ابن قتیبہ کی تصریحات خود میری نظر سے گذری ہیں اور انہیں بڑھکرتاریخ دافعات کے لئے اور کیا سند ہو سکتی ہے، میں وہ خاص عبارتیں اس موقع پر نقل کرتا ہوں۔ ثقاف بن حنان ذکر خلاۃ عمر و دافعات مشہور ہیں، ثم تزوج عمار کلثوم بنت علی بن ابی طالب ہی من فاطمة ودخل بها فی شہر ذی القعدۃ معارف ابن قتیبہ ذکر اولاد عمر میں ہے و فاطمة وزید اوامہما ام کلثوم بنت علی بن ابی طالب من فاطمة بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسرافہ فی احوال الصحابہ لابن الاثیر میں جہان حضرت ام کلثوم کا حال لکھا ہے تفصیل کے ساتھ انکی تزویج کا واقعہ نقل کیا ہے۔ بیحد طبری نے بھی کہا تھا کہ ام کلثوم کی بے جھکوتوں کے خوف سے قلم انداز کرتے ہیں۔ سب سے بڑھکریہ کہ معین بخاری میں ایک معنی موقع پر۔ حضرت ام کلثوم کا ذکر کیا ہے جسکا واقعہ یہ ہے کہ حضرت عمر نے ایک دفعہ عورتوں کو چادرین تقسیم کیں۔ ایک بیچ ہی۔ اسکی نسبت انکو تزداد تھا کہ اسکو دیجاے۔ ایک شخص نے ان سے مخاطب ہو کر کہا کیا امیر المؤمنین اعطی هذا بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عندک یریدون ام کلثوم۔ صحیح بخاری باب الحجاب و مطبوعہ میرٹھ صفحہ ۲۰۳) میں صاف تصریح ہے کہ ام کلثوم جو حضرت عمر کی زوجہ تھیں خاندان نبوت سے تھیں۔

حضرت عمرؓ کے اور بیویاں بھی تھیں، یعنی ام کلثوم بنت الحارث بن ہشام المخزومی نیکیتہ مینتہ عاتکہ بنت زید بن عمرو بن نفیل۔ عاتکہ حضرت عمرؓ کی چھری بہن تھیں، انکا نکاح پہلے حضرت ابو بکرؓ کے فرزند عبداللہؓ سے ہوا تھا، اور چونکہ عاتکہ نہایت خوبصورت تھیں، عبداللہ انکو بہت چاہتے تھے عبداللہؓ غزوہ طائف میں شہید ہو گئے۔ عاتکہ نے انکا نہایت درد انگیز مرنیہ لکھا جسکا ایک شعر یہ ہے:

فَالَيْتُ لَا تَفَلَّتْ عَيْنِي حَزِينَةً عَلَيْكَ وَلَا يَنْفَكْ جِلْدِي آعْبَدَا

میں نے تم کھائی ہے کہ مسیری آکھ ہمیشہ تیرے اور نگین رہیگی، اور بدن خاک آلودہ رہیگا،

حضرت عمرؓ نے سترہمین اُسے نکاح کیا۔ دعوتِ ولیمہ میں حضرت علیؓ بھی شریک تھے۔

حضرت عمرؓ کے اولاد کثرت سے ہوئی جن میں سے حضرت حفصہؓ اس لئے زیادہ تمارا ہیں کہ وہ ازواجِ مطہرات میں داخل ہیں۔ انکا نکاح پہلے خنیس بن خذافہ کے ساتھ ہوا تھا جو ہاجرین صحابہ میں سے تھے۔ خنیس جب غزوہ احد میں شہید ہوئے تو وہ سترہمین جناب رسول اللہؐ کے عقد میں آئیں، اُن سے بہت سی حدیثیں مروی ہیں، اور بہت سے صحابہ نے اُن سے حدیثیں روایت کی ہیں۔ سترہمین ۶۳ برس کی عمر پا کر انتقال کیا۔

اولاد ذکر کے بنام ہیں، عبداللہؓ، عبید اللہؓ، عاصم۔ ابو شحمہ عبدالرحمن۔ زید۔ مجیر۔ ان میں تین سابق الذکر زیادہ نامور ہیں، حضرت عبداللہؓ فقہ و حدیث کے بڑے رکن مانے جاتے ہیں۔ بخاری و مسلم میں اُنکے مسائل، اور روایتیں کثرت سے مذکور ہیں، وہ حضرت عمرؓ کے ساتھ مکہ میں اسلام لائے، اور اکثر غزوات میں آنحضرتؐ کے ہمراہ رہے۔ علامہ ذہبی نے تذکرۃ المعافا میں، اور ابن خلکان نے دنیات الایمان میں انکا حال تفصیل کے ساتھ لکھا ہے، جس سے اُنکے

اولاد ذکر۔

عبداللہؓ

علم و فضل اور زہد و تقدس کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ علم و فضل کے علاوہ حق گوئی میں نہایت مباح تھے، ایک دفعہ حجاج بن یوسف کعبہ میں خطبہ پڑھ رہا تھا، عین اسی حالت میں انھوں نے کھڑے ہو کر کہا، ”خدا کا دشمن ہے کیونکہ اس نے خدا کے دو ستون کو قتل کیا ہے،“ چنانچہ اسی کے انتقام میں حجاج نے ایک آدمی کو متعین کیا جس نے انکو مسموم آلہ سے زخمی کیا اور اسی زخم سے بیمار ہو کر وفات پائی، علامہ ذہبی نے لکھا ہے کہ جب حضرت علیؓ اور امیر معاویہؓ نے اپنا معاملہ علم کے ہاتھ میں دیا تو لوگوں نے حضرت عبداللہؓ سے اکر کہا کہ تمام مسلمان آپ کی خلافت پر راضی ہیں آپ آمادہ ہو جائے تو ہم لوگ آپ کے ہاتھ پر بیعت کر لیں۔“ انھوں نے انکار کیا اور کہا کہ میں مسلمانوں کے خون سے خلافت کو خریدنا نہیں چاہتا۔

سالم بن عبد اللہ

حضرت عبداللہؓ کے بیٹے سالمؓ فقہائے سبعہ یعنی مدینہ منورہ کے اُن سات فقہاء میں محسوب ہیں جن پر حدیث و فقہ کا مدار تھا اور جبکہ فتوے کے بغیر، کوئی قاضی فیصلہ کرنے کا مجاز نہ تھا۔ سالمؓ کے علاوہ باقی چھ فقہاء کے یہ نام ہیں، خارجہ بن زید، عروہ بن الزبیر، سلیمان بن یسار، عبید اللہ بن عبداللہ، سعید بن مسیب، قاسم بن محمد۔

یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ تمام محدثین کے نزدیک، حدیث کے دو سلسلے سب سے زیادہ مستند ہیں، اور محدثین اس سلسلے کو زنجیر زکریا کہتے ہیں۔ یعنی اول۔ وہ حدیث جسکی روایت کے سلسلے میں امام مالک، نافع عبداللہ بن عمر ہون دوسری وہ حدیث جسکے سلسلے میں زہری، سالم اور عبداللہ بن عمر واقع ہوں، امام مالک اور زہری کے سوا باقی تمام لوگ حضرت عمرؓ کے گھرانے کے ہیں۔ عبداللہ انکے بیٹے۔ اور سالم پوتے۔ اور نافع غلام تھے۔

حضرت عمر کے دوسرے بیٹے عبید اللہ تجارت اور پہلوانی میں مشہور ہیں۔  
تیسرے بیٹے عاصم، نہایت پاکیزہ نفس اور عالم و فاضل تھے۔ سترہ میں جب انھوں نے  
انتقال کیا تو حضرت عبداللہ بن عمر نے ان کا مراثیہ لکھا جس کا ایک شعر یہ ہے۔

فَلَيْتَ الْمَنَّا يَا كُنَّ خَلْفَنَ عَاصِمًا      فَعِشْنَا جَمِيعًا اَوْ ذَهَبْنَا مَعًا

کاش موت۔ عاصم کو چھوڑ جاتی تاکہ ہم سب ساتھ رہتے۔ یا بچنا نہ تھا تو سب کو بچانی

عاصم نہایت بلند قامت اور جسیم تھے۔ اور شعر خوب کہتے تھے، چنانچہ اہل ادب کا قول ہے  
کہ ”ہر شاعر کو کچھ نہ کچھ وہ الفاظ بھی لانے پڑتے ہیں جو مقصود نہیں ہوتے لیکن عاصم اس سے  
مستثنیٰ ہیں۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز انھی کے نواسے تھے۔“

ابن قتیبہ نے کتاب المعارف میں حضرت عمر کے پوتوں پر دو تون، اور نواسوں کا  
حال بھی لکھا ہے لیکن ہم اختصار کے لحاظ سے قلم انداز کرتے ہیں۔

۱۰ حضرت عمر کے ازواج و اولاد کا حال میں نے اسد الغابۃ کتاب المعارف۔ ابن خلکان، کامل بن الاثیر۔ اور

فتح البیت سے لکھا ہے۔

## حسامتہ

لَيْسَ لِلَّهِ مِثْلٌ شَيْءٍ ۖ إِنَّكَ حَمِيدٌ مَّبْتَدِئٌ ۚ  
لَيْسَ لِلَّهِ مِثْلٌ شَيْءٍ ۖ إِنَّكَ حَمِيدٌ مَّبْتَدِئٌ ۚ

مذہب کی قدرت سے یہ کیا بعید ہے؟ کہ تمام عالم ایک فرد میں سما جائے

حضرت عمر کے سوانح اور حالات تفصیل کے ساتھ اور اس صحت کے ساتھ لکھے جاپکے جو تاریخی تصنیف کی صحت کی اخیر حد ہے، دنیا میں اور جس قدر بڑے بڑے نامور گذرے ہیں، ان کی فصل سوانح عمریان پہلے سے موجود ہیں، یہ دونوں چیزیں اب تمہارے سامنے ہیں اور تم کو اس بات کے فیصلہ کرنے کا موقع ہے کہ تمام دنیا میں حضرت عمر کا کوئی ہمایہ گذر ہے یا نہیں؟

قانون فطرت کے نکتہ شناس جانتے ہیں کہ فضائل انسانی کی مختلف انواع ہیں، اور ہر فضیلت کا جدار استہ ہے۔ ممکن بلکہ کثیر الوقوع ہے کہ ایک شخص ایک فضیلت کے لحاظ سے تمام دنیا میں اپنا جواب نہیں رکھتا تھا، لیکن اور فضائل سے اس کو بہت کم حصہ ملا تھا۔ سکندر بے بڑا فلاح تھا لیکن حکیم نہ تھا۔ ارسطو حکیم تھا لیکن کشورستان نہ تھا۔ بڑے بڑے کمالات ایک طرف۔ چھوٹی چھوٹی فضیلتیں بھی ایک شخص میں مشکل سے جمع ہوتی ہیں۔ بہت سے نامور گذرے ہیں جو بہادر تھے لیکن پاکیزہ اخلاق نہ تھے، بہت سے پاکیزہ اخلاق تھے لیکن صاحب تدبیر نہ تھے، بہت سے دونوں کے جامع تھے لیکن علم و فضل سے بے برہ تھے۔

اب حضرت عمر کے حالات اور ان کی مختلف حیثیتوں پر نظر ڈالو، صاف نظر آئے گا

کہ وہ سکندر بھی تھے اور ارسطو بھی، مسیح بھی تھے اور سلیمان بھی، تیمور بھی تھے اور نذیر بھی، امام ابو حنیفہ بھی تھے اور ابراہیم ادہم بھی۔

سب سے پہلے حکمرانی اور کشورستانی کی حیثیت کو تو دنیا میں جس قدر حکمران گزرے ہیں ہر ایک کی حکومت کی تہمین کوئی نہ کوئی مشہور مدبر یا سپہ سالار معنی تھا۔ یہاں بت کہ اگر اتفاق سے وہ مدبر یا سپہ سالار نہ رہا تو دفعۃً فتوحات بھی رک گئیں یا نظام حکومت کا ڈھانچہ بگڑ گیا۔

سکندر ہر موقع پر ارسطو کی ہدایتوں کا سہارا لیکر چلتا تھا۔ اکبر کے پردیس میں ابو الفضل اور نوڈل کام کرتے تھے۔ عباسیہ کی عظمت و شان براۓ کہ دم سے تھی۔ لیکن حضرت عمر کو صرف اپنے دست و بازو کا بل تھا۔ خالد کی عجیب و غریب معرکہ آرائیوں کو دیکھ کر لوگوں کو خیال پیدا ہو گیا تھا کہ فتح و ظفر کی کلید انھی کے ہاتھ میں ہے۔ لیکن جب حضرت عمر نے انکو معزول کر دیا تو کسی کو احساس تک نہوا کہ کل میں سے کونسا پُرزہ نکل گیا ہے؟ سعد و قاص فلح ایران کی نسبت بھی لوگوں کو اسی قسم کا وہم پیدا ہو چلا تھا وہ بھی الگ کر دیے گئے اور کسی کے کان پر جوں بھی نہ چلی۔ یہ سچ ہے کہ حضرت عمر خود سارا کام نہیں کرتے تھے اور نہ کر سکتے تھے لیکن جن لوگوں سے کام لیتے تھے انہیں سے کسی کے پابند نہ تھے، وہ حکومت کی کل کو اس طرح چلاتے تھے کہ جس پُرزے کو جہان سے چاہا نکال لیا اور جہان چاہا لگا دیا، مصلحت ہوئی تو کسی پُرزے کو سرے سے نکال دیا اور ضرورت ہوئی تو نئے پُرزے تیار کر لئے۔

دنیا میں کوئی ایسا حکمران نہیں گذرا جسکو ملکی ضرورتوں کی وجہ سے، عدل و انصاف کی حدود سے تجاوز نہ کرنا پڑا ہو۔ نو شیروان کو، زمانہ عدل و انصاف کا پیغمبر تسلیم کرتا ہے لیکن اسکا دامن بھی اس دماغ سے پاک نہیں۔ بخلاف اسکے حضرت عمر کے تمام واقعات کو چھان ڈالو، اس قسم کی ایک نظیر بھی نہیں مل سکتی۔

دنیا کے اور مشہور سلاطین جن ممالک میں پیدا ہوئے، وہ ان مدت سے حکومت کے قواعد اور آئین قائم تھے۔ اور اس لیے ان سلاطین کو کوئی نئی بنیاد نہیں قائم کرنی پڑتی تھی۔ قدیم انتظامات یا خود کافی ہوتے تھے یا کچھ اضافہ کرنا پڑتا تھا۔ بخلاف اسکے حضرت عمر جس خاک سے پیدا ہوئے وہ ان چیزوں کے نام سے آشنا نہ تھی۔ خود حضرت عمر نے ۴۰ برس تک حکومت و سلطنت کا خواب بھی نہیں دیکھا تھا اور آغا و شباب تو اونٹوں کے چرانے میں گذرا تھا، ان حالات کے ساتھ ایک وسیع مملکت قائم کرنی اور ہر قسم کے ملکی انتظامات مثلاً تقسیم صوبجات و اضلاع، انتظام محاصل، صیغہ عدالت، فوجداری اور پولیس۔ پبلک ورکس۔ تعلیمات۔ صیغہ فوج، کو اس قدر ترقی دینی اور انکے اصول اور ضابطے مقرر کرنے حضرت عمر کے سوا اور کس کا کام ہو سکتا تھا؟۔

تمام دنیا کی تاریخ میں کوئی ایسا حکمران دکھا سکتے ہو؟ جسکی معاشرت یہ ہو کہ نقیص میں دس دس پوند لگے ہوں، کاندھے پر مشک رکھ کر غریب عورتوں کے ہان پانی بھرتا ہو۔ فرش خاک پر پڑ رہتا ہو۔ بازاروں میں پڑا پھرتا ہو۔ جہاں جاتا ہو حبریدہ

وتنہا چلا جاتا ہو، اونٹوں کے بدن پر اپنے ہات سے تیل ملتا ہو، درود دربار نقیب و چادش حشم و خدم، کے نام سے آشنا ہو، اور پھر یہ رعب و داب ہو کہ عرب و عجم اسکے نام سے لڑتے ہوں اور جس طرف مُنح کرتا ہو زمین دہل جاتی ہو۔ سکندر و عمویس میں ہزار فوج رکاب میں لے کر نکلتے تھے جب انکا رعب قائم ہوتا تھا۔ عمر فاروق کے سفرِ شام میں سواری کے ایک اونٹ کے سوا اور کچھ نہ تھا لیکن چار دن طرف غل پڑا ہوا تھا کہ مرکزِ عالم جنبش میں آگیا ہے۔

اب علمی حیثیت پر نظر ڈالو۔ صحابہ میں سے جن لوگوں نے خاص اس کام کو لیا تھا اور رات دن اسی شغل میں بسر کرتے تھے مثلاً حضرت عبداللہ بن عباسؓ زید بن ثابتؓ۔ ابو ہریرہؓ۔ عبداللہ بن عمرؓ عبداللہ بن مسعودؓ انکے مسائل اور اجتہادات کا حضرت عمرؓ کے مسائل اور اجتہادات سے موازنہ کرو، صاف مجتہد و مقلد کا فرق نظر آئیگا، زمانہ مابعد میں اسلامی علوم نے بے انتہا ترقی کی اور بڑے بڑے مجتہدین دائمہ من پیدا ہوئے مثلاً امام ابو حنیفہؒ۔ شافعیؒ۔ بخاریؒ۔ غزالیؒ۔ رازیؒ۔ لیکن انصاف سے دیکھو حضرت عمرؓ نے جس باب میں جو کچھ ارشاد کیا اُسپر کچھ اضافہ ہو سکا؟ مسئلہ قضا و قدر۔ تعظیم شعارِ اللہ۔ حیثیتِ نبوت۔ احکامِ شریعت کا عقلی یا نقلی ہونا۔ احادیث کا درجہ اعتبار۔ خبر احادیث کی قابلیتِ احتجاج۔ احکامِ خمس و غنیمت۔ یہ مسائل شروع اسلام سے آج تک محرکہ آرا رہے ہیں اورائمہ من نے ان کے متعلق ذہانت اور طباعی کا کوئی دقیقہ نہیں اٹھا رکھا، لیکن انصاف کی نگاہ سے دیکھو۔ حضرت عمرؓ نے ان مسائل کو جس طرح حل کیا تھا تحقیق



کا ایک قدم بھی اُس سے آگے بڑھ سکا؟ تمام ائمہ فن نے یا اُن کی پیروی کی یا انحراف کیا تو علانیہ غلطی کی۔

اخلاق کے لحاظ سے دیکھو تو انبیاء کے سوا اور کون شخص اُنکا ہمپایہ مل سکتا ہے؟

زہد و قناعت - تواضع و انکسار - خاکساری و سادگی - رہتی و حق پرستی - صبر و رضا - شکر و توکل - یہ اوصاف اُن میں جس کمال کے ساتھ پائے جاتے تھے کیا - لقمان ابراہیم ادھم - ابو بکر شبلی، معروف کرخی میں اس سے بڑھ کر پائے جاسکتے تھے؟

شاہ دلی اللہ صاحب نے حضرت عمر کی اس خصوصیت (یعنی جامعیت کمالات) کو نہایت خوبی سے بیان کیا ہے اور ہم اُسی پر اپنی کتاب کو ختم کرتے ہیں۔ وہ تحریر فرماتے ہیں۔

”سینۃ فاروق اعظم را بہتر لہ خانہ تصور کن کہ در ہاے مختلف دار و درہر درے صاحب کمالے نشستہ در یک در مثلاً سکندر و ذوالقرنین با نہمہ سلیقہ ملک گیری و جہان ستانی و جمع جیوش و برہم زدن اعداء و در دیگر نوشیروا۔۔۔ بآن ہمہ رفق ولین و رعیت پروری و

داؤ گسٹری (اگرچہ ذکر نوشیروان درمبحث فضائل حضرت  
 فاروق سوار ادب ست) و در دیگر امام ابوحنیفہ  
 یا امام مالکے بآن ہمہ قیام بہ علم فتویٰ و احکام و در  
 دیگر مرشد۔ مثل سیدی عبدالقادر جیلانی یا خواجہ  
 بہار الدین و در دیگر محدث۔ شہر وزن ابوہریرہ  
 و ابن عمر۔ و در دیگر حکمے مانند مولانا جلال الدین  
 رومی یا شیخ فرید الدین عطار و مردمان گرداگرد این خانہ  
 ایستادہ اند و ہر محتاجے حاجت خود را از صاحب فن  
 درخواست مینماید و کامیاب می گردد۔

شعبی ثنائی  
 مقام کشمیر  
 ۱۰۔ جولائی ۱۳۰۷ھ















